

ت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی کی شہرہ آفاق تالیف
”اظہار الحق“

کار دو ترجمہ اور شرح و تحقیق

جلد اول

شرح و تحقیق

محمد تقی عثمانی
استاذ دارالعلوم کراچی

مستحقه
نور
مکرم کراچی

سلام کراچی ۱۳۰۰

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۰۰	بیت اللہ میں	۱۶۸	۱ اور دوسرے حواری
۲۰۱	قسطنطنیہ کا پہلا سفر	۱۶۹	بیچ بحث
۲۰۲	اظہار الحق کی تصنیف	۱۷۰	کے مخالفین
۲۰۳	مدرسہ صولتہ کا قیام	۱۷۲	زمانے میں
۲۰۴	قسطنطنیہ کا دوسرا سفر	۱۷۳	تیسرا باب
۲۰۵	تیسرا سفر	۱۷۹	حضرت مولانا رحمت اللہ علیہ کی انوی
۲۰۶	سماجی خدمات	۱۸۰	اور واجہاد
۲۰۷	وفات	۱۸۱	
۲۰۸	تصانیف	۱۸۲	
۲۰۹	اظہار الحق کا تعارف	۱۸۳	
۲۱۰	اظہار الحق پر تبصرے	۱۸۴	
۲۱۱	لندن ٹائمرز	۱۸۵	حضرت
۲۱۲	شیخ باچہ جی زاوہ	۱۸۶	مکتبہ دار
۲۱۳	شیخ جزیری	۱۸۷	
۲۱۴	مدرسہ مصری	۱۸۸	
۲۱۵	سوق	۱۸۹	

نمبر ۵

اشاعت اول

تعداد ایک ہزار

طباعت جاوید

قیمت ۱۵/-

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۵۵	کلی میٹیس کا اعتراف		چوتھی فصل
۵۵۵	پیلی کا اعتراف		
۵۶۳	ایکبارن اور جرمی علماء کا اعتراف	۵۳۷	بائبل الہامی نہیں ہے!
۵۷۲	بائبل کے بارے میں مسلمانوں کے عقائد	"	اختلافات کی کثرت
۵۸۰	امام رازی کا قول	۵۳۸	اعتلاط کی کثرت
۵۸۰	امام تہطی کا ارشاد	"	تحریفات کی کثرت
۵۸۲	علامہ معتزلی کی رائے	"	عیسائیوں کا اعتراف
۵۸۲	صاحب کشف الظنون	۵۴۰	ہورن کا اعتراف
	(مرقیونی اور مانوی فرقے)	۵۴۲	الگزیدر کا اعتراف
۵۸۶	دومخالطے اور ان کا جواب	"	انسائیکلوپیڈیا کا اعتراف
۵۹۰	کلیمنس کے خط کی عبارت	۵۴۳	رئیں کی تحقیق
۵۹۸	اگناشس کے خطوط اور ان کی حقیقت	۵۴۴	واٹسن کا قول
۶۰۸	انجیل مرقس پطرس کے بعد لکھی گئی	۵۴۹	باسوبرلیا فان کا اعتراف
۶۱۰	پولس نے انجیل یوحنا کو نہیں دیکھا	۵۵۱	تورات کے بارے میں عیسائیوں کا اعتراف
		۵۵۴	یعقوب کا خط اور مکاشفہ یوحنا

توشیٹاک

منہجین منہجین منہجین منہجین

بالخصوص

کچھ حوالوں سے متعلق

(۱) مقدمہ اور حواشی میں بائبل کی کتابوں کا حوالہ اس طرح دیا گیا ہے کہ پہلے باب کا نمبر درج ہے اور اس کے سامنے آیات کا، مثلاً استثناء ۵: ۱۳ کا مطلب کتاب استثناء کے پانچویں باب کی تیسری آیت، اسی طرح ۵/۱۳ کا مطلب بھی یہی ہوگا۔

(۲) حواشی یا مقدمے میں جہاں کہیں اس کتاب کی جلد دوم یا سوم کے صفحات کا حوالہ دیا گیا ہو اس میں سلسلہ وار صفحات کے نمبر مراد ہیں جو دوسری اور تیسری جلد میں صفحے کے نیچے ڈالے گئے ہیں۔

(۳) تیسری جلد کے آخر میں پوری کتاب کا مکمل اشاریہ (INDEX) شامل ہے، اور جن ناموں کا تعارف حواشی میں کرایا گیا ہے ان کے ساتھ متعلقہ صفحے کے اوپر ت کی علامت بنادی گئی ہے، لہذا اگر کتاب میں کسی جگہ کسی نام کا تعارف حاشیے پر نہ ملے تو اشاریہ کی طرف رجوع فرمائیں، ہو سکتا ہے کہ اس کا تعارف دوسری جگہ کرایا گیا ہو۔

(۴) تیسری جلد میں اشاریہ کے علاوہ ان اصطلاحات کی بھی مکمل فہرست دیدی گئی ہے جن کی تشریح مقدمے یا حواشی میں موجود ہے، لہذا اگر کتاب میں استعمال ہونے والا کسی اصطلاح کی تعریف دیکھنی ہو تو اس فہرست کی طرف رجوع فرمائیے۔

(۵) بائبل کے جن نسخوں کا حوالہ دیا گیا ہے ان کی تفصیل حرف آغاز میں دیجئے۔

بین بین بین بین بین بین

بایبلیک
۱۵/-
بیترا

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

پیش لفظ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، صدر دارالعلوم کراچی

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَكَفَى وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِہِ الَّذِينَ اصْطَفٰ

چند سالوں سے عالم اسلام ایک بار پھر عیسائی مشنریوں کا خاص ہدف بنا ہوا ہے، خاص طور سے پاک فہند کے علاقے میں ان کی سرگرمیاں روز بروز بڑھتی جاتی ہیں، گاؤں گاؤں اور شہر شہر میں ان کا گمراہ کن لٹریچر بڑے شد و مد کے ساتھ پھیل رہا ہے، رومن کیتھولک چرچ نے اپنی ۱۹۵۷ء کی رپورٹ میں لکھا ہے کہ:

”مسلمانوں کو عیسائی بنانے میں سب سے زیادہ شاندار کامیابی پاکستان میں حاصل ہوئی ہے“
 کے بعد سے ہمارے یہاں عیسائی مشنریوں کی جراتیں اس حد تک بڑھ گئی ہیں کہ وہ صرف تبلیغ پر اکتفا نہیں کرتیں، بلکہ رسالتِ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی نام کے خلاف تمسخر آمیز گھناؤنے کلمات استعمال کرنے سے بھی نہیں جھجکتیں۔۔۔

کلیسا کے زیادہ ان کے مشنری اسکول اور مشنری ہسپتال اس کام کے لئے وقف ہیں، اگر مسلمان عیسائی مذہب کی اصل حقیقت سے واقف ہوتے تو یہ صورتِ حال چنداں تشویشناک نہ تھی، عیسائی حضرات کو خود بخود یہ معلوم ہو جاتا کہ شیشے کے مکان میں بیٹھ کر دوسروں کا مخصوص خیال کیا ہوتا ہے؟ لیکن افسوس یہ ہے کہ ہمارے نہ صرف عوام بلکہ تعلیم یافتہ نسل دونوں کی تعلیمات سے بڑی حد تک بے خبر ہیں، اور عیسائی

حضرات کی طرف سے جو باتیں پیش کی جاتی ہیں وہ ان کی حقیقت سے ناواقف رہتے ہیں،
ان حالات میں اس بات کی ضرورت عرصے سے محسوس کی جا رہی تھی کہ عیسائیت کے بارے میں
ایسا لٹریچر زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچایا جائے جو عیسائی مذہب کے صحیح فہم و خیال سے لوگوں کو واقف
کرا سکے، اور جن کے ذریعہ ایک حقیقت پسند انسان اسلام اور عیسائیت کا منصفانہ موازنہ کر کے اپنی
راہ عمل علی وجہ البصیرہ متعین کر سکے، لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيِيَ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ !

آج سے کم و بیش سو سال پہلے بھی ہندوستان پر عیسائی مشنریوں کا طوفان مسلط ہوا تھا، اُس
وقت یہ فتنہ آج سے کہیں زیادہ شدید تھا، اور اس کو توپ اور بندوق کی پشت پناہی بھی حاصل تھی،
اُس زمانے میں اللہ تعالیٰ نے اس فتنے کی مقاومت کے لئے علماء حق کی ایک بڑی جماعت کو کھڑا کر دیا تھا
جس نے اپنی جان پر کھیل کر اس فتنے کا مقابلہ کیا، اور دلیل و حجت کے ہر میدان میں عیسائیت کو شکست
فاش و کمریہ ثابت کر دیا کہ اسلام اور علماء اسلام وقت کے ہر چیلنج کو قبول کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں،
ان علماء حق میں سے حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی (متوفی ۱۳۰۸ھ) جناب ڈاکٹر
وزیر خان صاحب مرحوم، مولانا سید آل حسن (متوفی ۱۳۰۶ھ) حضرت حاجی امجد اللہ صاحب مہاجر کی
(متوفی ۱۳۱۰ھ) حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی (متوفی ۱۳۰۹ھ)، مولانا شرف الحق صاحب
صدیقی (متوفی ۱۳۵۴ھ)، مولانا محمد علی صاحب مونگیری (متوفی ۱۳۶۳ھ)، مولانا سید امیر حسن،
مولانا سید عبدالباری صاحب (متوفی ۱۳۰۳ھ)، مولانا سید ابوالمنصور ناصر علی صاحب (متوفی ۱۳۲۰ھ)
کے اسمائے گرامی بطور خاص قابل ذکر ہیں،

اردو کے مشہور شاعر جناب سید الطائف حسین صاحب حالی ان حالات کا تذکرہ اس طرح کرتے ہیں:-

ہندوستان میں اسلام خطروں میں گھرا ہوا تھا، ایک طرف مشنری گھات میں لگے ہوئے تھے، اگرچہ
قسط کے دوران میں ان کو دہلا پتلا شکار پیٹ بھرا تو مل جاتا تھا، مگر وہ اس پر قانع نہ تھے، اب ہمیشہ
صید قربہ کی تلاش میں رہتے تھے، ہندوستان میں سب سے زیادہ دائرہ
اس لئے اُن کے منادیوں میں، اُن کے اخباروں اور اُن کے رسالہ جاوید

پر ہوتی تھی، اسلام کی تعلیم کی طرح طرح سے برائیاں ظاہر کرتے تھے، بانی اسلام کے اخلاق و عادات پر انواع و اقسام کی تکتہ چینیوں کرتے تھے، چنانچہ بہت مسلمان کچھ ناواقفیت اور بے علمی کے سبب اور اکثر افلاس کے سبب ان کے دام میں آگئے، اس خطرہ سے بلاشبہ علمائے اسلام (شکراً اللہ مساعیہم) جیسے مولانا آل حسن، مولانا رحمت اللہ مرحوم اور ڈاکٹر وزیر خاں وغیرہ متنبہ ہوئے، انھوں نے متعدد کتابیں لکھیں اور ان سے بالمشافہ مناظرے کئے، جس سے یقیناً مسلمانوں کو بہت فائدہ پہنچا۔
(بحوالہ فرنگیوں کا جال، ص ۱۲۲)

ان حضرات نے بغیر کسی ظاہری امداد کے اپنے آپ کو اس کام کے لئے وقف کیا ہوا تھا، اور حکومت کی نگاہوں میں کانتوں کی طرح کھٹکنے کے باوجود اپنی انتھک کادشوں سے ہندوستان کے طول و عرض میں عیسائی مشنریوں کا مقابلہ کرنے کے لئے سرفروش علماء کی ایک بڑی جماعت پیدا کر لی تھی، جو ہر علاقہ میں عیسائی پادریوں کی راہ میں موثر رکاوٹ بنے ہوئے تھے، اس بات کا اندازہ خود عیسائی حضرات کی بعض تحریروں سے ہوتا ہے، پادری فریچ انچارج ضلع ملتان لکھتے ہیں:

”ملتان کے ملا، سید اور مخدوم سب اس بات کے لئے کوشش کرتے تھے کہ خدا کی روشنی (دین) کو داخل نہ ہونے دیں، یہ دو مشہور شخصوں یعنی مولوی رحمت اللہ اور ڈاکٹر وزیر خان کا جھوٹا اسلام کا طرفدار ہو کر ڈاکٹر فائدہ سے مباحثہ کیا تھا، دوست تھا (صلیب کے علمبردار، ص ۵۳)

دہلی مشنری کے انچارج مسٹر لیفرائے کی رپورٹ میں ہے:

”ایک دفعہ وہ سہ پہر کے وقت بازار میں منادی کے لئے گیا، اور رات ہو گئی، کیونکہ بحث چھڑ گئی، ایک مسلمان مولوی (مولانا شرف الحق) نے بائبل کے اختلاف بیان پر اعتراض کیا، اور حوالے ڈھونڈنے لگا، بازاری لیمپ کی روشنی نہایت مدھم تھی، کہنے لگا روشنی کم ہے، دکھائی نہیں دیتا لیفرائے نے کہا کہ اگر یہاں روشنی کم ہے تو کیوں ایسی جگہ بحث نہیں کرتے جہاں روشنی کا انتظام ہو سکے، اس پر یہ فیصلہ ہوا کہ مسجد کے اندر بحث ہو، یوں لیفرائے... مسجد دل کے اندر جا کر انجیل کی بشارت دینے لگا، بازاری منادی میں اب لیفرائے کی سخت مخالفت ہوئی، بالخصوص ایک نابینا مولوی لیفرائے کا پیچھا نہ چھوڑتا۔“

(صلیب کے علمبردار، بحوالہ فرنگیوں کا جال، ص ۱۲۳)

پشاور کے علماء کی جدوجہد کا حال عیسائی اس طرح بیان کرتے ہیں :

”مسلمان ملا ہر وقت اس کو پیشکش میں رہتے کہ کسی نہ کسی طرح بازاری منادئی ہو، یہاں پتیل آتا وہاں ملالے آنا شروع کر دیا، اور اسلام پر وعظ کرنا شروع کر دیا، پتیل کو اس طرح دق کرتے“ (صلیب کے علمبردار بحوالہ مذکور)

اس کے علاوہ راجی، پٹنہ، بنارس، ہنم کٹہ، گلبرگہ، شعلہ پور، احمد نگر، حیدر آباد دکن، غرض جہاں جہاں عیسائی مشنریاں زور پکڑتیں علماء کی یہ مقدس جماعت ہر ممکن طریقے سے ان کی مدافعت کرتیں، زبانی تقریروں اور مباحثوں کے علاوہ تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی ان حضرات نے گراں قدر یادگاریں چھوڑیں، رذیعیسائیت ہی کو اپنا اصل موضوع بنا کر بہت سے اخبارات اور رسائل جاری کئے گئے، مغربی اقتدار کے بعد ہفت روزہ ”اردو اخبار“ (دہلی) ۱۸۴۳ء اسی مقصد کے تحت جاری ہوا تھا کہ انگریزوں اور عیسائی مشنریوں کی اصل حقیقت کو واضح کرے، اور اسی ”جرم“ کی کی سزا میں اس کے اڈیٹر مولانا باقتدر علی صاحب کو پھانسی دے کر شہید کیا گیا، رحمہ اللہ رحمت واسعہ۔ اس اخبار کے علاوہ ”سید الاخبار“ (دہلی) ۱۸۳۸ء، ”سراج الاخبار“ (دہلی) ۱۸۳۹ء، ”قطب الاخبار“ (آگرہ) ”نور علی نور“ (لڑھیانہ) ”امین الاخبار“ (الہ آباد) ”پنجابی اخبار“ (لاہور) ”رہبر ہند“ (لاہور) ”ناصر الاخبار“ (دہلی) ”ہمدرد خشاں“ (لکھنؤ) ”المستنصر“ (دہلی) ”جبل متین“ (ملکتہ) ”نور الاسلام“ (سیالکوٹ) ۱۸۹۰ء، ”منشور محمدی“ (بنگلور) ۱۸۸۰ء، بطور خاص قابل ذکر ہیں، نیز ماہنامہ ”حسن“ (حیدر آباد دکن) ۱۸۸۹ء، اور ”خیر الموعظ“ (دہلی) ۱۸۸۹ء وغیرہ رسالوں نے بھی اس خدمت میں نمایاں حصہ لیا،

ان حضرات نے عیسائیت کے موضوع پر جو علمی ورثہ اپنی تصانیف کی شکل میں چھوڑا، وہ بلاشبہ ہمارا گراں قدر سرمایہ ہے، اور اگر ہم اس کی ٹھیک ٹھیک حفاظت کر سکیں، تو عیسائی مذہب کے مقابلے کے لئے مزید کسی چیز کی ضرورت نہیں رہتی، لیکن موجودہ زمانے میں اس گراں قدر سرمایہ سے کماحقہ فائدہ اٹھانا عام مسلمانوں کے لئے چند در چند وجوہ کی بناء پر مشکل ہو گیا ہے، اول تو ان میں سے بیشتر کتابیں اب بالکل نایاب ہو چکی ہیں، اور کسی قیمت پر نہیں ملتیں،

پھر ان میں سے بہت سی کتابیں فارسی میں لکھی گئی ہیں، جو اُس وقت کی سرکاری زبان تھی، اور بعض کتابیں عربی میں بھی ہیں، تیسرے جو کتابیں اردو میں ہیں وہ بھی ستر سال پہلے کی زبان میں لکھی گئی ہیں، جب کہ اردو اپنے عہد طفولیت میں تھی،

عیسائیت کے بڑھتے ہوئے فتنے کے پیش نظر کئی باریہ خیال آیا کہ ان میں سے بعض کتابوں کو بعینہ یا ترجمہ کر کے شائع کیا جائے، جب انتخاب کا مرحلہ آیا تو ”اظہار الحق“ سے زیادہ موزوں کوئی کتاب نظر نہ آئی، حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ کی یہ عربی تصنیف اُن کی تمام عمر کی محنت اور کاوش کا پتھر ہے، اور بلاشبہ عیسائی مذہب پر سب سے زیادہ جامع، مستحکم، مدلل اور مبسوط کتاب ہے۔ دنیا کی چھ زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے اور اس نے پوری علمی دنیا سے زبردست خراج تحسین وصول کیا، اپنے اکابر کو بھی ہمیشہ اس کتاب کی تعریف میں رطب اللسان پایا،

چنانچہ اللہ کے نام پر اپنے دارالعلوم کے ایک محترم استاذ جناب مولانا اکبر علی صاحب اس کتاب کا ترجمہ کرنے کے لئے مقرر کیا گیا، موصوف نے مختصر مدت میں ترجمہ مکمل کر دیا، لیکن اس کے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ اس کتاب کا صرف ترجمہ کافی نہیں، اس کتاب میں جن انجیلوں اور عیسائی مذہب کی کتابوں کے حوالے ہیں اور جن شخصیتوں کا ذکر ہے اُن حوالوں کی تحقیق و تنقید موجودہ زمانے کی انجیلوں اور کتابوں سے، اور شخصیتوں کا کچھ تعارف کرانا ضروری ہے، اس کے بغیر اس کتاب کی افادیت بہت قہص رہے گی، اور اس کام کے لئے انگریزی میں کتابوں سے مدد لینا ناگزیر امر تھا،

اپنے دارالعلوم کے فضلاء میں برخوردار مولوی محمد تقی سلمہ مدرس دارالعلوم کراچی کو ما شاء اللہ انگریزی زبان میں بھی کافی مہارت حاصل ہے، اس لئے اب یہ کام ان کے سپرد کیا گیا، موصوف نے بڑی محنت و کاوش سے عیسائی لٹریچر کا گہرا مطالعہ کیا، اردو، فارسی، عربی، انگریزی زبانوں میں اس موضوع پر جو مواد فراہم ہو سکا اس کے ذریعہ اس کتاب کی تحقیق و تعلیق (ایڈٹ) کا کام بحمد اللہ بڑی خوبی کے ساتھ انجام دیا،

انھوں نے تقریباً چار سال کی عرق ریزی کے بعد صرف اس کی ترتیب تہذیب ہی نہیں کی، بلکہ اس پر تحقیقی حواشی کا اضافہ کر کے کتاب کی افادیت بہت بڑھادی، بائبل کی عبارتوں کی تخریج کر کے نسخوں کے اختلاف اور تازہ ترین تحریفات کو جمع کر دیا، عیسائی اصطلاحات اور مشاہیر کا تعارف لکھ دیا، بہت سے باخبر کی مراجعت کر کے ان کے ممکن حوالے دیدیئے، اور عصر حاضر میں عیسائی مذہب سے متعلق جو نئی تحقیقات ہوئی ہیں اُن کو ملاحظہ بھی اشاعت کر دیئے،

اس کے علاوہ شروع میں ایک مبسوط مقدمہ لکھ دیا، جو عیسائیت کے موضوع پر ایک مستقل تصنیف ہے، اور اس میں عیسائیت کے مکمل تعارف کے علاوہ اس مذہب کے بانی کے بارے میں جو تحقیقی بحث چھیڑی گئی ہے، وہ ایک فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہے، امید ہے کہ صرف اس کو پڑھ کر بھی عیسائی مذہب کی اصل حقیقت سامنے آسکے گی، اس طرح یہ کتاب احقر کے نزدیک عیسائی مذہب کے بارے میں بالکل کافی دانی ہو گئی ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے نافع اور لوگوں کے لئے ذریعہ ہدایت بنا۔ آمین

اس کتاب میں عیسائیت کے مختلف پہلوؤں پر قابل قدر مواد کا جو ذخیرہ جمع ہو گیا ہے، اب ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کی مدد سے چھوٹے چھوٹے رسائل عام فہم زبان و اسلوب اور عمدہ کتابت و طباعت کے ساتھ تیار کئے جائیں، کیونکہ جن حلقوں کو عیسائی مشنریوں نے اپنا خاص ہدف بنایا ہوا ہے، ان کے لئے اس ضخیم کتاب کا مطالعہ بہت مشکل ہے، ان کے لئے ابتداءً وہ مختصر رسالے ہی مفید ہو سکتے ہیں، جو عام فہم بھی ہوں، اور جنہیں وہ مختصر وقت میں پڑھ بھی سکیں، زیر نظر کتاب کا مقصد عوام سے زیادہ اہل علم و فکر حضرات کو عیسائیت کی ٹھوس معلومات مہیا کرنا ہے، تاکہ وہ جب ردِ عیسائیت کا کوئی کام کریں تو اس مذہب کے اعلیٰ وجہ البصیرۃ واقف ہوں، لہذا اب ہمارے اہل علم پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ وقت کی اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے آگے بڑھیں، اور دین حق کی خدمت کی سعادت حاصل کریں، — واللہ المستعان علیہ النکلان۔

بندہ محمد شفیع عفی اللہ
محرم ۱۳۸۸ھ



حرف آغاز

الحمد للہ! آج کتنے بڑے فریضے سے سبکدوش ہو رہا ہوں، اس کتاب کو قارئین کی خدمت میں پیش کرتے وقت میرا ہر رونگٹا بارگاہِ الہی میں سجدہ ریز ہے، اظہار الحق بلاشبہ اُن کتابوں میں سے ہے جو صدیوں تک انسانیت کی رہنمائی کرتی ہیں اور جن سے علم و تحقیق کی دنیا میں نئی راہیں کھلتی ہیں، اللہ تعالیٰ حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ پر اپنے فضل و رحمت کی بارشیں برسائے، یہ کتاب لکھ کر انھوں نے پوری امتِ اسلامیہ کو سر بلند کر دیا، اور زندگی کے بھٹکے ہوئے قافلوں کو حق و صواب کی منزل کا وہ راستہ دکھلا گئے، جس سے رُوگردانی کی جرات سوائے اس کے کوئی نہیں کر سکتا جسے بھٹکنے ہی میں مزا آتا ہو۔

عام طور سے ذہنوں میں تاثر یہ ہے کہ دینی علوم و فنون کے جس میدان میں ہمارے متقدمین جادہ پایا ہو گئے ہیں، بعد میں آنے والے تحقیق و تفتیش کے اعتبار سے اُن کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکے، یہ تاثر اپنی جگہ پر بالکل درست ہے، لیکن حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ

نے ”اظہار الحق“ تصنیف فرما کر اس کلمے میں استثناء پیدا کیا ہے، ”عیسائیت“ وہ موضوع ہے جس پر اُن سے پہلے بہت سے علماء نے لکھا، متقدمین کی بہت سی جامع کتابیں اس موضوع پر موجود ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اظہار الحق ان سب پر بھاری ہے،

راقم الحروف نے عیسائیت کے موضوع پر علامہ ابن حزمؒ، علامہ عبدالکریم شہرستانیؒ اور علامہ ابن قیم جوزیؒ کی تصانیف پڑھی ہیں، امام رازیؒ اور علامہ قسطلانیؒ کی تحریروں کا مطالعہ کرنے کا بھی موقع ملا ہے، لیکن ”اظہار الحق“ کو دیکھ کر بے ساختہ زبان پر یہ مصرعہ آ جاتا ہے:

کمر ترک الاول للآخر

اس حرکت ”الآراء“ کتاب نے علمی دنیا میں بلاشبہ ایک بلند مقام حاصل کیا، ترکی، فرانسیسی، انگریزی اور گجراتی میں اس کے ترجمے بار بار شائع ہوئے، اور انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا، لیکن ابھی تک اردو کا دامن اس دقیق علمی سرمایہ سے خالی تھا، اور اردو دان اہل علم اس کمی کو شدت کے ساتھ محسوس کرتے تھے،

آج سے کم و بیش نو سال پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا نور احمد صاحب دہلویؒ سابق ناظم اعلیٰ دارالعلوم کراچی کے دل میں اس کتاب کو اردو میں لانے کا داعیہ شدت کے ساتھ پیدا فرمایا، انھوں نے استاذ مکرم حضرت مولانا اکبر علی صاحب استاذ حدیث دارالعلوم کراچی سے فرمائش کی کہ اس کتاب کا اردو ترجمہ کر دیں، چنانچہ انھوں نے میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دہلویؒ کے ایسا پر اور ان کی نگرانی میں بنام حندایہ کام شروع کیا، مددگار کتابوں کے نہ ہونے کی وجہ سے حضرت مولانا دہلویؒ نے ترجمے میں محنت شاقہ اٹھائی، لیکن تقریباً چھ ماہ میں اُسے مکمل کر لیا،

جس زمانے میں حضرت استاذ مکرم یہ ترجمہ کر رہے تھے، مجھے وہم و گمان بھی نہ تھا

کہ اس کتاب کی خدمت میں میرا بھی کوئی حصہ لگ سکے گا، لیکن جب ترجمہ تیار ہوا تو حضرت والد صاحب مدظلہم وغیرہ کی رائے یہ ہوئی کہ یہ کتاب چونکہ ایک صدی پہلے لکھی گئی تھی، اس لئے اس پر ترتیب و تحقیق کے مزید کام کی ضرورت ہے، تاکہ یہ موجودہ ذوق کے مطابق منظر عام پر آئے، اس غرض کے لئے مختلف حضرات سے رابطہ قائم کیا گیا، لیکن کوئی صورت نہ بنی، اور کئی سال بیت گئے،

بالآخر ترغیۃ فال ناچیز کے نام نکلا، آج سے ساڑھے تین سال پہلے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم نے احقر کو اس کام پر مامور فرمایا، اور ربیع الاول ۱۳۸۲ھ میں احقر نے اللہ کا نام لے کر اس کی ابتداء کی، شروع میں خیال تھا کہ اس کتاب کو عام رواج کے مطابق مرتب (edit) کرنا ہوگا، عنوانات قائم کرنے ہوں گے (ترقیم) Punctuation کرنی ہوگی، نسخوں کا مقابلہ کر کے تصحیح کرنی پڑیگی،

آخر میں ایک اشاریہ مرتب کر دوں گا، اور بس! لیکن جب کام شروع کیا تو نئے نئے گوشے سامنے آنے لگے، بہت سی ایسی چیزوں کی شدید ضرورت محسوس ہوئی جن کے بغیر اس کتاب کی افادیت موجودہ دور میں نہایت محدود ہو جاتی، میں نے اس کام کے تعارف کے لئے ”اظہار الحق“ کے کچھ قسطا ساسات اپنے ذیلی حواشی کے ساتھ بعض رسائل میں شائع کرائے، تو ملک و بیرون ملک سے میرے پاس خطوط کا تانتا بندھ گیا، جن میں اس مفید کام پر مبارکباد دینے کے ساتھ بعض نہایت مفید مشورے دیئے گئے تھے، اس سے اندازہ ہوا کہ لوگوں میں اس ضرورت کا کتنا احساس ہے، اس سے میرا حوصلہ بڑھ گیا اور میں نے اس پر مزید محنت شروع کر دی، یوں یہ کام کھینچا چلا گیا، اور جو کام چہ

کر لینے کے خیال سے شروع کیا تھا، اس میں پورے ساڑھے تین سال لگی مراجعت کر کے

کتاب کے متن پر احقر نے مندرجہ ذیل کام کئے:

①— متن میں جہاں جہاں عربی بائبل کے حوالے آئے ہیں (اور یہ حوالے کتاب کا کم و بیش دو تہائی حصہ ہیں) وہاں حضرت مترجم مدظلہم نے مسودے میں ان کا خود ترجمہ کیا تھا، احقر نے تمام مقامات پر اس کی جگہ براہ راست بائبل کے اردو ترجمے کی عبارتیں لکھ دی ہیں، تاکہ وہ پوری طرح سمجھ میں بھی آسکیں اور عیسائی حضرات کے لئے زیادہ قابل اعتماد بھی ہوں،

②— لیکن چونکہ بائبل کے مختلف ایڈیشنوں میں عبارت کا بڑا تغیر ہوتا رہتا ہے، اس لئے میں نے اس بات کا پورا لحاظ رکھا ہے کہ جہاں بائبل کا موجودہ اردو ترجمہ اس عبارت سے مختلف ہو جو اظہار الحق میں نقل کی گئی ہے، وہاں متن میں اظہار الحق کی عربی عبارت ہی کا ترجمہ کیا ہے، اور اسے قوسین کے ذریعے ممتاز کر کے حاشیے پر اختلاف کی مکمل توضیح کر دی ہے،

③— اظہار الحق کے جس نسخے سے استاذ مکرم حضرت مولانا اکبر علی صاحب مدظلہم نے ترجمہ کیا تھا اس میں بعض مقامات پر، خاص طور سے حوالوں میں، بڑی غلطیاں تھیں، ایسے مواقع پر احقر نے اظہار الحق کے مختلف نسخوں کا مقابلہ کیا، جہاں ممکن ہوا اصل مآخذ کی مراجعت کی، اور جس لفظ کے بارے میں یہ یقین ہو گیا کہ یہ طباعت کی غلطی ہے اُسے متن ہی میں بدل دیا، اور جہاں شبہ رہا وہاں حاشیے میں اس کا میں اظہار کر دیا،

نے ترجمے غیر مسلموں کے نام اظہار الحق میں معرب کر کے نقل کئے گئے ہیں، جن ناموں کے جس زمانہ تصنیف کے بعد مجھے یہ یقین ہو گیا کہ ان کی اصل کیا ہے؟ میں نے متن ہی

- میں اصل نام لکھ دیا، اور جہاں یقین نہ ہو سکا وہاں ناموں کو جوں کا توں رہنے دیا،
- ⑤ جس جگہ ترجمے میں ابہام یا اغلاق محسوس ہو وہاں حضرت مترجم مدظلہم کی اجازت کے مطابق ترجمے کی عبارت کو واضح کر دیا،
- ⑥ قاری کی سہولت کے لئے جگہ جگہ عنوانات قائم کر دیئے، کتاب کے نام اور ابواب کے عنوانات کی ذمہ داری بھی احقر ہی پر عائد ہوتی ہے،
- ④ ————— ترقیم ر Punctuation کا اہتمام کیا ہے، تمام حوالے ممتاز کر دیئے ہیں، اور پیرا گراف قائم کر دیئے ہیں،
- ⑧ ————— آخر میں مفصل اشاریہ (مرتب کر دیا ہے،
- ⑨ ————— کتاب کے شروع میں عیسائی مذہب کے نظریات اور تاریخ کا تعارف اور اس کی اصلیت کی تحقیق ایک مبسوط مقدمے کے ذریعے پیش کی ہے، اور بعض ایسے امور کی نشان دہی کی ہے جو احقر کی رائے میں مسئلہ زیر بحث کے اندر فیصلہ کن اہمیت رکھتے ہیں،
- مندرجہ بالا کام تو متن سے متعلق تھے، اس کے علاوہ احقر نے جا بجا حواشی تحریر کئے جن میں مندرجہ ذیل امور کا لحاظ رکھا ہے:
- ① ————— بائبل کے ہر حوالے پر اُن عربی، اردو اور انگریزی کے قدیم و جدید ترجموں کی مراجعت کی جو احقر کے پاس موجود تھے، اُن تراجم میں جا بجا باہم شدید اختلافات ہیں جن اختلافات سے نفس مفہوم پر فرق پڑتا تھا انہیں حاشیے میں واضح کر دیا ہے، اور اس طرح حواشی میں بائبل کی تازہ تخریفات کا ایک بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا ہے،
- ② ————— اظہار الحق کے مآخذ میں سے جس قدر کتب مجھے مل سکیں ان کی مراجعت کر کے

حاشیے پر حوالے دیدیئے ہیں، یا انھیں بحمل کر دیا ہے، لیکن بیشتر کتب آجکل نایاب ہیں، ایسے مواقع پر احقر نے کوشش کی ہے کہ عیسائی علماء کی جو کتابیں آجکل دستیاب ہیں، اُن کے حوالے سے بھی وہ بات ثابت کر دوں جو مصنفؒ نے بیان فرمائی ہے،

③ — اظہار الحق میں بہت سی عیسائی یا عام علمی اصطلاحات جا بجا استعمال ہوئی ہیں، احقر نے حاشیے پر ان کی توضیح کا اہتمام کیا ہے،

④ — کتاب میں جن عیسائی یا مسلمان فرقوں کا ذکر ہے، اُن کا حوالوں کے ساتھ مختصر اور ضروری تعارف کرا دیا ہے، جن اصطلاحات یا فرقوں کا تعارف کرایا گیا ہے ان کی فہرست کتاب کے شروع میں موجود ہے،

⑤ — کتاب میں انسانوں، شہروں اور قبیلوں کے جو نام آئے ہیں ان میں سے بہت سوں کا تعارف کرا دیا ہے، تمام ناموں کا تعارف تو تقریباً ناممکن تھا، احقر نے اُن ناموں کے تعارف کا اہتمام کیا ہے جن کا... جانتا یا تو کتاب کا مفہوم سمجھنے کے لئے ضروری ہے، یا ایک عیسائیت کے طالب علم کو اُن سے ضرور واقف ہونا چاہئے اشاریہ میں جن ناموں پر حرف "ت" بنا ہوا ہے اُن ناموں کا تعارف حاشی میں موجود ہے،

⑥ — آیات قرآنی کا ترجمہ کر دیا ہے، اور تمام احادیث کی حوالوں کے ساتھ تخریج کر دی ہے، جو تاریخی واقعات بغیر حوالے کے بیان ہوئے تھے اکثر مقامات پر ان کے حوالے بھی دیدیئے ہیں،

⑦ — جہاں ضرورت محسوس ہوئی، مصنفؒ کی عبارتوں کی تشریح کر دی ہے،

⑧ — جس جگہ مناسب معلوم ہوا مصنفؒ کی تائید کے لئے مزید تازہ ترین دلائل پیش کئے ہیں، ایسے مواقع پر حاشی بہت طویل اور مفصل ہو گئے ہیں،

⑨ مصنف نے جس جگہ اظہار الحق کی کسی گزشتہ یا آئندہ بحث کا حوالہ دیا ہے وہاں حق نے اُس بحث کی مراجعت کر کے صفحہ اور جلد کا حوالہ لکھ دیا ہے تاکہ قارئین آسانی سے اس کی مراجعت کر سکیں،

اس کام کے دوران احقر کو سینکڑوں کتب کی ورق گردانی کمرنی پڑی جن میں سے اہم کتب کی فہرست آپ کتاب کے آخر میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں، لیکن یہاں میں اظہار الحق، بائبل اور اس کی امدادی کتب کے ان نسخوں کی نشان دہی ضروری سمجھتا ہوں جو ہر وقت احقر کے سامنے رہے ہیں۔

① اظہار الحق کامل مطبوعہ ۱۳۰۹ھ مطبعہ خیریہ مصر بتصحہ شیخ محمد الاسیوطی۔

② اظہار الحق کامل مطبوعہ ۱۳۱۴ھ المطبعة العامة المحمدية، الجامع الازہر، مصر،

③ اظہار الحق جلد اول مطبوعہ ۱۳۱۵ھ المطبعة العلمية،

④ اظہار الحق کا انگریزی ترجمہ جو اظہار الحق کے گجراتی نسخے مترجمہ مولانا غلام محمد صاحب بھنجا

راشدیری سے کیا گیا ہے، اس کے ٹائٹل کا صفحہ غائب ہے، اس لئے مترجم کا نام، مطبع

اور سن طباعت معلوم نہیں ہو سکا، اس میں مولانا غلام محمد صاحب کے بعض حواشی بھی

شامل ہیں، احقر نے ”گجراتی مترجم“ کے الفاظ سے انہی کی طرف اشارہ کیا ہے،

اور بائبل کے مندرجہ ذیل نسخے احقر کے سامنے رہے ہیں۔

① اردو بائبل کا نظر ثانی شدہ ایڈیشن مع حوالہ جات جو ۱۹۵۹ء میں لوایند برائڈون

پرنٹرز کے زیر اہتمام لندن میں چھپا، اور پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور سے شائع ہوا،

اظہار الحق کے متن اور احقر کی تحریرات میں بائبل کی تمام عبارتیں اس نسخے سے نقل

کی گئی ہیں اور حوالہ دیتے وقت احقر نے اس کے لئے ”موجودہ اردو ترجمہ“ کا لفظ استعمال

کیا ہے،

② اردو بائبل ۱۹۵۸ء (بغیر حوالہ جات) مطبوعہ برطانیہ و شائع کردہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور،

③ بائبل کا عربی ترجمہ (بغیر حوالہ جات) جو ۱۹۵۶ء میں کیمبرج یونیورسٹی پریس نے طبع کیا اور جمعیات الکتاب المقدس المتحدہ نے شائع کیا، احقر نے جہاں ”جدید عربی ترجمہ“ کا لفظ استعمال کیا ہے، اس سے مراد یہی نسخہ ہے،

④ بائبل کا عربی ترجمہ (مع حوالہ جات) جو ۱۹۶۵ء میں بیروت سے چھپا تھا، یہ نسخہ نامکمل ہے، اور اخبار الايام الاول تک کے صفحے اس میں سے غائب ہیں، ”قدیم عربی ترجمہ“ سے میری مراد یہی نسخہ ہے،

⑤ بائبل کا انگریزی ترجمہ (مع حوالہ جات) (کننگ جیمس ورژن ۱۹۱۱ء) جسے امریکن بائبل سوسائٹی نے مرتب کر کے شائع کیا، اور یہ ۱۹۶۲ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی پریس میں طبع ہوا، احقر نے اس نسخے کی طرف ”قدیم انگریزی ترجمہ“ کے الفاظ سے اشارہ کیا ہے، اس نسخے کے آخر میں بائبل سوسائٹی کے اسکالروں نے اُن عبارتوں کی ایک فہرست دی ہے جو اُن کی نظر میں بائبل کے متن کے اندر بدل جانی چاہئیں، احقر نے ”الفاظ متبادلہ کی فہرست“ (Alternative Renderings) کے نام سے

انہی تجاویز کی طرف اشارہ کیا ہے،

⑥ بائبل کے عہد نامہ جدید کا نیا با محاورہ انگریزی ترجمہ جو جزائر برطانیہ کے مندرجہ ذیل کلیساؤں کے منتخب علماء نے تیرہ سال میں مرتب کیا ہے،

دی چرچ آف انگلینڈ، دی چرچ آف اسکاٹ لینڈ، دی میتھوڈسٹ چرچ،

ڈی کانگریگیشن یونین، ڈی بیپٹسٹ یونین، ڈی پریسبیٹیرین چرچ آف انگلینڈ، ڈی
سوسائٹی آف فرینڈس، ڈی چرچز ان ویلز، ڈی چرچز ان آئرلینڈ، برٹش ایسنڈ
فارن بائبل سوسائٹی، اور نیشنل بائبل سوسائٹی آف اسکاٹ لینڈ، یہ سب ”ڈی نیو ٹیکسٹ بائبل“
کے نام سے ۱۹۶۱ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی پریس اور کیمبرج یونیورسٹی پریس نے مشترکہ
طور پر شائع کیا ہے،

اگرچہ اس کے پبلشرز نے یہ اعلان کیا ہے کہ اس ترجمے سے مقصود بائبل پر نظر ثانی
نہیں ہے، بلکہ اسے با محاورہ بنانا ہے، لیکن یہ اپنے مفہوم کے اعتبار سے جا بجا سابق انگریزی
ترجموں سے اختلاف رکھتا ہے، اس قدر حواشی میں ان اختلافات کو واضح کیا ہے،
اس ترجمے کی طرف اشارہ کرنے کے لئے میں نے ”جدید انگریزی ترجمہ“ کا لفظ
استعمال کیا ہے،

④ مکمل بائبل کا انگریزی ترجمہ (ناکس ورژن) : یہ دو من کیٹھولک فرقے کا کیا ہوا ترجمہ ہے
اس کا مترجم مونسنگر لے، ناکس ہے، اور اس پر انگلینڈ، ویلز اور اسکاٹ لینڈ کے
کلیساؤں کی تصدیقیں موجود ہیں، اسے میکلن کمپنی لندن نے ۱۹۶۳ء میں شائع کیا ہے
فرقہ کیٹھولک کا ترجمہ ہونے کی وجہ سے اس میں پوری ”ایپوکریفا“ (Apocrypha)
بھی شامل ہے، لہذا ہم نے جہاں جہاں ایپوکریفا کے حوالے دیئے ہیں، وہ اسی نسخے
سے ماخوذ ہیں، اس پر جا بجا مترجم نے ذیلی حواشی بھی لکھے ہیں، ہم نے اس نسخے کے لئے
”کیٹھولک بائبل“ کا لفظ استعمال کیا ہے،

بائبل کی امدادی کتب میں مندرجہ ذیل کتابوں کے حوالے آپ کو جا بجا ملیں گے۔

① اے سائیکلو پیڈیا بائبل کنکارڈنس، یہ بائبل کا ایک مفید اشاریہ ہے، جسے آکسفورڈ

یونیورسٹی پریس نے مرتب کروا کے شائع کیا ہے، سنہ طباعت درج نہیں، تھکارڈس سے میری مراد یہی کتاب ہے،

② اے نیوٹن کمنٹری، یہ عہد نامہ جدید کی تفسیر ہے، جسے رائلڈ اے ناکس نے لکھا ہے،

③ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا مطبوعہ ۱۹۵۰ء، اس کے بے شمار مقالوں سے مدد لی گئی ہے۔

④ ہماری کتب مقدسہ، یہ بائبل کی ایک تعارفی کتاب نیو بائبل ہینڈ بک کا اردو ترجمہ

ہے، اصل تصنیف جی، ٹی، مینلی، ایم، اے سابق فیلو کرائسٹس کالج، کیمبرج، جی، سی،

رائسن بی، اے بی ڈی اور اے ایم سیٹس کی ہے، اور اس کا اردو ترجمہ جے، ایس، امام الدین

اور مسز کے، ایل، ناصر نے مشترکہ طور پر کیا ہے، مسیحی اشاعت خانہ ۳۶، فیروز پور روڈ

لاہور سے شائع ہوئی ہے،

اس طرح احقر نے اس بات کی کوشش کی ہے، کہ اس کتاب سے استفادہ کرنے والے حضرات کے لئے جس قدر آسانیاں فراہم کرنا میرے لئے ممکن ہوئیں فراہم کر دوں، اور اس غرض کے لئے میں نے سخت سے سخت مشقت اٹھانے سے بھی دریغ نہیں کیا، بعض دفعہ صرف ایک صفحے کی تحقیق میں ایک ایک مہینہ لگ گیا، جبکہ بسا اوقات میں چھ چھ گھنٹے مسلسل یہی کام کرتا تھا، پاکستان میں رہ کر عیسائیت کے موضوع پر کوئی تحقیقی کام کس قدر مشکل ہے؟ اس کا اندازہ ان حضرات کو ہوگا، جنہوں نے اس موضوع پر کوئی کام کیا ہے، یہاں اس موضوع کی اہم کتابیں کم یا ب ہی نہیں تقریباً نایاب ہیں، احقر نے اس سلسلے میں کراچی کے مختلف کتب خانوں سے مدد لی، لاہور اور راولپنڈی جا کر بعض اہم کتابوں سے استفادہ کیا، ہندوستان سے بعض کتابیں منگوائیں، اس کے باوجود اس کام کے لئے کتابوں

کے جس ذخیرے کی فی الواقع ضرورت تھی وہ ہمتیانہ کر سکا، دارالعلوم کراچی میں تدریسی مصروفیات اور گزشتہ ایک سال سے ماہنامہ البلاغ کراچی کی ادارت کی وجہ سے یہ کام میرے لئے اور مشکل ہو گیا تھا، لیکن یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم، اس کا انعام اور احسان ہے کہ اس نے جتنے کام کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائی، حقیقت یہ ہے کہ گزشتہ تین سالوں میں مجھے ہر قدم پر یہ مشاہدہ ہوتا تھا کہ کوئی آن دیکھی طاقت میری نہ ہمتائی نہ رہی ہے، بعض مسائل کے حل سے تقریباً مایوس ہو جانے کے بعد جب میں تھک کر بیٹھ جاتا تھا تو اچانک ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ذہن کا ایک نیا دریچہ کھلا ہے، اور تمام پیچیدگیاں دور ہو گئی ہیں،

بہر کیف! کام جیسا کچھ ہے آپ کے سامنے ہے، اظہار الحق جیسی عظیم الشان کتاب کا جیسا حق تھا حقیقت یہ ہے کہ وہ تو میں ادا نہیں کر سکا، زیادہ سے زیادہ آٹھ مغل میں ٹاٹ کا پیوند ہی کہا جاسکتا ہے، لیکن اس بات کا غیر معمولی سرور میں محسوس کر رہا ہوں کہ حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرالویؒ کی اس عظیم دینی خدمت کے ساتھ نامکمل ہی رہی، ایک نسبت مجھے حاصل ہو گئی ع

بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس ہست

باری تعالیٰ کی بارگاہ کرم سے بعید نہیں کہ وہ اس نسبت ہی کے طفیل میرے بے شمار گناہوں سے چشم پوشی فرمائے، اور جب آخرت میں دین کے محتاصل خادموں پر نوازش کا موقع آئے تو یہ سیہ کار بھی اس نسبت کی بناء پر ان حضرات کی رفاقت سے محروم نہ رہے،

یہی وجہ ہے کہ آج اس کتاب کو قاتین کی خدمت میں پیش کرتے وقت میں

یہ محسوس کرتا ہوں کہ پچھلے ساڑھے تین سال میں میرے شب و روز کے بہترین اوقات وہ تھے جو میں نے اس کتاب کی تیاری پر صرف کئے،

ناشکری ہوگی اگر میں یہاں ان حضرات کا ذکر نہ کروں جنہوں نے اس کام میں میری مدد فرمائی، خاص طور سے میں حضرت مولانا نور احمد صاحب مدظلہم العالی سابق ناظم دارالعلوم کراچی کا ممنون ہوں جو اس کام کے اولین محرک ہیں، اور ابتدائی کتابیں بھی انہوں نے سر اہم کیں، ان کے علاوہ میں حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب کاندھلوی، کاندھلہ (یوپی، انڈیا)، جناب ابراہیم احمد صاحب باوانی (کراچی)، جناب حسن الزماں صاحب اختر (اسٹیٹ بینک کراچی) اور جناب مولانا محمد احمد صاحب قادری استاذ مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن کراچی کا شکر گزار ہوں، جنہوں نے بعض بنیادی اہمیت کی کتابیں میرے لئے ہتیا فرمائیں، مولانا جمیل الرحمن صاحب اکیابی، مولانا محمد طیب صاحب، مولانا افتخار احمد صاحب عظمیٰ، مولانا احمد حسین صاحب، مولانا عبدالحق صاحب (دارالعلوم کراچی) اور جناب اقبال احمد صاحب راشد (جامعہ پنجاب لاہور) کا بھی شکریہ ادا کرنا میں ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے مسودات کی تبصیر اور کاپیوں کی تصحیح میں میری مدد فرمائی، اور میرے لئے بعض اہم کتابوں کے قتبسات نقل کئے ہیں حضرت مولانا محمد سلیم صاحب، مہتمم مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ، جناب بشیر احمد صاحب ڈار، اور جناب محمد ایوب صاحب قادری ایم اے کا بھی رہن منت ہوں کہ انہوں نے اپنے مفید مشوروں سے مجھے نوازا، جناب محمد زکریا صاحب کا مدار، جناب ابراہیم صاحب باوانی اور ان کے رفقاء بھی بطور خاص شکر یہ کے مستحق ہیں

جن کی مالی اعانت سے یہ کتاب زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی،
 ان حضرات کے علاوہ میں ان تمام حضرات کا ہنرِ دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے
 دے، درے، قدمے، سخنے میری مدد فرمائی، اور اس کارِ خیر میں کسی بھی جہت حصہ لیا،
 آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس حقیر کا دش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا
 فرمائے، اور یہ کتاب مصنف، مترجم مدظلہم، اس ناچیز اور تمام معاونین کے لئے
 ذخیرہ آخرت ثابت ہو، آمین،

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَالْيَاسِیْتُ

محمد تقی عثمانی

دارالعلوم کراچی ۱۲

۲۷ شعبان ۱۳۸۷ھ ہجری

—————

عیسائیت پر ایک تحقیقی نظر

مقدمہ

بسم اللہ

محسّس تقی عثمانی
اُستاد دارالعلوم کراچی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَكَفَى سَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ آمَنُوا

۷۸۶

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ کی کتاب ”اظہار الحق“ اپنے موضوع پر اس قدر سیر حاصل اور جامع کتاب ہو کہ مجھ جیسے بے بساط انسان کو اس پر کوئی مبسوط مقدمہ لکھنے کی ضرورت نہیں تھی لیکن بعض اہم اسباب کی بنا پر میں یہ جرأت کر رہا ہوں،

پہلی بات تو یہ ہے کہ ”اظہار الحق“ جیسی کتاب سے صحیح فائدہ وہ شخص اٹھا سکتا ہے جو پہلے سے عیسائی مذہب کے متعلق کچھ بنیادی معلومات رکھتا ہو، اُسے معلوم ہو کہ اس مذہب کے عقائد و نظریات کیا ہیں؟ وہ کس قسم کی تعلیمات دیتا ہے؟ اور ان اصطلاحات کا کیا مطلب ہے جو عیسائی مذہب پر کی جانے والی ہر گفتگو میں کسی نہ کسی نوعیت سے آہی جاتی ہیں، اس کے علاوہ کسی مذہب کے مطالعے میں اس کی تاریخ بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے، کسی بھی مذہب پر کوئی بات بصیرت کے ساتھ نہیں کہی جاسکتی، تاوقتیکہ اس کی تاریخ کا کم از کم ایک اجمالی خاکہ ذہن میں نہ ہو،

دوسری بات یہ ہو کہ ”اظہار الحق“ ایک صدی پہلے کی کتاب ہے، اور ایک سو سال کے اس طویل عرصے میں عیسائیت کئی موڑ مڑ چکی ہے، اس کے نظریات بھی کسی قدر بدل رہے ہیں، اور حال ہی میں سائنٹفک تحقیقات نے بعض ایسے حقائق کی نقاب کشائی کی ہے، جو عیسائیت کے طالب علم کے لئے بجد اہمیت رکھتے ہیں، خود عیسائیوں میں ایسے لوگ پیدا ہو رہے ہیں جنہوں نے اس مذہب کو تنقید کی چھلنی میں چھان کرنے سے نئے نظریات پیش کئے ہیں، ضرورت تھی کہ ان کی کاوشیں بھی کسی نہ کسی درجے میں اس کتاب کا جزو بنیں،

تیسرے پچھلے تین سال میں ”اظہار الحق“ کی خدمت کے لئے میں نے عیسائیت کا جس قدر مطالعہ کیا ہے اس میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جو میرے نزدیک فیصلہ کن اہمیت رکھتی ہیں، اور ان کی طرف اس انداز سے شاید توجہ نہیں کی گئی، میرا دل چاہتا ہے کہ وہ چیزیں بھی ارباب فکر و نظر کے سامنے آئیں۔

پہلا باب

عیسائیت کیا ہے؟

اس باب میں ہم اختصار کے ساتھ عیسائی مذہب کے بنیادی نظریات اور اس کی تاریخ بلا تبصرہ پیش کریں گے، ہمارے نزدیک کسی مذہب کو سمجھنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اسے براہ راست اہل مذہب سے سمجھا جائے، اس لئے ہم کوشش کریں گے کہ کوئی بات خود عیسائی علماء کے حوالے کے بغیر عیسائیت کی طرف منسوب نہ کریں، اور چونکہ اس باب کا مقصد صرف عیسائی مذہب کو سمجھانا ہے، اس لئے اس میں اس کا کسی نظریے پر تبصرہ نہیں کیا جائے گا، اظہار الحق میں ان میں سے تقریباً ہر نظریے پر مفصل تنقید موجود ہے، البتہ جہاں کہیں کوئی ایسی بات آئے گی جس پر اظہار الحق میں کوئی تبصرہ نہیں ہے، اس پر حاشیے میں اختصار کے ساتھ تنقید کر دی جائے گی،

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں عیسائیت کی تعریف یہ کی گئی ہے:-

”وہ مذہب جو اپنی اصلیت کو ناصرہ کے باشندے یسوع کی

عیسائیت کی تعریف

طرف منسوب کرتا ہو اور اسے خدا کا منتخب (مسیح) مانتا ہے“ (برٹانیکا مقالہ عیسائیت ص ۶۹۳)

عیسائیت کی یہ تعریف بہت مجمل ہے، الفسٹریڈ، اسی، گاروے نے اسی تعریف کو مزید پھیلا کر ذرا واضح کر دیا ہے، انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایٹھکس کے مقالے ”عیسائیت“ میں وہ لکھتا ہے:

عیسائیت کی تعریف اس طرح کی جاسکتی ہے کہ یہ وہ اخلاقی، تاریخی، کائناتی، موحدانہ اور کفارے پر ایمان رکھنے والا مذہب ہے جس میں خدا اور انسان کے تعلق کو خداوند یسوع مسیح کی شخصیت اور کردار کے ذریعہ سمجھ کر دیا گیا ہے۔

اس تعریف کو بیان کر کے مسٹر گارڈے نے اس کے ایک ایک جز کی توضیح کی ہے، ”اخلاقی مذہب“ سے اس کے نزدیک وہ مذہب مراد ہے، جس میں عبادتوں اور قربانیوں کے ذریعے کوئی دنیوی مقصد حاصل کرنے کی تعلیم نہ دی گئی ہو، بلکہ اس کا تمام تر مقصد روحانی کمال کا حصول اور خدا کی رضا جوئی ہو،

”تاریخی مذہب“ کا مطلب وہ یہ بیان کرتا ہے کہ اس مذہب کا محور فکر و عمل ایک تاریخی شخصیت ہے۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام، انہی کے قول و عمل کو اس مذہب میں آخری اتھارٹی حاصل ہے،

”کائناتی“ ہونے کا اس کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ یہ مذہب کسی خاص رنگ و نسل کے لئے نہیں ہے، بلکہ اس کی دعوت عالمگیر ہے،

عیسائی مذہب کو موحّد (Monotheist) وہ اس لئے قرار دیتا ہے کہ اس مذہب میں تین اقا نیم تسلیم کئے جانے کے باوجود خدا کو ایک کہا گیا ہے، وہ لکھتا ہے: ”اگرچہ عام طور سے عیسائیت کے عقیدہ تثلیث — یا زیادہ صحیح لفظوں میں توحید فی تثلیث — کے بارے میں یہ سمجھا اور کہا جاتا ہے کہ وہ خطرناک حد تک تین خداؤں کے عقیدے کے قریب آ گیا ہے، لیکن عیسائیت اپنی روح کے اعتبار سے موحّد ہے، اور خدا کو ایک کلیسائی عقیدے کے طور پر ایک سمجھتی ہے۔“

مندرجہ بالا تعریف میں عیسائیت کی آخری خصوصیت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ ”کفارے“ پر ایمان رکھتا ہے، اس جز کی تشریح کرتے ہوئے گارڈے لکھتا ہے:

”خدا اور بندے کے درمیان جو تعلق ہونا چاہئے اس کے بارے میں عیسائیت کا خیال یہ ہے کہ وہ گناہ کے ذریعے خلل پذیر ہو گیا، اس لئے ضروری ہے کہ اُسے پھر سے قائم کیا جائے، اور یہ کام صرف مسیح کو ہی مل سکتا ہے۔“

یہ تھی عیسائی مذہب کی ایک اجمالی تعریف، لیکن درحقیقت مذہب کا صحیح تعارف اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کے تمام بنیادی عقائد کو اچھی طرح نہ سمجھ لیا جائے، اس لئے اب ہم ایک ایک کر کے ان عقائد کی تشریح پیش کرتے ہیں:

عیسائی مذہب میں خدا کا تصور

جہاں تک خدا کے وجود کا تعلق ہے، عیسائی مذہب اس معاملے میں دوسرے مذاہب سے مختلف نہیں ہے، وہ بھی خدا کو تفسیراً اپنی صفات کے ساتھ تسلیم کرتا ہے، جو دوسرے مذاہب میں اُس کے لئے بیان کی جاتی ہیں، مارٹن ریلیٹن لکھتا ہے:

”عیسائیت کا خدا کے بارے میں یہ تصور ہے کہ وہ ایک زندہ جاوید وجود ہے، جو تمام امکانی صفات کمال کے ساتھ متصف ہے، اُسے محسوس تو کیا جاسکتا ہے لیکن پوری طرح سمجھا نہیں جاسکتا، اس لئے اس کی حقیقت کا ٹھیک ٹھیک تجزیہ ہمارے ذہن کی قوت سے ماوراء ہے، وہ فی نفسہ کیا ہے؟ ہمیں معلوم نہیں، صرف اتنی باتیں ہمیں معلوم ہو سکی ہیں جو خود اس نے بنی نوع انسان کو وحی کے ذریعے بتلائیں۔“

عقیدہ تثلیث | یہاں تک تو بات واضح اور صاف ہے، لیکن آگے چل کر اس مذہب نے خدا کے تصور کی جو تفصیلات بیان کی ہیں وہ بڑی الجھی ہوئی ہیں اور ان کا سمجھنا آسان نہیں ہے، یہ بات تو ہر کس و نا کس کو معلوم ہے کہ عیسائی مذہب میں خدا تین قائم (Persons) سے مرکب ہے: باپ، بیٹا اور روح القدس، اسی عقیدے کو عقیدہ تثلیث (Trinitarian Doctrine) کہا جاتا ہے، لیکن بجائے خود اس عقیدے کی تشریح و تعبیر میں عیسائی علماء کے بیانات اس قدر مختلف اور متضاد ہیں کہ یقینی طور سے کوئی ایک

بات کہنا بہت مشکل ہے، وہ تین اقانیم کون ہیں؟ جن کا مجموعہ ان کے نزدیک خدا ہے؟ خود ان کی تعین میں بھی اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ ”خدا“ باپ بیٹے اور روح القدس کے مجموعے کا نام ہے، اور بعض کا کہنا ہے کہ باپ بیٹا اور کنواری مریم“ وہ تین اقنوم ہیں جن کا مجموعہ خدا ہے، پھر ان تین اقانیم میں سے ہر ایک کی انفرادی حیثیت کیا ہے؟ اور خدائے مجموعہ (TRINITY) سے اس کا کیا رشتہ ہے؟ اس سوال کے جواب میں بھی ایک زبردست اختلاف پھیلا ہوا ہے، ایک گروہ کا کہنا ہے کہ ان تین میں سے ہر ایک بذات خود بھی ویسا ہی خدا ہے جیسا مجموعہ خدا، ایک دوسرے گروہ کا کہنا ہے کہ ان تینوں میں سے ہر ایک الگ الگ خدا تو ہیں، مگر مجموعہ خدائے کمتر ہیں، اور ان پر لفظ ”خدا“ کا اطلاق ذرا وسیع معنی میں کر دیا گیا ہے، تیسرا گروہ کہتا ہے کہ یہ تین خدا ہی نہیں ہیں خدا تو صرف ان کا مجموعہ ہے،

توحید فی التثلیث غرض اس قسم کے بے شمار اختلافات ہیں جن کی وجہ سے تثلیث کا عقیدہ ایک ”خواب پریشاں“ بن کر رہ گیا ہے، ہم اس جگہ اس عقیدے کی وہ تشریح پیش کرتے ہیں جو عیسائیوں کے یہاں سب سے زیادہ مقبول عام معلوم ہوتی ہے، یہ تعبیر انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے الفاظ میں مندرجہ ذیل ہے:

۱۲
✓
۱۶

۱۵ عام عیسائیوں کا یہی مسلک ہے، دیکھئے برٹانیکا ص ۴۷۹ ج ۲۲ مقالہ ”TRINITY“
۱۶ عرب میں عیسائیوں کا ایک فرقہ ”انیرمدتین“ اس کا قائل تھا، اب یہ فرقہ ناپید ہو چکا ہے (دیکھئے نوید جاوید، ص ۳۵۶ بحوالہ پادری سیل صاحب)،

۱۷ Hibbert Journal XXIV No. 1, as quoted by
the Encyclopaedia Britannica 1950 P. 479 V. 22 "TRINITY"
St. Thomas Aquinas, Basic Writings of: P. 327 V.I.
۱۸ of Britannica P. 479 V. 22

۱۹ یہ فرقہ مرقولہ کا مذہب ہے (الخطط المقریۃ ص ۲۰۸ ج ۳، لبنان، ۱۹۵۹ء)،

تشلیث کے عیسائی نظریے کو ان الفاظ میں اچھی طرح تعبیر کیا جاسکتا ہے کہ باپ خدا ہر بیٹا خدا ہے اور روح القدس خدا ہے، لیکن یہ مل کر تین خدا نہیں ہیں، بلکہ ایک ہی خدا ہیں، اس لئے کہ عیسائی نظریے کے مطابق ہم جس طرح ان تینوں میں سے ہر ایک قہزم کو خدا اور آقا سمجھنے پر مجبور ہیں اسی طرح ہمیں کیتھولک مذہب نے اس بات کی بھی ممانعت کر دی ہے کہ ہم ان کو تین خدا یا تین آقا سمجھنے لگیں۔

اسی بات کو قدرے تفصیل سے بیان کرتے ہوئے تیسری صدی عیسوی کے مشہور عیسائی عالم اور فلسفی سینٹ آگسٹائن (St. Augustine) اپنی مشہور کتاب (On the Trinity) میں لکھتے ہیں:

عہد قدیم اور عہد جدید کے وہ تمام کیتھولک علماء جنہیں پڑھنے کا مجھے اتفاق ہوا ہے اور جنہوں نے مجھ سے پہلے تشلیث کے موضوع پر لکھا ہے وہ سب مقدس صحیفوں کی روشنی میں اس نظریے کی تعلیم دینا چاہتے ہیں کہ باپ، بیٹا اور روح القدس مل کر ایک "خدائی وحدت" تیار کرتے ہیں، جو اپنی ماہیت اور حقیقت کے اعتبار سے ایک اور ناقابل تقسیم ہے، اسی وجہ سے وہ تین خدا نہیں ہیں، بلکہ ایک خدا ہے، اگرچہ باپ نے بیٹے کو پیدا کیا، لہذا جو باپ ہے وہ بیٹا نہیں ہے، اسی طرح بیٹا باپ سے پیدا ہوا ہے، اس لئے جو بیٹا ہے وہ باپ نہیں ہے، اور روح القدس بھی نہ باپ ہے نہ بیٹا، بلکہ باپ اور بیٹے کی روح ہے، جو دونوں کے ساتھ مساوی اور تشلیثی وحدت میں ان کی حصہ دار ہے،

لیکن یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ تشلیثی وحدت ہی کنواری مریم کے پیٹ سے پیدا ہوئی، اسے پطرس پلاطس نے پھانسی دی، اسے دفن کیا گیا، اور پھر یہ تیسرے دن زندہ ہو کر جنت میں چلی گئی، کیونکہ یہ واقعات تشلیثی وحدت کے ساتھ نہیں، صرف بیٹے کے ساتھ پیش آئے تھے، اسی طرح یہ بھی نہ سمجھنا چاہئے کہ یہی تشلیثی وحدت یسوع مسیح پر کبوتر کی شکل میں اس وقت نازل ہوئی تھی جب اسے پیغمبر دیا جا رہا تھا.....

۱۵ اشارہ ہستی ۶:۲ کے واقعہ کی طرف، تفصیل کے لئے دیکھئے اظہار الحق نسخہ ہذا صفحہ ۱۹۵ ج اول،

بلکہ یہ واقعہ صرف روح القدس کا تھا، علیٰ ہذا القیاس یہ سمجھنا بھی درست نہیں کہ جب یسوع مسیح کو بپتسمہ دیا جا رہا تھا، یا جب وہ اپنے تین شاگردوں کے ساتھ پہاڑ پر کھڑا تھا، اس وقت تثلیثی وحدت نے اس سے پکار کر کہا تھا کہ ”تو میرا بیٹا“..... بلکہ یہ الفاظ صرف باپ کے تھے جو بیٹے کے لئے بولے گئے تھے، اگرچہ جس طرح باپ، بیٹا اور روح القدس ناقابل تقسیم ہیں، اسی طرح ناقابل تقسیم طریقے پر وہ کام بھی کرتے ہیں، یہی میرا عقیدہ ہے، اس لئے کہ یہ کیٹھولک عقیدہ ہے۔“

تین کو ایک، اور ایک کو تین قرار دینے کی عیسائیوں کے پاس کیا وجہ جواز ہے؟ اس سوال کا جواب سننے سے قبل یہ سمجھ لیجئے کہ عیسائی مذہب میں باپ، بیٹے اور روح القدس سے کیا مراد ہے؟

باپ عیسائیوں کے نزدیک ”باپ“ سے مراد خدا کی تہنا ذات ہے، جس میں اس کی صفت کلام اور صفت حیات سے قطع نظر کر لی گئی ہے، یہ ذات بیٹے کے وجود کے لئے اصل (Principle) کا درجہ رکھتی ہے، مشہور عیسائی فلاسفر سینٹ تھامس ایکویناس کی تشریح کے مطابق ”باپ“ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس نے کسی کو جنم دیا، اور کوئی ایسا وقت گزرا ہے جس میں باپ تھا، اور بیٹا نہیں تھا، بلکہ یہ ایک خدائی اصطلاح ہے، جس کا مقصد صرف یہ ہے کہ باپ بیٹے کے لئے اصل ہے، جس طرح ذات صفت کے لئے اصل ہوتی ہے، ورنہ جب سے باپ موجود ہے اسی وقت سے بیٹا بھی موجود ہے، اور ان میں سے کسی کو کسی پر کوئی زمانی اولیت حاصل نہیں ہے۔

۱ اشارہ ہے متی، ۱: ۵ یعنی تجلی کے واقعہ کی طرف، تفصیل کے لئے دیکھئے صفحہ ۲۲۹ کا حاشیہ،

۲ Basic Writings of St. Augustine trans. by A. W. Haddan and edited by Whitney J. Oats New York 1918 P. 672 V.2

۳ Basic Writings, of St. Thomas Aquinas.

edited by A. C. Pegis P. P. 324, 26 V. I New York 1945

خدا کی ذات کو باپ کیوں کہا جاتا ہے؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے الفریڈ ای گارڈے نے لکھا ہے کہ:

اُس سے کئی حقائق کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے، ایک تو اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ تمام مخلوقات اپنے وجود میں خدا کی محتاج ہیں جس طرح بیٹا باپ کی محتاج ہوتا ہے، دوسری طرف یہ بھی ظاہر کرنا ہے کہ خدا اپنے بندوں پر اس طرح شفیع اور مہربان ہے جس طرح باپ اپنے بیٹے پر مہربان ہوتا ہے، (انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھنکس) (۳ جلد ۸۵ ص ۵)

بیٹا "بیٹے" سے مراد عیسائیوں کے نزدیک خدا کی صفت کلام (Word of God) ہے، لیکن یہ انسانوں کی صفت کلام کی طرح نہیں ہے، انسانوں کی صفت کلام اور خدا کی صفت کلام کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے ایکویناس لکھتا ہے:

"انسانی فطرت میں صفت کلام کوئی جوہری وجود نہیں رکھتی، اسی وجہ سے اس کو انسان کا بیٹا یا مولود نہیں کہہ سکتے، لیکن خدا کی صفت کلام ایک جوہر ہے، جو خدا کی ماہیت میں اپنا ایک وجود رکھتا ہے، اسی لئے اس کو حقیقتاً، نہ کہ مجازاً بیٹا کہا جاتا ہے، اور اس کی اصل کا نام باپ ہے"۔

عیسائی عقیدے کے مطابق خدا کو جن باتوں پر مخلوقات متعلق ہوتی ہیں، وہ اسی صفت کے ذریعہ ہوتی ہیں، اور اسی صفت کے ذریعہ تمام اشیا پیدا ہوتی ہیں، یہ صفت باپ کی طرح قدیم اور جاودانی ہے، خدا کی یہی صفت "یسوع مسیح بن مریم" کی انسانی شخصیت میں حلول کر گئی تھی، جس کی وجہ سے "یسوع مسیح" کو خدا کا بیٹا کہا جاتا ہے، حلول کا یہ عقیدہ ایک مستقل حیثیت رکھتا ہے اس لئے اسے انشاء اللہ ہم آگے تفصیل سے ذکر کریں گے،

روح القدس "روح القدس" Holy Spirit (سے مراد باپ اور بیٹے) کی صفت حیات اور صفت محبت ہے، یعنی اس صفت کے ذریعہ خدا کی

۱۵ Aquinas The Summa Theologica Q 33 Art 206.3

۱۶ Augustine, The city of God, Book XI ch XXIV

ذات (باپ) اپنی صفتِ علم (بیٹے) سے محبت کرتی ہے، اور بیٹا باپ سے محبت کرتا ہے، یہ صفت بھی صفتِ کلام کی طرح ایک جوہری وجود رکھتی ہے، اور باپ بیٹے کی طرح قدیم اور جاودانی ہے، اسی وجہ سے اُسے ایک مستقل اقنوم (Person) کی حیثیت حاصل ہے، عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام کو بپتسمہ دیا جا رہا تھا تو یہی صفت ایک کبوتر کے جسم میں حلول کر کے حضرت مسیح علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی، (دیکھئے متی ۳: ۱۶، اور آگسٹائن کا وہ اقتباس جو عقیدہ تثلیث کی تشریح میں گزر چکا ہے) اور اس کے بعد جب حضرت مسیح علیہ السلام کو آسمان پر اٹھایا گیا تھا تو عیدِ پینٹی کوست کے دن یہی روح القدس آتشیں زبانوں کی شکل میں حضرت مسیح کے حواریوں پر نازل ہوئی تھی، (دیکھئے کتاب اعمال ۲: ۱ تا ۲۲ اور آگسٹائن، ص ۶۷۲ ج ۲)۔

اب عقیدہ "توحید فی التثلیث" (Tri-unity) کا خلاصہ یہ نکلا کہ خدا تین اقاہم یا شخصیتوں پر مشتمل ہے، خدا کی ذات، جسے باپ کہتے ہیں، خدا کی صفتِ کلام، جسے بیٹا کہتے ہیں، اور خدا کی صفتِ حیات و محبت جسے روح القدس کہا جاتا ہے، ان تین میں سے ہر ایک خدا ہی لیکن یہ تینوں مل کر تین خدا نہیں ہیں، بلکہ ایک ہی خدا ہیں،

تین اور ایک کا اتحاد

یہیں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب باپ، بیٹا اور روح القدس میں سے ہر ایک کو خدا مان لیا گیا تو خدا ایک کہاں رہا؟ وہ تو لازماً تین ہو گئے،

یہی وہ سوال ہے جو عیسائیت کی ابتداء سے لے کر اب تک ایک چیتا بنا رہا ہے، عیسائیوں کے بڑے بڑے مفکرین نے نئے نئے انداز سے اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کی اور اسی بنیاد پر بے شمار فرقے نمودار ہوئے، ساہا سال تک بحثیں چلیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ اس سوال کا کوئی معقول جواب سامنے نہیں آسکا، خاص طور سے دوسری صدی عیسوی کے ختم اور تیسری صدی کی ابتداء میں اس مسئلے کے جو حل مختلف فرقوں نے پیش کئے ہیں، ان کا دلچسپ

حال پر وفیسر مارس ریلٹن نے اپنی فاضلانہ کتاب Studies in Christian Doctrine میں بیان کیا ہے،

① جب اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے ایبونی فرقہ (Ebionites) کھڑا ہوا تو اس نے پہلے ہی قدم پر ہتھیار ڈال دیے، اور کہا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا مان کر ہم عقیدہ توحید کو سلامت نہیں رکھ سکتے، اس لئے یہ کہنا پڑے گا کہ وہ پورے طور پر خدا نہیں تھے، انھیں خدا کی شبیہ کہہ لیجئے، خدا کے اخلاق کا عکس و تراوید ہیجئے، لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ اپنی حقیقت و ماہیت کے لحاظ سے لیے ہی خدا تھے جیسے باپ!

اس فرقے نے عیسائی عقیدے کی اصل بنیاد پر ضرب لگا کر اس مسئلے کو حل کیا تھا، اس لئے کلیسا نے اس کی کھل کر مخالفت کی، اس عقیدے کے لوگوں کو بدعتی اور ملحد (Heretics) قرار دیا، اور اس طرح مسئلے کا یہ حل قابل قبول نہ ہوا، ✓

② ایبونی فرقے ہی کے بعض لوگ کھڑے ہوئے، اور انھوں نے کہا کہ مسیح علیہ السلام کی خدائی سے اس طرح کھل کر انکار نہ کیجئے، مانئے کہ وہ خدا تھے، لیکن "شرک" کے الزام سے بچنے کے لئے یہ کہہ دیجئے کہ وہ بالذات خدا نہیں تھے، بلکہ انھیں "باپ" نے خدائی عطا کی تھی، لہذا توحید اس لحاظ سے درست ہے کہ بالذات خدا "باپ" ہے، لیکن تثلیث کا عقیدہ بھی صحیح ہے، اس لئے کہ "باپ" نے خدائی کی یہ صفت "بیٹے" اور "روح القدس" کو بھی عطا کر دی تھی،

لیکن یہ نظریہ بھی کلیسا کے عام نظریات کے خلاف تھا، اس لئے کہ کلیسا "بیٹے" کو بالکل "باپ" کی طرح بالذات خدا مانتا ہے، اس لئے یہ فرقہ بھی ملحد قرار پایا، اور بات پھر وہیں رہی،

③ ایک تیسرا فرقہ پیٹری پشین (Patripassian) اٹھا، نائیکس (Praxeas) پرگزلیس (Callistus) اور زیفائرنیوس

(Zephyrinus) اس فرقے کے مشہور لیڈر تھے، انھوں نے اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے ایک نیا فلسفہ پیش کیا، اور کہا کہ درحقیقت باپ اور بیٹا کوئی الگ الگ شخصیتیں نہیں ہیں، بلکہ ایک ہی شخصیت کے مختلف روپ ہیں، جن کے لئے الگ الگ

نام رکھ دیئے گئے ہیں، خدا اور حقیقت باپ ہے، وہ اپنی ذات کے اعتبار سے قدیم ہی، غیر فانی ہے، انسان کی نظریں اس کا اور اک نہیں کر سکتیں، اور نہ انسانی عوارض اسے لاحق ہو سکتے ہیں، لیکن چونکہ وہ خدا ہے، اور خدا کی مرضی پر کوئی تدبیر نہیں لگائی جاسکتی، اس لئے اگر کسی وقت اس کی مرضی ہو جاتے تو وہی خدا اپنے اوپر انسانی عوارض بھی طاری کر سکتا ہے، وہ اگر چاہے تو انسان کے روپ میں لوگوں کو نظر آ سکتا ہے، یہاں تک کہ کسی وقت چاہے تو لوگوں کے سامنے بھی سکتا ہے، چنانچہ ایک مرتبہ خدا کی مرضی یہ ہوئی کہ وہ انسانی روپ میں ظاہر ہو، اس لئے وہ یسوع مسیح کا روپ دھار کر دنیا میں آگیا، لوگوں کو نظر آیا، یہودیوں نے اسے تکلیفیں پہنچائیں یہاں تک کہ ایک دن اسے پھانسی چڑھایا گیا۔ — لہذا درحقیقت ”یسوع مسیح“ یا ”بیٹا“ کوئی الگ اقنوم یا شخصیت (Person) نہیں ہے، بلکہ وہی باپ ہے جس نے روپ بدل کر اپنا نام ”بیٹا“ رکھ لیا ہے۔

لیکن ظاہر ہے کہ اس فلسفے نے اگر ”ایک اور تین کے اتحاد“ کے مسئلے کو کسی درجے میں حل کیا تو دوسری طرف کئی ناقابل حل مسئلے کھڑے کر دیئے، دوسرے اس فرقے نے بھی کلیسا کے نظریے کی کوئی مدد نہ کی جو ”باپ“ اور ”بیٹے“ کو الگ الگ شخصیتیں قرار دیتا ہے، اس لئے یہ منسرقہ بھی بدعتی قرار پایا، اور مسئلہ پھر جوں کا توں رہا، بدعتی فرقوں کی طرف سے اس مسئلے کے حل کے لئے اور بھی بعض کوششیں کی گئیں، لیکن وہ سب اس لئے ناقابل قبول تھیں کہ ان میں کلیسا کے مسئلہ نظریے کو کسی نہ کسی طرح توڑا گیا تھا،

سوال یہ ہے کہ خود رومن کیتھولک چرچ کے ذمہ داروں نے اس مسئلے کو کس طرح حل کیا جہاں تک ہم نے مطالعہ کیا ہے، رومن کیتھولک علماء میں سے بیشتر تو وہ ہیں جنہوں نے اس گتھی کو حل کرنے سے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ ”تین کا ایک اور ایک کا تین“ ہونا ایک

لہ یہاں ہم نے ان فرقوں کے عقائد کا باب اور خلاصہ پیش کیا ہے، تفصیل کے لئے دیکھئے مارٹن ریلٹن کی کتاب

تربستہ راز ہے جسے سمجھنے کی ہم میں طاقت نہیں ہے، اور کچھ علماء وہ ہیں جنہوں نے اس عقیدے کی

اسی بات کو بعض ہندوستانی پادریوں نے اس طرح تعبیر کیا ہے کہ عقیدہ تثلیث متشابہات سے ہے، اور جس طرح قرآن کریم کے حروف مقطعات اور التَّحْنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰی جیسی آیات کا مفہوم سمجھ میں نہیں آسکا، اسی طرح عقیدہ تثلیث بھی ہماری سمجھ سے باہر ہے،

متشابہات کی حقیقت | ہمارے ہندوستانی پادری صاحبان عام طور سے مسلمانوں کو یہ مغالطہ دیا کرتے ہیں، اس لئے اس کا جواب تفصیل سمجھ لیجئے، اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ متشابہ آیتوں میں جو مفہوم پہنچا ہوتا ہے، اور جسے سمجھنے سے ہم قاصر رہتے ہیں وہ کبھی دیکھ کر ان بنیادی عقائد پر مشتمل نہیں ہوتا جن پر ایمان لانا نجات کی اولین شرط ہو، اللہ نے جن عقائد پر ایمان رکھنے کا ہم کو پابند کیا ہے وہ کھول کھول کر بیان کر دیئے ہیں، اور ان میں سے ہر ایک عقیدہ ایسا ہے جسے عقل کی کوئی دلیل چیلج نہیں کر سکتی۔ "متشابہات" وہ چیزیں ہوتی ہیں جن کا سمجھنا آنا انسان کی نجات کے لئے چنداں مضرب نہ ہو، اور جس کے جاننے پر کوئی بنیادی عقیدہ یا عملی حکم موقوف نہ ہو۔ اس کے برخلاف عیسائی مذہب میں عقیدہ تثلیث پہلا وہ عقیدہ ہے جس پر ایمان لائے بغیر انسان نجات نہیں پاسکتا، اگر اسی عقیدہ تثلیث کو متشابہات میں سے مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ نے ایک ایسی بات سمجھنے اور ماننے کا ہمیں مکلف کیا ہے جو ہماری عقل سے باہر ہے، بالفاظ دیگر عیسائی عقیدہ کے مطابق انسان کی نجات اور اس کا ایمان ایک ایسی چیز پر موقوف ہے جس کے سمجھنے سے وہ معذور رہے، بخلاف قرآنی متشابہات کے کہ اسلام اور ایمان ان کے سمجھنے بھاننے پر موقوف نہیں، اگر کوئی شخص ساری عمر متشابہات سے بالکل بے خبر رہے تو اس کے ایمان میں فرق نہیں آتا۔

دوسرے عقیدہ تثلیث کو متشابہات قرار دینا یا تو متشابہات کی حقیقت سے ناواقفیت کی دلیل ہو یا خود عیسائی مذہب سے، اس لئے کہ "متشابہات" سے مراد وہ باتیں ہوتی ہیں جن کا مطلب انسانی سمجھ پر چھوڑ کر وہ باتیں نہیں ہوتیں جو عقل کے خلاف ہوں، گویا متشابہات عقل سے ماوراء تو ہوتے ہیں جو بلاشبہ خلاف نہیں ہوتے، اسلام میں متشابہات کی دو قسمیں ہیں، ایک تو وہ جن کا سرے شخص سائنہ سارے سمجھ میں نہیں آتا، مثلاً حروف مقطعات کہ ان کے بغیر حروف کا کوئی مفہوم نہ ہو، کوئی مطلب ہی بیان نہیں کر سکا، دوسری قسم وہ ہے کہ الفاظ سے لے کر مفہوم تک سمجھ میں آتا ہے، مگر وہ مفہوم عقل کے خلاف ہوتا ہے، اس لئے کہ

نام رکھ دیئے گئے ہیں، خدا درحقیقت باپ ہے، وہ اپنی ذات کے اعتبار سے قدیم ہی، غیر قانی ہے، انسان کی نظر اس کا اور اک نہیں کر سکتیں، اور نہ انسانی عوارض اسے لاحق ہو سکتے ہیں، لیکن چونکہ وہ خدا ہے، اور خدا کی مرضی پر کوئی تدبیر نہیں لگائی جاسکتی، اس لئے اگر کسی وقت اس کی مرضی ہو جاتے تو وہی خدا اپنے اوپر انسانی عوارض بھی طاری کر سکتا ہے، وہ اگر چاہے تو انسان کے روپ میں لوگوں کو نظر آ سکتا ہے، یہاں تک کہ کسی وقت چاہے تو لوگوں کے سامنے بھی سکتا ہے، چنانچہ ایک مرتبہ خدا کی مرضی یہ ہوئی کہ وہ انسانی روپ میں ظاہر ہو، اس لئے وہ یسوع مسیح کا روپ دھار کر دنیا میں آگیا، لوگوں کو نظر آیا، یہودیوں نے اسے تکلیفیں پہنچائیں یہاں تک کہ ایک دن اسے پھانسی چڑھایا گیا۔ لہذا درحقیقت ”یسوع مسیح“ یا ”بیٹا“ کوئی الگ اقنوم یا شخصیت (Person) نہیں ہے، بلکہ وہی باپ ہے جس نے روپ بدل کر اپنا نام ”بیٹا“ رکھ لیا ہے۔

لیکن ظاہر ہے کہ اس فلسفے نے اگر ”ایک اور تین کے اتحاد“ کے مسئلے کو کسی درجے میں حل کیا تو دوسری طرف کئی ناقابل حل مسئلے کھڑے کر دیئے، دوسرے اس فرقے نے بھی کلیسا کے نظریے کی کوئی مدد نہ کی جو ”باپ“ اور ”بیٹے“ کو الگ الگ شخصیتیں قرار دیتا ہے، اس لئے یہ منسرقہ بھی بدعتی قرار پایا، اور مسئلہ پھر جوں کا توں رہا، بدعتی فرقوں کی طرف سے اس مسئلے کے حل کے لئے اور بھی بعض کوششیں کی گئیں، لیکن وہ سب اس لئے ناقابل قبول تھیں کہ ان میں کلیسا کے مسئلہ نظریے کو کسی نہ کسی طرح توڑا گیا تھا،

سوال یہ ہے کہ خود رومن کیتھولک چرچ کے ذمہ داروں نے اس مسئلے کو کس طرح حل کیا جہاں تک ہم نے مطالعہ کیا ہے، رومن کیتھولک علماء میں سے بیشتر تو وہ ہیں جنہوں نے اس گتھی کو حل کرنے سے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ ”تین کا ایک اور ایک کا تین“ ہونا ایک

لے یہاں ہم نے ان فرقوں کے عقائد کا الٹ باب اور خلاصہ پیش کیا ہے، تفصیل کے لئے دیکھئے مارٹن ریلٹن کی کتاب

سرستہ راز ہے جسے سمجھنے کی ہم میں طاقت نہیں ہے، اور کچھ علماء وہ ہیں جنہوں نے اس عقیدے کی

اسی بات کو بعض ہندوستانی پادریوں نے اس طرح تعبیر کیا ہے کہ عقیدہ تثلیث متشابہات میں سے ہے، اور جس طرح قرآن کریم کے حروف مقطعات اور التَّحْنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰی جیسی آیات کا مفہوم سمجھ میں نہیں آسکا، اسی طرح عقیدہ تثلیث بھی ہماری سمجھ سے باہر ہے،

متشابہات کی حقیقت | ہمارے ہندوستانی پادری صاحبان عام طور سے مسلمانوں کو یہ مغالطہ دیا کرتے ہیں، اس لئے اس کا جواب تفصیل سمجھ لیجئے، اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ متشابہ آیاتوں میں جو مفہوم پہنچا ہوتا ہے اور جسے سمجھنے سے ہم قاصر رہتے ہیں وہ کبھی دیکھ کر ان بنیادی عقائد مثل نہیں پڑتا جن پر ایمان لانا نجات کی اولین شرط ہو، اللہ نے جن عقائد پر ایمان رکھنے کا ہم کو پابند کیا ہے وہ کھول کھول کر بیان کر دیئے ہیں، اور ان میں سے ہر ایک عقیدہ ایسا ہے جسے عقل کی کوئی دلیل چیلج نہیں کر سکتی۔ ”متشابہات“ وہ چیزیں ہوتی ہیں جن کا سمجھ میں نہ آنا انسان کی نجات کے لئے چنداں مضر نہ ہو، اور جس کے جاننے پر کوئی بنیادی عقیدہ یا عملی حکم موقوف نہ ہو اس کے برخلاف عیسائی مذہب میں عقیدہ تثلیث پہلا وہ عقیدہ ہے جس پر ایمان لائے بغیر انسان نجات نہیں پاسکتا، اگر اسی عقیدہ تثلیث کو متشابہات میں سے مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ نے ایک ایسی بات سمجھنے اور ماننے کا ہمیں مکلف کیا ہے جو ہماری عقل سے باہر ہے، بالفاظ دیگر عیسائی عقیدہ کے مطابق انسان کی نجات اور اس کا ایمان ایک ایسی چیز پر موقوف ہے جس کے سمجھنے سے وہ معذور ہے، بخلاف قرآنی متشابہات کے کہ اسلام اور ایمان ان کے سمجھنے بجانے پر موقوف نہیں، اگر کوئی شخص ساری عمر متشابہات سے بالکل بے خبر رہے تو اس کے ایمان میں فرق نہیں آتا۔

دوسرے عقیدہ تثلیث کو متشابہات قرار دینا یا تو متشابہات کی حقیقت سے ناواقفیت کی دلیل ہو یا خود عیسائی مذہب کے، اس لئے کہ ”متشابہات“ سے مراد وہ باتیں ہوتی ہیں جن کا مطلب انسانی سمجھ پر نہ پڑتا کہ وہ باتیں نہیں ہوتیں جو عقل کے خلاف ہوں، گویا متشابہات عقل سے ماوراء تو ہوتے ہیں جو در بلاشبہ خلاف نہیں ہوتے، اسلام میں متشابہات کی دو قسمیں ہیں، ایک تو وہ جن کا سرےً شخص ”انسان“ سمجھ میں نہیں آتا، مثلاً حروف مقطعات کہ اَلَمْ دُخِرَ حُرُوفُ کا کوئی مفہوم

بیان نہیں کر سکا، دوسری قسم وہ ہے کہ الفاظ سے ایک ظاہری مفہوم عقل کے خلاف ہوتا ہے، اس لئے یہ کہا جاتا ہے کہ یہاں ظاہر ہے

رہنما حاشیہ صفحہ ۳۵) مفہوم کیا ہے؟ وہ ہمیں معلوم نہیں، مثلاً قرآن کریم میں ہے:

الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰی،

رحمان عرش پر سیدھا ہو گیا۔

ظاہر ہے کہ عقیدہ "توحید فی التثلیث" متشابہات کی ان قسموں میں سے پہلی قسم میں تو داخل نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ اس عقیدے میں جو لفظ استعمال کئے جاتے ہیں اُن کا ایک ظاہری مفہوم سمجھ میں آتا ہے، اسی کے ساتھ یہ عقیدہ دوسری قسم میں بھی داخل نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ اگر عیسائی حضرات یوں کہتے کہ اس عقیدے کا ظاہری مفہوم عقل کے خلاف ہے اس لئے ظاہری مفہوم مراد نہیں ہے، بلکہ کچھ اور مراد ہے، جو ہمیں معلوم نہیں، تب تو بات بن سکتی تھی، لیکن عیسائی مذہب تو یہ کہتا ہے کہ اس عقیدے کا ظاہری مفہوم ہی مراد ہے، ہر عیسائی کو یہ مانتا پڑے گا کہ خدا تین اقنوم ہیں، اور یہ تین ایک ہیں، گویا وہ خلاف عقل بات کو عقیدہ بناتا ہے، اور اس کی دلیل کو انسان کی سمجھ سے ماوراء کہتا ہے، اس کے برخلاف مسلمان مذکورہ آیت میں یہ کہتے ہیں کہ اس کا ظاہری مفہوم یعنی "خدا کا عرش پر بیٹھنا" ہرگز مراد نہیں ہے، کیونکہ وہ عقل کے خلاف ہے، گویا وہ خلاف عقل بات کو عقیدہ نہیں بناتے، بلکہ یہ کہتے ہیں کہ اس کی صحیح مراد ہمیں معلوم نہیں ہے،

_____ P.P. 61, 74

اور ماحبان کا تعلق ہے جو پچھلی ایک صدی کے دوران برصغیر میں عیسائیت کی تبلیغ کرتے رہے ہیں ان کے دلائل پر غور و فکر کرنے کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات عیسائیت کے اصل مراکز سے دوری کے سبب عیسائی مذہب کی تفصیلات کو پوری طرح نہیں سمجھ سکے، ہم یہاں صرف ایک مثال پیش کرتے ہیں جس سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ ان حضرات نے عیسائیت کو کس حد تک سمجھا ہے؟ پادری قائم الدین صاحب نے ”عقیدہ تثلیث“ کی تشریح کے لئے ایک چھوٹا سا رسالہ ”تکشیف التثلیث“ کے نام سے لکھا ہے جو ۱۹۲۷ء میں لاہور سے شائع ہوا تھا، اس میں توحید فی التثلیث کے عقیدے کی ایک مثال دیتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

”اگر انسان کی جسمانی ترکیب پر غور کیا جائے تو بھی اپنی بھنس یعنی مادی اجزاء سے مرکب الوجود ہے کہ جن کی اتحادی کیفیت کو مادی نگاہیں دیکھ سکتی ہیں، مثلاً ہڈی، گوشت، خون، ان تینوں چیزوں کی باہمی یگانگت کے سبب انسان کا جسم اپنے وجود میں قائم ہے، اگر ان تینوں چیزوں میں سے کوئی ایک ہو تو اس کے جسم کی تکمیل محال ہے“ (تکشیف التثلیث ص ۲۴، لاہور ۱۹۲۷ء)

مذکورہ بالا عبارت میں پادری صاحب نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جس طرح انسان کا ایک وجود گوشت، ہڈی اور خون تین اجزاء سے مرکب ہے اسی طرح (معاذ اللہ، اللہ کا وجود تین اقاہیم سے مرکب ہے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ پادری صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ عیسائی مذہب میں ”تین اقاہیم“ سے مراد تین اجزاء ہیں، اور جس طرح ہر وہ چیز جو کئی اجزاء سے مرکب ہو بحیثیت مجرعی ایک ہی ہوتی ہے، اسی طرح خدا کی ذات تین اقاہیم سے مرکب ہونے کے باوجود ایک ہی۔ حالانکہ عیسائی مذہب میں تین اقاہیم کو تین اجزاء نہیں مانتا، بلکہ تین مستقل وجود قرار دیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ باپ، بیٹے اور روح القدس کے لئے اجزاء کا لفظ چھوڑ کر اس نے اقنوم یا شخصیت (Person) کا لفظ اختیار کیا ہے، انسان کا وجود بلاشبہ گوشت، ہڈی اور خون سے مرکب ہے، مگر صرف گوشت یا صرف ہڈی کو کوئی شخص ”انسان“

لے آگسٹائن کے الفاظ میں اس کی تشریح پیچھے گزر چکی ہے،

نہیں کہتا، بلکہ انسان کا ایک جز کہتا ہے، اس کے برخلاف عیسائی مذہب باپ، بیٹے اور روح القدس میں سے ہر ایک کو خدا قرار دیتا ہے، خدا کا جز نہیں مانتا،

اس مثال کو پیش کرنے سے صرف یہ دکھانا مقصود تھا کہ ہمارے اکثر ہندوستانی پادری صاحبان جب تثلیث کو عقلی دلائل سے ثابت کرنا چاہتے ہیں تو خود اپنے مذہب کی تفصیلات ان کی نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہیں، اس لئے ہم ان کے پیش کردہ دلائل کو اس مقالے میں نظر انداز کر کے یہ تحقیق کریں گے کہ عیسائیت کے علماء متقدمین نے اس سلسلے میں کیا کہا ہے؟ جہاں تک ہم نے جستجو کی ہے، اس موضوع پر سب سے زیادہ مفصل جامع اور مبسوط کتاب تیسری صدی عیسوی کے مشہور عیسائی عالم اور فلسفی سینٹ آگسٹائن نے لکھی ہے، بعد کے تمام لوگ اسی کتاب کے خوشہ چلی ہیں، اس کتاب کا انگریزی ترجمہ اے، ڈبلیو، ہیڈن نے کیا ہے، جو On the Trinity کے نام سے چھپ چکا ہے، اور آگسٹائن کے اس مجموعہ مقالات کا جز ہے، جو ۱۹۲۸ء میں نیو یارک سے "بیک رائٹنگس آف سینٹ آگسٹائن" کے نام سے شائع ہوا ہے،

اس کتاب کا بیشتر حصہ اگرچہ نقلی مباحث پر مشتمل ہے، لیکن آخر کے صفحات میں آگسٹائن نے "تین اور ایک کے اتحاد" کو عقلاً جائز ثابت کرنے کے لئے کچھ مثالیں پیش کی ہیں، ان مثالوں کا خلاصہ ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں،

دماغ کی مثال سے تثلیث کا اثبات | آگسٹائن نے پہلی مثال یہ پیش کی ہے کہ انسان کا دماغ اس کے پاس علم کا ایک آلہ ہے، عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ عالم، معلوم اور آلہ علم جدا جدا تین چیزیں ہوتی ہیں، اگر آپ کو زید کے وجود کا علم ہو تو آپ عالم ہیں، زید معلوم ہے اور آپ کا دماغ آلہ علم ہے، گویا،

۱۔ اگر عیسائی مذہب ان تینوں کو خدا کا جز مان لیتا تو پادری قائم الدین صاحب کی یہ توجیہ درست ہو جاتی، یہ دوسری بات ہے کہ خدا کو اجزاء سے مرکب ماننا دوسرے دلائل کی روشنی میں خلاف عقل اور اس کے قدم و دوام کے منافی ہے۔ ۲۔ ہم اس کتاب میں جہاں بھی آگسٹائن کا حوالہ دیں گے اس سے مراد اس کے مقالات کا یہی مجموعہ ہوگا، ت

عالم (جس نے جانا) — آپ

معلوم (جس کو جانا) — زید

آلہ علم (جس کے ذریعہ جانا) — دماغ

لیکن اس کے ساتھ ہی آپ کے دماغ کو خود اپنے وجود کا علم بھی ہوتا ہے۔ اس صورت میں عالم بھی دماغ ہے، معلوم بھی دماغ ہے، اور آلہ علم بھی وہ خود ہی ہے۔ اس لئے کہ دماغ کو اپنا علم خود اپنے ذریعہ حاصل ہوا ہے، اس صورت میں واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ:-

عالم (جس نے جانا) — دماغ

معلوم (جس کو جانا) — دماغ

آلہ علم (جس کے ذریعہ جانا) — دماغ

آپ نے دیکھا کہ اس مثال میں عالم، معلوم اور آلہ علم، جو درحقیقت تین جدا جدا چیزیں تھیں، ایک بن گئی ہیں، پہلی مثال میں عالم ایک الگ وجود تھا، معلوم الگ، اور آلہ علم الگ، لیکن دوسری مثال میں یہ تینوں ایک ہو گئے ہیں، اب اگر کوئی پوچھے کہ عالم کون ہے؟ تو جواب ہوگا کہ دماغ، کوئی پوچھے کہ معلوم کون ہے؟ تو اس کا جواب بھی دماغ ہی ہوگا، اور اگر کوئی پوچھے کہ آلہ علم کیا ہے؟ تو اس کے جواب میں بھی دماغ ہی کہا جائے گا، حالانکہ دماغ ایک ہی ہے، بات صرف یہ ہے کہ یہ دماغ تین صفات رکھتا ہے، ان تین صفات میں سے ہر ایک کے حامل کو دماغ کہا جاسکتا ہے، لیکن اس بناء پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ دماغ تین ہیں، — آگسٹائن کہتا ہے کہ اسی طرح خدا تین اقامیم سے عبارت ہے، ان تینوں میں سے ہر ایک خدا ہے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ خدا تین ہیں۔ بلکہ وہ ایک ہی ہے،

آگسٹائن نے یہ مثال پیش کر کے خاصی ذہانت کا مظاہرہ کیا ہے، لیکن انصاف کے ساتھ غور کیا جائے تو اس مثال سے مسئلہ حل نہیں ہوتا، اس لئے کہ مذکورہ مثال میں دماغ حقیقتاً ایک ہی ہے اور اس کی تثلیث اعتباری ہے، حقیقی نہیں ہے، اس کے برخلاف عیسائی مذہب خدا میں توحید کو بھی حقیقی مانتا ہے، اور تثلیث کو بھی۔

اس کو یوں سمجھئے کہ مذکورہ مثال میں دماغ کی تین حیثیتیں ہیں، ایک حیثیت سے وہ عالم ہی، دوسری حیثیت سے وہ معلوم ہے، اور تیسری حیثیت سے وہ ذریعہ علم ہے، لیکن خارجی وجود کے لحاظ سے یہ تینوں ایک ہیں، عالم کا خارجی مصداق بھی وہی دماغ ہے جو معلوم اور ذریعہ علم کا ہے، ایسا نہیں ہے کہ جو دماغ عالم ہے وہ ایک مستقل وجود رکھتا ہو، اور جو دماغ معلوم ہے وہ دوسرا مستقل وجود رکھتا ہو، اور جو دماغ آلہ علم ہے اس کا ایک تیسرا حقیقی وجود ہو، لیکن عیسائی مذہب میں باپ، بیٹا اور روح القدس محض خدا کی تین اعتباری حیثیتیں نہیں ہیں، بلکہ تین مستقل وجود ہیں، باپ کا خارجی وجود الگ ہی، بیٹے کا خارجی وجود الگ ہی، اور روح القدس کا الگ، یہ تینوں خارجی وجود اپنے آثار و احکام کے لحاظ بھی بالکل الگ الگ ہیں، خود آگسٹائن اپنی کتاب کے شروع میں لکھتے ہیں:

یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ تثلیث وحدت ہی کنواری مریم کے پیٹ سے پیدا ہوئی، اسے پنطیس پیلاطس نے پھانسی دی، اُسے دفن کیا گیا، اور پھر یہ تیسرے دن زندہ ہو کر جنت میں چلی گئی، کیونکہ یہ واقعات تثلیثی وحدت کے ساتھ نہیں، صرف بیٹے کے ساتھ پیش آئے تھے، اسی طرح یہ بھی نہ سمجھنا چاہئے، کہ یہی تثلیثی وحدت یسوع مسیح پر کبوتر کی شکل میں اُس وقت نازل ہوئی تھی جب اسے بپتسمہ دیا جا رہا تھا۔۔۔۔۔ بلکہ یہ واقعہ صرف روح القدس کا تھا، علیٰ ہذا القیاس یہ سمجھنا بھی درست نہیں کہ جب یسوع مسیح کو بپتسمہ دیا جا رہا تھا۔۔۔۔۔ تو اس وقت تثلیثی وحدت نے اس سے پکار کر کہا تھا کہ تو میرا بیٹا ہے، بلکہ یہ الفاظ صرف باپ کے تھے جو بیٹے کے لئے بولے گئے تھے۔۔۔۔۔ (آگسٹائن، ص ۶۷۲، ج ۲)

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ عیسائی مذہب باپ، بیٹے، اور روح القدس میں صرف اعتباری امتیاز کا عقیدہ نہیں رکھتا، بلکہ اُن کو تین الگ الگ حقیقی وجود قرار دیتا ہے، حالانکہ دماغ کی مذکورہ مثال میں عالم، معلوم اور آلہ علم الگ الگ تین حقیقی وجود نہیں ہیں، بلکہ ایک حقیقی وجود کی تین اعتباری حیثیتیں ہیں، یہ بات کوئی ہوشمند نہیں کہہ سکتا کہ عالم دماغ مستقل وجود رکھتا ہے، معلوم دماغ دوسرا مستقل وجود اور آلہ علم دماغ ایک تیسرا مستقل وجود رکھتا ہے، اور اس کے باوجود تینوں

ایک ہیں، حالانکہ عقیدہ تثلیث کا حاصل یہ ہے کہ باپ کا ایک مستقل وجود ہے، بیٹے کا دوسرا مستقل وجود ہے، اور روح القدس کا تیسرا مستقل وجود ہے، اور اس کے باوجود یہ تینوں ایک ہیں۔

خلاصہ یہ کہ عیسائی مذہب کا دعویٰ یہ ہے کہ خدا میں "وحدت" بھی حقیقی ہے، اور کثرت (تثلیث) بھی، لیکن آگسٹائن نے جو مثال پیش کی ہے اس میں وحدت تو حقیقی ہے، مگر کثرت حقیقی نہیں ہے، بلکہ اعتباری ہے، اس لئے اس سے تین اور ایک کا حقیقی اتحاد ثابت نہیں ہوتا۔ جہاں تک اللہ کے ایک وجود میں صفات کی کثرت کا تعلق ہے تو وہ محل نزاع ہی نہیں ہے، اس کے تمام مذاہب قائل ہیں، سب مانتے ہیں کہ اللہ ایک ہونے کے باوجود بہت سی صفات رکھتا ہے، وہ رحیم بھی ہے قہار بھی، عالم الغیب بھی، قادر مطلق بھی، اس طرح اس کی بہت سی صفات ہیں، اور ان سے اس کی توحید پر کوئی حرف نہیں آتا، اس لئے کہ کوئی یہ نہیں کہتا کہ رحیم خدا کوئی اور ہے، قہار کوئی اور، قادر مطلق کوئی اور۔ اس کے برخلاف عیسائی مذہب یہ کہتا ہے کہ "باپ" الگ ایک خدا ہے، بیٹا الگ خدا ہے، اور روح القدس الگ خدا ہے، اور اس کے باوجود یہ تین خدا نہیں ہیں، بلکہ ایک ہی ہیں،

دوسری مثال | آگسٹائن نے اسی طرح کی ایک اور مثال پیش کی ہے، وہ کہتا ہے کہ ہر انسان کا دماغ اپنی صفتِ علم سے محبت رکھتا ہے، اور اس محبت کا اسے علم ہی لہذا وہ اپنے علم کے لئے محب ہے، اور محبت کے لئے عالم ہے، یعنی،
دماغ _____ اپنے علم کے لئے _____ محب ہے،
دماغ _____ اس محبت کے لئے _____ عالم ہے،
لہذا یہاں تین چیزیں پائی گئیں، دماغ، محب، عالم، اور یہ تینوں چیزیں ایک ہی ہیں، اس لئے کہ محب بھی دماغ ہے، اور عالم بھی دماغ ہے، اور دماغ تو دماغ ہے ہی، اسی طرح خدا کے تین اقنوم ہیں، خدا کی ذات (باپ)، اُس کی صفتِ علم (بیٹا)، اور اس کی صفتِ محبت (روحِ درمیاں) اور یہ تینوں ایک خدا ہیں،

اس مثال کی بنیاد بھی اس مغالطے پر ہے کہ دماغ ایک ذرا

دو صفتیں ہیں جن کا کوئی مستقل اور حقیقی وجود نہیں ہے، اس کے برخلاف عیسائی مذہب میں باپ ایک ذات ہے، اور صفت کلام (بیٹا) اور صفت محبت (روح القدس) اس کی دو ایسی صفتیں ہیں جو اپنا مستقل جوہری اور حقیقی وجود رکھتی ہیں، لہذا دماغ کی مثال میں وحدت حقیقی ہے، اور کثرت اعتباری، یہ صورت عقلاً بالکل ممکن ہے، اور عقیدہ تثلیث میں حقیقی کثرت کے باوجود حقیقی وحدت کا دعویٰ کیا گیا ہے، اور یہ بات عقلاً محال ہے،

اگر عیسائی مذہب کا عقیدہ یہ ہو کہ خدا ایک ذات ہے، اور اس کی صفت کلام اور صفت محبت خدا سے الگ کوئی مستقل جوہری وجود نہیں رکھتیں، تب تو یہ مثال درست ہو سکتی ہے، اور اس صورت میں یہ مسئلہ اسلام اور عیسائیت کے درمیان مختلف فیہ نہیں رہتا، مشکل تو اس بات سے پیدا ہوتی ہے کہ عیسائی مذہب صفت کلام اور صفت محبت کو مستقل جوہری وجود قرار دیتا ہے، ان میں سے ہر ایک کو خدا کہتا ہے، اور اس کے باوجود یہ کہتا ہے کہ یہ تین خدا نہیں ہیں، یہ صورت کسی طرح دماغ کی مذکورہ مثال پر چسپاں نہیں ہوتی، اس لئے کہ اس مثال میں محب اور عالم کا دماغ سے الگ کوئی مستقل وجود نہیں ہے، جب کہ عیسائی مذہب میں بیٹا اور روح القدس باپ سے الگ اپنا مستقل وجود رکھتے ہیں،

آگسٹائن نے اپنی کتاب میں انہی دو مثالوں کو اپنی ساری عقل گفتگو کا محور بنایا ہے، لیکن آپ دیکھ چکے کہ یہ دونوں مثالیں درست نہیں ہیں،

حضرت مسیح کے بارے میں عیسائی عقائد

حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں عیسائی مذہب کے عقائد کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا کی صفت کلام یعنی بیٹے کا اقنوم انسانوں کی فلاح کے لئے حضرت مسیح علیہ السلام کے انسانی وجود میں حلول کر گئی تھی، جب تک حضرت مسیح دنیا میں رہے یہ خدائی اقنوم ان کے جسم میں حلول کئے رہا، یہاں تک کی مذکورہ مثال نہ آپ کو پھانسی پر چڑھا دیا، اُس وقت یہ خدائی اقنوم اُن کے جسم سے الگ ہو گیا، کی تین اعتباری حیثیتیں: مارہ زندہ ہو کر حواریوں کو دکھائی دیتے، اور انہیں کچھ ہدایتیں دے کر اسکا دماغ دوسرا مستقل وجود اور آلہ علم و ذہن آپ کو جو پھانسی پر چڑھایا اس سے تمام عیسائی مذہب پر ایمان

رکنے والوں کا وہ گناہ معاف ہو گیا جو حضرت آدمؑ کی غلطی سے اُن کی سرشت میں داخل ہو گیا تھا،
اس عقیدے کے چار بنیادی اجزاء ہیں :

(۱) عقیدہ حلول و تجسم Incarnation

(۲) عقیدہ مصلوبیت Crucifixion

(۳) عقیدہ حیاتِ ثانیہ Resurrection

(۴) عقیدہ کفارہ Redemption

ہم ان میں سے ہر ایک جز کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں :

عقیدہ حلول و تجسم | حلول و تجسم کا عقیدہ سب سے پہلے انجیلِ یوحنا میں ملتا ہے، اس انجیل کا مصنف حضرت مسیحؑ کی سوانح کی ابتداء ان الفاظ سے کرتا ہے :

”ابتداء میں کلام تھا، اور کلام خدا کے ساتھ تھا، اور کلام خدا تھا، یہی ابتداء میں

خدا کے ساتھ تھا“ (یوحنا ۱: ۱-۲)

اور آگے چل کر وہ لکھتا ہے :

”اور کلام مجسم ہوا، اور فضل اور سچائی سے معمور ہو کر ہمارے درمیان رہا، اور

ہم نے اس کا ایسا جلال دیکھا جیسا باپ کے اکلوتے کا جلال“ (یوحنا ۱: ۱۴)

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ عیسائی مذہب میں کلام خدا کے اقنوم ابن سے عبارت ہے، جو خود

مستقل خدا ہے، اس لئے یوحنا کی عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ خدا کی صفت کلام یعنی بیٹے کا اقنوم

مجسم ہو کر حضرت مسیح علیہ السلام کے روپ میں آگیا تھا، ماس ریلیٹن اس عقیدے کی تشریح

کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

”کیونکہ عقیدے کا کہنا یہ ہے کہ وہ ذات جو خدا تھی، خدائی کی صفات کو

چھوڑے بغیر، انسان بن گئی، یعنی اُس نے ہمارے جیسے وجود کی کیفیات اختیار

کر لیں جو زمان و مکان کی قیود میں مقید ہو، اور ایک عرصے تک ہمارے درمیان

مقیم رہی“

”بیٹے“ کے اقنوم کو یسوع مسیح (علیہ السلام) کے انسانی وجود کے ساتھ متحد کرنے والی طاقت عیسائیوں کے نزدیک روح القدس تھی پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ روح القدس سے مراد عیسائی مذہب میں خدا کی صفتِ محبت ہے، اس لئے اس عقیدے کا مطلب یہ ہوا کہ چونکہ خدا کو اپنے بندوں سے محبت تھی اس لئے اس نے اپنی صفتِ محبت کے ذریعہ اقنوم ابن کو دنیا میں بھیج دیا، تاکہ وہ لوگوں کے اصلی گناہ کا کفارہ بن سکے۔

یہاں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ عیسائیوں کے نزدیک ”بیٹے“ کے حضرت مسیح علیہ السلام میں حلول کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ”بیٹا“ خدائی چھوڑ کر انسان بن گیا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ پہلے صرف خدا تھا، اب انسان بھی ہو گیا، لہذا اس عقیدے کے مطابق حضرت مسیح بیک وقت خدا بھی تھے اور انسان بھی، (الفریڈ اسی، گارو کے اسی بات کو ان الفاظ میں ظاہر کرتا ہے: ”وہ (حضرت مسیح) حقیقتہً خدا بھی تھے، اور انسان بھی، اُن کی ان دونوں حیثیتوں میں سے کسی ایک کے انکار یا اُن کے وجود میں دونوں کے متحد ہونے کے انکار ہی سے مختلف بدعتی نظریات پیدا ہوئے، اہتہائی شیس نے آریوس کے مقابلے میں اس نظریے کی پرزور حمایت کی تھی، لہذا منظور شدہ فارمولہ گایہ ہے کہ حضرت مسیح کی ایک شخصیت میں دو ماہیتیں جمع ہو گئی تھیں۔“

انسانی حیثیت سے حضرت مسیح خدا سے کم رتبہ تھے، اسی لئے انھوں نے یہ کہا تھا کہ: ”باپ مجھ سے بڑا ہے۔“ (یوحنا، ۱۴: ۲۸)

اور اسی حیثیت سے ان میں تمام انسانی کیفیات پائی جاتی تھیں، لیکن خدائی حیثیت سے وہ ”باپ“ کے ہم رتبہ ہیں، اسی لئے انجیل یوحنا میں آپ کا یہ قول مذکور ہے کہ:

”میں اور باپ ایک ہیں“ (یوحنا، ۱۰: ۳۰)

آگسٹائن لکھتے ہیں:

”علیٰ ہذا القیاس خدائی حیثیت سے انھوں نے انسان کو پیدا کیا، اور انسانی حیثیت

۱۵ (ایضاً ص ۱۳۳)

۱۶ انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایٹھکس ص ۵۸۶ ج ۳ مقالہ ”عیسائیت“

سے وہ خود پیدا کئے گئے۔^{۱۵}

بلکہ آگسٹائن تو یہاں تک لکھتے ہیں کہ:-

چونکہ خدا نے بندے کا روپ اس طرح نہیں اپنایا تھا کہ وہ اپنی اس خدائی حیثیت کو ختم کر دے جس میں وہ باپ کے برابر ہے۔ لہذا ہر شخص اس بات کو محسوس کر سکتا ہے کہ یسوع مسیح اپنی خدائی شکل میں خود اپنے آپ کے افضل ہیں، اور اسی

طرح اپنی انسانی حیثیت میں خود اپنے آپ کے کمتر بھی ہیں“ (ص ۸، ۶، ج ۲)

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص خدا بھی ہو اور انسان بھی؟

خالق بھی ہو اور مخلوق بھی؟ برتر بھی ہو اور کمتر بھی؟ ————— عقیدہ تثلیث کی طرح یہ سوال

بھی صدیوں سے بحث و تحقیق کا محور بنا رہا ہے، اس سوال کے جواب میں اس قدر کتابیں لکھی گئی ہیں کہ ”علم مسیحیت“ (Christology) کے نام سے ایک مستقل علم کی بنیاد پڑ گئی،

جہاں تک رومن کیتھولک چرچ کا تعلق ہو وہ اس سوال کے جواب میں زیادہ تر انجیل پوچھا کی مختلف عبارتوں سے استدلال کرتا ہے، گویا اس کے نزدیک یہ عقیدہ نقلی دلائل سے ثابت

ہے، رہی عقل، تو عقیدہ حلول کو انسانی سمجھ سے قریب کرنے کے لئے وہ چند مثالیں پیش کرتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ ”خدا“ اور ”انسان“ کا یہ اتحاد ایسا تھا جیسے انگوٹھی میں کوئی تحریر نقش کر دی جاتی ہو،

کوئی کہتا ہے کہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے آئینے میں کسی انسان کی شکل منعکس ہو جائے، تو جس طرح انگوٹھی میں تحریر کے نقش ہونے سے ایک ہی وجود میں دو قسم کی چیزیں پائی جاتی ہیں،

انگوٹھی اور تحریر، اور جس طرح آئینے میں کسی شکل کے منعکس ہونے سے ایک ہی وجود میں دو حقیقتیں پائی جاتی ہیں، آئینہ اور عکس، اسی طرح اقنوم ابن حضرت مسیح علیہ السلام کے انسانی

وجود میں حلول کر گیا تھا، اور اس کی وجہ سے ان کی شخصیت میں بھی بیک وقت دو حقیقتیں

^{۱۵} آگسٹائن ص ۸، ۶، ج ۲،

^{۱۶} ان نقلی دلائل کی تفصیل اور ان پر مکمل تبصرہ اظہار الحق کے تیسرے باب میں موجود ہے،

^{۱۷} دیکھئے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ص ۴۷۹ ج ۲۲، مقالہ ”تثلیث“ مطبوعہ ۱۹۵۰ء،

پائی جاتی تھیں، ایک خدا کی اور ایک انسان کی _____ لیکن اس دلیل کو اکثر عیسائی مفکرین نے قبول نہیں کیا،

اس کے بعد مختلف عیسائی مفکرین نے اس سوال کو جس طرح حل کیا، اس کا ایک اجمالی حال ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں،

ان میں سے ایک گروہ تو وہ تھا جس نے اس سوال کے جواب سے مایوس ہو کر یہ کہہ دیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا ماننا ہی غلط ہے، وہ صرف انسان تھے، اس لئے

وہ جنھوں نے حضرت مسیح کو خدا ماننے سے انکار کر دیا،

یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا،

مسٹر جیمس میک کنن

James Mackinnon

نے اپنی فاضلانہ

From Christ to Constantine

میں ان مفکرین کا تذکرہ

کتاب

کافی تفصیل کے ساتھ کیا ہے، اُن کے بیان کے مطابق اس نظریے کے ابتدائی لیڈر پال آف سموسٹا

لے اس لئے کہ ذرا سا غور کیا جائے تو رومن کیتھولک چرچ کی یہ دلیل بہت سطحی ہے، اس لئے کہ انگوٹھی میں جو تحریر نقش ہوتی ہے، وہ اپنے ظاہری اتصال کے باوجود انگوٹھی سے بالکل الگ ایک چیز ہے، اسی وجہ سے کوئی انگوٹھی کو یہ نہیں کہتا کہ وہ تحریر ہے اور نہ تحریر کو یہ کہا جاتا ہے کہ وہ انگوٹھی ہے، اس کے برخلاف عیسائی مذہب اقنوم ابن کے حلول کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ کہتا ہے کہ وہ خدا تھے، اور خدا کو یہ کہتا ہے کہ وہ انسان بن گیا تھا، اسی طرح اگر آئینے میں زید کا عکس نظر آ رہا ہے تو وہ آئینے سے بالکل الگ ایک چیز ہے، اسی لئے کوئی آئینے کو یہ نہیں کہتا کہ یہ زید ہے، اور نہ زید کو یہ کہا جاتا ہے کہ وہ آئینہ ہے، اس کے برعکس عیسائی مذہب میں حضرت مسیح کو خدا اور خدا کو انسان کہا جاتا ہے، لہذا یہ مثال کسی طرح عقیدہ حلول پر فٹ نہیں ہوتی،

علامہ ابن حزم نے اس کا نام "بولس الشمشاطی" ذکر کیا ہے (الملل والنحل، ص ۴۸ ج ۱،) یہ شخص

۲۶۰ء سے ۳۴۰ء تک انطاکیہ کا بطریق رہا ہے، (دیکھئے برٹانیکا، ص ۳۹۸ ج ۱۴)

(Paul of Samosata) اور لوسین (Lucian) تھے، مسٹر میک کنن لکھتے ہیں

”دونوں کا نظریہ یہ تھا کہ یسوع مسیح ایک مخلوق تھے، البتہ دونوں کے نظریات میں فرق یہ کہ پال کے نزدیک وہ محض ایک انسان تھے، جن میں خدا کی غیر شخصی عقل نے اپنا مظاہرہ کیا تھا، اور لوسین اور اس کے محکمہ فکر کے نزدیک وہ ایک آسمانی وجود تھے، جس کو خدا عدم سے وجود میں لایا تھا، اور جن میں خدائی عقل اپنی شخصی کیفیت میں آگئی تھی، لہذا وہ حلول کے وقت ایک انسانی جسم کا مظاہرہ کرتے تھے، مگر ان کی روح انسانی نہیں تھی، اُن کا مشن یہ تھا کہ وہ ”باپ“ کا پیغام پہنچائیں؛ لیکن نہ تو وہ علی الاطلاق خدا تھے، اور نہ قدیم اور جاودانی“

گویا پال نے دوسرے سے حلول کے عقیدے ہی کا انکار کر دیا، اور یہ کہا کہ حضرت مسیحؑ کے وجود میں خدا کے حلول کرنے کا مطلب صرف یہ ہے کہ اُن کو خدا کی طرف سے ایک خاص عقل عطا ہوئی تھی، اور لوسین نے حلول کے عقیدے کا تو انکار نہیں کیا، اس نے یہ تسلیم کیا کہ خدا کی صفت علم اُن میں حلول کر گئی تھی، لیکن یہ حلول ایسا نہ تھا کہ حضرت مسیحؑ کو خدا، خالق، قدیم اور جاودانی بنادے، بلکہ اس حلول کے باوجود خدا بدستور خالق رہا، اور حضرت مسیحؑ بدستور مخلوق، پال اور لوسین ہی کے نظریات سے متاثر ہو کر چوتھی صدی عیسوی میں مشہور مفکر آریوس (Arius) نے اپنے وقت کے کلیسا کے خلاف بڑی زبردست جنگ لڑی، اور پوری عیسائی دنیا میں ایک تہلکہ مچا دیا، اس کے نظریات کا خلاصہ جس میں میک کنن کے الفاظ میں یہ تھا: ”آریوس اس بات پر زور دیتا تھا کہ صرف خدا ہی قدیم اور جاودانی ہے، اور اس کا کوئی سا جھی نہیں، اسی نے بیٹے کو پیدا کیا، جبکہ وہ پہلے معدوم تھا، لہذا نہ بیٹا جاودانی

۱۔ لوسین (متوفی ۳۱۲ء) عیسائیوں کا مشہور عالم ہے جن نے تمام عمر راہبانہ زندگی گزاری، اس کے نظریات پوسٹ شمٹالی اور آریوس کے نظریات کے بین بین تھے، شمٹالیہ میں پیدا ہوا تھا، لیکن زندگی کا بیشتر حصہ انطاکیہ میں گزارا (برٹانیکا، ص ۶۰ ج ۱۲، مقالہ لوسین)

ہے، اور نہ خدا ہمیشہ سے باپ ہے، کیونکہ ایک ایسا وقت تھا جس میں بیٹا موجود نہیں تھا، بیٹا باپ سے بالکل الگ ایک حقیقت رکھتا ہے، اور اس پر تغیرات واقع ہو سکتے ہیں، وہ صحیح معنی میں خدا نہیں ہے، البتہ اس میں ”مکمل“ ہونے کی صلاحیت موجود ہے، اور وہ ایک مکمل مخلوق ہے۔ ایک عقل مجسم جو ایک حقیقی انسانی جسم میں پائی جاتی ہے، اس طرح اس کے نزدیک مسیح ایک ثانوی خدائی کا حامل ہے، یا یوں کہہ لیجئے کہ نیم دیوتا (Demi-god) جو خدائی اور انسانیت دونوں کی صفات سے کسی قدر حصہ رکھتا ہے، لیکن بلند ترین معنی میں خدا نہیں ہے۔

گویا اس کی نظر میں حضرت مسیح کی حیثیت یہ تھی کہ ع

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

جس زمانے میں آریوس نے یہ نظریات پیش کئے تھے، اس زمانے میں خاص طور سے مشرق کے کلیساؤں میں اسے غیر معمولی مقبولیت حاصل ہو گئی تھی، یہاں تک کہ خود اس کا دعویٰ تو یہ تھا کہ تمام مشرقی کلیسا میرے ہم نوا ہیں،

لیکن اسکندریہ اور انطاکیہ کے مرکزی کلیساؤں پر الیگزینڈر اور اہتہانی شیش وغیرہ کی حکمرانی تھی، جو مسئلے کے کسی ایسے حل کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھے، جس سے حضرت مسیح علیہ السلام کی خدائی کو ٹھیس لگتی ہو، اور عقیدہ حلول کے ٹھیکہ مفہوم پر کوئی حرف آتا ہو، چنانچہ جب شاہ قسطنطین نے ۳۲۵ء میں نیقیہ کے مقام پر ایک کونسل منعقد کی تو اس میں آریوسی عقائد کی نہ صرف پرزور تردید کی گئی، بلکہ آریوس کو جلاوطن کر دیا گیا،

اس کے بعد پانچویں صدی عیسوی میں پولسی فرقہ (Paulicians) | پولسی فرقہ

نمودار ہوا، اس نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں ایک بن بن راستے ظاہر کی، اس نے کہا کہ حضرت مسیح خدا نہیں تھے، بلکہ فرشتہ تھے، انھیں خدا نے دنیا میں بھیجا تھا، تاکہ دنیا کی اصلاح کریں، چنانچہ وہ مریم کے پیٹ سے ایک انسان کی شکل اختیار کر کے

پیدا ہوئے، اور چونکہ خدا نے انہیں اپنا مخصوص حلال عطا کیا تھا، اس لئے وہ "خدا کے بیٹے" کہلائے۔ اس فرقے کے اثرات زیادہ تر ایشیائے کوچک اور آرمینیا کے علاقوں میں رہے ہیں، لیکن اس کو قبول عام حاصل نہ ہو سکا، کیونکہ حضرت مسیح کے فرشتہ ہونے پر کوئی نقلی دلیل موجود نہیں تھی۔

نسٹوری فرقہ | پھر پانچویں صدی ہی کے وسط میں نسٹوری فرقہ کھڑا ہوا جس کا لیڈر نسٹوریوس (م ۴۵۰ء) تھا، اس نے اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے ایک

نیا فلسفہ پیش کیا، اور وہ یہ کہ عقیدہ حلول کی تمام تر مشکلات اس مفروضے کی بناء پر ہیں کہ حضرت مسیح کو ایک شخصیت قرار دے کر ان کے لئے دو حقیقتیں ثابت کی گئی ہیں، ایک انسانی اور ایک خدائی۔ نسٹوریوس نے کہا کہ حضرت مسیح کا خدا ہونا بھی بجا، اور انسان ہونا بھی برحق، لیکن یہ تسلیم نہیں کہ وہ "ایک شخصیت" تھے، جن میں یہ دونوں حقیقتیں جمع ہو گئی تھیں حقیقت یہ ہے کہ حضرت مسیح کی ذات دو شخصیتوں کی حامل تھی، ایک بیٹا، اور ایک مسیح، ایک ابن اللہ اور ایک ابن آدم، "بیٹا" خالص خدا ہے، اور "مسیح" خالص انسان،

رومن کیتھولک چرچ کا فارمولہ یہ تھا کہ: "ایک شخصیت اور دو حقیقتیں"۔ اس کے برعکس نسٹوریوس کا فارمولہ یہ تھا کہ: "دو شخصیتیں اور دو حقیقتیں"۔ چنانچہ ۴۵۱ء میں افسس کے مقام پر تمام کلیساؤں کی ایک کونسل میں اس کے نظریات کو پر زور طریقے سے مسترد کر دیا گیا، اور اسی کے نتیجے میں اسے جلا وطن اور قید کی سزائیں دی گئیں، اور اس کے پیروؤں کو بدعتی قرار دیا گیا تاہم یہ فرقہ اب تک باقی ہے، اس کے خلاف جو جرم عائد کیا گیا تھا اس کا خلاصہ ڈاکٹر ہیدن بیکر

(Bethune-Baker) ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"اس نے ہماری خداوند کی خدائی اور انسانی حقیقتیں میں اس قدر امتیاز برتا کہ

وہ دو مستقل وجود بن گئے، اس نے کلمہ اللہ کو لیوے سے اور ابن اللہ

کو ابن آدم سے الگ شخصیت قرار دیا۔"

۱۔ اس فرقہ کے مزید نظریات کے لئے دیکھئے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ص ۳۹۷، مقالہ "پالیشینس"۔
۲۔ آخر زمانے کے بعض محققین مثلاً بیدون بیکر وغیرہ کا خیال ہے کہ اس پر یہ الزام بالکل بے بنیاد ہے، اور اس کے نظریات ٹھیک سمجھا نہیں گیا، مگر یردنیس مارٹن ریلٹن وغیرہ نے اس کی تردید کر کے افسس کونسل کے فیصلے کی تائید کی ہے۔

دریختہ Studies in Christian Doctrine P. 102

یعقوبی فرقہ

اس کے بعد چھٹی صدی عیسوی میں یعقوبی فرقہ Jacobite church

پیدا ہوا، جس کے اثرات اب تک شام اور عراق میں باقی ہیں، ان کا لیڈر

یعقوب برزغانی (Jacobus Baradaeus) تھا، اس کا نظریہ آریوس

اور نسطوریوس دونوں کے بالکل برعکس تھا، نسطوریوس نے حضرت مسیح علیہ السلام کے وجود میں دو حقیقتوں کے ساتھ دو شخصیتیں ثابت کی تھیں، یعقوب نے کہا کہ حضرت مسیح نہ صرف یہ کہ ایک شخصیت تھے، بلکہ ان میں "حقیقت" بھی صرف ایک پائی جاتی تھی۔ اور وہ تھی خدائی؛ وہ صرف خدا تھے، گو ہمیں انسان کی شکل میں نظر آتے ہوں، دی ورلڈ فیملی انسائیکلو پیڈیا میں اس فرقے کا نظریہ اس طرح بیان کیا گیا ہے:

”وہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ مسیح میں خدائی اور انسانی حقیقتیں کچھ اس طرح متحد ہو گئی تھیں، کہ وہ صرف ایک حقیقت بن گئی تھی۔“

یہ نظریہ یعقوب برزغانی کے علاوہ بعض دوسرے فرقوں نے بھی اپنایا تھا اس قسم کے فرقوں کو ”مونوفیزی فرقے“ (Monophysites) کہا جاتا ہے، اور ساتویں صدی

صدی عیسوی تک ان فرقوں کا بھجور دور رہا ہے،

آخری تاویل مندرجہ بالا بحث سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ عقیدہ حلول کی تشریح اور اسے عقل سے قریب لانے کے لئے مختلف عیسائی مفکرین کی طرف سے کیا

کوششیں کی گئیں؛ لیکن آپ نے دیکھا کہ ان میں سے ہر کوشش مرکزی رومن کیتھولک چرچ کے عقائد سے انحراف کر کے کی گئی ہے، اس لئے خود مرکزی کلیسا کے ذمہ داروں نے اسے بدعت

۱۵ دی ورلڈ فیملی انسائیکلو پیڈیا، ص ۲۶۳۸ ج ۱۰ مطبوعہ نیویارک ۱۹۵۷ء

۱۶ یہ ابتداء سے اسلام کا زمانہ ہی، اس زمانے میں یہ فرقے تمام عیسائی دنیا کا اہم ترین موضوع بحث تھے، اور ان کی وجہ سے شام وغیرہ میں بڑے ہنگامے ہو رہے تھے (دیکھئے برٹانیکا، ص ۲۰، ج ۱۵، مقالہ ”مونوفیزی فرقے“) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے اپنے مندرجہ ذیل ارشاد میں غالباً اپنی فرقوں کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَقَدْ تَفَضَّلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ

الْإِسْمِ بَنَ سَوِيْمٍ

”بلاشبہ وہ لوگ کافر ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ

مسیح بن مریم ہی ہے۔“

درار دیا، رہا اصل سوال کا جواب، تو اس کے بارے میں رجعت پسندوں کی طرف سے تو صرف یہ
جانتا رہا کہ درحقیقت عقیدہ حلول بھی ایک سرسبز راز ہے جسے مانتا ضروری ہے، مگر سمجھنا ممکن
نہیں، (دیکھئے برطانیہ کا،)

لیکن یہ بات کسی سنجیدہ ذہن کو اپیل کرنے والی نہیں تھی، اس لئے آخر دور میں عقیدہ حلول
تیل کے مطابق ثابت کرنے کے لئے ایک اور تاویل کی گئی، اس تاویل کی خصوصیت یہ ہو کہ
میں ٹھیک ٹھیک رومن کیتھولک عقیدے کی پشت پناہی کی گئی ہے، اور اُسے جوں کا تو
تسار رکھنے کی کوشش کی گئی ہے، یہ تاویل اگرچہ بعض قدیم مفکرین نے بھی پیش کی تھی
اسے پروفیسر آرتھر ریلیٹن نے بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:
”اس قسم کا حلول (جن کا رومن کیتھولک چرچ قائل ہے) اچھی طرح سمجھ میں آسکتا
ہے، اگر یہ بات یاد رکھی جائے کہ اس کے لئے راہ اُسی وقت ہموار ہو گئی تھی جب
پہلے انسان (آدم) کو خدا کے مشابہ بنا کر پیدا کیا گیا تھا، اس کا صاف مطلب یہ
ہے کہ خدا کے اندر ہمیشہ سے انسانیت کا ایک عنصر موجود تھا، اور اسی انسانی
عنصر کو ہنی آدم کے مخلوق ڈھانچے میں نامکمل طور سے منعکس کر دیا گیا تھا، لہذا
سچی انسانیت خدا ہی کی انسانیت ہے، یہ اور بات ہے کہ خالص اور محض انسانیت
آدمی میں پائی جاتی ہے، کیونکہ وہ ایک مخلوق اور نامکمل انسانیت رکھتا ہے، جو کبھی
خدا کی کاروب نہیں دھار سکتی، خواہ اس میں کتنے عرصے تک خدائی کیون نہ مقیم رہی ہو
لہذا جب خدا انسان بنا تو اس نے جن انسانیت کا مظاہرہ کیا وہ محض مخلوق
انسانیت نہیں تھی، جو ہم موجود ہے، بلکہ یہ وہ حقیقی انسانیت تھی جو صرف خدا
ہی کے پاس ہے، اور جن کے مشابہ بنا کر ہم کو پیدا کیا گیا ہے،..... احسنا
اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ یسوع مسیح کی انسانیت وہ انسانیت نہیں ہے،
جسے ہم اپنے وجود میں محسوس کرتے ہیں، بلکہ یہ خدا کی انسانیت تھی، جو ہماری

لے یہاں مارتھ ریلیٹن بائبل کے اُس جملے کی طرف اشارہ کر رہی ہیں جس میں کہا گیا ہے کہ: ”خدا نے انسان کو اپنی
صورت پر پیدا کیا“ (پیدائش: ۲۷)

انسانیت اتنی ہی مختلف ہے جتنا خالق مخلوق سے مختلف ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس تاویل کی زد سے اگرچہ حضرت مسیح کی ایک شخصیت میں "خدائی" انسانیت "دو نول حقیقتیں جمع تھیں، لیکن انسانیت بھی خدائی انسانیت تھی، آدمی انسانیت نہ تھی، لہذا دونوں کے بیک وقت پائے جانے میں کوئی اشکال نہیں، یہ ہے وہ تاویل جو پروفیسر مارٹن ریلٹن کے نزدیک سب سے زیادہ معقول، نتیجہ خیز اور اعتراضات سے محفوظ ہے، اور اس سے کیتھولک عقیدے پر بھی کوئی حرف نہیں آتا۔ لیکن یہ تاویل بھی کتنا وزن رکھتی ہے؟ اہل نظر سمجھ سکتے ہیں۔

Studies in Christian Doctrine PP. 133, 144

اس تاویل کی بنیاد اس مفروضے پر ہے کہ خدا میں ازل سے مکمل انسانیت پائی جاتی ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ یہ "خدائی انسانیت" کیا چیز ہے؟ کیا اس میں بھی بھوک، پیاس، خوشی، غم اور وہ تمام انسانی عوارض پائے جاتے ہیں جو ہم میں موجود ہیں؟ اگر یہ عوارض اس میں بھی پائے جاتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا کو بھی (معاذ اللہ) بھوک، پیاس لگتی ہے، اُسے بھی تکلیف اور راحت پہنچتی ہے، اور اس میں بھی حدوث کے تمام عوارض پائے جاتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ بات بجا بہت غلط ہے، اور رومن کیتھولک چرچ بھی اس کا عقیدہ نہیں رکھتا، اور اگر "خدائی انسانیت" ان تمام عوارض سے پاک ہے تو سوال یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام میں یہ عوارض کیوں پائے جاتے تھے؟ انہیں کیوں بھوک، پیاس لگتی تھی انہیں کیوں بچ اور غم ہوتا تھا؟ وہ ربزعم نصاریٰ) سولی پر لٹک کر کیوں درد سے چلا تے تھے؟ جبکہ ان کی انسانیت بقول مارٹن ریلٹن ہماری جیسی نہیں تھی، بلکہ وہ خدائی انسانیت تھی جو ان تمام عوارض سے پاک اور مبرا ہے؟

پھر اس تاویل میں انسان کو خدا کے مشابہ بنا کر پیدا کرنے کے یہ عجیب معنی بیان کئے گئے ہیں کہ خدا میں پہلے سے انسانیت کا ایک عنصر موجود تھا، اور اسی عنصر کا ایک عکس انسان میں منتقل کر دیا گیا، — حالانکہ اگر کتاب پیدائش کے الفاظ واقعہ الہامی ہیں تو ان کا زیادہ سے زیادہ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے انسان کو علم و شعور عطا کیا، اُسے اچھے برے کی تمیز بتلائی، اور خیر و شر دونوں کی طاقت (باقی بر صفحہ آئندہ)

عقیدہ مصلوبیت (Crucifixion)

حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں عیسائی مذہب کا دوسرا عقیدہ یہ ہے کہ انھیں یہودیوں نے بنطیس پیلاطیس کے حکم سے سولی پر چڑھا دیا تھا، اور اس سے اُن کی وفات ہو گئی تھی، — اس عقیدے کے سلسلے میں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ عیسائیوں کے اکثر فرقوں کے نزدیک پچاسی قنوم ابن کو نہیں دی گئی، جو اُن کے نزدیک خدا ہے، بلکہ اس اقنوم ابن کے انسانی مظہر یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کو دی گئی جو اپنی انسانی حیثیت میں خدا نہیں ہیں، بلکہ ایک مخلوق ہیں۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۲) عطا کی، خود کیتھولک علماء قدیم زمانے سے اس آیت کا یہی مطلب بیان کرتے آئے ہیں۔
سینٹ آگسٹائن اپنی مشہور کتاب ”دی سٹی آف گاڈ“ کے کتاب نمبر ۱۲ باب نمبر ۲۳ میں لکھتے ہیں،
”پھر خدا نے انسان کو اپنی مشابہت میں پیدا کیا، اس لئے کہ اس نے انسان کے لئے ایک ایسی روح پیدا کی جس میں عقل و فہم کی صلاحیتیں ودیعت کی گئی تھیں تاکہ وہ زمین کی ہوا اور سمندر کی تمام مخلوقات سے افضل ہو جائے، جنہیں یہ چیزیں عطا نہیں کی گئیں“ (آگسٹائن، ص ۲۰۵ ج ۲)

حاشیہ صفحہ ۵۲) حضرت مسیح کو سولی دینے کا قصہ موجودہ چاروں انجیلوں میں موجود ہے، لیکن قرآن کریم نے اس کی بڑی سختی سے تردید کی ہے، اور کہا ہے کہ درحقیقت یہ غلط فہمی ہے، ورنہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھالے گئے تھے، قرآن کریم کے بیان کی مکمل تصدیق تو اس وقت سمجھ میں آسکے گی جب آپ مقدّمے کا دوسرا باب پڑھیں گے، اور اظہارِ رالخی کے پہلے اور دوسرے باب میں موجودہ انجیلوں کی اصل حقیقت آپ کے سامنے آئے گی، یہاں صرف اتنا اشارہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ انسانی مخلوق کی ترقی کے ساتھ قرآن کریم کی صداقت خود بخود واضح ہوتی جا رہی ہے، چند سو سال پہلے انجیل برنابا اس کا نسخہ دریافت ہوا تھا، اس میں برنابا نے نہایت صراحت و وضاحت سے یہ حقیقت بیان کی ہے کہ حضرت عیسیٰ کو سولی نہیں دی گئی تھی، بلکہ اُن کی جگہ یہودادہ اسکر یوتی مصلوب ہوا تھا، رہم نے اظہارِ رالخی کے آخری باب میں بشارات کے بیان کے تحت ایک مبسوط حاشیے میں اس انجیل کے رباقی آئندہ صفحہ پر

پہلے گزر چکا ہے کہ یہ عقیدہ صرف پیٹری پشین فرقے کا ہے کہ خدا کو سولی پر چڑھا دیا گیا تھا،
صلیب مقدس | چونکہ عقیدہ مصلوبیت ہی کی بناء پر صلیب کے نشان (+) کو عیسائیوں کے
 نزدیک بہت اہمیت حاصل ہے، اس لئے اس کا مختصر سا حال

یہاں ذکر کر دینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، ————— چونکہ تہی صدی عیسوی تک اس نشان
 کوئی اجتماعی اہمیت حاصل نہیں تھی، شاہ قسطنطین کے بارے میں یہ روایت مشہور ہے کہ ۳۱۲ء
 میں اس نے اپنے ایک حریف سے جنگ کے دوران (غالباً خواب میں) آسمان پر صلیب
 نشان بنا ہوا دیکھا، پھر ۳۲۶ء میں اس کی والدہ سینٹ ہلیسا کو کہیں سے ایک صلیب
 جس کے بارے میں لوگوں کا خیال یہ تھا کہ یہ وہی صلیب ہے جس پر (بزرگ نصاریٰ) حضرت مسیح
 علیہ السلام کو سولی دی گئی تھی (اسی قصے کی یاد میں عیسائی حضرات ہر سال ۳ مئی کو ایک جشن
 مناتے ہیں، جس کا نام پڑ در یافت صلیب) اس کے بعد سے صلیب کا نشان عیسائیت کا شیعہ
 (Symbol) بن گیا، اور عیسائی اپنی ہر نشست و برخاست میں اس نشان کو استعمال
 کرنے لگے، مشہور عیسائی عالم ٹرٹولین لکھتا ہے:

(دقیقہ حاشیہ صفحہ ۷۱) اقتباسات پیش کر کے اس کی اصلیت پر مفصل گفتگو کی ہے، اس انجیل کے بارے
 میں تو عیسائی حضرات یہ کہتے آئے تھے کہ یہ کسی مسلمان کی تصنیف ہے، لیکن حال ہی میں انجیل کا
 ایک اور نسخہ دریافت ہوا ہے، جو پطرس حواری کی طرف منسوب ہے، اس میں بالکل صاف الفاظ میں لکھا ہے
 کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو سولی دینے سے کچھ پہلے آسمان پر اٹھایا گیا تھا، انجیل پطرس کا یہ جملہ
 بلیمین اسٹریٹرنے اپنی مشہور کتاب ”اناجیل اربعہ“ (The Four Gospels)

حصہ ۵، مطبوعہ سیکلن نیویارک (۱۹۶۱ء) میں نقل کیا ہے، اس کی تاویل اگرچہ اسٹریٹرنے یہ کی ہے کہ یہاں
 مسیح سے مراد ان کا خدائی وجود ہے، لیکن انجیل پطرس کے الفاظ میں اس کی کوئی دلیل نہیں ہے، بلکہ اس کے خلاف
 یہ دلیل موجود ہے، کہ آسمان پر اٹھانے کے لئے صیغہ مجهول (Passive Voice)

استعمال کیا گیا ہے، خود اسٹریٹرنے یہ الفاظ نقل کئے ہیں،
 ”He was taken oil“

اس کو اوپر اٹھا لیا گیا، اس سے ظاہر ہے کہ اُن کو اٹھانے والا کوئی اور تھا، اور ظاہر ہے کہ اگر اس سے
 مراد خدا ہوتا تو یوں کہا جاتا کہ: ”وہ اوپر چلا گیا“ کیونکہ خدا کو کوئی نہیں اٹھا سکتا،

ہر سفر و حضر اور آمد و رفت کے موقع پر جوتے اتارتے وقت، نہاتے وقت کھانا کھاتے اور شمعیں روشن کرتے وقت، سوتے وقت اور بیٹھتے وقت غرض ہر حرکت و سکون کے وقت ہم اپنی ابرو پر صلیب کا نشان بناتے ہیں^۱ عیسائی مذہب میں صلیب کے مقدس ہونے کی کیا وجہ ہے؟ جبکہ وہ اُن کے اعتقاد کے مطابق حضرت مسیح کی اذیت رسانی کا سبب بنی تھی؟ اس سوال کا جواب کسی عیسائی عالم کی تحریر میں ہمیں نہیں ملا، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صلیب کی تقدیس کی بنیاد ”کفارہ“ کا عقیدہ ہے، یعنی چونکہ ان کے نزدیک صلیب گناہوں کی معافی کا سبب بنی تھی، اس لئے وہ اس کی تعظیم کرتے ہیں،

عقیدہ حیاتِ ثانیہ (Resurrection)

حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں عیسائی مذہب کا تیسرا عقیدہ یہ ہے کہ وہ سولی پر وفات پانے، اور قبر میں دفن ہونے کے بعد تیسرے دن پھر زندہ ہو گئے تھے، اور حواریوں کو کچھ ہدایات دینے کے بعد آسمان پر تشریف لے گئے، دوبارہ زندہ ہونے کا یہ قصہ بھی موجودہ انجیلوں میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے، اور چونکہ حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ نے اظہار الحق میں اس قصے کے غیر مستند اور متضاد ہونے کو کئی جگہ تفصیل سے ثابت کر دیا ہے، وہیں اس عقیدے کی تمام تفصیلات بھی موجود ہیں، اس لئے یہاں اس عقیدے پر تفصیل گفتگو بیکار ہے،

عقیدہ کفارہ (The Atonement)

حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں عیسائیت کا چوتھا اور آخری عقیدہ ”کفارہ“ ہے۔ اس عقیدے کو پوری تفصیل کے ساتھ سمجھ لینا کئی وجہ سے ضروری ہے، اول تو اس لئے کہ بقول

۱۔ صلیب کی یہ تاریخ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ص ۵۳، ج ۶ مقالہ ”صلیب“ سے ماخوذ ہے۔

مسٹر ڈینیئل ویلسن یہی عقیدہ عیسائی مذہب کی جان ہے، اور فی نفسہ سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے، اس سے پہلے جتنے عیسائی عقائد ہم نے بیان کئے ہیں ان کو درحقیقت اسی عقیدے کی تہذیب سمجھنا چاہئے، دوسرے اس لئے کہ یہی وہ عقیدہ ہے جو اپنی پیچیدگی کے سبب خاص طور سے غیر عیسائی دنیا میں بہت کم سمجھا گیا ہے، تیسرے اس لئے کہ اس کو پورے طور پر نہ سمجھنے کی وجہ سے دو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں، ایک تو یہ کہ کم از کم ہمارے ملک میں عیسائی مبلغین نے اس عقیدے کو جس طرح چاہا بیان کر دیا، اور نادائق حضرات اصل حقیقت نہ جاننے کی وجہ سے غلط فہمیاں میں مبتلا ہو گئے، دوسرے جن حضرات نے عیسائی مذہب کی تردید میں قلم اٹھایا، ان میں سے بعض نے اس عقیدے پر وہ اعتراضات کئے جو درحقیقت اس پر عائد نہیں ہوتے، اور نتیجہ یہ ہوا کہ یہ اعتراضات حق بات کی صحیح وکالت نہ کر سکے۔ اس لئے ہم ذیل میں اس عقیدے کو قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں، تاکہ بات کے سمجھنے میں کوئی اشتباہ باقی نہ رہے۔

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں "عقیدہ کفارہ" کی مختصر تشریح ان الفاظ کے ساتھ کی گئی ہے:

"عیسائی علم عقائد میں "کفارہ" سے مراد یسوع مسیح کی وہ قربانی ہے جس کے ذریعہ ایک گناہگار انسان یک لخت خدا کی رحمت کے قریب ہو جاتا ہے، اس عقیدے کی پشت پر دو مفروضے کار فرما ہیں، ایک تو یہ کہ آدم کے گناہ کی وجہ سے انسان خدا کی رحمت سے دور ہو گیا تھا، دوسرے یہ کہ خدا کی صفت کلام (ربط) اس لئے انسانی جسم میں آئی تھی کہ وہ انسان کو دوبارہ خدا کی رحمت سے قریب کر دے۔"

کہنے کو یہ ایک مختصر سی بات ہے، لیکن درحقیقت اس کے پس پشت تاریخی اور نظریاتی مفروضات کا ایک طویل سلسلہ ہے، جسے سمجھنے بغیر عقیدے کا صحیح مفہوم ذہن نشین نہیں

۱۰ Daniel Wilson, *Evidences of Christianity* V. II. P. 53 London 1830.

۱۱ مثال کے لئے ملاحظہ ہو پادری گولڈ سیک صاحب رسالہ "الکفارہ" مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی پریس لاہور، ۱۹۵۸ء

۱۲ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ص ۶۵۱ ج ۲ مقالہ "Atonement"

لاؤ سکتا، یہ مفروضات ہم نمبر وار درج ذیل کرتے ہیں:

۱۔ اس عقیدے کا سب سے پہلا مفروضہ یہ ہے کہ جس وقت پہلے انسان یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا تھا، اُس وقت انھیں ہر طرح کی راحتیں عطا کی گئی تھیں، اُن پر وقتی پابندی نہ تھی، البتہ صرف ایک پابندی یہ تھی کہ انھیں گندم کھانے سے منع کر دیا گیا تھا، اُس وقت اُن میں قوتِ ارادی کو پوری طرح آزاد رکھا گیا تھا، جس کے ذریعہ وہ اگر چاہتے تو حکم کی پابندی بھی کر سکتے تھے، اور اگر چاہتے تو خلافِ درزی بھی کر سکتے تھے۔

۲۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اس قوتِ ارادی کو غلط استعمال کیا، اور شجرِ ممنوعہ کو کھا کر ایک عظیم گناہ کے مرتکب ہوئے، یہ گناہ کہنے کو ایک معمولی سا گناہ تھا، لیکن درحقیقت اپنی کیفیت (quality) اور کمیت (quantity) دونوں کے اعتبار سے بڑا سنگین تھا، کیفیت کے اعتبار سے اس لئے کہ ازل تو اُس وقت حضرت آدم ؑ کے لئے حکم کی بجا آوری بڑی آسان تھی، ان کو ہر قسم کے کھانے کی کھلی آزادی عطا کرنے کے بعد اُن پر صرف ایک پابندی عائد کی گئی تھی، جسے پورا کرنا بہت سہل تھا، اس کے علاوہ اُس وقت تک انسان میں ہوس اور شہوت کے جذبات نہیں تھے، جو انسان کو گناہ پر مجبور کرتے ہیں، اس لئے گندم سے دور رہنا اُن کے لئے کچھ مشکل نہ تھا، اور حکم کی تعمیل جتنی آسان ہو اس کی خلافِ درزی اتنی ہی سنگین ہوتی ہے، دوسرے اس لئے کہ یہ انسان کا پہلا گناہ تھا جس نے پہلی بار "اطاعت" کے بجائے "نافرمانی" کو جنم دیا، اس سے پہلے انسان نے کوئی "نافرمانی" نہیں کی تھی، اور جس طرح "اطاعت" تمام نیکیوں کی جڑ ہے، اسی طرح "نافرمانی" تمام گناہوں کی بنیاد ہے، حضرت آدم ؑ

۱۵ ہماری نظر میں حقیقہ کفارہ کے پورے پس منظر کو سب سے زیادہ واضح طریقے سے سینٹ آگسٹائن نے اپنی مشہور کتاب (The Enchiridion) میں بیان کیا ہے، ہم اس عقیدے کی تشریح زیادہ تر اسی سے نقل کریں گے، مگر چونکہ آگسٹائن کی عبارتیں بہت طویل ہیں، اس لئے ہم ہر جگہ ان کو نقل کرنے کے بجائے حوالوں پر اکتفا کریں گے، جہاں دوسری کتابوں سے مدد لی گئی ہے وہاں حوالہ لگایا گیا ہے۔
 ۱۶ آگسٹائن: دی سٹی آف گاڈ کتاب نمبر ۱۴ باب نمبر ۱۱، ص ۲۵۵ ج ۲،

کے گناہ نے یہ بنیاد قائم کر دی،

اس کے ساتھ ساتھ یہ گناہ کثرت کے اعتبار سے بھی بڑا سنگین تھا، اس لئے کہ اس ایک گناہ میں بہت گناہ شامل ہو گئے تھے، جن کی وجہ سے یہ گناہوں کا مجموعہ بن گیا تھا، سینکڑوں آگسٹائن اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”انسان کے اس ایک گناہ میں کئی گناہ شامل تھے، اس لئے کہ ایک تو اس میں مکبر تھا، کیونکہ انسان نے خدا کی حکومت کے تحت رہنے کے بجائے خود اپنا زور ختم تیار میں رہنا پسند کیا، دوسرے یہ کفر اور خدا کی شان میں گستاخی کا گناہ بھی ہے، کیونکہ انسان نے خدا کا یقین نہیں کیا، تیسرے یہ قتل بھی تھا، کیونکہ اس گناہ کے ذریعہ انسان نے اپنے آپ کو ”موت“ کا مستحق بنالیا، چوتھے یہ روحانی زنا بھی تھا، کیونکہ سانپ کی گمراہ کن مگر چکنی چڑی باتوں کی تصدیق سے انسانی روح کا اخلاص خاک میں مل گیا تھا، پانچویں یہ چوری بھی تھی، کیونکہ جس غذا کو چھونا اُس کے لئے ممنوع تھا وہ اسے اپنے استعمال میں لے آیا، چھٹے یہ لالچ بھی تھی، اس لئے کہ جتنی چیزیں انسان کے لئے کافی تھیں انسان نے ان سے زائد کی تمنا کی تھی، اور سچی بات تو یہ ہے کہ جن گناہ کی بھی حقیقت پر آپ نظر کریں گے اُس کا ایک عکس اس ایک گناہ میں نظر آتے گا۔“

۳۔ چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کا گناہ بچہ سنگین تھا، اس لئے اس کے ذرا اثرات مرتب ہوئے، ایک تو یہ کہ اس گناہ کی سزا میں حضرت آدمؑ دائمی موت یا دائمی عذاب کے مستحق ہو گئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ”شجرہ ممنوعہ“ کو دکھا کر یہ کہہ دیا تھا کہ:

”جس روز تو نے اس میں سے کھایا، تو مرا ڈپیدائش (۱:۲)“

دوسرا اثر یہ ہوا کہ حضرت آدمؑ کو جو آزاد قوت ارادی (Free Will)

۱۵ ویں سٹی آف گاڈ کتاب نمبر ۱۳ باب نمبر ۱۱، ص ۲۵۷، ج ۲

Augustine, The Enchiridion XLV PP. 684 V. 1

عطا کی گئی تھی، وہ ان سے چھین لی گئی، پہلے انہیں اس بات کی قدرت عطا کی گئی تھی کہ وہ اپنی مرضی سے نیک کام بھی کر سکتے تھے اور برے کام بھی، لیکن چونکہ انہوں نے اس اختیار کو غلط استعمال کیا، اس لئے اب یہ اختیار ان سے چھین لیا گیا، آگسٹائن لکھتے ہیں:

جب انسان نے اپنی آزاد قوت ارادی سے گناہ کیا، تو چونکہ گناہ نے اُن پر فتح پالی تھی اس لئے اُن کی قوت ارادی کی آزادی ختم ہو گئی، کیونکہ جو شخص جس سے مغلوب ہے وہ اس کا غلام ہے، یہ پطرس رسول کا فیصلہ ہے،..... لہذا اب اس کو نیک کام کرنے کی آزادی اُس وقت تک حاصل نہیں ہوگی جب تک وہ گناہ سے آزاد ہو کر نیکی کا غلام بننا شروع نہیں کرے گا۔

گو یا جب تک وہ اپنے گناہ کی قید سے رہائی حاصل نہ کر لیں اُس وقت تک کے لئے اُن کے ارادے کی آزادی ختم ہو چکی ہے، اب وہ گناہ کرنے کے لئے تو آزاد ہیں، مگر نیکی کے لئے آزاد نہیں ہیں،

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا نے ایک گناہ کی سزا میں انسان کو دوسرے گناہوں میں کیوں مبتلا کر دیا؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے سینٹ تھامس ایکویناس لکھتے ہیں:

درحقیقت گناہ کی اصل سزا یہ تھی کہ خدا نے اپنی رحمت انسان سے اٹھالی، اور

یہ سزا بالکل معقول ہے، لیکن خدا کی رحمت اٹھنے کے ساتھ انسان میں مزید گناہ

کے جذبات پیدا ہو گئے، لہذا ایک گناہ کے ذریعے بے شمار گناہوں میں مبتلا ہونا

درحقیقت اسی پہلے گناہ کا لازمی خاتمہ تھا جو ہر دے کا را کر رہا۔

۴۔ چونکہ گناہ کرنے کے بعد حضرت آدم اور حضرت حوا کی آزاد قوت ارادی ختم

ہو گئی تھی، جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ نیکی کے لئے آزاد نہ تھے، مگر گناہ کے لئے آزاد تھے،

۵۔ یہ پطرس کے دوسرے خط ۲: ۱۹ کی طرف اشارہ ہے،

✓ ۷ The Enchiridion XXX P. 675 V. 7 آگسٹائن نے تقریباً یہی بات دی سٹی آف گارڈ، ص ۲۵۵

۶۔ ج ۲ میں بھی کہی ہے،

۷ Aquinas, The Summa Theologica Q. 87, Art. 2, P. 710 V. 11

عیسائیت کیا ہے؟

اس لئے اُن کی سرشت میں گناہ کا عنصر شامل ہو گیا، دوسرے الفاظ میں اُن کا گناہ اُن کی فطرت اور طبیعت بن گیا، اس گناہ کو اصطلاح میں اصلی گناہ (Original Sin) کہا جاتا ہے،

ان دونوں کے بعد جتنے انسان پیدا ہوئے یا آئندہ ہوں گے سب چونکہ اپنی کی صُلب اور پیٹ سے پیدا ہوئے تھے، اس لئے یہ اصلی گناہ تمام انسانوں میں منتقل ہوا پیٹ آگسٹائن لکھتے ہیں:

”اور واقعہ یہ ہوا کہ تمام وہ انسان جو اصلی گناہ سے داغدار ہو گئے آدم سے اور اس عورت سے پیدا ہوئے جس نے آدم کو گناہ میں مبتلا کیا تھا، اور جو آدم کے ساتھ سزا یافتہ تھے،“

گویا اب دنیا میں جو انسان بھی پیدا ہوتا ہے وہ ماں کے پیٹ سے گناہگار پیدا ہوتا ہے، اس لئے کہ اس کے ماں باپ کا اصلی گناہ اس کی سرشت میں بھی داخل ہے، سوال پیدا ہوتا ہے کہ گناہ تو ماں باپ نے کیا تھا، بیٹے اس کی وجہ سے گناہگار کیسے ہوئے؟ اس کا جواب دیتے ہوئے فرقہ پروٹسٹنٹ کا مشہور لیڈر جان کالون لکھتا ہے:

جب یہ کہا جاتا ہے کہ ہم آدم کے گناہ کی وجہ سے خدائی سزا کے مستحق ہو گئے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ہم بذاتِ خود معصوم اور بے قصور تھے، اور آدم کا جرم خواہ مخواہ ہم پر ٹھونس دیا گیا ہے، درحقیقت ہم نے آدم سے صرف ”سزا“ دراشت میں نہیں پائی، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ہم میں گناہ کا ایک دبائی مرض جاگزیں ہے، جو آدم سے ہم کو لگا ہے، اور اس گناہ کی وجہ سے ہم پورے انصاف کے ساتھ سزا کے مستحق ہیں، اسی طرح شیرخوار بچے بھی اپنی ماں کے پیٹ سے سزا کا استحقاق لے کر آتے ہیں، اور یہ سزا خود اُن کے نقص اور قصور کی ہوتی ہے، کسی اور کے قصور کی نہیں۔“

Augustine, The Enchiridion XXVI P. 673 V. 1
Calvin, Instit. bk. ii. ch. i. Sec. 8, as quoted by the Britannica
P. 633 V. 4. "CALVIN".

اور مشہور رومن کیتھولک عالم اور فلسفی تھامس ایکویناس ایک دوسری مثال کے ذریعہ اس کو واضح کرتے ہوئے لکھتا ہے:

”ہمارے ماں باپ کے گناہ کی وجہ سے ”اصلی گناہ“ ان کی اولاد میں بھی منتقل ہو گیا، اور اس کی مثال ایسی ہی جیسے اصل میں گناہ تو روح کرتی ہے، لیکن پھر وہ گناہ جیم کے اعضاء کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔“

۶۔ چونکہ تمام بنی آدم ”اصلی گناہ“ میں ملوث ہو گئے تھے، اور ”اصلی گناہ“ ہی تمام دوسرے گناہوں کی جڑ ہے، اس لئے اپنے ماں باپ کی طرح یہ انسان بھی آزاد قوت ارادی سے محروم ہو گئے، اور ایک کے بعد دوسرے گناہ میں ملوث ہوتے گئے، یہاں تک کہ ان پر ”اصلی گناہ“ کے سوا دوسرے گناہوں کا بھی ایک پشتارہ لگ گیا جو ”اصلی گناہ“ کے سبب انہوں نے خود کئے تھے۔“

۷۔ مذکورہ بالا گناہوں کی وجہ سے تمام بنی آدم اپنے ماں باپ کی طرح ایک طرف دائمی عذاب کے مستحق تھے، دوسری طرف اپنی آزاد قوت ارادی سے بھی محروم ہو گئے تھے، اس لئے ان کے نجات اور مغفرت پانے کا کوئی راستہ نہ تھا، کیونکہ ان گناہوں سے نجات نیک کام کرنے سے ہو سکتی تھی، مگر آزاد قوت ارادی کے فقدان کے سبب وہ ان نیک کاموں پر بھی قادر نہ رہے تھے جو انہیں عذاب سے نجات دلا سکتے۔“

۸۔ انسان کے اس مصیبت سے چھٹکارا پانے کی ایک سبیل یہ ہو سکتی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحم کر کے انہیں معاف کر دے، لیکن یہ صورت بھی ممکن نہ تھی، اس لئے کہ خدا ”عادل“ اور ”منصف“ ہے، وہ اپنے اہل قوانین کی مخالفت نہیں کر سکتا، کتاب پیدائش کے حوالے سے یہ بات گزر چکی ہے کہ ”اصلی گناہ“ کی سزا اس نے موت مقرر کر رکھی تھی، اب اگر وہ موت کی سزا دینے بغیر انسانوں کو معاف کرے تو یہ اس کے قانون عدل کے منافی تھا۔“

The Summa Theologica Q. 81, Art. 3, P. 669 V. II ۱۱

Augustine. The Enchiridion XXVII P. 673 V. I ۱۲

۱۳ ایضاً باب نمبر ۳ ص ۶۷۵ ج اول،

۱۴ دیکھئے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ص ۶۵۱ و ۵۲۱ ج ۲، مقالہ ”کفارہ“

۹۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ رحیم بھی ہے، وہ اپنے بندوں کو اس حالت زار پر بھی چھوڑ نہیں سکتا تھا، اس لئے اس نے ایک ایسی تدبیر اختیار کی جس سے بندوں پر رحم بھی ہو جاتے، اور قانونِ عدل کو بھی ٹھیس نہ لگے، بندوں کی نونی ربانی کی شکل صرف یہ تھی کہ ایک مرتبہ سزا کے طور پر مریں، اور پھر دوبارہ زندہ ہوں، تاکہ مرنے سے پہلے اصلی گناہ کی وجہ سے ان کی جو آزاد قوتِ ارادی ختم ہو گئی تھی وہ دوسری زندگی میں انھیں دوبارہ حاصل ہو جائے، اور وہ اصلی گناہ کے بوجھ سے خلاصی حاصل کر کے آزادی کے ساتھ نیکیاں کر سکیں۔

۱۰۔ لیکن تمام انسانوں کو دنیا میں ایک مرتبہ موت دے کر دوبارہ زندہ کرنا بھی قانونِ فطرت کے منافی تھا، اس لئے ضرورت اس بات کی تھی کہ کوئی ایسا شخص تمام انسانوں کے گناہوں کے اس بوجھ کو اٹھالے جو خود اصلی گناہ سے معصوم ہو، خدا اُسے ایک مرتبہ موت کی سزا دے کر دوبارہ زندہ کر دے، اور یہ سزا تمام انسانوں کے لئے کافی ہو جائے، اور اس کے بعد تمام انسان آزاد ہو جائیں۔ اس عظیم مقصد کے لئے خدا نے خود اپنے ”بیٹے“ کو چنا، اور اس کو انسانی جسم میں دنیا کے اندر بھیجا، اُس نے یہ قربانی پیش کی، کہ خود سولی پر چھڑھ کر مر گیا، اور اس کی موت تمام انسانوں کی طرف سے کفارہ ہو گئی، اور اس کی وجہ سے تمام انسانوں کا نہ صرف اصلی گناہ معاف ہو گیا، بلکہ انھوں نے اصلی گناہ کے سبب جتنے گناہ کئے تھے وہ بھی معاف ہو گئے، اور پھر یہی بیٹا تین دن کے بعد دوبارہ زندہ ہو گیا، اور اس سے تمام انسانوں کو نئی زندگی مل گئی، اس نئی زندگی میں وہ آزاد قوتِ ارادی کے مالک ہیں، اگر اپنی قوتِ ارادی کو نیکیوں میں استعمال کریں گے تو اجر پائیں گے، اور اگر بدی میں استعمال کریں گے تو بدی کی کیفیت کے لحاظ سے عذاب کے مستحق ہوں گے۔

۱۱۔ لیکن یسوع مسیح کی یہ قربانی صرف اُس شخص کے لئے ہے جو یسوع مسیح پر ایمان رکھے، اور ان کی تعلیمات پر عمل کرے، اور اس ایمان کی علامت ”بپتسمہ“ کی رسم ادا کرنا ہے، بپتسمہ

۱۲ آگسٹائن، دی سیٹی آف گلاڈ، ص ۲۵۹، ۲۶۰ ج ۲ کتاب نمبر ۱۲ باب نمبر ۱۱،

۱۳ ایضاً۔

۱۴ The Enchiridion L P. 687 V. I

۱۵ Ibid, 60 ch. Lii P. 688 V. I

۱۶ اس رسم کی تشریح انشا اللہ آگے آئے گی۔

اپنے کا مطلب بھی یہی ہو کہ بپتسمہ لینے والا یسوع مسیح کے کفارے پر ایمان رکھتا ہے، اس لئے یسوع مسیح کے واسطے سے اس کا بپتسمہ لینا اس کی موت اور دوسری زندگی کے قائم مقام ہو جاتا ہے، لہذا جو شخص بپتسمہ لے گا اس کا اصلی گناہ معاف ہوگا، اور اُسے نئی قوتِ ارادی عطا کی جائے گی، درجہ شخص بپتسمہ نہ لے اس کا اصلی گناہ برقرار ہے، جس کی وجہ سے وہ دائمی عذاب کا مستحق ہوگا، یہی وجہ ہے کہ ایکویناس لکھتا ہے،

”جو بچہ بپتسمہ لینے سے پہلے مر گئے ان میں چونکہ اصلی گناہ برقرار ہے اس لئے وہ کبھی خداوند کی بادشاہت نہیں دیکھیں گے“

۱۲۔ جو لوگ حضرت مسیح کی تشریف آوری سے پہلے انتقال پا گئے ان میں بھی یہ دیکھا جاتے گا کہ وہ یسوع مسیح پر ایمان رکھتے تھے یا نہیں؟ اگر ایمان رکھتے ہوں گے تو یسوع مسیح کی موت ان کے لئے بھی کفارہ ہوگی، اور وہ بھی نجات پائیں گے ورنہ نہیں،

۱۳۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا، جن لوگوں نے یسوع مسیح پر ایمان لا کر بپتسمہ لیا ہے اُن کے لئے مسیح کے کفارہ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اب وہ کتنے ہی گناہ کرتے رہیں انھیں سزا نہیں ملے گی، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا اصلی گناہ معاف ہو گیا جو دائمی عذاب کا متقاضی تھا اور اس کے ساتھ وہ گناہ ختم ہو گئے جو اصلی گناہ کے سبب سے وجود میں آئے تھے، لیکن اب انھیں ایک نئی زندگی ملی ہے، اس نئی زندگی میں وہ آزاد قوتِ ارادی کے مالک ہیں، اگر انھوں نے اس قوتِ ارادی کو غلط استعمال کیا تو جن قسم کا وہ گناہ کریں گے ویسی ہی سزا کے مستحق ہوں گے اگر بپتسمہ لینے کے بعد انھوں نے کوئی ایسا گناہ کیا جو انھیں ایمان سے خارج کر دے، تو وہ پھر دائمی عذاب کے مستحق ہوں گے، اور یسوع مسیح کا کفارہ اُن کے لئے کافی نہ ہوگا، لہذا چرچ جن لوگوں کو ”نفاق“ Schism یا ”پہچت“ Heresy کے الزام میں براہِ ارادی سے خارج کر دے۔ دائمی عذاب کے مستحق ہیں۔

۱۔ Aquinas, The Summa Theologica 87.5 P. 714 V. II

۲۔ Augustine, On Original Sin ch. XXXI P. 611 V. I

۳۔ Augustine, The Enchiridion LXVII P. 697 V. I

اور اگر انھوں نے کوئی معمولی گناہ کیا ہے تو وہ عارضی طور پر کچھ عرصہ کے لئے جہنم کے اس حصہ میں جائیں گے جو مومنوں کو گناہ سے پاک کرنے کے لئے بنایا گیا ہے، اور جس کا نام..... ٹمپٹری (Purgatory) ہے، اور کچھ عرصہ وہاں رہ کر پھر جنت میں بھیج دیئے جائیں گے بلکہ بعض عیسائی علماء کا کہنا تو یہ ہے کہ صرف کفر ہی نہیں، بلکہ گناہ کبیرہ بھی انسان کو

یسوع مسیح کے کفارے سے الگ کر دیتا ہے، اور وہ دائمی عذاب کا مستحق بن جاتا ہے، سینٹ آگسٹائن نے اس مسئلے پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے، اور Enchiridion میں اس کی بعض عبارتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسی رائے کی طرف مائل ہے،

اس عقیدے کے منکر | یہ ہے عقیدہ کفارہ کی حقیقت: عیسائیوں کی بھاری اکثریت شروع سے اس عقیدے کو مذہب کی بنیاد سمجھ کر مانتی آئی ہے،

۱۔ The Ench. ch. LXIX P. 699 V. I

۲۔ عقیدہ کفارہ پر مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ نے اظہار الحق کے مختلف مقامات پر بالخصوص سیر باب میں بڑی جامع و مانع بحثیں کی ہیں، تاہم اس عقیدے کے ایک ایک جزو پر بحث کرنے کے لئے ایک مفصل مقلے کی ضرورت ہے، اور چونکہ ہم یہاں عیسائی عقائد کو محض نقل کر رہے ہیں، اس لئے یہاں بھی کسی مفصل تبصرے کی گنجائش نہیں ہے، لیکن ذیل میں ہم اس مسئلے کے چند بنیادی نکات کی طرف اشارہ کر دینا ضروری سمجھتے ہیں، جو اس مسئلے میں فیصلہ کن اہمیت کے حامل ہیں، اور شاید ان کو ذہن میں رکھنے کے بعد اس عقیدے کی غلطیاں اچھی طرح سامنے آجائیں گی، یہ نکات مندرجہ ذیل ہیں:

- ۱۔ سب سے پہلے تو اس کی تحقیق ہونی چاہیے کہ حضرت آدمؑ کی لغزش کوئی گناہ تھی یا نہیں؟
- ۲۔ پھر اس عقیدے میں اصلی گناہ کو دو طریقے سے منتقل کیا گیا ہے، ایک حضرت آدمؑ سے ان کی تمام اولاد کی طرف، اور پھر اس اولاد سے حضرت مسیحؑ کی طرف، سوال یہ کہ خدا کے قانون عدل میں ایک گناہ دوسرے پر لا دینے کی گنجائش کہاں ہے؟ تو آیت میں تو ہمیں یہ عبارت ملتی ہے کہ:

”جو جان گناہ کرتی ہے وہی مرے گی، بیٹا باپ کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا، اور نہ باپ

بیٹے کے گناہ کا بوجھ، صادق کی صداقت اسی کے لئے ہوگی، اور شریر کی شرارت

شریر کے لئے“ (حزقی ایل ۱۸: ۲۰)

(باقی بر صفحہ آئندہ)

تاہم کلیسا کی تاریخ میں ایسے لوگ بھی ملتے ہیں جنہوں نے اس عقیدے کا انکار کیا ہے، ان لوگوں میں غالباً (بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) (۳) کالون نے آدم کے بیٹوں کی طرف گناہ کے منتقل ہونے کی جو مثال دہائی مرض سے دی ہے وہ کسی طرح درست نہیں ہے، اس لئے کہ اول تو یہ مسئلہ ہی محل نظر ہے کہ ایک شخص کا مرض دوسرے کو لگتا ہے یا نہیں؟ پھر اگر اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو مرض ایک غیر اختیاری چیز ہوا لے گناہ پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ قابل سزا گناہ عقلاً وہی ہے جو انسان اپنے اختیار سے کرے، اگر کسی کو غیر اختیاری طور پر کوئی مرض لگ جائے، تو نہ اسے اس پر مطعون کیا جاتا ہے، اور نہ سزا کے لائق سمجھا جاتا ہے، پھر آپ انسان کو اس گناہ پر کیوں قابل سزا سمجھتے ہیں جس میں اس کے اختیار کو کوئی دخل نہیں،

۴۔ اسی طرح ایکویناس کی بیان کردہ مثال بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ اصل میں گناہ ہر گناہ انسان ہے، لیکن انسان چونکہ نام ہی جسم اور روح کے مجموعے کا ہے، اس لئے ان میں سے ہر ایک گناہ گناہ ہے، اس کے برخلاف حضرت آدم کا وجود اپنی تمام اولاد سے مرکب نہیں ہے کہ حضرت آدم کو اس وقت تک گناہ گناہ نہ کہا جاسکے جب تک اُن کی اولاد گناہ گناہ گناہ قرار نہ دیا جائے،

۵۔ اگر آدم کے ہر بیٹے میں اصلی گناہ خلقی طور پر منتقل ہوا ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انسان وجود میں کیوں منتقل نہیں ہوا؟ حالانکہ وہ بھی تمام انسانوں کی طرح حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے تھے، اور عیسائی عقائد کے مطابق خدا ہونے کے ساتھ انسان بھی، اور اپنی انسانی حیثیت سے انہیں بچپن پر چڑھایا بھی گیا تھا،

۶۔ پھر تمام انسانوں کے گناہ کی وجہ سے ایک معصوم اور بے گناہ جان کو اس کی رضا مندی کے سہی، پچانسی پر چڑھا دینا انصاف کا کیسا تقاضا ہے؟ اگر کوئی شخص کسی عدالت میں یہ پیشکش کرے کہ فلاں چور کی بدنی سزا میں بھگتنے کو تیار ہوں، تو کیا چور کو آزاد کر دیا جائے گا؟ — حرقی ایل کی مذکورہ عبارت بھی اس کی تردید کرتی ہے،

یہ کہا جاتا ہے کہ خدا عادل ہے، اس لئے وہ بغیر سزا کے گناہ معاف نہیں کر سکتا، لیکن یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ایک بالکل غیر اختیاری گناہ کی وجہ سے نہ صرف انسان کو دائمی عذاب میں مبتلا کیا جائے، بلکہ اس کی قوت ارادی بھی سلب کر لی جائے؟

۸۔ کہا جاتا ہے کہ خدا محض توبہ سے اصلی گناہ معاف نہیں کر سکتا، حالانکہ تورات میں ہے:

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

سب سے پہلا شخص کھڑا یلیس شیس (Coelestius) ہے، جس کے نظریات آگسٹائن کے الفاظ میں یہ تھے:

”آدم کے گناہ سے صرف آدم ہی کو نقصان پہنچا تھا، بنی نوع انسان پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑا، اور شیر خوار بچے اپنی پیدائش کے وقت اسی حالت میں ہوتے ہیں جس حالت میں آدم اپنے گناہ سے پہلے تھے۔“

لیکن ان نظریات کو کارٹیجیج کے مقام پر بشپوں کی ایک کونسل نے ”بدعتی“ قرار دیا تھا، اس کے بعد بھی بعض لوگوں نے اس عقیدے کا انکار کیا ہے، جن کا حال انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مقالہ کفارہ میں موجود ہے،

عبادات اور رسمیں

اصول عبادت | عیسائی مذہب میں عبادت کے کیا کیا طریقے ہیں؟ یہ معلوم کرنے سے پہلے مناسب ہوگا کہ اس کے بنیادی اصول عبادت کو سمجھ لیا جائے

مسٹر ریمینڈ ایبار (Raymond Abba) کے بیان کے مطابق یہ اصول گُل چار ہیں:

۱۔ ”عبادت“ درحقیقت اس قدر بانی کا شکرانہ ہے جو کلمۃ اللہ یعنی حضرت مسیحؑ نے بندوں کی طرف سے دی تھی،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ”اگر شریر اپنے تمام گناہوں سے جو اس نے کئے ہیں باز آئے، اور میرے سب آئین پر چل کر جو جائز اور روا رکھے تو وہ یقیناً زندہ رہی گا وہ نہ مرے گا“ (حزقی ایل ۱۸: ۲۱)

(۹) اگر یہ عقیدہ درست ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسے پوری وضاحت کے ساتھ کیوں بیان نہیں فرمایا؟ اناجیل کی کوئی عبارت ایسی نہیں ہے جس سے مذکورہ عقیدے کو مستنبط کیا جاسکے، مقدمہ ہی کے دیگر باب میں ہم اس کو قدمے تفصیل سے ذکر کریں گے،

(حاشیہ صفحہ ۸۱)

Augustine, On Original Sin ch. II P. 621 V. I

Raymond Abba, Principles of Christian Worship, Oxford 1960, P. 3

۲۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ صحیح عبادت روح القدس ہی کے عمل سے ہو سکتی ہے، پوئیس رومیوں کے نام اپنے خط میں لکھتا ہے:

”جس طرح سے ہمیں دعا کرنی چاہئے ہم نہیں جانتے، مگر روح خود ایسی آئیں بھر بھر کر ہماری شفاعت کرتا ہے جن کا بیان نہیں ہو سکتا“ (رومیوں ۸: ۲۶)

۳۔ تیسرا اصول یہ ہے کہ ”عبادت“ درحقیقت ایک اجتماعی فعل ہے، جو کلیسا انجام دے سکتا ہے اگر کوئی شخص انفرادی طور پر کوئی عبادت کرنا چاہے تو وہ بھی اسی وقت ممکن ہے جب وہ کلیسا کا رکن ہو۔

۴۔ چوتھا اصول یہ ہے کہ ”عبادت“ کلیسا کا بنیادی کام ہے، اور اسی کے ذریعہ وہ مسیح کے بدن کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش ہوتا ہے،

حمد خوانی | عیسائی مذہب میں عبادت کے طریقے تو بہت سے ہیں، لیکن ہم اس مختصر مضمون میں صرف وہ طریقے بیان کر سکتے ہیں جو کثرت سے اختیار کئے جاتے ہیں، اور جن کا ذکر عیسائیت پر کی جانے والی اکثر بحثوں میں بار بار آتا ہے، — ان میں سے ایک ”حمد خوانی“ کی عبادت ہے، جسے مسلمانوں کو سمجھانے کے لئے پادری صاحبان ”منہاز“ بھی کہہ دیتے ہیں۔

مسٹر ایف۔ سی برکٹ (F. C. Burkitt) کے بیان کے مطابق اس عبادت کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ ہر روز صبح شام لوگ کلیسا میں جمع ہوتے ہیں، اور ان میں سے ایک شخص بائبل کا کوئی حصہ پڑھتا ہے، یہ حصہ عام طور سے زبور کا کوئی ٹکڑا ہوتا ہے، زبور خوانی کے دوران تمام حاضرین کھڑے رہتے ہیں اور زبور کے ہر فقرے کے ختم تمام پر گھٹنے جھکا کر دعا کی جاتی ہے، اور اس دعا کے موقع پر گناہوں کے اعتراف کے طور پر آلسو پہانا بھی ایک پسندیدہ فعل ہے، یہ طریقہ تیسری صدی عیسوی سے مسلسل چلا آ رہا ہے، ایتھانی شیس کی بعض تحریریں ابھی تک باقی ہیں جن میں اس طریقے کی تلقین کی گئی ہے،

بپتسمہ | بپتسمہ یا اصطباغ Baptism عیسائی مذہب کی پہلی رسم ہے، یہ ایک قسم کا غسل ہوتا ہے، جو عیسائی مذہب میں داخل ہونے والے کو دیا جاتا ہے، اور اس کے بغیر کسی انسان کو عیسائی نہیں کہا جاسکتا، اس رسم کی پشت پر بھی کفارے کا عقیدہ کارفرما ہے، عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ بپتسمہ لینے سے انسان یسوع مسیح کے واسطے سے ایک بار مر کر دوبارہ زندہ ہوتا ہے، موت کے ذریعہ اسے "اصل گناہ" کی سزا ملتی ہے، اور نئی زندگی سے اُسے آزاد قوتِ ارادی حاصل ہوتی ہے،

————— جو لوگ عیسائی مذہب میں داخل ہونا چاہتے ہیں تو انہیں شروع میں ایک عبوری دور سے گزرنا پڑتا ہے، جس میں وہ مذہب کی بنیادی تعلیمات حاصل کرتے ہیں، اس عرصے میں وہ "عیسائی" نہیں کہلاتے، بلکہ کیٹچومینس (Catechumens) کہلاتے ہیں، اور انہیں عشاءِ ربانی کی رسم میں شمولیت کی اجازت نہیں ہوتی، پھر ایسٹر کی تقریبات سے کچھ پہلے یا پینٹی کوسٹ کی عید سے کچھ قبل انہیں بپتسمہ دیا جاتا ہے،

بپتسمہ کے عمل کے لئے کلیسا میں ایک مخصوص کمرہ ہوتا ہے، اور اس عمل کے لئے مخصوص آدمی معین ہوتے ہیں، یروشلیم کے مشہور عالم سائرل (Cyril) نے اس رسم کو بجالانے کا طریقہ یہ لکھا ہے کہ بپتسمہ کے امیدوار کو بپتسمہ کے کمرے میں (Baptistry) میں اس طرح لٹا دیا جاتا ہے کہ اس کا رخ مغرب کی طرف ہو، پھر امیدوار اپنے ہاتھ مغرب کی طرف پھیلا کر کہتا ہے کہ:

"اے شیطان! میں تجھ سے اور میرے ہر عمل سے دستبردار ہوتا ہوں۔"

پھر وہ مشرق کی طرف رخ کر کے زبان سے عیسائی عقائد کا اعلان کرتا ہے، اس کے بعد اسے ایک اندر دنی کمرے میں لیجا یا جاتا ہے، جہاں اس کے تمام کپڑے اتار دیئے جاتے ہیں، اور سر پاؤں تک ایک دم کئے ہوئے تیل سے اس کی مالش کی جاتی ہے، اس کے بعد اسے بپتسمہ کے حوض میں ڈال دیا جاتا ہے، اس موقع پر بپتسمہ دینے والے اس سے تین سوال کرتے ہیں، کہ کیا وہ باپ، بیٹے اور روح القدس پر مقررہ تفصیلات کے ساتھ ایمان رکھتا ہے؟ ہر سوال کے

۱ Augustine, The Enchiridion XI, II P. 688 V. I

۲ The Christian Religion PP. 150, 152 V. 3

جواب میں اُمیدوار کہتا ہے کہ ”ہاں میں ایمان رکھتا ہوں“ اس سوال جواب کے بعد اسے صحن سے نکال لیا جاتا ہے، اور اس کی پیشانی، کان، ناک اور سینے پر دم کئے ہوئے تیل سے دھواڑ مالبش کی جاتی ہے، اور پھر اسکی سفید کپڑے پہنا دیئے جلتے ہیں، جو اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ بپتسمہ کے ذریعے یہ شخص سابقہ تمام گناہوں سے پاک صاف ہو چکا ہے، اس کے بعد بپتسمہ پانے والوں کا جلوس ایک ساتھ کلیسا میں داخل ہوتا ہے، اور پہل بارعشار ربانی کی رسم میں شریک ہوتا ہے،

عشار ربانی | عیسائی مذہب اختیار کرنے کے بعد یہ اہم ترین رسم ہے جو حضرت مسیحؑ کی بپتسمہ شربانی کی یادگار کے طور پر منائی جاتی ہے، حضرت مسیحؑ نے مزمودہ گرفتاری سے ایک دن پہلے حواریوں کے ساتھ رات کا کھانا کھایا تھا، کھانے کی اس مجلس کا حال انجیل متی میں اس طرح ذکر کیا گیا ہے کہ،

”جب وہ کھارہے تھے تو یسوع نے روٹی لی، اور برکت دے کر توڑی، اور

شاگردوں کو دے کر کہا، لو کھاؤ، یہ میرا بدن ہے، پھر پیالہ لے کر شکر کیا

اور ان کو دے کر کہا تم سب اس میں سے پیو، کیونکہ یہ میرا وہ عہد کا خون ہے جو

بہتیروں کے لئے گناہوں کی معافی کے واسطے بہایا جاتا ہے“ (متی ۲۶: ۲۶-۲۷)

لوقا اس واقعہ پر اتنا اضافہ کرتا ہے کہ اس کے بعد حضرت مسیحؑ نے حواریوں سے کہا کہ:

”میری یادگاری کے لئے یہی کیا کرو“ (لوقا ۲۲: ۱۹)

عشار ربانی کی رسم اسی حکم کی تعمیل کے طور پر منائی جاتی ہے، عیسائیوں کے مشہور عالم جسٹن مارٹر اپنے زمانے میں اس رسم کو بجالانے کا طریقہ یہ لکھتے ہیں کہ ہر اتوار کو کلیسا میں ایک اجتماع ہوتا ہے، شروع میں کچھ دعائیں اور نغمے پڑھے جاتے ہیں، اس کے بعد حاضرین ایک دوسرے کا بوسہ کر مبارکباد دیتے ہیں، پھر روٹی اور شراب لائی جاتی ہے، اور صدر مجلس اس کو لے کر باپ باپٹے اور روح القدس سے برکت کی دعا کرتا ہے، جس پر تمام حاضرین آمین کہتے ہیں۔

۱

پھر کلیسا کے خدام (Deacons) روٹی اور شراب کو تمام حاضرین میں تقسیم کرتے ہیں، اس عمل سے فوراً روٹی مسیح کا بدن بن جاتی ہے، اور شراب مسیح کا خون اور تمام حاضرین اسے کھاپی کر اپنے عقیدہ کفارہ کو تازہ کرتے ہیں،

جسٹن کے بعد رسم بجالانے کے طریقوں اور اس میں استعمال کئے جانے والے الفاظ میں کافی تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں، لیکن رسم کی بنیادی بات یہی ہے کہ صدر مجلس جب روٹی اور شراب حاضرین کو دیتا ہے، تو وہ عیسائی عقیدے کے مطابق فوراً اپنی ماہیت تبدیل کر کے مسیح کا بدن اور خون بن جاتی ہے، اگرچہ ظاہری طور پر وہ کچھ ہی نظر آتی ہو، سناٹا مل لگتا ہے:

”جب وقت صدر مجلس دعا سے فارغ ہوتا ہے تو روح القدس جو خدا کا ایک زندہ جاوید اقنوم ہے، روٹی اور شراب پر نازل ہوتا ہے، اور انہیں بدن اور خون میں تبدیل کر دیتا ہے۔“

یہ بات عرصہ دراز تک بحث و محض کا موضوع بنی رہی ہے، کہ روٹی اور شراب دیکھتے ہی دیکھتے کس طرح بدن اور خون میں تبدیل ہو جاتی ہیں؟ — یہاں تک سولہویں صدی عیسوی میں جب پروٹسٹنٹ فرقہ نمودار ہوا، تو اس نے اس عقیدے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، اس کے نزدیک یہ رسم محض حضرت مسیح کی قربانی کی یادگار ہے، لیکن روٹی کا بدن اور شراب کا خون بن جانا اسے تسلیم نہیں ہے،

عشاء ربانی (Lord's supper) کے علاوہ اس رسم کے مندرجہ ذیل نام اور بھی ہیں:

شکرانہ (Eucharist) مقدس غذا (Sacred Meal)

اور مقدس اتحاد (Holy Communion)

۱ Justin Martyr, Apol. i, 65-67. quoted by F. C. Burkitt,

The Christian Religion P. 149 V. III

۲ Cyril Cat. Myst. K. quoted by the Britannica P. 795 V. 8

“EUCCHARIST”

بپتسمہ اور عشاء ربانی کے علاوہ رومن کیتھولک فرقہ کے نزدیک پانچ مذہبی رسمیں
 Sacraments اور ہیں، لیکن پروٹسٹنٹ فرقہ انہیں تسلیم نہیں کرتا، کالون لکھتا ہے:
 ان (مذہبی رسوم) میں سے صرف دو رسمیں وہ ہیں جو ہمارے منجی نے معترف کی ہیں
 بپتسمہ اور عشاء ربانی، کیونکہ پوپ کی حکمرانی میں جو سات رسمیں بنائی گئی ہیں، انہیں
 ہم من گھڑت اور جھوٹ سمجھتے ہیں۔^۱

چونکہ یہ پانچ رسمیں متفق علیہ نہیں ہیں، اور ان سے واقف ہونے کی زیادہ ضرورت بھی
 نہیں ہے، اس لئے ہم اختصار کے پیش نظر ان کو نظر انداز کرتے ہیں۔

تاریخ

بنی اسرائیل کی تاریخ کا ایک خاکہ | اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام ہے، ان کے
 بارہ صاحبزادے تھے، اور انہی کی اولاد کو بنی اسرائیل
 کہا جاتا ہے، عہد قدیم میں اللہ تعالیٰ نے اسی خاندان کو منصب نبوت کے لئے چنا تھا، اور
 اس میں بنے شمار پیغمبر مبعوث ہوئے، بلکہ بنی اسرائیل کا اصل وطن فلسطین کے علاقے تھے، لیکن عمالقمہ نے
 اس خطے پر غاصبانہ قبضہ کر کے اسرائیلیوں کو فراعنہ مصر کی غلامی پر مجبور کر دیا تھا، حضرت
 موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں انہیں اس غلامی سے نجات حاصل ہوئی، لیکن ابھی یہ فلسطین کو دوبارہ
 حاصل نہ کر سکے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے، آپ کے بعد حضرت یوشع اور ان کے
 بعد حضرت کالب علیہما السلام پیغمبر ہوئے، حضرت یوشع علیہ السلام نے اپنے زمانے میں
 عمالقمہ سے جہاد کر کے فلسطین کا ایک بہت بڑا علاقہ فتح کر لیا، لیکن ان دونوں حضرات کے
 بعد بنی اسرائیل کو چاروں طرف سے مختلف یورشوں کا سامنا کرنا پڑا، اس زمانے تک بنی اسرائیل
 عربوں کے مانند نیم خانہ بدوش تھے، اور ان کی زندگی تمدنی سے زیادہ قبائلی انداز کی تھی، تاہم

۱ Calvin, Genevan confession. 16, trans. by J. K. S. Reid

۲ یہ خاکہ بائبل کے عہد نامہ قدیم، اپوکریفا اور دیگر کتابوں سے ماخوذ ہے،

جو شخص ان کے قبائلی قوانین کی بناء پر بین القبائلی جھگڑوں کو خوب صورتی سے رفع کر دیتا، سب سے
اسے بنی اسرائیل تقدس کی نظر سے دیکھتے تھے، اور اگر اس میں کچھ عسکری صلاحیتیں پاتے تو
بیردنی حلوں کے مقابلے کے لئے اسی کو اپنا سپہ سالار بھی بنا لیا جاتا، اس قسم کے لیڈروں
کو بنی اسرائیل "قاضی" کہہ کر پکارتے تھے، بائبل کی کتاب قضاہ (Judges) انہی
رہنماؤں کے کارناموں کی داستان ہے، اور اس زمانے کو اسی مناسبت سے "قاضیوں کا زمانہ"
کہتے ہیں،

قاضیوں کے زمانے میں جہاں بنی اسرائیل نے بیردنی حلوں کا کامیاب دلاوہ کیا، وہاں
گیارہویں صدی قبل مسیح میں وہ کنعانیوں کے ہاتھوں مغلوب بھی ہوئے، اور فلسطین کے
بڑے علاقے پر کنعانیوں کی سیادت قائم ہو گئی، جو حضرت داؤد کے عہد تک قائم رہی،
بالآخر جب حضرت سموئیل علیہ السلام پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تو بنی اسرائیل نے ان سے
درخواست کی کہ ہم اب اس خانہ بدوشی کی زندگی سے تنگ آچکے ہیں، اللہ تعالیٰ سے درخواست
کیجئے کہ وہ ہمارے اوپر ایک بادشاہ مقرر فرمادے، جس کے تابع فرمان ہو کر ہم فلسطینیوں
کا مقابلہ کریں، ان کی درخواست پر انہی میں سے ایک شخص کو بادشاہ معترف کر دیا گیا، جس کا
نام شمعون کریم کے بیان کے مطابق طالوت تھا، اور بائبل کی روایت کے مطابق ساؤل،
(۱ سموئیل ۱۳: ۱)، طالوت نے فلسطینیوں کا مقابلہ کیا، حضرت داؤد علیہ السلام اس وقت
نوجوان تھے، اور طالوت کے لشکر میں اتفاقاً شامل ہو گئے تھے، فلسطینیوں کے لشکر سے ایک
پہلوان جالوت نے مبارز طلب کیا، تو حضرت داؤد اس کے مقابلے پر نکلے، اور اسے قتل کر دیا
اس واقعے نے انھیں بنی اسرائیل میں اتنی ہر دلعزیزی عطا کر دی کہ ساؤل کے بعد وہ بادشاہ
بنے، اور یہ پہلا موقع تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بادشاہ کو پیغمبری عطا کی تھی، حضرت داؤد کے
عہد میں فلسطین پر بنی اسرائیل کا قبضہ تقریباً مکمل ہو گیا، ان کے بعد ۴۰۰ ق م میں حضرت سلیمان
علیہ السلام نے اس سلطنت کو اور مستحکم کر کے اسے اقبال کے عروج تک پہنچا دیا، انھوں نے
ہی خدا کے حکم سے بیت المقدس کی تعمیر کی، اور سلطنت کا نام اپنے جد امجد کے نام پر "یہوذاہ"
رکھا، لیکن جب ۵۸۶ ق م میں حضرت سلیمان کی وفات کے بعد ان کا بیٹا رجیم سلطنت

کے تخت پر بیٹھا تو اس نے اپنی نااہلیت سے نہ صرف یہ کہ سلطنت کی دینی فضا کو ختم کر ڈالا بلکہ اس کے سیاسی استحکام کو بھی سخت نقصان پہنچایا، اسی کے زمانے میں حضرت سلیمان کے ایک سابقہ خادم یرتعام نے بغاوت کر کے ایک الگ سلطنت اسرائیل کے نام سے قائم کر لی، اور اب بنی اسرائیل دو ملکوں میں تقسیم ہو گئے، شمال میں اسرائیل سلطنت تھی جس کا پایہ تخت سامره (Somaria) تھا، اور جنوب میں یہود یہ کی سلطنت تھی جس کا مرکز یروشلم تھا، ان دونوں ملکوں میں باہم سیاسی اور مذہبی اختلافات کا ایک طویل سلسلہ قائم ہو گیا، جو بخت نصر کے حملے کے وقت تک جاری رہا، دونوں ملکوں میں وہ رد کر بت پرستی کا رواج بڑھنے لگتا، تو اس کے سبب باب کے لئے انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوتے رہتے تھے، جب بنی اسرائیل کی بد اعمالیاں حد سے گذر گئیں تو اللہ نے اُن پر شاہ بابل بخت نصر کو مسلط کر دیا، اس نے ۵۸۶ ق م میں یروشلم پر زبردست حملے کئے، اور آخری حملے میں یروشلم کو بالکل تباہ کر ڈالا، اور اس کے بادشاہ صدقیاہ کو قید کر کے لے گیا، بقیۃ البیت یہودی بھی گرفتار ہو کر بابل چلے گئے، اور عرصہ دراز تک غلامی کی زندگی گزارتے رہے، بالآخر جب ۵۳۹ ق م میں ایران کے بادشاہ خسترو نے بابل فتح کر لیا تو اس نے یہودیوں کو دوبارہ یروشلم پہنچ کر اپنا بیت مقدس تعمیر کرنے کی اجازت دی، چنانچہ ۵۲۰ ق م میں بیت المقدس کو دوبارہ تعمیر کیا گیا، اور یہودی ایک بار پھر یروشلم میں آباد ہو گئے، اسرائیل کی سلطنت یہوداہ سے پہلے ہی اسوریوں کے ہاتھوں تباہ ہو چکی تھی، اور اب اگرچہ اُن کے دو فرقوں کے مذہبی اختلافات کافی حد تک کم ہو گئے تھے، لیکن انھیں کوئی سلطنت نصیب نہ ہو سکی، مسئلہ ق م سے تمام بنی اسرائیل مختلف بادشاہوں کے زیر نگیں رہ کر زندگی گزارتے رہے، ۳۳۲ ق م میں اُن پر سکندر اعظم کا تسلط ہو گیا، اور اسی زمانے میں انھوں نے تورات کا ترجمہ کیا جو ہفتادی ترجمہ (Septuagint) کے نام سے مشہور ہے، ۱۶۵ ق م میں سوریہ کے بادشاہ انتیوکس اپنی فینس نے ان کا تریسی طرح قتل عام کیا اور تورات کے تمام نسخے جلا دیئے (دیکھئے مکابیوں کی پہلی کتاب باب اول) اسی دوران یہوداہ مکابی نے جو بنی اسرائیل کا ایک صاحب ہمت انسان تھا، ایک جماعت بنائی، اور

اس کے ذریعہ فلسطین کے ایک بڑے علاقے پر قبضہ کر کے اسوری حکمرانوں کو مار بھگایا،
مکابیوں کی یہ سلطنت ششہ تک قائم رہی،

حضرت عیسیٰ کی تشریف آوری | مکابیوں کی اس چھوٹی سی سلطنت سے قطع نظر،
اس زمانے میں پوری یہودی قوم منتشر ہو چکی

تھی، پھر دوم کے آس پاس ان کی مختلف آبادیاں قائم تھیں، بابل کی جلاوطنی کے اختتام
پر یہودیوں کی خاصی بڑی تعداد فلسطین میں آ بسی تھی، لیکن ان کی اکثریت بابل ہی میں آباد
تھی، فلسطین کے ایک حصہ پر اردمیوں کی حکومت تھی، مگر یہ سلطنت روم کے تابع اور
ماتحت تھی، یروشلم رومی حکومت کا ایک صوبہ تھا، جن کو رومی یہودیہ کہہ کر پکارتے تھے،
یہاں رومیوں کی طرف سے ایک حاکم مقرر تھا، مادی اسباب کے لحاظ سے یہودیوں کے
لئے پھر آزادی کی فضائیں سانس لینے کا کوئی امکان نہ تھا، اس لئے قدرۃ ان کی نگاہیں مستقبل
پر لگی ہوئی تھیں، ان میں سے بیشتر افراد خدا کی طرف سے ایک نجات دہندہ کے منتظر تھے
جو انہیں اس غلامی کی زندگی سے چھڑا کر پھر بادشاہت نصب کرے،

یہ حالات تھے جب کہ شہنشاہ دوم آگستس کی بادشاہت اور حاکم یہودیہ ہیرودیس
کی حکومت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی
کا کوئی مستند ریڈیو اب ہمارے پاس موجود نہیں ہے، صرف اناجیل ہی وہ چار کتابیں ہیں
جنہیں آپ کی حیات طیبہ معلوم کرتے کا واحد ذریعہ کہا جاسکتا ہے، لیکن ہمارے نزدیک ان کی
حیثیت کسی قابل اعتماد نوشتے کی نہیں ہے،

صہ

عیسائیت کی تاریخ | عیسائیت کی جو شکل آج دنیا میں معروف ہے اس کی ابتداء
کیسے ہوئی؟ اس کا تفصیلی جواب بڑی حد تک تاریکی میں ہوا

تاہم جو مواد ہمارے پاس موجود ہے اس کی روشنی میں اتنی بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عیسیٰ
علیہ السلام کے عروج آسمانی کے بعد آپ کے حواری مخالفوں کے طوفان کا مقابلہ کرتے

۱۰ | اس تاریخ میں بنیادی طور پر انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایٹھکس کے مقالہ "عیسائیت" سی پی
ایس کلرک کی مختصر تاریخ کلیسا پادری خورشید عالم کی تاریخ کلیسے رومنہ الکبریٰ اور برٹانیکا کے مختلف مقالوں کا
مدد لی گئی ہے،

ہوئے ہمہ تن دین عیسوی کی تبلیغ میں مصروف تھے، اور پے پے پیش آنے والی رکاوٹوں کے باوجود انھیں خاصی کامیابی حاصل ہو رہی تھی،

لیکن اسی دوران ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے حالات کا منحنی بالکل موڑ دیا، واقعہ یہ تھا کہ ایک مشہور یہودی عالم ساؤل جواب تک دین عیسوی کے پیروؤں پر شدید ظلم و ستم ڈھاتا آیا تھا، اچانک اس دین پر ایمان لے آیا، اور اس نے دعویٰ کیا کہ دمشق کے راستے میں مجھ پر ایک نور چمکا، اور آسمان سے حضرت مسیح کی آواز سنائی دی کہ "تو مجھے کیوں ستاتا ہے؟" اس واقعے سے متاثر ہو کر میرادل دین عیسوی پر مطمئن ہو چکا ہے،

ساؤل نے جب حواریوں کے درمیان پہنچ کر اپنے اس انقلاب کا اعلان کیا تو اکثر حواری اس کی تصدیق کرنے کے لئے تیار نہ تھے، لیکن سب سے پہلے برناباس حواری نے اس کی تصدیق کی، اور ان کی تصدیق سے مطمئن ہو کر تمام حواریوں نے اسے اپنی برادری میں شامل کر لیا، ساؤل نے اپنا نام بدل کر پوتس رکھ لیا تھا، اور اس واقعے کے بعد وہ حواریوں کے دوش بدوش دین عیسوی کی تبلیغ میں مشغول ہو گیا، یہاں تک کہ اس کی انتھک جدوجہد سے بہت سے وہ لوگ بھی دین عیسائیت میں داخل ہو گئے جو یہودی نہ تھے، ان خدمات کی وجہ سے اس دین کے پیروؤں میں پوتس کا اثر و رسوخ بڑھتا گیا، یہاں تک کہ اس نے رفتہ رفتہ ان لوگوں میں مسیح کی خدائی، کفارہ اور حلول و تجسم کے عقائد کی کھل کر تبلیغ شروع کر دی، تو ایچ سے اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ بعض حواریوں نے اس مرحلے پر پوتس کی کھل کر مخالفت کی، لیکن اس کے بعد حواریوں کے سوانح حیات بالکل اندھیرے میں ہیں، اس کے بعد صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ پوتس ہی کا اثر و رسوخ عیسائی دین پر بڑھتا چلا گیا،

چوتھی صدی عیسوی کی ابتداء تک عیسائیت ایک مغرب اور مغرب زد

دورِ ابتلاء کی حیثیت سے دنیا میں موجود رہا، اس دور کو عیسائی مورخین دورِ ابتلاء

۱۔ تو کا کتاب اعمال جو حواریوں کی واحد سوانح ہے اس اختلاف کے بعد حواریوں کے تذکرے سے بالکل خاموشی ہو، مقدمہ کے دوسرے باب میں پوتس کی تحریف دین عیسوی کا مفصل بیان آ رہا ہے،

(Age of persecution) کے نام سے یاد کرتے ہیں، اس عرصے میں عیسائیوں

پر سیاسی طور سے رومی تسلط تھے، اور مذہبی طور پر یہودی، رومی اور یہودی دونوں انہیں طرح طرح سے ستانے پر متفق تھے، اس عہد کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ عیسائی مذہب کا نظام عقائد و عبادات ابھی تک مدون نہیں تھا، اسی وجہ سے اس زمانے میں بے شمار فرقے عیسائی دنیا پر چھائے نظر آتے ہیں، کلیمنٹ (م ۹۵ء)، اگناشن (م تقریباً ۱۰۰ء) پے پیاس (م ۱۲۰ء)، پولیکارپ (م ۱۵۵ء)، آتریپوس (م ۱۸۰ء) وغیرہ اس دور کے مشہور علماء ہیں جن کی تصانیف اور مکتوبات پر عیسائی مذہب کی بنیاد قائم ہے،

قسطنطین عظمیٰ | ۳۲۵ء عیسائیت کی تاریخ میں بڑا خوشگوار سال ہے، اس لئے کہ اس سنہ میں شاہ قسطنطین اول روم کا بادشاہ مقرر ہو گیا تھا، اور

اس نے عیسائی مذہب قبول کر کے اسے ہمیشہ کے لئے مستحکم کر دیا، یہ پہلا موقع تھا کہ سلطنت کا حکمران عیسائیوں پر ظلم توڑنے کے بجائے ان کے مذہب کی تبلیغ کر رہا تھا، اس نے قسطنطنیہ صوبہ، یروشلم اور روم میں بہت سے کلیسا تعمیر کئے، اور عیسائی علماء کو بڑے بڑے اعزاز دیے انہیں مذہبی تحقیقات کے لئے وقف کر دیا، اور اسی وجہ سے اس کے عہد سلطنت میں اطراف و اکناف کے عیسائی علماء کی بڑی بڑی کونسلیں منعقد ہوئیں، جن میں عیسائی نظام عقائد کو باضابطہ مدون کیا گیا، اس سلسلے میں نیقاوی کونسل بنیادی اہمیت کی حامل ہے جو ۳۲۵ء میں نیقیہ (Nicaea) کے مقام پر منعقد کی گئی تھی، اس کونسل میں پہلی بار تثلیث کے عقیدے کو مذہب کا بنیادی عقیدہ تسلیم کیا گیا، اور اس کے منکر (مثلاً آریوس وغیرہ) کو مذہب سے خارج کر دیا گیا، اسی موقع پر پہلی بار عیسائی عقائد کو مدون کیا گیا، جو عقیدہ اہتانی شیس (Athanasian Creed) کے نام سے مشہور ہے،

اگرچہ نیقیہ کی اس کونسل نے مذہب کے بنیادی عقائد کو مدون کر دیا تھا، لیکن یہ عقائد کچھ اس قدر مبہم اور گنجشک تھے کہ ان کی تعبیرات میں عرصہ دراز تک شدید اختلاف جاری رہا

۱۰ یہاں یہ واضح ہے کہ جو نظم عقیدہ اہتانی شیس کے نام سے مشہور ہے، وہ اہتانی شیس کی نہیں ہے، بلکہ بعد میں کسی نے اس عقیدے کو نظم کر دیا ہے،

اور اس اختلاف کا فیصلہ کرنے کے لئے مختلف مقامات پر علماء عیسائیت کی بڑی بڑی کونسلیں منعقد ہوتی رہیں، چوتھی اور پانچویں صدی میں یہ مباحثے اپنے شباب پر تھے، اسی لئے اس زمانے کو عیسائی مورخین ”عہد مجالس“ (Age of Councils) یا عہد

مباحثات (Controversy period) کہتے ہیں،

۳۱۳ء سے ۵۲۹ء تک کے عرصے میں عیسائی مذہب قسطنطین گریگوری تک

سلطنت روم پر چھا چکا تھا، اگرچہ بت پرستی کے مذاہب اس کے حریف بنے رہے، لیکن سلطنت میں عیسائی مذہب ہی کو عام رواج ہوا، اور اس عرصے میں سلطنت روم کی مقننہ (Legislature) بھی مذہب سے

بجدا متاثر ہوئی،

اس زمانے کی اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ اس دور میں عیسائیت دو سلطنتوں میں تقسیم ہو گئی، ایک سلطنت مشرق میں تھی، جس کا پایہ تخت قسطنطنیہ تھا، اور اس میں بلقان، یونان، ایشیائے کوچک، مصر اور حبشہ کے علاقے شامل تھے، اور وہاں کا سب سے بڑا مذہبی پیشوا بطریق (Patriarch) کہلاتا تھا، اور دوسری سلطنت مغرب میں تھی، جس کا مرکز دستور روم تھا، اور یورپ کا بیشتر علاقہ اسی کے زیر نگین تھا، اور وہاں کا مذہبی پیشوا ”پوپ“ یا ”پاپا“ کہلاتا تھا، ان دونوں سلطنتوں اور مذہبی طاقتوں میں میں شروع ہی سے رقابت قائم ہو گئی تھی، اور ان میں سے ہر ایک اپنی مذہبی برتری منوانا چاہتی تھی،

اس عہد کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں رہبانیت نے جنم لیا، جس کا بنیادی تصور یہ تھا کہ خدا کی رضا مندی صرف دنیا کے جھمیلوں کو خیر باد کہہ کر حاصل کی جاسکتی ہے، نفس کو جس قدر تکلیف پہنچائی جائے گی، انسان خدا سے اُسی قدر قریب ہوگا، اگرچہ اس جہان کے آثار چوتھی صدی سے ہی پیدا ہونے لگے تھے، اور پانچویں صدی میں تو برطانیہ اور فرانس میں بہت سی خالقاہیں قائم ہو گئی تھیں، لیکن پہلا راہب جس نے اسے باقاعدہ نظام بنایا، چھٹی صدی کا پاتم مصری ہے، پاتم کے بعد باسیلیوس اور جیروم اس نظام کے مشہور لیڈر ہوئے ہیں،

تاریک زمانہ

سنہ ۵۹۰ء میں گرگوری اول پوپ بنا تھا، اس کے وقت سے لیکر شارلمین (سنہ ۸۰۰ء) تک کا زمانہ اُس طویل عرصے کی پہلی قسط ہے جسے عیسائی

مورخین "تاریک زمانے" (Dark Ages) کے نام سے یاد کرتے ہیں، اس لئے کہ عیسائیت کی تاریخ میں یہ زمانہ سیاسی اور علمی زوال اور انحطاط کا بدترین دور ہے، اور اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اس دور میں اسلام عروج پا رہا تھا، اور عیسائیوں میں افتراق و انتشار کی دہانیں بھوٹ رہی تھیں،

اس زمانے کی دو اہم خصوصیتیں ہیں، ایک تو یہ کہ اس دور میں مغربی عیسائیوں نے یورپ کے مختلف خطوں میں عیسائیت کی تبلیغ شروع کی، برطانیہ اور جرمنی وغیرہ کے علاقوں میں پہلی بار رومی عیسائیوں کو مذہبی فتح نصیب ہوئی، اور اس کے نتیجے میں چار صدیوں کی مسلسل کاوشوں کے بعد پورا یورپ عیسائی بن گیا،

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اسی دور میں اسلام کا آفتاب فاران کی چوٹیوں سے طلوع ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے نصف دنیا پر چھا گیا، مغرب میں مصر، افریقہ، اندلس اور صقلیہ اور مشرق میں شام اور ایران کی عظیم سلطنتیں مسلمانوں کے زیر نگیں آ گئیں، اور اس کی وجہ سے خاص طور پر مشرقی علاقوں میں عیسائیت کا اقتدار دم توڑنے لگا،

سنہ ۸۰۰ء سے لے کر سنہ ۱۵۲۱ء تک کا زمانہ قرون وسطی کا زمانہ قرون وسطی

(Medieval Era) کہلاتا ہے، اس زمانے کی بنیادی خصوصیت وہ خانہ جنگی ہے جو پوپ اور شہنشاہ وقت کے درمیان عرصہ دراز تک جاری رہی، الفریڈ، اسی، گارڈے نے اس زمانے کو تین حصوں پر تقسیم کیا ہے:

۱۔ شارلمین سے لیکر گرگوری ہفتم تک کا زمانہ (سنہ ۸۰۰ء تا سنہ ۱۰۴۳ء) جس میں پاپائیت فروغ پا رہی تھی،

۲۔ گرگوری ہفتم سے بونیفیس ہشتم تک کا زمانہ (سنہ ۱۰۴۳ء تا سنہ ۱۲۹۴ء) جس میں پوپ کو مغربی یورپ کے اندر پورا اقتدار حاصل ہو گیا تھا،

۳۔ بونیفیس ہشتم سے عہد اصلاح تک کا زمانہ (سنہ ۱۲۹۴ء تا سنہ ۱۵۱۷ء) جس میں پاپائیت

لو زوال ہوا، اور اصلاح کی تحریکیں اٹھنی شروع ہوئیں،

قرون وسطیٰ میں جواہم واقعات پیش آئے ان کا ایک اجمالی خاکہ درج ذیل ہے:

نفاق عظیم | نفاق عظیم (Great schism) (تاریخ عیسائیت)

کی ایک اصطلاح ہے، اس سے مراد مشرق اور مغرب کے کلیساؤں

کا وہ زبردست اختلاف ہے جس کی بنا پر مشرقی کلیسا ہمیشہ کے لئے رومن کیتھولک چرچ

سے جدا ہو گیا، اور اس نے اپنا نام بھی بدل کر ڈی ہولی آرٹھوڈوکس چرچ (The Holy

Orthodox Church) رکھ لیا، نفاق عظیم کے اسباب بہت سے ہیں، مگر ان میں

سے اہم مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ اس علحدگی کی پہلی وجہ تو مشرقی اور مغربی کلیساؤں کا نظریاتی اختلاف تھا، مشرقی

کلیسا کا عقیدہ یہ تھا کہ روح القدس کا اقنوم صرف باپ کے اقنوم سے نکلا ہے، اور بیٹے کا اقنوم

اس کے لئے محض ایک واسطے کی حیثیت رکھتا ہے، اور مغربی کلیسا کا کہنا یہ تھا کہ روح القدس

کا اقنوم باپ اور بیٹے دونوں سے نکلا ہے، دوسرے مشرقی کلیسا کا خیال یہ تھا کہ بیٹے کا تہ

باپ کے کم ہے، اور مغربی کلیسا کا اعتقاد یہ تھا کہ دونوں بالکل برابر ہیں، مشرقی کلیسا اہل مغرب

پر یہ الزام لگاتا تھا کہ انھوں نے اپنے عقیدے کو ثابت کرنے کے لئے نبیادی کو نسل کے

فیصلے میں بعض الفاظ اپنی طرف سے بڑھا دیئے ہیں جو اصل فیصلے میں موجود نہ تھے،

۲۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ مشرق و مغرب کے کلیساؤں میں نسل امتیاز کی جڑیں خاصی

گہری تھیں، مغرب میں اطالوی اور جرمنی نسل تھی، اور مشرق میں یونانی اور ایشیائی،

۳۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے سلطنت رومادونکرطوں میں تقسیم ہو گئی تھی، اس لئے

قسطنطنیہ کا شہر روم کے قدیم شہر کا مکمل حریت بن گیا تھا،

۴۔ اس کے باوجود پاپائے روم اس بات کے لئے تیار نہ تھا کہ اپنا اقتدار اور بالادستی

۱۔ یہ اور آگے تاریخ عیسائیت کا پورا مضمون انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایٹھکس ص ۵۸۹ تا ۵۹۱

جلد ۳، مقالہ "عیسائیت" سے ماخوذ ہے، تقی

قسطنطنیہ کے بطریق کے حوالے کرنے یا اسے اپنا حصہ دار بنانے۔

۵۔ ان حالات کی وجہ سے افتراق کا مواد بُری طرح پک رہا تھا، کہ اسی دوران
 پوپ لیو نہم (۱۰۵۴ء) نے مغربی عقائد و نظریات کو مشرق پر
 پھونپنے کی کوشش کی، قسطنطنیہ کے بطریق میکائیل نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کیا،
 اور پوپ کے سفراء نے سینٹ صوفیا کے گرجے میں تربان گاہ پر اناثما (لعنت) کے کلمات
 لکھ دیے، پس اس واقعے نے گرم لہر پر آخری ضرب لگا دی، اور نفاقِ عظیم مکمل ہو گیا،
 اس عہد کی دوسری خصوصیت صلیبی جنگیں ہیں، جنہیں عیسائی
 صلیبی جنگیں
 موزخین کروسیڈ (Crusade) کے نام سے یاد کرتے
 ہیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں بیت المقدس اور شام و فلسطین کا علاقہ
 مسلمانوں کے ہاتھ فتح ہو گیا تھا، اُس وقت تو عیسائی دنیا کے لئے اپنا دفاع ہی ایک بڑا
 مسئلہ تھا، اس لئے وہ آگے بڑھ کر دوبارہ ان مقدس علاقوں پر قبضہ کرنے کا تصور بھی
 نہیں کر سکتے تھے، البتہ جب مسلمانوں کی طاقت کا بڑھتا ہوا سیلاب کسی حد پر رُکا، اور
 مسلمانوں میں کسی قدر کمزوری آئی تو عیسائی بادشاہوں نے اپنے مذہبی پیشواؤں کے اشارے
 پر بیت المقدس کو دوبارہ حاصل کرنے کا بیڑا اٹھایا، یہ جنگیں سلجوقی ترکوں اور ایوبی سلاطین
 کے خلاف لڑی گئیں، ان جنگوں سے پہلے مذہبی جنگ یا کروسیڈ کا کوئی تصور عیسائی مذہب
 میں موجود نہ تھا، لیکن ۱۰۹۵ء میں پوپ اربن دوم نے کلیرمونٹ کی کونسل میں یہ اعلان
 کر دیا کہ کروسیڈ مذہبی جنگ ہے، سی پی، ایس کلیرک اپنی تاریخ کلیسا میں اس اعلان کا
 ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

”لوگوں کو ترغیب دینے کے لئے اربن نے یہ عام اعلان کر دیا کہ جو شخص بھی اس جنگ
 میں حصہ لے گا اس کی مغفرت یقینی ہے، اور محمد (صلعم) کی طرح اس نے بھی یہ

وعدہ کیا کہ جو لوگ اس جنگ میں مرے گئے وہ سیدھے جنت میں جائیں گے۔

اس طرح سات کروسیڈ لڑے گئے، جن میں آخر کار عیسائیوں کو سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں بڑی طرح شکست ہوئی،

۳۔ پاپائیت کی بدعنوانیاں | صلیبی جنگوں کے بعد پوپ کا اقتدار کافی حد تک کم ہونے لگا تھا، لیکن پوپ انوسینٹ چہارم (۱۲۴۳ء) کے زمانے

سے اس کا اثر و رسوخ باقاعدہ گھٹنے لگا، اس کی وجہ یہ تھی کہ انوسینٹ چہارم نے اپنے عہدے سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اس منصب کو سیاسی اور دنیوی مقاصد کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا، اس کے زمانے میں مغفرت ناموں کی تجارت عام ہو گئی، اور مخالف فرقوں کے افراد کو زندہ جلا کر اذیت رسانی کی انتہا کر دی گئی، بعد کے پاپاؤں نے ان بدعنوانیوں کو انتہا تک پہنچا دیا، اسی دوران پوپ بونیفیس ہشتم نے شاہ ایڈورڈ اول اور فرانس کے شاہ فلپ چہارم سے زبردست دشمنی ٹھان لی، جس کے نتیجے میں روما کی سلطنت سے اکہتر سال تک (۱۳۰۵ء تا ۱۳۰۹ء) پاپائیت بالکل خاتمہ ہو گیا، اس عرصے میں پوپ فرانس میں رہتے رہے، اس لئے اس زمانے کو "اسیری بابل" (Babylonish Captivity) کے نام سے یاد کیا جاتا

ہے، پھر ۱۳۰۸ء سے ۱۳۱۳ء تک ایک نئی مصیبت یہ کھڑی ہو گئی کہ عیسائی دنیا میں ایک کے بجائے دو پوپ منتخب ہونے لگے جن میں سے ہر ایک اپنے اقتدار اعلیٰ کا دعویدار تھا، اور باقاعدہ کارڈینلوں کے ذریعہ منتخب ہوتا تھا، ایک پوپ فرانس اسپین اور نے پاپ کے علاقوں میں منتخب کیا جاتا تھا، جسے ایون پوپ (Avignon Pope) کہتے تھے، اور دوسرا اٹلی، انگلینڈ اور جرمنی کا تاجدار ہوتا تھا جسے رومن پوپ (Roman Pope) کہا جاتا تھا، اس انتشار کو بھی بعض مورخین "نفاق عظیم" کہتے ہیں،

اصلاح کی ناکام کوششیں | جس زمانے میں پاپائیت کی بدعنوانیاں اپنے عروج پر تھیں، بہت سے مصلحین نے حالات کی اصلاح کی

کوشش کی، ان لوگوں میں ویکلف (Wyckliff) (متوفی ۱۳۸۴ء) کا نام سرفہرست ہے، ہو کلیسا کی ایجاد کردہ بدعتوں کا دشمن تھا، اور نیک و پرہیزگار پاپاؤں کے انتخاب کا داعی اسی نے سب سے پہلے بائبل کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا، جو ۱۳۸۵ء میں شائع ہوا، حالانکہ اس سے پہلے بائبل کا کسی اور زبان میں ترجمہ کرنا ایک سنگین جرم سمجھا جاتا تھا، اسی کی تعلیمات سے متاثر ہو کر اس کے بعد جان ہس (John Huss) اور جیروم (Jerome)

اصلاح کے لئے کھڑے ہوئے، لیکن ابھی ان اصلاحات کے لئے فضا ساز کار نہ تھی۔ پاپاؤں کے افتراق اور "تفاق عظیم" کو ختم کرنے کے لئے ۱۴۰۹ء میں کونسل پیا (Council of Pisa) بلائی گئی، جس میں اسی بشپ شریک ہوئے، اور انھوں نے دونوں حاسد پاپاؤں کو معزول کر کے الیگزینڈر پنجم کو پوپ منتخب کیا، لیکن وہ فوراً مر گیا، اس کے بعد ایک بحری ڈاکو جان بست و سوم کو پوپ نامزد کیا گیا، مگر وہ اپنے معاصر پاپاؤ کو نہ دبا سکا، اور نتیجہ یہ نکلا کہ کلیسا میں دو کے بجائے تین پوپ ہو گئے، اور کلیسا کے افتراق میں اور اضافہ ہوا،

بالآخر نومبر ۱۴۱۸ء میں کانسٹنس کے مقام پر ایک کونسل بلائی گئی، جس میں "تفاق عظیم" کا توجہ خاتمہ ہوا، لیکن اسی کونسل میں جان ہس کی اصلاحی تعلیمات کو با "تفاق بدعتی" مسترد دیدیا گیا اور اس کے نتیجے میں ہس اور اس کے شاگرد جیروم کو زندہ جلادیا گیا، نتیجہ یہ کہ پاپائیت کی اخلاقی اور مذہبی بدعنوانیاں بدستور برقرار رہیں،

لیکن جان ہس کی تحریک بیداری کی تحریک تھی، اور ظلم و ستم سے نہ دب سکی، اس کی تعلیمات سے متاثر ہونے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا، یہاں تک کہ پوپ کو اپنا اقتدار متزلزل ہوتا نظر آیا، تو اسے ۱۴۳۱ء میں پائل میں ایک کونسل بلائی جس میں اصلاح کی تحریک کو دلائل کے ذریعہ دبانے کی کوشش کی گئی، مگر اس کا کوئی خاص نتیجہ نہ نکل سکا،

پھر اصلاح اور پروٹسٹنٹ فرقہ | آخر کار ۱۴۸۳ء میں فرقہ پروٹسٹنٹ کا بانی مارٹن لوتھر پیدا ہوا، جس نے پاپائیت کے

تابوت میں آخری میخ ٹھونک دی، اس نے اپنی زندگی میں سب سے پہلے مغفرت ناموں کی تجارت

نے خلاف آواز بلند کی، جب اسے قبول کر لیا گیا تو اس نے پوپ کے غیر معمولی اختیارات کے خلاف بغاوت کر دی، اور ہشتم اور عشر ربانی کے سوا ان تمام رسوم کو من گھڑت بتایا، جو رومی کلیسا نے ایجاد کر رکھی تھیں، سوئیٹزر لینڈ میں زونگی (Zwingli) نے یہی آواز بلند کی، اور ان کے بعد سو اسیں صدی کی ابتداء میں جان کالون اسی تحریک کو لے کر جنیوا میں آگے بڑھا، یہاں تک کہ یہ آواز فرانس، اٹلی، جرمنی اور یورپ کے ہر خطے سے اٹھنی شروع ہو گئی، اور بالآخر انگلستان کے بادشاہ ہنری ہشتم اور ایڈورڈ چہارم بھی اس تحریک کے متاثر ہو گئے، اور اس طرح پروٹسٹنٹ فرقہ کی تھو لک چرچ کا مضبوط مد مقابل بن گیا،

اب وہ زمانہ شروع ہو چکا تھا، جس میں یورپ نے نشاۃ ثانیہ عقلیت کا زمانہ (Renaissance) کے بعد سائنسی اور تکنیکی ترقی میں دنیا

کے ہر خطے کو پیچھے چھوڑ دیا تھا، یورپ کی وہ قومیں جو اب تک غاروں میں پڑی سو رہی تھیں بیدار ہوئیں، پادریوں اور پاپاؤں کی غلم و دشمنی اور بد عنوانیوں نے ان کے دل میں مذہب کی طرف سے شدید نفرت پیدا کر دی، مارٹن لوتھر نے پہلی بار کلیسا کے خلاف جنگ لڑنے اور بائبل کی تشریح و تعبیر میں اپنے اسلاف سے اختلاف کرنے کی جرأت کی تھی، مگر جب یہ دروازہ ایک مرتبہ کھلا تو کھلتا چلا گیا، لوتھر نے تو صرف بائبل کی تشریح و تعبیر کا اختیار اپنے ہاتھ میں لیا تھا، مگر خود بائبل پر نکتہ چینی کی جرأت اسے بھی نہ ہوئی تھی، لیکن اس کے بعد جو مفکرین عقلیت (Rationalism) کا نعرہ لگا کر اٹھے، انھوں نے اپنی تنقید میں بائبل کو بھی نہ بخشا، اور عیسائیت کے ایک ایک عقیدے کو اپنی تنقید، طعن و تشنیع بلکہ استہزاء و تمسخر کا نشانہ بنانے لگے،

ان لوگوں کا نعرہ یہ تھا کہ مذہب کے ایک ایک مزعوے کو عقل کی کسوٹی پر پرکھا جائے گا، اور ہر اس بات کو دور یا برد کر دیا جائے گا جو ہماری عقل میں نہ آتی ہو، چاہے اس کے لئے کتنے ہی ایسے عقائد و نظریات کو خیر باد کہنا پڑے، جنہیں کلیسا عرصہ دراز سے تقدس کا البادہ پہنا کر سینے سے لگائے چلا آ رہا ہے، یہ لوگ اپنے آپ کو عقلیت پسند (Rationalist) کہتے تھے، اور اپنے زمانے کو "عقلیت کا زمانہ" (Rationalist) کہتے تھے،

ولیم شلنگ ورثہ (۱۶۰۲ء تا ۱۶۷۲ء) اس طبقے کا سب سے بڑا لیڈر ہے، جس نے پہلی بار عقلیت کا نعرہ لگایا تھا، لارڈ ہربٹ (۱۵۸۳ء تا ۱۶۳۳ء) اور تھامس ہولس (۱۵۸۸ء تا ۱۶۴۱ء) وغیرہ بھی اس گروہ کے امام سمجھے گئے ہیں،

عقلیت کا یہ نشہ جب چڑھنا شروع ہوا تو کوئی عقیدہ اس کی دست برد سے سلامت نہ رہا، یہاں تک کہ دو لٹائر (۱۶۹۲ء تا ۱۷۸۸ء) جیسے ملحد (Sceptics) بھی پیدا ہوئے، جنہوں نے سرے سے خدا کے وجود ہی میں شک و ارتیاب کا بیج بو دیا، اور اس کے بعد کھلم کھلا خدا کا انکار کیا جانے لگا، ہمارے زمانے کا مشہور فلسفی برٹریسٹ رسل اس طبقے کا آخری نمائندہ ہے، جو اب تک بقید حیات ہے،

تجدد کی تحریک | مذہب کے ماننے والوں پر عقلیت کی تحریک کا ردِ عمل دو طرح ہوا، کچھ لوگ تو وہ تھے جنہوں نے عقلیت کی اس تحریک سے مرعوب

ہو کر مذہب میں کچھ تبدیلیاں شروع کیں، اس تحریک کو تجدد (Modernism) کی تحریک کہا جاتا ہے، ان لوگوں کا خیال تھا کہ مذہب بنیادی طور سے درست ہے، مگر اس کی تشریح و تعبیر غلط طریقے سے کی جاتی رہی ہے، بائبل میں اتنی لچک موجود ہے کہ اُسے ہر زمانے کے اہم اشافات اور سائنٹفک تحقیقات کے مطابق بنایا جاسکتا ہے، اور اس مقصد کے لئے بائبل کے بعض غیر اہم حصوں کو ناقابلِ اعتبار بھی کہا جاسکتا ہے، اور اس کے متواتر الفاظ و معانی کی قربانی بھی دی جاسکتی ہے،

ڈاکٹر پل لین کے بیان کے مطابق اس طبقے کا سرگروہ مشہور فلسفی روسو (Rousseau) تھا، ہمارے قریبی زمانے میں پروفیسر ہارنیک (Harnack) اور ریتان

Clarke, Short History of the Church P. 394

۱۵ عیسائیت اور مذہب کے بارے میں اس کے باغیانہ نظریات کے لئے دیکھئے اس کا مشہور مکتبہ، "میں عیسائی کیوں نہیں ہوں؟" "Why I am not a Christian?"

۱۶ ہارنیک کی محرکہ الآرا کتاب "عیسائیت کیا ہے؟" اپنے موضوع پر بڑی فکر انگیز کتاب ہے، جس نے حضرت مسیح کی انسانییت کو عیسائی دنیا میں مدلل کر کے پیش کیا، اس کا انگریزی ترجمہ "What is Christianity?" کے نام سے بار بار شائع ہو چکا ہے،

Renan

(اس طبقے کے مشہور اور قابل نمائندے ہیں،

احیاء کی تحریک

عقلیت کی تحریک کا دوسرا ردِ عمل اس کے بالکل برخلاف یہ ہوا کہ بعض مذہبی طبقوں میں خالص رومن کیتھولک مذہب کو از سر نو زندہ کرنے کی تحریک شروع ہو گئی، یہ تحریک "احیاء مذہب قدیم" کی تحریک.....

(کہلاتی ہے،

Catholic Revival movement

اس تحریک کے علمبرداروں نے عقلیت پسندوں کے خلاف جنگ شروع کی اور کہا کہ عیسائیت وہی ہے جو ہمارے اسلاف نے بھی تھی، اور جس کا ذکر ان کی کونسلوں کے فیصلوں میں چلا آتا ہے، کلیسا کو پھر سب بڑا صاحب اقتدار ادارہ ہونا چاہیے، اور کیتھولک عقائد میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں، یہ تحریک انیسویں صدی عیسوی میں شروع ہوئی تھی، اور یہ وہ زمانہ ہے جبکہ مغرب کے لوگ مادیت کا پورا پورا تجربہ کرنے کے بعد اس کے دامن سے سینکڑوں گھاد لیکر ٹوٹ رہے تھے، باذی تہذیب نے مغربی زندگی میں جو زبردست بے چینی پیدا کر دی تھی، اس کی وجہ سے ایک بار پھر روح کی طرف توجہ دینے کا شعور تازہ ہو رہا تھا، احیاء کی تحریک نے ایسے لوگوں کو سنبھالا، اور وہ ایک مرتبہ پھر عیسائیت کے ان قدیم نظریات کی گود میں جا گرے جنہوں نے عیسائی دنیا کو تیرہویں اور چودھویں صدی میں تباہی کے کنارے لاکھڑا کیا تھا، اس تحریک کے علمبرداروں میں الیگزینڈر ناکس (۱۸۰۵ء-۱۸۶۹ء)، جان ہنری نیومین (۱۸۰۱ء-۱۸۹۰ء)، ہیو ریل فراؤڈ (۱۸۰۳ء-۱۸۶۲ء)، اور رچرڈ ولیم چرچ (۱۸۱۵ء-۱۸۹۰ء) خاص طور سے قابل ذکر ہیں،

عیسائی دنیا میں ہمارے زمانے تک یہ تینوں تحریکیں (تحریک عقلیت، تحریک تجدید اور تحریک احیاء) باہم برسرِ پیکار ہیں، اور تینوں کے نمائندے بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں، کاش! انہیں کوئی بتا سکتا کہ تم افراط و تفریط کی جن دلدل میں گرفتار ہو، اس سے نجات کا راستہ عرب کے خشک ریگ داروں کے سوا کہیں اور نہیں ہے، زندگی کے بھٹکے ہوئے قافلہ نے ہمیشہ اپنی منزل کا نشان دہی سے حاصل کیا ہے، تم پوپ پرستی سے لیکر انکارِ خدا تک کے ہر مرحلے کو آزما چکے ہو، مگر ان میں سے کوئی تحریک تمہیں سلگتے ہوئے داغوں کے سوا کچھ

نہیں دے سکی، اگر تمہیں سکون اور راحت کی تلاش ہو تو خدا کے لئے ایک بار کیمیا کے نسخے کو بھی آزما کر دیکھو جو آج سے چودہ سو سال پہلے "فارآن" کی چوٹیوں سے جلوہ گر ہونے والا فار قلیط^۱ (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں دے کر گیا تھا، جسے دیکھ کر "سلح" کے بننے والوں نے گیت گائے تھی اور قیدار کی بستیوں نے "حمہ" کی تھی، جس کے قدموں پر پتھر کے بت "اندھے گرے تھے جس نے اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا۔" بلکہ "جو کچھ سنا" وہی تم تک پہنچا دیا، جب تک تم اس کے بتاؤ ہوئے راستے پر نہیں آؤ گے تمہیں اس مشنزل کا پتہ نہیں لگ سکے گا، جہاں سے ضمیر کو سکون روح کو مسرت اور دل کو قرار حاصل ہوتا ہے۔

بہ مصطفیٰ ہر ساں خویش را کہ دین ہمہ دوست

اگر بہ ادب رسیدی، تمام بولہبی ست

بن بن بن بن بن بن بن بن بن بن

۱۵ استثناء ۲: ۳۳ ۵۲ یوحنا ۱۴: ۱۷ ۵۳ یسعیاہ ۴۲: ۱۱

۵۴ یسعیاہ ۴۲: ۱۷ ۵۵ یوحنا ۱۹: ۱۳

دوسرا باب

عیسائیت کا بانی کون ہے؟

عیسائی حضرات کا دعویٰ یہ ہے کہ ”عیسائی مذہب“ کی بنیاد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے رکھی تھی، اور انہی کی تعلیمات پر آج کا عیسائی مذہب قائم ہے، لیکن ہماری تحقیق کا نتیجہ اس کے بالکل برخلاف ہے، یہ تو درست ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل میں مبعوث ہو کر انہیں ایک نئے مذہب کی تعلیم دی تھی، لیکن تحقیق و تفتیش کے بعد یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جس مذہب کی تعلیم دی تھی وہ اُن کے بعد کچھ ہی عرصے میں ختم ہو گیا، اور اس کی جگہ ایک ایسے مذہب کے لیے لی کہ جس کی تعلیمات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال اور ارشادات کے بالکل خلاف تھیں اور یہی نیا مذہب ارتقاء کے مختلف مراحل سے گذرتا ہوا آج ”عیسائیت“ کی موجودہ شکل میں ہمارے سامنے ہے،

ہم پوری دیانت داری اور خلوص کے ساتھ تحقیق کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ موجودہ عیسائی مذہب کے اصل بانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہیں، بلکہ پولس ہے، جس کے چودہ خطوط بائبل میں شامل ہیں،

ہم اپنے اس دعوے کے دلائل اور اپنی تحقیق کے نکات بیان کرنے سے پہلے پولس کا تعارف کر دینا ضروری سمجھتے ہیں،

پولس کا تعارف

پولس کی ابتدائی زندگی کے حالات تقریباً تاریکی میں ہیں، البتہ کتاب اعمال اور اس کے خطوط سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابتداء میں قبیلہ بنیامین کا ایک کٹر فریسی یہودی تھا، اور اس کا اصلی نام ساؤل ہے، فلپپوں کے نام خط میں وہ اپنے بارے میں خود لکھتا ہے:

”آٹھویں دن میرا ختنہ ہوا، اسرائیل کی قوم اور بلیمین کے قبیلہ کا ہوں، عبرانیوں کا عبرانی، شریعت کے اعتبار سے فریسی ہوں“ (فلپپوں ۵: ۱۳)

اور یہ روم کے شہر ترسوس کا باشندہ تھا، (جیسا کہ اعمال ۲۲: ۲۸ سے ظاہر ہوتا ہے) اس کی ابتدائی زندگی کے ان مجمل اشاروں کے بعد اس کا سب سے پہلا تذکرہ ہمیں کتاب اعمال ۸ء میں ملتا ہے، جہاں اس کا نام ”ساؤل“ ذکر کیا گیا ہے، اس کے بعد کتاب اعمال کے تین ابواب میں اس کا کردار اس طرح نقل کیا گیا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں اور ان پر ایمان لانے والوں کا سخت دشمن تھا، اور شب دروڑ انھیں تکلیفیں پہنچانے اور ان کی بیخ کنی میں مصروف۔

لیکن پھر اچانک اُس نے یہ دعویٰ کیا کہ:

”میں نے بھی سمجھا تھا کہ یسوع ناصری کے نام کی طرح طرح سے مخالفت کرنا، مجھ پر فرض ہے، چنانچہ میں نے یروشلم میں ایسا ہی کیا، اور سردار کاہنوں کی طرف سے اختیار پا کر بہت سے مقدسوں کو قید میں ڈالا، اور جب وہ قتل کئے جاتے تھے تو میں بھی یہی رائے دیتا تھا، اور ہر عبادت خانے میں انھیں سزا دلانا اور زبردستی اُن سے کفر کہلواتا تھا، بلکہ ان کی مخالفت میں ایسا دیوانہ بنا کہ غیر شہر والوں میں بھی جا کر انھیں سستا تا تھا، اسی حال میں سردار کاہنوں سے اختیار اور پروانے لے کر دمشق کو جاتا تھا، تو اے بادشاہ! میں نے دوپہر کے وقت راہ میں یہ دیکھا کہ سورج کے نور سے زیادہ ایک نور آسمان سے میرے اور میرے ہم سفرؤں کے گرد اگرد آچکا، جب ہم سب زمین پر گر پڑے تو میں نے عبرانی زبان میں یہ آواز سنی کہ اے ساؤل! اے ساؤل! تو مجھے کیوں سستا تا ہے؟ پینے کی آبر پر

۱۔ یہ پولس کی اس تقریر کا اقتباس ہے جو اُس نے اگر تباہ بادشاہ کے سامنے کی تھی، حقیقی

لات مارنا تیرے لئے مشکل ہے، میں نے کہا، اے خداوند تو کون ہے؟ خداوند نے فرمایا: میں یسوع ہوں، جسے تو ستاتا ہے، لیکن اُٹھ! اپنے پاؤں پر کھڑا ہوا کیونکہ میں اس لئے تجھ پر ظاہر ہوا ہوں کہ تجھے اُن چیزوں کا بھی خادم اور گواہ مقرر کروں جن کی گواہی کے لئے تو نے مجھے دیکھا ہی، اور ان کا بھی جن کی گواہی کے لئے میں تجھ پر ظاہر ہوا کر دوں گا، اور میں تجھے اس امت اور غیر قوموں سے بچاتا رہوں گا، جن کے پاس تجھے اس لئے بھیجتا ہوں کہ تو ان کی آنکھیں کھول دے، تاکہ اندھیرے سے روشنی کی طرف اور شیطان کے اختیار سے خدا کی طرف رجوع لائیں، اور مجھ پر ایمان لانے کے باعث گناہوں کی معافی

اور مقدسوں میں شریک ہو کر میراث پائیں“ (اعمال ۲۶: ۱۹ تا ۱۹۳۹)

پولس کا دعویٰ یہ تھا کہ اس واقعہ کے بعد سے میں ”خداوند یسوع مسیح“ پر ایمان لا چکا ہوں اور اس کے بعد اس نے اپنا نام بھی تبدیل کر کے ”پولس“ رکھ لیا تھا، شروع میں جب اس نے یہ دعویٰ کیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے کوئی شخص اس بات کی تصدیق کرنے کے لئے تیار نہ تھا، کہ جو شخص کل تک حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کے شاگردوں کا جانی دشمن تھا، آج وہ سچے دل کے ساتھ اُن پر ایمان لے آیا ہے، لیکن ایک جلیل القدر حواری برتباس نے سب سے پہلے اس کی تصدیق کی اور ان کی تصدیق پر دوسرے حواری بھی مطمئن ہو گئے، کتاب اعمال میں ہے:

”اُس پولس، نے یروشلم میں پہنچ کر شاگردوں میں مل جانے کی کوشش کی، اور سب اس سے ڈرتے تھے، کیونکہ اُن کو یقین نہ آتا تھا کہ یہ شاگرد ہے، مگر برتباس نے اُسے اپنے ساتھ رسولوں کے پاس لے جا کر اُن سے بیان کیا کہ اس نے اس میں طرح سے راہ میں خداوند کو دیکھا، اور اُس نے اس سے باتیں کیں، اور اس نے دمشق میں کیسی دلیری کے ساتھ یسوع کے نام سے منادی کی، پس وہ یروشلم میں اُن کے ساتھ آتا جاتا رہا، اور دلیری کے ساتھ خداوند کے نام کی منادی کرتا تھا، اور یونانی مائل یہودیوں کے ساتھ گفتگو اور بحث بھی

کرتا تھا، مگر وہ اُسے مار ڈالنے کے درپے تھے، اور بھائیوں کو جب یہ معلوم

ہوا تو اسے قیصر یہ میں لے گئے اور ترستس کو روانہ کر دیا“ (اعمال ۹: ۲۶ تا ۳۰)

اس کے بعد پوٹس حواریوں کے ساتھ مل جل کر عیسائیت کی تبلیغ کرتا رہا، اور اسے عیسائی مذہب کا سب سے بڑا پیشوا مانا گیا،

ہماری تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ موجودہ عیسائی مذہب کے بنیادی عقائد و نظریات کا بانی یہی شخص ہے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان عقائد کی ہرگز تعلیم نہ دی تھی،

۱۔ حضرت عیسیٰ اور پوٹس

ہماری یہ تحقیق بہت سے دلائل و شواہد پر مبنی ہے، ہم یہاں سب سے پہلے یہ دکھلائیں گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور پوٹس کی تعلیمات میں کتنا اختلاف اور کس قدر کھٹا تضاوت ہے،

پچھلے باب میں ہم عیسائی علماء کے مستند حوالوں کے ساتھ یہ ثابت کر چکے ہیں کہ عیسائی مذہب کی بنیاد تثلیث، حلول و تجسم اور کفارے کے عقیدوں پر ہے، یہی وہ عقیدے ہیں جن کے سربراہان اختلاف کرنے والوں کو عیسائی علماء اپنی برادری سے خارج اور ملحد و کافر قرار دیتے آئے ہیں، اور درحقیقت انہی عقائد کی بنیاد پر موجودہ عیسائی مذہب دوسرے مذاہب کے امتیاز رکھتا ہے۔ لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ ان تینوں عقیدوں میں سے کوئی ایک عقیدہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کسی ارشاد سے ثابت نہیں ہے، موجودہ انجیلوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جو ارشادات منقول ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہے جس سے واضح طریقے پر یہ عقائد ثابت ہوتے ہوں، اور اس کے برعکس ایسے اقوال کی تعداد بے شمار ہے جن میں ان عقائد کے خلاف باتیں کہی گئی ہیں،

تثلیث اور حلول کا عقیدہ | سب سے پہلے تثلیث کے عقیدے کو لیجئے، ”تین ایک اور ایک تین“ کے اس معنی کو اگر درست اور مدبرانجات

بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس سے تو کسی کو انکار نہیں ہوگا، کہ یہ عقیدہ انتہائی پیچیدہ، مبہم اور گنجلک ہے، اور انسانی عقل خود سے اس کا ادراک نہیں کر سکتی، تاوقتیکہ وحی کے ذریعہ اس کی وضاحت نہ کی جائے، کیا اس کی پیچیدگی کا تقاضا یہ نہیں تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس عقیدے کو خوب کھول کھول کر لوگوں کو سمجھاتے اور واضح اور غیر مشکوک الفاظ میں اس کا اعلان فرماتے؟ اگر یہ عقیدہ انسانی عقل کے ادراک کے لائق تھا تو کیا یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرض نہ تھا کہ وہ اس کے اطمینان بخش دلائل لوگوں کے سامنے بیان کرتے، تاکہ وہ کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں؟ اور اگر اس عقیدے کی حقیقت انسانی سمجھ سے ماوراء تھی تو کم از کم انھیں اتنا تو کہہ دینا چاہئے تھا کہ یہ عقیدہ تمھاری سمجھ سے باہر ہے، اس لئے تم اس کے دلائل پر غور کئے بغیر اسے مان لو،

پروفیسر ماریس ریلیٹن نے (جو عیسائی مذہب کے رجعت پسند علماء میں سے ہیں) ”خدا“ کے بارے میں کتنی اچھی بات لکھی ہے کہ :

”اس کی حقیقت کا ٹھیک ٹھیک تجزیہ ہمارے ذہن کی قوت سے ماوراء ہے وہ فی نفسہ کیا ہے، ہمیں معلوم نہیں، صرف اتنی باتیں ہمیں معلوم ہو سکی ہیں جو خود اس نے بنی نوع انسان کو وحی کے ذریعہ بتلائیں۔“

اس سے صاف واضح ہے کہ خدا کے وجود کی جن تفصیلات پر ایمان رکھنا انسان کے لئے ضروری ہے اُن کو خدا وحی کے ذریعہ بنی نوع انسان تک ضرور پہنچاتا ہے۔ اگر ”ثلیث“ کا نظریہ بھی اپنی تفصیلات میں سے تھا، تو کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے ضروری نہ تھا کہ وہ اسے لوگوں کے سامنے بیان فرماتے؟

لیکن جب ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ارشادات پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ اس عقیدے کو انھوں نے اپنی زندگی میں ایک مرتبہ بھی بیان نہیں کیا، اس کے

برعکس وہ ہمیشہ توحید کے عقیدے کی تعلیم دیتے رہے، اور کبھی یہ نہیں کہا کہ ”خدا تین اتانیم سے مرکب ہے، اور یہ تین مل کر ایک ہیں“ خدا کے بارے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بیشتر ارشادات میں سے دو اقوال ہم یہاں نقل کرتے ہیں، انجیل مرقس اور متی میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

”اے اسرائیل! سن! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے، اور تو خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی پیاری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ!“ (مرقس ۱۲: ۲۹ و متی ۲۲: ۳۶)

اور انجیل یوحنا میں ہے کہ حضرت مسیح نے اللہ سے مناجات کرتے ہوئے فرمایا:

”اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدا کے واحد اور برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے جانیں“ (یوحنا ۱: ۳)

اس کے علاوہ حضرت مسیح علیہ السلام نے کسی جگہ یہ نہیں فرمایا کہ میں درحقیقت خدا ہوں اور تمھارے گناہوں کو معاف کرنے کے لئے انسانی روپ میں حلول کر کے آگیا ہوں، اس کے بجائے وہ ہمیشہ اپنے آپ کو ”ابن آدم“ کے لقب سے یاد کرتے رہے، انجیل میں ساتھ جگہ آپ نے اپنے آپ کو ”ابن آدم“ فرمایا ہے،

اب کچھ عرصہ سے عیسائی دنیا میں یہ احساس بہت شدت اختیار کرتا جا رہا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے آپ کو خدا نہیں کہا، بلکہ یہ عقیدہ بعد کے زمانے کی پیداوار ہے، اس سلسلے میں سینکڑوں عیسائی علماء کے حوالے پیش کئے جاسکتے ہیں، مگر ہم یہاں

۱۔ عیسائی حضرات عقیدہ تثلیث پر ان اقوال سے استدلال کرتے ہیں جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو ”باپ“ اور اپنے آپ کو ”بیٹا“ کہا ہے، لیکن درحقیقت یہ اسرائیلی محاورہ ہی، بائبل میں بے شمار مقامات پر حضرت مسیح کے سوا دوسرے انسانوں کو بھی خدا کا بیٹا کہا گیا ہے، (مثلاً دیکھئے لوقا، باب ۷ و ۹ و ۱۰ و ۱۱ و ۱۲ و ۱۳ و ۱۴ و ۱۵ و ۱۶ و ۱۷ و ۱۸ و ۱۹ و ۲۰ و ۲۱ و ۲۲ و ۲۳ و ۲۴ و ۲۵ و ۲۶ و ۲۷ و ۲۸ و ۲۹ و ۳۰ و ۳۱ و ۳۲ و ۳۳ و ۳۴ و ۳۵ و ۳۶ و ۳۷ و ۳۸ و ۳۹ و ۴۰ و ۴۱ و ۴۲ و ۴۳ و ۴۴ و ۴۵ و ۴۶ و ۴۷ و ۴۸ و ۴۹ و ۵۰ و ۵۱ و ۵۲ و ۵۳ و ۵۴ و ۵۵ و ۵۶ و ۵۷ و ۵۸ و ۵۹ و ۶۰ و ۶۱ و ۶۲ و ۶۳ و ۶۴ و ۶۵ و ۶۶ و ۶۷ و ۶۸ و ۶۹ و ۷۰ و ۷۱ و ۷۲ و ۷۳ و ۷۴ و ۷۵ و ۷۶ و ۷۷ و ۷۸ و ۷۹ و ۸۰ و ۸۱ و ۸۲ و ۸۳ و ۸۴ و ۸۵ و ۸۶ و ۸۷ و ۸۸ و ۸۹ و ۹۰ و ۹۱ و ۹۲ و ۹۳ و ۹۴ و ۹۵ و ۹۶ و ۹۷ و ۹۸ و ۹۹)

۲۔ استدلال کرنا کسی طرح درست نہیں ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے اظہار الحق باب سوم، فصل دوم)

صرف ایک اقتباس ذکر کرتے ہیں، جس سے آپ یہ اندازہ کر سکیں گے کہ حق بات کو مفت سے نظریات کے غلاف میں کتنا ہی چھپایا جائے، لیکن وہ کبھی نہ کبھی ظاہر ہو کر رہتی ہے،

پروفیسر ہارنیک (Harnack) بیسویں صدی کی ابتداء میں برلن (جرمنی) کے مشہور معرکے گذرے ہیں، عیسائیت پر ان کی کئی کتابیں یورپ اور امریکہ میں بڑی مقبولیت کے ساتھ پڑھی گئی ہیں، وہ عقلیت پسند (Rationalist) گروہ سے تعلق نہیں رکھتے، بلکہ ان کا تعلق اہل تجدید (Modernist) کے گروہ سے ہے، اور عیسائی مذہب کی جو تعبیر ان کی نگاہ میں درست ہے اس پر ان کا ایمان مستحکم اور مضبوط ہے، انھوں نے ۱۸۹۹ء اور ۱۹۰۰ء میں عیسائیت کے اوپر کچھ تقریریں کی تھیں، یہ تقریریں جرمنی زبان میں (Das Wesen des Christentums)

کے نام سے شائع ہوئی تھیں، اور بعد میں ان کا انگریزی ترجمہ "What is Christianity?" کے نام سے شائع ہوا، ان تقریروں نے جرمنی، انگلینڈ، اور امریکہ میں غیر معمولی مقبولیت حاصل کی، اور اب یہ لیکچر ایسی تاریخی اہمیت اختیار کر چکے ہیں کہ عصر جدید کی عیسائیت کا کوئی مورخ ان کا ذکر کئے بغیر نہیں گذرتا،

انھوں نے ان تقریروں میں حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں جو نظریہ پیش کیا اسے ہم انہی کے الفاظ میں یہاں نقل کر رہے ہیں :

"قبل اس کے کہ ہم یہ دیکھیں کہ خود مسیح کا اپنے بارے میں کیا خیال تھا دو بنیادی نکتوں کو ذہن نشین کر لینا ضروری ہے، پہلی بات تو یہ ہے کہ ان کی خواہش کبھی یہ نہیں تھی کہ ان کی شخصیت کے بارے میں اس سے زیادہ کوئی عقیدہ رکھا جائے کہ ان کے احکام پر عمل کرنا ضروری ہے، یہاں تک کہ چوتھی انجیل کا مصنف، جو بظاہر یسوع مسیح کو اصل انجیل کے تقاضوں سے زیادہ بلند مقام دینے پر مہر نظر آتا ہے، اس کی انجیل میں بھی یہ نظریہ واضح طریقے سے ملتا ہے، اُس نے (حضرت مسیح کا یہ جملہ نقل کیا ہے کہ،

"اگر تمہیں مجھ سے محبت ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو" غالباً (حضرت مسیح

(۲) عیسائیت کا بانی کون ہے!

۱۰ غالباً یہ انجیل یوحنا کی اس عبارت کی طرف اشارہ ہو، جس کے پاس میری حکم ہیں اور وہ ان پر عمل کرتا ہی رہی مجھ سے

نے یہ دیکھا ہوگا کہ بعض لوگ اُن کی عزت کرتے ہیں بلکہ اُن پر بھروسہ رکھتے ہیں، لیکن کبھی اُن کے پیغام پر عمل کرنے کے بارے میں کوئی تکلیف گوارا کرنا پسند نہیں کرتے، ایسے ہی لوگوں کو خطاب کر کے آپ نے فرمایا تھا کہ: ”جو مجھ سے لے خداوند لے خداوند کہتے ہیں ان میں سے ہر ایک آسمان کی بادشاہی میں داخل نہ ہوگا، مگر وہی جو میرے آسمانی باپ کی مرضی پر چلتا ہو“۔ اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ انجیل کے اصل متفمنات سے الگ ہو کر (حضرت) مسیح کے بارے میں کوئی عقیدہ بنا لینا خود ان کے نظریات کے دائرے سے بالکل باہر تھا،

دوسری بات یہ ہے کہ (حضرت) مسیح نے آسمان اور زمین کے خداوند کو اپنا خداوند اور اپنا باپ ظاہر کیا، نیز یہ کہا کہ وہی خالق ہے، اور وہی تہنائیک ہی، وہ یقینی طور پر یہ بھی مانتے تھے کہ ان کے پاس جو چیز بھی ہے، اور جس چیز کی تکمیل وہ کرنے کو ہیں، وہ سب باپ کی طرف سے آتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ خدا سے دعائیں کرتے تھے، اپنے آپ کو اس کی مرضی کے تابع رکھتے تھے، وہ خدا کی مرضی کو معلوم کر کے اس پر عمل کرنے کے لئے سخت سے سخت مشقتیں برداشت کرتے تھے، مقصد، طاقت، فہم، فیصلہ اور سختیاں سب اُن کے نزدیک خدا کی طرف سے آتی ہیں،

یہ ہیں وہ حقائق جو انجیلیں ہمیں بتاتی ہیں، اور ان حقائق کو توڑا مڑا نہیں جاسکتا، یہ ایک شخص جو اپنے دل میں احساسات رکھتا ہے، جو دعائیں کرتا ہے، جو جہد و عمل کی راہ پر گامزن رہ کر مشقتیں جھیلتا اور مصیبتیں برداشت کرتا ہے یقیناً ایک انسان ہے جو اپنے آپ کو خدا کے سامنے بھی دوسرے انسانوں کے ساتھ ملا جلا رکھتا ہے،

۱۵ یہ متی ۲۱: ۲۱ کی عبارت ہے، تقی

۱۶ اصل انگریزی الفاظ یہ ہیں:

(باقی صفحہ آئند)

یہ دو حقیقتیں اس زمین کی حدود کو ظاہر کرتی ہیں جو اپنے باپے میں خورد (حضرت مسیح) کی شہادت سے ڈھکی ہوئی ہے، یہ درست ہے کہ ان حقیقتوں سے ہمیں اس بات کی کوئی مثبت اطلاع نہیں ملتی کہ (حضرت مسیح) نے کیا کہا، لیکن اپنے باپے میں انھوں نے جو دو لفظ استعمال کئے ہیں، ایک خدا کا بیٹا، اور ایک مسیح (یعنی داؤد کا بیٹا اور آدم کا بیٹا، اگر ہم ان دو الفاظ کو قریب سے دیکھیں تو ہمیں یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ ان لفظوں سے (حضرت مسیح) کی مراد کیا تھی؟ آئیے

آئیے ہم پہلے یہ دیکھیں کہ ”ابن اللہ“ کے منصب کے حقیقی معنی کیا ہیں؟ حضرت مسیح نے اپنے ایک ارشاد میں اس بات کو خود واضح کر دیا ہے کہ انھوں نے اپنے آپ کو یہ لقب کیوں دیا؟ یہ ارشاد متی کی انجیل میں موجود ہے، (اور جیسے کہ توقع ہو سکتی تھی انجیل یوحنا میں نہیں ہے) اور وہ یہ کہ ”کوئی بیٹے کو نہیں جانتا سوائے باپ کے، اور کوئی باپ کو نہیں جانتا سوائے بیٹے کے، اور اس کے جس پر بیٹا اسے ظاہر کرنا چاہے۔“

. اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مسیح کو اپنے ”خدا کا بیٹا“ ہونے کا جو احساس تھا وہ اس بات کے عملی نتیجے کے سوا کچھ نہیں تھا کہ وہ

“This is what Gospels say, and it cannot be turned and twisted. This feeling, praying, working, struggling and suffering individual is a man who in the face of God also associates himself with other men.” (“What is Christianity” PP. 129, 130)

سہ یہ متی ۱۱: ۲۷ کی عبارت سے، تقی

خدا کو ”باپ“ اور ”اپنے باپ“ ہونے کی حیثیت سے جانتے تھے، لہذا اگر بیٹے کے لفظ کو صحیح سمجھا جائے تو اس کا مطلب خدا کی معرفت کے سوا کچھ نہیں ہے، البتہ یہاں دو چیزوں پر غور کرنا ضروری ہے، پہلی یہ کہ (حضرت مسیحؑ) اس بات کے قائل ہیں کہ وہ خدا کو اس طریقے سے جانتے ہیں کہ ان سے قبل کوئی نہیں جانتا تھا، اس معنی میں (حضرت مسیحؑ) اپنے آپ کو خدا کا بیٹا قرار دیتے تھے۔

آگے چند صفحات کے بعد ڈاکٹر ہارنیک لکھتے ہیں:

”جس انجیل کی تبلیغ (حضرت مسیحؑ) نے کی تھی، اس کا تعلق صرف باپ سے ہی بیٹے سے نہیں، یہ کوئی تضاد کی بات نہیں، اور نہ یہ کوئی عقلیت پسندی (Rationalism) ہے، بلکہ یہ اُن حقائق کا سادہ سا اظہار ہے جو انجیل کے مصنفین نے بیان کئے ہیں۔“

پھر چار صفحات کے بعد وہ لکھتے ہیں:

”انجیل ہمارے سامنے اس زندہ جاوید خدا کا تصور پیش کرتی ہے، یہاں بھی صرف اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اسی خدا کو مانا جائے، اور تنہا اُسی کی مرضی کی پیروی کی جائے، یہی وہ چیز ہے جو (حضرت مسیحؑ) کا مطلب اور مقصد تھی۔“

ڈاکٹر ہارنیک کے ان طویل اقتباسات کو پیش کرنے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ جب بھی غیر جانبداری اور دیانتداری کے ساتھ انجیلوں کا جائزہ لیا گیا ہو تو دیانت نے ہمیشہ یہ فیصلہ دیا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے بارے میں ایک ”خدا کا بندہ اور پیغمبر“

Harnack, *What is Christianity* PP. 128, 131 trans. by Thomas Bailey Sounder, New York 1912.

Ibid P. 147

Ibid P. 151

ہونیکے سوا کوئی اور بات نہیں کہی، ان کا کوئی ارشاد آج کی انجیلوں میں بھی ایسا نہیں ملتا جس سے
 اُن کا خدا ہونا یا خدا کا کوئی "اقنوم" ہونا ثابت ہوتا ہو،

حضرت مسیح حواریوں کی نظر میں | حضرت مسیح کے بعد دوسرا درجہ ان کے حواریوں کا
 ہے۔ جب ہم اُن کے اقوال میں اس عقیدے

کو تلاش کرتے ہیں تو ہمیں وہاں بھی "تشلیث" یا "حلول" کا کوئی تصور نہیں ملتا، بائبل میں
 حضرت مسیح کے لئے "خداوند" کا لفظ اُن کی طرف ضرور منسوب ہے، لیکن یہ لفظ آقا اور
 استاد کے معنی میں بہ کثرت استعمال ہوا ہے، انجیل کی کئی عبارتیں بھی اس بات پر
 دلالت کرتی ہیں کہ حواریین حضرت مسیح کو "استاد" کے معنی میں "خداوند" اور "ربّی" کہتے تھے
 انجیل متی میں ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا:

"مگر تم ربّی نہ کہلاؤ، کیونکہ تمہارا استاد ایک ہی ہے، اور تم سب بھائی ہو

اور زمین پر کسی کو اپنا باپ نہ کہو، کیونکہ تمہارا باپ ایک ہی ہے، جو آسمانی ہے

اور نہ تم ہادی کہلاؤ، کیونکہ تمہارا ہادی ایک ہی ہے یعنی مسیح" (متی ۲۳: ۸ تا ۱۰)

اس سے صاف واضح ہے کہ حواری جو حضرت مسیح کو "ربّی" یا "خداوند" کہتے تھے، وہ
 "استاد" اور "ہادی" کے معنی میں کہتے تھے، معبود اور الہ کے معنی میں نہیں، لہذا اس لفظ سے
 تو اس بات پر استدلال نہیں کیا جاسکتا کہ وہ حضرت مسیح کو خدا سمجھتے تھے، اور اس ایک لفظ
 کے سوا کوئی ایک شے بھی ایسا موجود نہیں ہے جس سے عقیدہ تشلیث یا عقیدہ حلول کا کوئی اشارہ
 ملتا ہو، اس کے برعکس بعض ایسی واضح عبارتیں ضرور ملتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ
 حواریوں کے نزدیک حضرت مسیح ایک پیغمبر تھے، اور بس، حضرت پطرس حواریوں میں
 بلند ترین مقام کے حامل ہیں، وہ ایک مرتبہ یہودیوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے ارشاد
 فرماتے ہیں:

لے اس کے باوجود عیسائی حضرات اپنے پادریوں اور پاپازوں کو "باپ" کیوں کہتے آئے ہیں؟ یہ انہی

سے پوچھیے، "رموز مملکت خورشید" دانندہ

”اے اسرائیلیو! یہ باتیں سنو کہ یسوع ناصری ایک شخص تھا جس کا خدا کی طرف

سے ہونا تم پر ان معجزوں اور عجیب کاموں اور نشانوں سے ثابت ہوا جو خدا نے

اس کی معرفت تم میں دکھائے، چنانچہ تم آپ ہی جانتے ہو“ (اعمال ۲: ۲۲)

واضح رہے کہ یہ خطاب یہودیوں کو مذہب عیسوی کی دعوت دینے کے لئے کیا جا رہا ہے

اگر عقیدہ تثلیث اور عقیدہ حلول مذہب عیسوی کا بنیادی عقیدہ تھا، تو حضرت پطرس کو

چاہئے تھا کہ وہ حضرت ”یسوع ناصری“ کو ”ایک شخص“ کہنے کے بجائے خدا کا ایک اتموم کہتے، اور

”خدا کی طرف سے“ کہنے کی جگہ صرف ”خدا“ کہتے، اور ان کے سامنے تثلیث و حلول کے

عقیدوں کی تشریح کرتے،

اور آگے ایک موقع پر فرماتے ہیں:

”ابراہام اور اسحاق اور یعقوب کے خدا، یعنی ہمارے باپ دادا کے خدا نے

اپنے خادم یسوع کو جلال دیا“ (اعمال ۳: ۱۳)

اور کتاب اعمال ہی میں ہے کہ ایک مرتبہ تمام حواریوں نے یک زبان ہو کر خدا سے

مناجات کرتے ہوئے کہا کہ:

”کیونکہ واقعی تیرے پاک خادم یسوع کے برخلاف جسے تو مچ کیا ہیرودیس

او پتلیس، سیلاطس وغیر قوموں اور اسرائیلیوں کے ساتھ اسی شہر میں جمع

ہوئے“ (اعمال ۱۳: ۲۷)

اس کے علاوہ ایک موقع پر برنباس حواری فرماتے ہیں:

”دلی ارادے سے خداوند سے لپٹے رہو، کیونکہ وہ نیک مرد اور روح القدس

اور ایمان سے معمور تھا“ (اعمال ۱۱: ۲۳ و ۲۴)

اس میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صرف نیک مرد اور مومن کہا گیا ہے،

یہ تمام عبارتیں پوری صراحت کے ساتھ اس حقیقت کو آشکارا کرتی ہیں کہ حواریین حضرت

یسوع علیہ السلام کو ”ایک شخص“ اور ”خدا کی طرف سے“ پیغمبر اور اللہ کا ”خادم“ (یعنی بندہ) اور

”مسیح“ سمجھتے تھے اس سے زیادہ کچھ نہیں،

آپ نے دیکھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام سے لیکر آپ کے حواریوں تک کسی سے بھی تثلیث اور حلول کا عقیدہ ثابت نہیں ہے، بلکہ اس کے خلاف اُن کی صریح عبارتیں موجود ہیں۔ لہذا پہلا وہ شخص جس کے یہاں تثلیث اور حلول کا عقیدہ صراحت اور وضاحت کے ساتھ ملتا ہے، پولس ہے، وہ فلپیوں کے نام اپنے خط میں لکھتا ہے:

”اُس (مسیح) نے اگرچہ خدا کی صورت پر تھا، خدا کے برابر ہونے کو قبضہ میں رکھنے کی چیز نہ سمجھا، بلکہ اپنے آپ کو خالی کر دیا، اور خادم کی صورت اختیار کی، اور انسانوں کے مشابہ ہو گیا، اور انسانی شکل میں ظاہر ہو کر اپنے آپ کو پست کر دیا، اور یہاں تک فرمانبردار رہا کہ موت بلکہ صلیبی موت گوارا کی اسی واسطے خدا نے بھی اُسے بہت سربلند کیا، تاکہ یسوع کے نام پر ہر ایک گھٹنا ملے . . . اور خدا باپ کے جلال کے لئے ہر ایک زبان اقرار کرے کہ یسوع مسیح خداوند ہے“ (فلپیوں ۲: ۱۱-۱۳)

اور کلتیوں کے نام خط میں لکھتا ہے:

”وہ (مسیح) دیکھے خدا کی صورت اور تمام مخلوقات سے پہلے مولود ہے، کیونکہ اسی میں سب چیزیں پیدا کی گئیں، آسمان کی ہوں یا زمین کی، دیکھی ہوں یا اُن دیکھی تخت ہوں یا ریاستیں، یا حکومتیں یا اختیارات، سب چیزیں اسی کے وسیلے سے اور اسی کے واسطے سے پیدا ہوئی ہیں“ (کلتیوں ۱: ۱۶)

اور آگے چل کر لکھتا ہے:

”کیونکہ الٰہیت کی ساری معموری اسی میں مجتم ہو کر سکونت کرتی ہے“

(کلتیوں ۲: ۹)

آپ نے دیکھا کہ حواریوں نے حضرت مسیح کے لئے ”خداوند“ اور ”رَبّی“ کے الفاظ تو استعمال کئے ہیں، جن کے معنی مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں ”استاد“ کے ہیں، لیکن کہیں اُن کے لئے ”الٰہیت“ یا ”مجتم“ کا لفظ استعمال نہیں کیا، یہ عقیدہ سب سے پہلے پولس ہی کے یہاں ملتا ہے

انجیل یوحنا کی حقیقت

یہاں ایک اعتراض پیدا ہو سکتا ہے، اور وہ یہ کہ حلول اور تجتمہ کا عقیدہ انجیل یوحنا کے بالکل شروع میں موجود ہے

اس کے الفاظ یہ ہیں:

”ابتداء میں کلام تھا، اور کلام خدا کے ساتھ تھا، اور کلام خدا تھا“ (یوحنا ۱: ۱)

اور آگے چل کر لکھا ہے:

”اور کلام مجسم ہوا، اور فضل اور سچائی سے معمور ہو کر ہماری درمیان رہا، اور

ہم نے اس کا ایسا جلال دیکھا جیسا باپ کے اکلوتے کا جلال“ (۱۲: ۱)

یہ یوحنا کی عبارت ہے، اور یوحنا چونکہ حواری ہیں، اس لئے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ

تجتمہ کے عقیدے کا بانی پولس نہیں، بلکہ حواریوں میں سے یوحنا بھی اس کے قائل تھے،

یہ اعتراض خاصا ذرا پیچیدہ ہو سکتا تھا، اگر انجیل یوحنا کم از کم اتنی مستند ہوتی جتنی پہلی تین

انجیلیں ہیں، لیکن اتفاق سے انجیل یوحنا ہی ایک ایسی انجیل ہے، جس کی اصلیت میں خود

عیسائیوں کو ہمیشہ شک رہا ہے، دوسری صدی ہی سے عیسائیوں میں ایک بڑی جماعت ان

انجیل کو یوحنا کی تصنیف ماننے سے انکار کرتی آئی ہے، اور آخری زمانے میں تو اس انجیل

کی اصلیت کا مسئلہ ایک مستقل درد سر بن گیا تھا، بیسیوں کتابیں اس کی اصلیت کی تحقیق

کے لئے لکھی گئی ہیں، اور ہزاروں صفحات اس پر بحث و مباحثے میں سیاہ ہوئے ہیں، یہاں

ہمارے لئے ان تمام بحثوں کا خلاصہ بیان کرنا بھی ممکن نہیں ہے، لیکن اس سلسلے میں چند اہم

نکات کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے،

اس انجیل کے بارے میں سب سے پہلے آرتھوڈوکس (۱۷۷۷ء) آرچن (۱۷۷۷ء) کلیمنٹ

رومی (۱۷۷۷ء) اور مورخ یوسی بیس (۱۷۷۷ء) نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ یہ انجیل یوحنا

حواری کی تصنیف ہے، لیکن اسی زمانے (۱۷۷۷ء کے قریب میں) عیسائیوں کا ایک گروہ

اسے یوحنا کی تصنیف ماننے سے انکار کرتا تھا، الیسا بیکنو پیڈیا برٹانیکا میں اس گروہ کا حال

ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

”جو لوگ انجیل یوحنا پر تشدید کرتے ہیں ان کے حق میں ایک مثبت شہادت

اس انجیل کو یوحنا کی تصنیف قرار دینے والا پہلا شخص آریستوس ہے، اور اس کے بارے میں عیسائی علماء کا خیال یہ ہے کہ وہ وقت نظر اور تنقید کے معاملے میں کوئی بہت زیادہ قابل اعتماد نہیں ہے،

اس جیسی بہت سی وجوہ کی بناء پر آخر دور میں عیسائی علماء کی ایک کثیر جماعت اس بات کی قائل تھی کہ انجیل یوحنا جعلی تصنیف ہے، اور اسے اہامی کتب میں شمار کرنا درست نہیں، لیکن وہ عیسائی علماء جو اس انجیل کو درست مانتے ہیں، اور اس کو من گھڑت ہونے کے الزام سے بچانا چاہتے ہیں ہمارے زمانے میں ان کی تقریباً متفقہ رائے یہ ہو گئی ہے کہ اس انجیل کا مصنف یوحنا بن زبدي حواری نہیں ہے بلکہ یوحنا بزرگ (John the Elder) (۱۱۸) جیسے ایک کتن اچھا ہے۔

یہ بات بہت قرین قیاس ہے کہ آریستوس نے جن کی حقیقت پسندی اور تنقیدی نظر نمایاں نہیں ہے، یوحنا حواری کو یوحنا بزرگ کے ساتھ خلط ملط کر دیا ہے اور ہمارے ملک کے مشہور پادری اور صاحب تصانیف عیسائی عالم آج ڈیکن برکت اللہ صاحب لکھتے ہیں:

”پس ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یہ روایت کہ انجیل چارم مقدس یوحنا رسول ابن زبدي کی تصنیف ہے، صحیح نہیں ہو سکتی اور آگے ایک جگہ لکھتے ہیں:

حق تو یہ ہے کہ اب علماء اس نظریے کو بے چون و چرا تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں کہ انجیل چارم کا مصنف مقدس یوحنا بن زبدي رسول تھا، اور عام طور پر نقاد اس نظریے کے خلاف نظر آتے ہیں۔“

From Christ to Constantine P. 119 London 1936.

۱۱۸

۱۱۸ قدامت و اصلیت انجیل اربعہ ص ۱۳۱ جلد دوم پنجاب ریجنس بک سوسائٹی لاہور ۱۹۶۰ء

۱۱۸ ایضاً ص ۱۳۱ ج ۲،

انھوں نے اپنی کتاب میں بڑی تفصیل کے ساتھ اپنے اس دعوے کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ چوتھی انجیل کا مصنف ”یوحنا رسول“ نہیں تھا، ”یوحنا بزرگ“ تھا، انھیں یہ بات ثابت کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اس سوال کا جواب بھی اپنی کے اپنے الفاظ میں سن لیجئے:-

جو علماء یہ مانتے ہیں کہ اس انجیل کو یوحنا بن زبدي رسول نے لکھا ہے وہ بالعموم اس انجیل کی توارخنی اہمیت کے قائل نہیں، اور ان کا نظریہ یہ ہے کہ انجیل چہارم توارخنی واقعات سے معرا ہے، اور اس کے مکالمات مصنف کے اپنے ہیں، جن کو وہ کلمۃ اللہ کے منتہ میں ڈالتا ہے۔

گویا چونکہ چوتھی انجیل کو یوحنا بن زبدي حواری کی تصنیف قرار دینے کے بعد اس کی اصلیت سخت خطرے میں پڑ جاتی ہے، اس لئے پادری صاحب نے یہ ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے کہ وہ ”یوحنا بزرگ“ کی تصنیف ہے، ان کی تحقیق یہ ہے کہ یوحنا بزرگ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایک شاگرد تھے، مگر بارہ حواریوں میں ان کا شمار نہیں ہے، بلکہ حضرت عیسیٰ نے بالکل آخر میں انھیں اپنی صحبت سے سرفراز فرمایا تھا، یوحنا بزرگ نو جوان پڑھے لکھے، تورات کے عالم اور ایک معزز صدوقی گھرانے کے چشم و چراغ تھے، اور اپنی باتوں کا اظہار انھوں نے اپنی انجیل میں کیا ہے،

یہ ہے وہ تحقیق جسے آج کی عیسائی دنیا میں قبول عام حاصل ہے، اور جس کی بناء پر انھوں نے یوحنا حواری کو چوتھی انجیل کا مصنف ماننے سے صاف انکار کر دیا ہے، لیکن ہماری نظر میں یہ تحقیق بھی بہت بے وزن ہے، اور انجیل یوحنا کی اصلیت کو بچانے کے جذبے کے سوا اس کی پشت پر کوئی محرک ہمیں نظر نہیں آتا، سوال یہ ہے کہ اگر یوحنا بزرگ بارہ حواریوں کے علاوہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کوئی اور شاگرد تھے،

تو اُن کا ذکر پہلی تین انجیلوں سے کیوں غائب ہے؟ چوتھی انجیل سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مصنف حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے نہ صرف بہت قریبی تعلق رکھتا تھا، بلکہ حضرت مسیحؑ اس سے بے پناہ محبت کرتے تھے، چوتھی انجیل کے مصنف نے بے شمار جگہوں پر اپنا نام لینے کے بجائے اپنے لئے وہ شاگرد جس سے یسوعؑ محبت کرتا تھا کے الفاظ استعمال کئے ہیں، اور آخر میں ظاہر کیا ہے کہ اس سے مراد خود انجیل راجع کا مصنف ہے (۲۱: ۲۴)۔

حضرت مسیحؑ علیہ السلام سے اُن کی بے تکلفی کا عالم یہ تھا کہ خود لکھتے ہیں،
 ”اس سے شاگردوں میں سے ایک شخص جسے یسوعؑ محبت کرتا تھا یسوعؑ کے سینے کی طرف جھکا ہوا کھانا کھانے بیٹھا تھا“ (یوحنا ۱۳: ۲۳)

اور آگے لکھا ہے۔

اُس نے اسی طرح یسوعؑ کی چھاتی کا سہارا لے کر کہا کہ اے خداوند! وہ کون ہے؟“ (۱۳: ۲۵)

بارہ حواریوں میں سے کسی کو کبھی یہ جرأت نہیں ہوتی کہ وہ حضرت مسیحؑ علیہ السلام کے سینے پر سوار ہو کر کھانا کھائیں، مگر یہ شاگرد اتنے چہیتے اور محبوب تھے کہ انھیں اس بے تکلفی میں کوئی قباحت محسوس نہیں ہوتی۔ جب حضرت مسیحؑ علیہ السلام سے ان کے قرب کا عالم یہ تھا تو پہلا سوال تو یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ نے انھیں باقاعدہ حواریوں میں کیوں شامل نہیں فرمایا؟ کیا یہ بات قابل تسلیم ہو سکتی ہے کہ یہوداہ اسکر کوئی جیسا شخص جو بقول اناجیل چور تھا (یوحنا ۱۲: ۶) اور جس نے حضرت مسیحؑ علیہ السلام کو گرفتار کر دیا (لوقا ۲۲: ۴۷ وغیرہ) وہ تو بارہ مقرب حواریوں میں شمار ہو، اور حضرت مسیحؑ کا اتنا بے تکلف شاگرد جو اُن کے سینے پر سر رکھ کر کھانا کھا سکتا ہو، اور حضرت مسیحؑ علیہ السلام کے عروج آسمانی کے وقت پطرس کو سب سے زیادہ اسی کی فکر ہو کہ حضرت مسیحؑ کے فراق میں اس کا کیا حال ہوگا؟ (یوحنا ۲۱: ۲۱) وہ باقاعدہ حواریوں میں شامل نہ ہو؟

لے یہاں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ اس واقعے میں چوتھی انجیل کے سوا کسی انجیل میں اس شاگرد کے اس طرح کھانا کھانے اور سوال کرنے کا ذکر نہیں ہے (دیکھئے مٹی ۲۶: ۲۱ و مرقس ۱۴: ۱۸ و لوقا ۲۲: ۲۱)۔

دوسرے اس کی کیا وجہ ہے کہ پہلی تین انجیلیں جو عیسائی حضرات کے نزدیک حضرت مسیحؑ کی بحال سوانح حیات ہیں، اور جن میں آپ سے تعلق رکھنے والے معمولی معمولی انسانوں کا مفصل ذکر ہے جن میں مریم، مرثا، اعزرا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گدھی تک کا ذکر موجود ہے، ان انجیلوں میں حضرت مسیحؑ کے اس محبوب شاگرد کا کوئی ادنیٰ سا ذکر بھی نہیں ہے،

پھر اگر ”یوحنا بزرگ“ کے نام کا کوئی شاگرد ”یوحنا حواری“ کے علاوہ موجود تھا، تو کیا یہ ضروری نہیں تھا کہ اناجیل اربعہ کے مصنفین ”یوحنا بن زبدي“ اور ”یوحنا بزرگ“ کا فرق واضح کر کے بیان کرتے، تاکہ کسی کو اشتباہ نہ ہو، ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ کے شاگردوں میں یعقوب نام کے دو شخص تھے، یعقوب بن زبدي، اور یعقوب بن حلفی، اسی طرح یہوداہ نام کے دو شخص تھے، یہوداہ بن یعقوب، اور یہوداہ اسکرپوتی، ان دونوں سے اشتباہ کو رفع کرنے کے لئے انجیل کے مصنفوں نے خاص اہتمام کر کے انھیں الگ الگ ذکر کیا ہے، تاکہ کوئی ان دونوں کو خلط ملط نہ کرے، (دیکھئے متی ۱۰: ۲، مرقس ۳: ۱۶، ۱۹، لوقا ۶: ۱۳، ۱۶، اعمال ۱: ۱۳) اگر یوحنا نام کے بھی دو شخص حضرت عیسیٰؑ کے شاگرد تھے تو انجیل کے مصنفوں نے یعقوب اور یہوداہ کی طرح ان سے اشتباہ کیوں رفع نہیں کیا؟

اس کے علاوہ اگر ”یوحنا بزرگ“ نامی کوئی شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا محبوب شاگرد تھا تو وہ حضرت مسیحؑ کے عروج آسمانی کے بعد کہاں گیا؟ آپ کے بعد آپ کے حواریوں نے عیسائیت کی تعلیم و تبلیغ میں جو سرگرمیاں دکھائیں، ان کا مفصل حال کتاب اعمال میں موجود ہے اور اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ممتاز شاگردوں کی سرگذشت پائی جاتی ہے، لیکن اس کتاب میں بھی ”یوحنا بزرگ“ نام کا کوئی شخص نظر نہیں پڑتا، یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ حضرت مسیحؑ کے عروج آسمانی کے فوراً بعد اس کی وفات ہو گئی تھی، کیونکہ انجیل یوحنا حضرت مسیحؑ کے بہت بعد لکھی گئی ہے، اور اُس میں اس بات کی تصریح ہے کہ حواریوں کے درمیان یہ بات مشہور ہو گئی تھی کہ چوتھی انجیل کا مصنف یوحنا قیامت تک نہیں مرے گا، (یوحنا ۲۱: ۲۳) چنانچہ تمام وہ عیسائی علماء جو ”یوحنا بزرگ“ کو ”یوحنا بن زبدي“ سے الگ کوئی شخصیت مانتے ہیں، وہ اس بات کے قائل ہیں کہ یوحنا بزرگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کافی بعد تک زندہ رہا،

یہاں تک کہ پولیکارپ (اس کا شاگرد بنا،

یہ وہ ناقابل انکار شواہد ہیں جن کی روشنی میں یہ دعویٰ بالکل بے بنیاد معلوم ہونے لگتا ہے کہ یوحنا بزرگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی شاگرد تھا، رہا وہ جملہ جو انجیل یوحنا بالکل آخر میں مذکور ہے، یعنی:

”یہ وہی شاگرد ہے جو ان باتوں کی گواہی دیتا ہے، اور جن نے ان کو لکھا ہے

اور ہم جانتے ہیں کہ اس کی گواہی سچی ہے“ (یوحنا ۲۱: ۲۴)

سو اس کے بارے میں عیسائی محققین کی اکثریت کا خیال یہ ہے کہ یہ جملہ انجیل یوحنا کے مصنف کا نہیں ہے، بلکہ بعد میں کسی نے بڑھا دیا ہے، بائبل کا مشہور مفسر ولیمسٹ کاٹ (Westcott) بائبل پر تنقید کرنے کے معاملے میں بہت محتاط اور رجعت پسند نقطہ نظر کا حامی ہے، مگر یہاں وہ بھی لکھتا ہے:

”ان دو آیتوں کے بارے میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ درحقیقت وہ حاشیے ہیں جو انجیل کی اشاعت سے قبل اس میں بڑھا دیے گئے تھے، اگر آیت نمبر ۱۴ کا مقابلہ ۱۹: ۳۵ سے کر کے دیکھا جائے تو نتیجہ خیز طور پر یہ بات نظر آتی ہے کہ یہ شہادت انجیل کے مصنف کی نہیں ہے، غالباً یہ الفاظ افسس کے بزرگوں نے بڑھا دیے تھے“

عہد حاضر کے مشہور مصنف بشپ گور (Bishop Gore) بھی اس کی تائید کرتے ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ یہ دو آیتیں نسخہ سینائی ٹیکس (Codex Sinaiticus) میں موجود نہیں ہیں،

۱ Quoted by B. H. Streeter, *The Four Gospels* P. 430, MacMillan, New York 1961

۲ See *Belief in Christ* P. 106

۳ *The Four Gospels* P. 431

لہذا اس جملے کی بنیاد پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کا لکھنے والا حضرت مسیح علیہ السلام کا کوئی شاگرد ہے،

مذکورہ بالا اشارات سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ چوتھی انجیل کا مصنف نہ یوحنا بن زبدي حواری ہے، نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی اور قابل ذکر شاگرد، بلکہ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ چوتھی انجیل کا مصنف حواریوں کے بہت بعد کا کوئی شخص ہے، جس نے پوسٹا اس کے کسی شاگرد سے علم حاصل کیا تھا، اور بقول مفسر "ولیسٹ کاٹ" افسس کے بزرگوں نے اسے یوحنا حواری کی طرف منسوب کرنے کے لئے کچھ ایسے جملے بڑھا دیے جن سے مصنف کا عینی شاہد ہونا معلوم ہوتا ہو، تاکہ اپنے زمانے کے بعض ان غناسطی فرقوں (

کے خلاف حجت قائم کی جاسکے، جو حضرت مسیح علیہ السلام کی خدائی کے قائل نہیں تھے، اور یہ بات اب علمی دنیا میں ایک ناقابل انکار حقیقت بن کر سامنے آگئی ہے کہ اس زمانے میں مخالف فرقوں سے مناظرے کے دوران مقدس نوشتوں میں اس قسم کی ترمیمیں مسلسل ہوتی رہی ہیں، عہد حاضر کے مشہور عیسائی محقق پروفیسر برنٹ ہلین اسٹریٹر اپنی فاضلانہ تصنیف "انا جیل اربعہ" (The Four Gospels) میں کتنی وضاحت کے ساتھ

لکھتے ہیں کہ:

"لہذا اگر چوتھی انجیل میں ہمیں متن کے اندر کوئی ایسا اضافہ ملتا ہے جس کے ذریعہ اس کے مصنف کی واضح نشان دہی کی گئی ہے، مگر اس کے بارے میں یہ اعتراف کر لیا گیا ہے کہ وہ اصل مصنف کا نہیں ہے، تو کیا یہ بات بہت قرین قیاس نہیں ہے کہ یہ اضافہ انجیل کی تصنیف کے کچھ بعد کا ہے، اور شاید دوسرے مقامات پر بھی کر لیا گیا تھا، اور اس کا مقصد یہ تھا کہ اس

لے بلکہ فرانسیسی انسائیکلو پیڈیا میں تو یہاں تک کہا گیا ہے کہ پوری انجیل یوحنا خود پوسٹا کی تصنیف ہے، جسے اس نے یوحنا حواری کی طرف منسوب کر دیا ہے ردیکھے مقدمہ انجیل بڑا ہوا از سید رشید رضا مصری مرحوم، مطبوعہ قاہرہ،

انجیل کے مصنف کے بارے میں اُس نقطہ نظر کو منوایا جاسے، جس سے اُس نے
کے کچھ لوگ انکار کرتے تھے، اور دوسری عیسوی میں اس اختلاف کا پایا جانا
ہم آگے بالا اختصار بیان کریں گے،

مذکورہ بیان کی روشنی میں انجیل یوحنا کا یہ جملہ کہ: ”یہ وہی شاگرد ہے۔۔۔۔۔“
جس نے ان کو لکھا ہے۔۔۔۔۔“ اس کو یوں سمجھنا چاہئے کہ یہ ایک متنازعہ
مسئلہ کو حل کرنے کی ایک کوشش تھی، اور اس سے اس بات کا مزید ثبوت
ملتا ہے کہ اس زمانے میں بھی اس انجیل کے مصنف کے بارے میں شکوک
اور اختلافات پائے جاتے تھے۔“

لہذا ایسے ماحول میں یہ بات بھی چنداں محلِ تعجب نہیں ہے کہ انجیل یوحنا اور یوحنا کے
خطوط کسی پوئس کے شاگرد نے لکھے ہوں، اور بعد کے لوگوں نے ان میں ایسے جملوں کا اضافہ کر دیا
ہو جن سے مصنف کا حضرت مسیح کا عینی شاہد ہونا معلوم ہو،

اس زمانے کے عام رجحان کے پیش نظر تو ہمیں یہی بات درست معلوم ہوتی ہے، لیکن
خالص رجعت پسندانہ عیسائی نقطہ نظر اختیار کرتے ہوئے اس انجیل کے بارے میں پورے
حسن ظن کے ساتھ زیادہ سے زیادہ جو بات کہی جاسکتی ہے وہ ڈاکٹر بیکن کا یہ خیال ہے کہ چونکہ
انجیل یوحنا بزرگ ہی کی لکھی ہوئی ہے، مگر وہ براہِ راست حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا شاگرد
ہونے کے بجائے ان کے شاگردوں کا شاگرد تھا،

اور اگر بہت زیادہ حسن ظن سے کام لیا جائے تو پروفیسر اسٹریٹر کا یہ نقطہ نظر اختیار
کیا جاسکتا ہے کہ انجیل یوحنا کا مصنف یوحنا بزرگ ہے، مگر،

پپے پیاس (Papias) نے یوحنا بزرگ کو خداوند کا شاگرد قرار دیا
ہے، اور پولیکارپ نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ وہ ایسا شخص تھا جس نے

۱ B. H. Streeter, The Four Gospels: P. 431

۲ Quoted by Streeter, Four Gospels P. 443.

خداوند کو دیکھا تھا، اُس نے خداوند سے یروشلم میں سنا سنائی حاصل کی ہوگی۔
 (۱۔ یوحنا ۱: ۱۰) لیکن شاید وہ خداوند کو ”دیکھنے“ سے زیادہ اس سے کچھ حاصل نہ
 کر سکا، اس لئے کہ وہ اُس وقت بارہ سال کا لڑکا رہا ہوگا جسے اس کے والدین
 عید فصح کے موقع پر یروشلم لے آئے تھے، اور یہ بھی ممکن ہو کہ یہ لڑکا اس ہجوم
 میں شریک ہو، جس نے مسیح کو سولی پر چڑھتے دیکھا تھا۔ کیونکہ اس زمانے
 کے لوگ بچوں کو اس قسم کے نظاروں سے دُور رکھنے کا کوئی اہتمام نہیں کرتے
 تھے، اس صورت میں ستر سال کے اندر وہ ستر سال کی عمر کو پہنچ گیا ہوگا، یوحنا
 کا پہلا خط یقینی طور پر کسی عمر رسیدہ انسان کا لکھا ہوا ہے جو ایک ہی پیراگراف
 میں ”بھائیو!“ کے لفظ سے گزر کر ”میرے بچو!“ کا لفظ استعمال کر سکتا ہو (یوحنا،
 ۱۳: ۱۸) یہ آخری ٹکڑا (میرے بچو) ستر سال سے کم عمر کا آدمی مشکل ہی سے
 لکھ سکتا ہے۔ لہذا یہ تسلیم کرنے میں کوئی مشکل نہیں ہے کہ
 یوحنا بزرگ نے یہ انجیل سنہ ۹۵ء کے دوران کسی وقت لکھی
 تھی، جبکہ اس کی عمر ستر برس یا اس سے کچھ اوپر تھی۔“

نتائج | یہ وہ خالص رجعت پسندانہ عیسائی نقطہ نظر ہے جسے انجیل یوحنا کو جعلی قرار دینے
 سے بچانے کی آخری کوشش کہا جاسکتا ہے، اس نقطہ نظر میں جو کھینچ تان
 کی گئی ہے، اگر اس سے قطع نظر کر کے ہم اس کو جوں کا توں تسلیم کر لیں تب بھی اس سے
 مندرجہ ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:-

- ۱۔ انجیل یوحنا کا مصنف یوحنا بن زبدي حواری نہیں ہے، بلکہ یوحنا بزرگ ہے،
- ۲۔ یوحنا بزرگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے نہیں ہے،
- ۳۔ یوحنا بزرگ نے صرف ایک مرتبہ بارہ سال کی عمر میں حضرت مسیحؑ کو صرف دیکھا تھا
 ان کی خدمت میں رہنے اور ان کی تعلیمات سننے کا اسے موقع نہیں ملا،

انجیل کے مصنف کے بارے میں اُس نقطہ نظر کو منوایا جائے، جس سے اُس نے
کے کچھ لوگ انکار کرتے تھے، اور دوسری عیسوی میں اس اختلاف کا پایا جانا
ہم آگے بالاختصار بیان کریں گے،

مذکورہ بیان کی روشنی میں انجیل یوحنا کا یہ جملہ کہ: ”یہی شاگرد ہے۔۔۔۔۔“
جس نے ان کو لکھا ہے۔۔۔۔۔“ اس کو یوں سمجھنا چاہئے کہ یہ ایک متنازعہ
مسئلہ کو حل کرنے کی ایک کوشش تھی، اور اس سے اس بات کا مزید ثبوت
ملتا ہے کہ اس زمانے میں بھی اس انجیل کے مصنف کے بارے میں شکوک
اور اختلافات پائے جاتے تھے۔“

لہذا ایسے ماحول میں یہ بات بھی چنداں محلِ تعجب نہیں ہے کہ انجیل یوحنا اور یوحنا کے
خطوط کسی پوئس کے شاگرد نے لکھے ہوں، اور بعد کے لوگوں نے ان میں ایسے جملوں کا اضافہ کر دیا
ہو جن سے مصنف کا حضرت مسیحؑ کا عینی شاہد ہونا معلوم ہو،

اس زمانے کے عام رجحان کے پیشِ نظر تو ہمیں یہی بات درست معلوم ہوتی ہے، لیکن
خالص رجعت پسندانہ عیسائی نقطہ نظر اختیار کرتے ہوئے اس انجیل کے بارے میں پورے
حسنِ ظن کے ساتھ زیادہ سے زیادہ جو بات کہی جاسکتی ہے وہ ڈاکٹر بیکن کا یہ خیال ہے کہ چونکہ
انجیل یوحنا بزرگ ہی کی لکھی ہوئی ہے، مگر وہ براہِ راست حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا شاگرد
ہونے کے بجائے ان کے شاگردوں کا شاگرد تھا،

اور اگر بہت زیادہ حسنِ ظن سے کام لیا جائے تو پروفیسر اسٹریٹر کا یہ نقطہ نظر اختیار
کیا جاسکتا ہے کہ انجیل یوحنا کا مصنف یوحنا بزرگ ہے، مگر،

پپے پیاس (Papias) نے یوحنا بزرگ کو خداوند کا شاگرد قرار دیا
ہے، اور پولیکارپ نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ وہ ایسا شخص تھا جس نے

۱ B. H. Streeter, *The Four Gospels*: P. 431

۲ Quoted by Streeter, *Four Gospels* P. 443.

خداوند کو دیکھا تھا، اُس نے خداوند سے یروشلم میں شناسائی حاصل کی ہوگی،
 (۱۔ یوحنا ۱: ۱۰) لیکن شاید وہ خداوند کو دیکھنے سے زیادہ اس سے کچھ حاصل نہ
 کر سکا، اس لئے کہ وہ اُس وقت بارہ سال کا لڑکا رہا ہوگا جبہ اس کے والدین
 عید فصح کے موقع پر یروشلم لے آئے تھے، اور یہ بھی ممکن ہو کہ یہ لڑکا اس ہجوم
 میں شریک ہو، جس نے مسیح کو سولی پر چڑھتے دیکھا تھا۔ کیونکہ اس زمانے
 کے لوگ بچوں کو اس قسم کے نظاروں سے دُور رکھنے کا کوئی اہتمام نہیں کرتے
 تھے، اس صورت میں ۹۵ء کے اندر وہ ستر سال کی عمر کو پہنچ گیا ہوگا، یوحنا
 کا پہلا خط یقینی طور پر کسی عمر رسیدہ انسان کا لکھا ہوا ہے جو ایک ہی پیراگراف
 میں "بھائیو" کے لفظ سے گذر کر "میرے بچو" کا لفظ استعمال کر سکتا ہو (یوحنا،
 ۱۳: ۱۸) یہ آخری ٹکڑا (میرے بچو) ستر سال سے کم عمر کا آدمی مشکل ہی سے
 لکھ سکتا ہے۔ لہذا یہ تسلیم کرنے میں کوئی مشکل نہیں ہے کہ
 یوحنا بزرگ نے یہ انجیل ۹۵ء اور ۹۵ء کے دوران کسی وقت لکھی
 تھی، جبکہ اس کی عمر ستر برس یا اس سے کچھ اوپر تھی۔"

نتائج | یہ وہ خالص رجحانہ عیسائی نقطہ نظر ہے جسے انجیل یوحنا کو جعلی قرار دینے
 سے بچانے کی آخری کوشش کہا جاسکتا ہے، اس نقطہ نظر میں جو کھینچ تان
 کی گئی ہے، اگر اس سے قطع نظر کر کے ہم اس کو جوں کا توں تسلیم کر لیں تب بھی اس سے
 مندرجہ ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:-

- ۱۔ انجیل یوحنا کا مصنف یوحنا بن زبدي حواری نہیں ہے، بلکہ یوحنا بزرگ ہے،
- ۲۔ یوحنا بزرگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے نہیں ہے،
- ۳۔ یوحنا بزرگ نے صرف ایک مرتبہ بارہ سال کی عمر میں حضرت مسیح کو صرورت دیکھا تھا
 ان کی خدمت میں رہنے اور ان کی تعلیمات سننے کا اسے موقع نہیں ملا

۴۔ یوحنا بزرگ نے آخری بار حضرت مسیح کو مصلوب ہوتے ہوئے دیکھا،

۵۔ وہ یرושلم کا باشندہ نہیں تھا بلکہ کنعان کے جنوبی علاقے کا باشندہ تھا^۱

۶۔ حضرت مسیح کے بعد ۹۵ء تک اس کا کچھ حال معلوم نہیں، کہ وہ کہاں رہتا تھا؟

کس سے اس نے علم حاصل کیا؟ کس کی صحبت اٹھائی؟ اور حواریوں کے ساتھ اس کے تعلق کی نوعیت کیا تھی؟

۷۔ ۹۵ء کے لگ بھگ ستر سال کی عمر میں اس نے انجیل یوحنا تصنیف کی جس

میں پہلی بار عقیدہ حلول و تجسم کو بیان کیا گیا،

۸۔ بعد میں افسس کے بزرگوں نے اس انجیل کے آخر میں ایک ایسا جملہ بڑھا دیا،

جس سے یہ ظاہر ہو کہ اس کا لکھنے والا یوحنا بن زبدی حواری، یا حضرت مسیح کا

کوئی محبوب شاگرد ہے،

یہ وہ نتائج ہیں جن میں ہمارے اپنے قیاس کو کوئی دخل نہیں ہے، بلکہ خود عیسائی علماء

انجیل یوحنا کو جعلی قرار پانے سے بچانے کے لئے انہیں ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں

ان نتائج کی روشنی میں مندرجہ ذیل باتیں ناقابل انکار طریقے سے پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہیں:

۱۔ حلول و تجسم کا عقیدہ حضرت مسیح علیہ السلام یا اُن کے کسی حواری سے ثابت

نہیں ہے،

۲۔ اس عقیدے کو حضرت مسیح علیہ السلام کی سوانح حیات میں سب سے پہلے ایک

ایسے شخص نے لکھا، جس نے بارہ سال کی عمر میں حضرت مسیح کو صرف دیکھا تھا

اُن سے مل کر کوئی تعلیم حاصل نہیں کی تھی،

۳۔ جو شخص یہ عقیدہ پیش کر رہا ہے وہ مجہول الحال ہے، یعنی اس کی ان تحریرات کے

علاوہ اس کا کچھ حال ہمیں معلوم نہیں، کہ وہ کس مزاج و مذاق کا آدمی تھا؟ کیا

نظریات رکھتا تھا؟ یہ عقیدہ اس نے خود وضع کیا تھا؟ یا کسی اور سے سنا تھا؟

۱۔ پادری برکت اللہ ایم، اے: قدامت و اصلیت انجیل اربعہ ص ۱۲۲ ج ۲، لاہور سنہ ۱۹۶۶ء

اس کی زندگی کہاں بسر ہوئی تھی؟ حواریوں سے اس کے کیا تعلقات تھے؟

۴۔ یہ عقیدہ اس نے ۹۵ء میں انجیل کے اندر داخل کیا، جب کہ اس کی عمر تتر سال

تھی، اور اس وقت پولس کے انتقال کو اٹھائیس سال گزر چکے تھے،

۵۔ چونکہ پولس کا انتقال اس سے پہلے ہو گیا تھا، اور اس نے عقیدہ حلول و تجسم اپنی

خطوط میں واضح طور سے بیان کیا ہے، اس لئے اس عقیدے کو سب سے پہلے بیان

کرنے والا یوحنا بزرگ نہیں ہی، بلکہ پولس ہے،

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات نہایت قائل طریقے سے واضح ہو جاتی

ہی کہ عقیدہ حلول و تجسم نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کسی ارشاد سے

ثابت ہے، اور نہ کوئی حواری اس کا قائل تھا، بلکہ اسے سب سے پہلے پولس نے پیش کیا ہے،

آئیے! اب عیسائی مذہب کے دوسرے عقیدے یعنی ”عقیدہ کفارہ“ کے بارے میں یہ تحقیق

کریں کہ اس کا بانی کون ہے؟ اور اس کی اصل کہاں سے نکلی ہے؟

یہ عقیدہ بقول مسٹر ڈنیل ولسن عیسائی مذہب کی جان ہے، آپ پہلے باب میں پڑھ چکے ہیں کہ ایک طرف عیسائی مذہب کے

مطابق انسان کی نجات اس عقیدے پر موقوف ہے، بہتیرے اور عشاء ربانی کی رسمیں بھی اسی کی بنیاد پر وضع ہوئی ہیں دوسری طرف یہ

عقیدے کی پشت پر فلسفہ پروردہ بڑا پیچڑا اور دقیق ہے، لہذا آپ کا خیال شاید یہ ہو گا کہ انا جیل اربعہ میں حضرت

مسیح علیہ السلام کے بہت سے ارشادات کے ذریعہ اس کی وضاحت کی گئی ہوگی، اور آپ اور

آپ کے حواریوں نے اس کی خوب تشریح فرمائی ہوگی، آپ یہ سمجھنے میں بالکل حق بجانب ہیں

اس لئے کہ جن عقائد و نظریات پر کسی مذہب یا نظام فکر کی بنیاد ہوتی ہے، وہ اس مذہب کی

بنیادی کتابوں اور اس نظام کے بانیوں کی تصانیف میں جا بجا بکھرے ہوئے ملتے ہیں اور

مذہب کی ابتدائی کتابوں کا سارا زور اپنی عقائد کو ثابت کرنے پر صرف ہوتا ہے، مثلاً

۱۔ کیونکہ مورخین تخمینہ طور پر پولس کا سن وفات ۶۷ء کو قرار دیتے ہیں،

اسلام کی بنیاد توحید رسالت اور آخرت کے عقائد ہیں، اس لئے پورا قرآن کریم ان عقائد کی تشریح اور ان کے دلائل سے بھرا ہوا ہے، یا مثلاً اثنائیت کی بنیاد مارکس کے فلسفہ تاریخ، نظریہ قدر زائد اور نظریہ اشتراکیت (

پر ہے، لہذا کارل مارکس کی کتاب ”سرمایہ“ میں انہی نظریات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

لیکن عیسائی مذہب کا حال اس سے بالکل مختلف ہے، جو نظریات اس مذہب میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، بلکہ جن کی وجہ سے یہ مذہب دوسرے مذاہب سے ممتاز ہے، وہی نظریات انجیلوں سے غائب ہیں، ان کی کوئی تشریح حضرت مسیح علیہ السلام یا ان کے کسی حواری سے نہیں ملتی، عقیدہ تثلیث اور حلول و تجسم کا حال تو آپ دیکھ چکے ہیں، عقیدہ کفارہ کی حالت بھی یہی ہے، کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کے کسی ارشاد سے ثابت نہیں ہوتا۔ اس بات کا اندازہ کرنے کے لئے اناجیل کے ان جملوں پر ایک نظر ڈال لیجئے، جن کے بارے میں عیسائی حضرات کا خیال یہ ہے کہ عقیدہ کفارہ ان سے مستنبط ہے، وہ جملے یہ ہیں:-

۱۔ ”اس کے بیٹا ہو گا، اور تو اس کا نام یسوع رکھنا، کیونکہ وہی اپنے لوگوں کو ان

کے گناہوں سے نجات دے گا“ (متی ۱۱: ۲۱)

۲۔ ”فرشتے نے ان سے کہا..... تمہارے لئے ایک منجی پیدا ہوا ہے، یعنی

مسیح خداوند“ (لوقا ۲: ۱۱)

۳۔ ”کیونکہ میری آنکھوں نے تیری نجات دیکھ لی ہے“ (لوقا ۲: ۳۰)

۴۔ حضرت مسیح نے فرمایا:- ”ابن آدم کھڑے ہوؤں کو ڈھونڈنے اور نجات دینے آیا ہوں“ (لوقا ۱۹: ۱۰)

۵۔ ”ابن آدم اس لئے نہیں آیا کہ خدمت لے، بلکہ اس لئے کہ خدمت کرے، اور اپنی

جان بہیروں کے بدلے فدیہ میں دے“ (متی ۲۰: ۲۸ و مرقس ۱۰: ۴۵)

۶۔ ”یہ میرا وہ عہد کا خون ہے جو بہیروں کے لئے گناہوں کی معافی کے واسطے

پہنچایا جاتا ہے“ (متی ۲۶: ۲۸)

بس یہ ہیں اناجیل متفقہ کے وہ جملے جن سے عقیدہ کفارہ پر استدلال کیا جاتا ہے،

ان جملوں سے زائد عقیدہ کفارہ کے سلسلے میں کوئی بات انجیلوں میں نہیں پائی جاتی، مشکل یہ ہے کہ اس وقت عقیدہ کفارہ اپنی ترقی یافتہ شکل میں اتنا مشہور ہو چکا ہے کہ ان جملوں کو پڑھ کر ذہن سیدھا اُسی عقیدے کی طرف منتقل ہوتا ہے، لیکن اگر آپ انصاف کے ساتھ مسئلے کی تحقیق کرنا چاہتے ہیں تو تھوڑی دیر کے لئے عقیدہ کفارہ کی اُن تمام تفصیلات کو ذہن سے نکال دیجئے جو پہلے باب میں ہم نے بیان کی ہیں، اس کے بعد خالی الذہن ہو کر ان جملوں کو ایک بار پھر پڑھیے، کیا ان جملوں کا سیدھا سادہ مطلب یہ نہیں نکلتا؟ حضرت مسیح علیہ السلام گمراہی کی تاریکیوں میں بھٹکنے والوں کو نجات اور ہدایت کا راستہ دکھانے کے لئے تشریف لائے ہیں، اور جو لوگ کفر و شرک اور بد اعمالیوں کی وجہ سے اپنے آپ کو دائمی عذاب کا مستحق بنا چکے ہیں، انھیں ہدایت کا سیدھا راستہ دکھا کر انھیں جہنم کے عذاب سے چھٹکارا دلانا چاہتے ہیں خواہ انھیں اپنی ان تبلیغی خدمات کے جرم میں کتنی ہی تکلیفیں برداشت کیوں نہ کرنی پڑیں؟

”اپنی جان بہتیروں کے لئے فدیہ میں دے“ اور ”یہ میرا عہد کا دہ خون ہے، جو بہتیروں کے لئے گناہوں کی معافی کے واسطے بہایا جاتا ہے“۔ اگر پہلے سے عقیدہ کفارہ کا تصور ذہن میں جما ہوا نہ ہو تو ان جملوں کا بھی صاف مطلب یہ نکلتا ہے کہ لوگوں کو گمراہی سے نکلانے اور ان کے سابقہ گناہوں کی معافی کا سامان پیدا کرنے کے لئے حضرت مسیح علیہ السلام اپنی جان تک قربان کرنے کے لئے تیار ہیں اور اسی آمادگی کا اظہار فرماتے ہیں۔

ان جملوں سے یہ فلسفہ کہاں مستنبط ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے گناہ کی وجہ سے اُن کی قوت ارادی سلب ہو گئی تھی، اور اس کی وجہ سے ان میں اور ان کی اولاد کی سرشت میں اصلی گناہ داخل ہو گیا تھا، جس کی وجہ سے ہر شیر خوار بچہ بھی دائمی عذاب کا مستحق تھا، پھر تمام دنیا کا یہ اصلی گناہ خدا کے اذن و موافقہ سے پھانسی پر چڑھ کر اپنے اوپر لے لیا، اور اس سے

۱۔ یہی کتاب یسایہ ۵۳: ۱ کی عبارت جو اس سلسلے میں بکثرت پیش کی جاتی ہے، سودہ ان سب جملوں سے زیادہ محل اور مبہم ہے، معلوم نہیں اس کا مصداق کیا ہے؟ اور اس تمثیل سے کیا مراد ہے؟

تمام لوگوں کے اصلی گناہ معاف ہو گئے؟

اور اگر مذکورہ جملوں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقصد یہی تھا کہ عقیدہ کفارہ کو واضح کریں تو انھوں نے اسے اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ کیوں نہیں سمجھایا؟ جب کہ وہ دین کے بنیادی عقائد میں سے تھا، اور اس پر ایمان لائے بغیر نجات نہیں ہو سکتی تھی، آپ دن رات انبیاء علیہم السلام — بلکہ قوم کے لیڈروں کے لئے اس قسم کے جملے استعمال کرتے رہتے ہیں کہ فلاں شخص نے اپنی قوم کو نجات دلانے کے لئے اپنی جان قربان کر دی، لیکن ان جملوں سے کوئی یہ مفہوم نہیں سمجھتا کہ حضرت آدمؑ کا اصلی گناہ قوم پر مسلط تھا، اُس لیڈر نے قوم کے بدلے اس کی سزا خود برداشت کر لی،

پھر اگر ان جملوں سے اس قسم کے مطلب نکالنے کی گنجائش ہے تو یہ مطلب بھی نکالا جاسکتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنی قوم کے تمام گناہ اپنے سر لے لئے ہیں، اس لئے قیامت تک لوگ کتنے ہی گناہ کرتے رہیں انھیں عذاب نہیں ہوگا — حالانکہ یہ وہ بات ہے جس کی تردید شروع سے تمام کلیسا کرتے آئے ہیں،

یہی وجہ ہے کہ جن عیسائی علماء نے ان جملوں کو انصاف کی نظر سے پڑھا ہے انھوں نے ان سے یہ پیچیدہ فلسفہ مراد لینے کے بجائے سیدھا سا وہ وہی مطلب لیا ہے جو ہم نے بیان کیا، عیسائی تاریخ کے بالکل ابتدائی دور میں کوآئیلیس شینس (Coelestius) کا کہنا یہی تھا، پھر سوزینی فرقے کے لوگ (Socinians) بھی ان جملوں کی یہی تشریح کرتے ہیں، انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں ان لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ یہ لوگ مسیح کی حیات و موت میں صرف ایک شاندار راہِ نجات پائے جانے کے قائل تھے یہ (برٹانیکا، ص ۶۵۲ ج ۲، مقالہ کفارہ)

لہٰذا خاص طور سے اس وقت جبکہ یہ فلسفہ عقل کے علاوہ بائبل کی اس تصریح کے بھی بالکل خلاف ہے:

”جو جان گناہ کرتی ہو وہی مرے گی، بیٹا باپ کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا، اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ

صادق کی صداقت اسی کیلئے ہوگی، اور شریر کی شرارت شریر کے لئے“ (حزقی ایل ۱۸: ۲۰)

ایب لارڈر (Abelard) کا کہنا بھی یہ تھا کہ کفارے کا مطلب صرف یہ ہے کہ حضرت مسیح کی حیات و موت بہم رومی اور رومی کا ایک مکمل سبق تھی (بحوالہ مذکور)۔ یہ لوگ تو وہ ہیں جو برکزم کے زمانے سے پہلے عقیدہ کفارہ کے منکر تھے، پھر برکزم کے دور میں اور اس کے بعد ماڈرن ازم کے زمانے میں لوگوں کا عام رجحان کیا ہو گیا؟ اس کے بارے میں کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے، وہ ہر شخص کے سامنے ہے، مذکورہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے کسی جملے سے عقیدہ کفارہ کا وہ مفہوم ثابت نہیں ہوتا جو آج کل رائج ہے، اور جن جملوں سے اس پر استدلال کیا گیا ہے ان کا سیدھا اور صاف مطلب کچھ اور ہے، اب حواریوں کی طرف آئیے تو ان کا بھی کوئی ایک جملہ ایسا نہیں ہے جس سے عقیدہ کفارہ کی سند ملتی ہو، لہذا پہلا وہ شخص جس نے عقیدہ کفارہ کو اس کے پورے فلسفہ کے ساتھ بیان کیا ہے، وہ پورس ہے، رومیوں کے نام خط میں وہ لکھتا ہے:

”پس جس طرح ایک آدمی کے سبب گناہ دنیا میں آیا اور گناہ کے سبب موت آئی، اور یوں موت سب آدمیوں میں پھیل گئی، اس لئے کہ سب گناہ کیا، کیونکہ شریعت کے دیئے جانے تک دنیا میں گناہ تو تھا، مگر جہاں شریعت نہیں وہاں گناہ محسوب نہیں ہوتا، تو بھی آدم سے لے کر موتی تک موت نے ان پر بادشاہی کی، جنہوں نے اس آدم کی نافرمانی کی طرح جو آیتوں کے کا مثیل تھا گناہ نہ کیا تھا، لیکن قصور کا جو حال ہے وہ نعمت کا نہیں، کیوں کہ جب ایک شخص کے قصور سے بہت آدمی مر گئے تو خدا کا فضل اور اس کی بخشش ایک ہی آدمی یعنی یسوع مسیح کے فضل سے پیدا ہوئی، بہت سے آدمیوں پر ضروری افراط سے نازل ہوئی، اور جیسا ایک شخص کے گناہ کرنے کا انجام ہوا بخشش کا دیا حال نہیں، کیونکہ ایک ہی کے سبب وہ فیصلہ ہوا جس کا نتیجہ سزا کا حکم تھا، مگر بہترے قصوروں سے ایسی نعمت پیدا ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ راست باز ٹھہرے، کیونکہ جب ایک شخص کے قصور کے

سبب سے موت نے اس ایک کے ذریعہ سے بادشاہی کی توجہ لوگ فضل اور راست بازی کی بخشش افراط سے حاصل کرتے ہیں وہ ایک شخص یعنی یسوع مسیح کے وسیلے سے ہمیشہ کی زندگی میں ضرور ہی بادشاہی کریں گے... کیونکہ جس طرح ایک ہی شخص کی نافرمانی سے بہت سے لوگ گنہگار ٹھہرے اسی طرح ایک کی فرمانبرداری سے بہت سے لوگ راست باز ٹھہریں گے

(رومیوں ۵: ۱۲-۱۹)

اور آگے مزید تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:

”کیا تم نہیں جانتے کہ ہم جتنوں نے مسیح یسوع میں شامل ہونے کا ہتھم لیا تو اس کی موت میں شامل ہونے کا ہتھم لیا؟ پس موت میں شامل ہونے کے ہتھم کے وسیلہ سے ہم اس کے ساتھ دفن ہوئے، تاکہ جس طرح مسیح باپ کے جلال کے وسیلہ سے مردوں میں سے چلایا گیا، اُسی طرح ہم بھی نئی زندگی میں چلیں..... چنانچہ ہم جانتے ہیں کہ ہماری پرانی انسانیت اس کے ساتھ اس لئے مصلوب کی گئی کہ گناہ کا بدن بیکار ہو جائے، تاکہ ہم آگے گناہ کی غلامی میں نہ رہیں“ (رومیوں ۶: ۱-۶)

یہ گناہ کا بعینہ وہ فلسفہ ہے جس کی پوری تشریح ہم پہلے باب میں تفصیل کے ساتھ کر آئے ہیں، یہ عقیدہ پولس سے پہلے کسی کے یہاں نہیں ملتا، اس لئے وہی اس عقیدے کا بانی بھی ٹھہرتا ہے،

تورات پر عمل کا حکم | عیسائی مذہب کے بنیادی عقائد کے بعد مناسب ہو گا کہ اس کے بعض خاص خاص احکام کے بارے میں بھی تھوڑی

کر لی جائے کہ اس سلسلے میں حضرت مسیح علیہ السلام کی ہدایات کیا تھیں؟ اور پولس نے اس میں کیا ترمیم کی؟

حضرت مسیح علیہ السلام نے متعدد ارشادات میں وضاحت کے ساتھ یہ فرمایا ہے کہ میرا مقصد تورات کی مخالفت کرنا نہیں ہے، بلکہ میں اس کی تصدیق کرتا ہوں، بلکہ انا جیل میں

ان تک لکھا ہے کہ میں اس کو منسوخ کرنے نہیں آیا، انجیل متی میں ہے:
 ”یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں، منسوخ
 کرنے نہیں، بلکہ پورا کرنے آیا ہوں، کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک
 آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ
 ٹلے گا“ (متی ۵: ۱۷)

آپ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:

”جو کچھ تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہارے ساتھ کریں وہی تم بھی ان کے ساتھ کرو،
 کیونکہ توریت اور نبیوں کی تعلیم یہی ہے“ (متی ۷: ۱۲)

اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنیادی طور پر تورات کو واجب العمل
 در قابل احترام مانتے تھے،

لیکن پوس کا تورات کے احکام کے بارے میں کیا نظریہ ہے؟ اس کے مندرجہ ذیل اقوال
 سے معلوم ہوگا، گلتیوں کے نام خط میں وہ لکھتا ہے:

”مسیح جو ہم سے لئے لعنتی بنا اس نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے
 چھڑایا“ (گلتیوں ۳: ۱۳)

ور آگے لکھتا ہے:

”ایمان کے آنے سے پیشتر شریعت کی ماتحتی میں ہماری نگہبانی ہوتی تھی، اور
 اس ایمان کے آنے تک جو ظاہر ہونے والا تھا ہم اسی کے پابند رہے، پس
 شریعت مسیح تک پہنچانے کو ہمارا استاد بنی تاکہ ہم ایمان کے سبب راست با
 ٹھہریں، مگر جب ایمان آچکا تو ہم استاد کے ماتحت نہ رہے“ (۲ کورن ۳: ۱۲ تا ۱۵)

اور افیتوں کے نام خط میں لکھتا ہے:

”اس نے جسم کے ذریعہ سے دشمنی یعنی وہ شریعت جس کے حکم ضابطوں کے طور

پر تھے موقوف کر دی“ (افسیروں ۱۲، ۱۵)

اور عبرانیوں کے نام خط میں رقمطراز ہے:

”اور جب کہانت بدل گئی تو شریعت کا بھی بدلنا ضروری“ (عبرانیوں ۷: ۱۲)

اور آگے لکھتا ہے:-

”کیونکہ اگر پہلا عہد (یعنی تورات) بے نقص ہوتا تو دوسرے کے لئے

موقع نہ ڈھونڈھا جاتا“ (۷: ۸)

آگے آیت ۱۳ میں کہتا ہے:

”جب اُس نے نیا عہد کیا تو پہلے کو پرانا ٹھہرایا، اور جو چیز پرانی اور مدت

کی ہو جاتی ہے وہ مٹنے کے قریب ہوتی ہے“

ان تمام اقوال کے ذریعہ پولس نے تورات کی عملی اہمیت بالکل ختم کر دی، اور

اس کے ہر حکم کو منسوخ کر ڈالا،

عشاء ربانی | عشاء ربانی کی تشریح پہلے باب میں کی جا چکی ہے، یہ عبادت عیساؑ
مذہب کی اہم ترین رسوم میں سے ہے، لیکن انجیل متی اور مرقس میں

جہاں اس واقعہ کا تذکرہ ہے وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اس عمل کو ایک دائمی

بنالینے کا کوئی حکم موجود نہیں ہے، یہ حکم بھی سب سے پہلے پولس نے وضع کیا ہے، (کرتھیو

۲۴: ۱۱) اور تو قاً چونکہ پولس کا شاگرد ہے اس لئے اس نے بھی پولس کی تقلید کی ہے،

یہ بات خود عیسائی علماء کو بھی تسلیم ہے، چنانچہ ایف، سی برکٹ لکھتے ہیں:

”اگر آپ عشاء ربانی کا حال مرقس میں پڑھیں گے تو اس میں اس عمل کو

آئندہ جاری رکھنے کا کوئی حکم آپ کو نہیں ملے گا، لیکن مقدس پولس جہاں

پیتوع کے اس عمل کا تذکرہ کرتا ہے وہاں ان کی طرف منسوب کر کے اس جگہ

کا اضافہ کرتا ہے کہ ”میری یادگاری میں یہی کیا کرو“

ختنہ کا حکم

ختنہ کا حکم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے چلا آتا ہے، تورات میں ہے،
 ”اور میرا عہد جو میرے اور تیرے درمیان اور تیرے بعد تیری

نسل کے درمیان ہے اور جسے تم مانو گے سو یہ ہے کہ تم میں سے ہر سرزند
 نرینہ کا ختنہ کیا جائے۔۔۔۔۔ اور میرا عہد تمہارے جسم میں ابدی عہد ہوگا،
 اور وہ فرزند نرینہ جس کا ختنہ نہ ہوا ہو، اپنے لوگوں میں سے کاٹ ڈالا جائے،

کیونکہ اس نے میرا عہد توڑا۔“ (پیدائش، ۱: ۱۳)

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہے:

”اور آٹھویں دن لڑکے کا ختنہ کیا جائے“ (احبار ۱۲: ۳)

اور خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی ختنہ ہوا تھا، جس کی تصریح انجیل لوقا ۲: ۲۱ میں
 موجود ہے، اس کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام کا کوئی ارشاد ایسا منقول نہیں ہے
 جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ ختنہ کا حکم منسوخ ہو گیا ہے،

لیکن اس بارے میں پوٹس کا نظریہ معامد کرنے کے لئے اس کے خطوط کو دیکھتے،
 گلتیوں کے نام خط میں وہ لکھتا ہے:

”دیکھو میں پوٹس تم سے کہتا ہوں کہ اگر تم ختنہ کراؤ گے تو مسیح سے تم کو کچھ

فائدہ ہوگا۔“ (گلتیوں ۱۰: ۱)

اور آگے چل کر لکھتا ہے:

”کیونکہ نہ ختنہ کچھ چیز ہے، نہ نامحنتی، بلکہ نئے سرے سے مخلوق ہونا۔“ (۱۵: ۶)

۲۔ تاریخی شواہد

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام
 اور پوٹس کے نظریات میں کس قدر تضاد ہے، اور موجودہ عیسائی مذہب کے بنیادی عقائد
 و احکام حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم نہیں ہیں، بلکہ انھیں پوٹس نے وضع کیا ہے، تثلیث
 حلول و تجسم، کفارہ، تورات کی پابندی، عشاء ربانی اور نسخ ختنہ کے تمام نظریات کا بانی

وہی ہے،

گر صرف انہی شواہد کی بنیاد پر یہ کہا جائے کہ پولس ہی موجودہ عیسائیت کا بانی ہے، تو ہماری نگاہ میں یہ بات عین ترین تصاف ہے، لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں تاریخی شواہد بھی پیش کر دیے جائیں، جن کی روشنی میں یہ دعویٰ مزید واضح ہو جاتا ہے، اس کے لئے، ہمیں پولس کی سوانح جات کا مطالعہ کرنا پڑے گا، اگرچہ پولس کی سوانح حیات پر مستند مواد محدود ہے، تاہم کتاب اعمال، خود پولس کے خطوط اور ان پر مبنی وہ کتابیں جو عیسائی علماء نے لکھی ہیں اس دعوے کے بہت سے ثبوت ہتیا کرتی ہیں جنہیں ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں:

۱. عرب کا سفر | پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ پولس شروع میں یہودی تھا، بعد میں اس نے یسوع مسیح (علیہ السلام) پر ایمان لانے کا دعویٰ کیا تھا، اگر وہ واقعہ

حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیمات پر ایمان لایا تھا تو قاعدے کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اپنے اس نظریاتی انقلاب کے بعد زیادہ سے زیادہ وقت حضرت مسیح علیہ السلام کے ان شاگردوں اور حواریوں کے پاس گزارتا جنہوں نے براہ راست حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فیض حاصل کیا تھا، اور جو اس وقت دین عیسوی کے سب سے بڑے عالم تھے،

لیکن پولس کی سوانح حیات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے نظریاتی انقلاب کے فوراً بعد حواریوں کے پاس یرושلم نہیں گیا، بلکہ دمشق کے جنوبی علاقے میں چلا گیا، گلیتیوں کے نام خط میں وہ خود لکھتا ہے:

جس خدا نے مجھے میری ماں کے پیٹ ہی سے مخصوص کر لیا، اور اپنے فضل سے بلا لیا، جب اس کی یہ مرضی ہوئی کہ اپنے پیٹے کو مجھ میں ظاہر کرے تاکہ میں غیر قوموں میں اس کی خوشخبری دوں، تو نہ میں نے گوشت اور خون سے صلاح لی، اور نہ یرושلم میں اُن کے پاس گیا، جو مجھ سے پہلے رسول تھے، بلکہ فوراً عرب چلا گیا، پھر وہاں سے دمشق کو واپس آیا۔ (گلیتیوں ۱، ۱۵ تا ۱۷)

لہذا واضح رہے کہ یہاں عرب کے مراد دمشق کا جنوبی علاقہ ہے، جسے اس زمانے میں تو سقا عرب کہ دیا جاتا تھا (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ص ۳۸۹، ج ۱، مقالہ: پال)

عرب جانے کی وجہ کیا تھی؟ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار کی زبانی سنئے،
 ”جلد ہی اسے (یعنی پولس کو) اس ضرورت کا احساس ہوا کہ اُسے ایسی خاموشی
 اور پرسکون فضا میں رہنا چاہئے جہاں وہ اپنی نئی پوزیشن کے بارے میں کچھ
 سوچ سکے، چنانچہ وہ دمشق کے جنوبی علاقے میں کسی مقام پر چلا گیا،.....
 اس کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ وہ اپنے نئے تجربے کی روشنی میں
 شریعت کے مقام کی نئی تعبیر کرے۔“

اور مشہور عیسائی مورخ جیمس میک کنن اپنی فاضلانہ کتاب ”مسیح سے قسطنطین تک“
 میں لکھتے ہیں:-

”اپنے نظریاتی انقلاب کے بعد..... وہ عرب (نبطیہ) چلا گیا، جس کا مقصد
 بظاہر تبلیغ سے زیادہ یہ تھا کہ اپنے نئے عقیدے کے متضمنات پر غور کرے،
 اس کے تین سال بعد وہ یروشلم گیا، تاکہ یسوع مسیح کے بارے میں جو روایت
 تھی اس کے بارے میں مشورہ کرنے کے لئے پطرس اور خداوند کے بھائی
 یعقوب ملاقات کرے۔“

سوال یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر ایمان لانے کے بعد اس نے تین سال
 طویل عرصہ الگ تھلگ رہ کر کیوں گزارا؟ اور ان لوگوں سے اس دین کی معلومات حاصل
 کرنے کی کوشش کیوں نہ کی جنہوں نے براہ راست حضرت مسیح علیہ السلام سے فیض
 اٹھایا تھا؟ کیا اس کا صاف جواب ادھر کے دو اقتباسات میں یہ نہیں دیا گیا کہ دراصل
 وہ اپنی اس تبدیلی کے بعد وہ مذہب اور وہ تعلیمات اختیار کرنا نہیں چاہتا تھا جنہیں اب تک
 حضرت مسیح علیہ السلام کے حواری دین عیسوی قرار دیتے آئے تھے بلکہ وہ شریعت اور دین عیسوی کی (بقول برٹانیکا) ”نئی تعبیر“ کرنا چاہتا تھا۔

لے برٹانیکا، ص ۳۸۹، ج ۱، مقالہ، پائل،

Mackinnon, James, From Christ to Constantine, London, Longmans

green 1936 P. 91

اور اس مقصد کے لئے اسے خاموش اور پرسکون فضا میں غور و فکر کرنے کی ضرورت تھی اُسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصلی دین کے بجائے ایک نئے مذہب کی داغ بیل ڈالنی تھی، جس کے لئے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اسم گرامی استعمال کرنا چاہتا تھا، پوٹس کے ایک مشہور عیسائی سوانح نگار ایف، جے فوکس جیکسن پوٹس کے اس عمل کی تاویل اس طرح کرتے ہیں:

”پوٹس کو اس بات کا یقین تھا کہ خدا نے اسے کام کا ایک مخصوص میدان دیا ہے، اور کسی فانی شخص کو اس کے معاملات میں اس وقت تک دخل انداز نہ کرنی چاہیے جب تک کہ خدا کی روح خود اس کی رہنما بنی ہوئی ہے، اگر یہ بات ذہن میں ہے تو پوٹس کے اس طرز عمل کو سمجھنے میں مدد ملے گی کہ اس نے زندہ یسوع مسیح کو سمجھنے کے لئے پیش رو حواریوں سے تعلیم حاصل نہیں کی، اور اس سلسلے میں ان کا ممنون ہونے کے بجائے براہ راست خداوند سے رابطہ قائم رکھا۔“

لیکن ذرا غور فرمائیے کہ یہ بات کتنی غیر معقول ہے! آخر اس کی دلیل کیا ہو کہ پوٹس آن کی آن میں تقدس اور رسالت کے اس مقام بلند تک پہنچ جاتا ہے کہ اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کو سمجھنے کے لئے کسی حواری کی تعلیم کی ضرورت نہیں رہتی؟ اگر اس غیر معمولی طریقے سے وہ بعینہ ان تعلیمات کا اعلان کرتا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حواری اور ان کی انجیل کے ذریعہ ثابت ہیں، تب بھی کسی درجے میں یہ بات معقول ہو سکتی تھی، لیکن آپ سچے پڑھ چکے ہیں کہ وہ اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بتلاتے ہوئے عفتائے تصورات سے بالکل متضاد نظریات بیان کرتا ہے، ایسی صورت میں اس کی کوئی دلیل تو

J. Foakes Jackson, Life of St. Paul, London 1933 P 129

۱۵

۱۶ یہاں مسٹر جیکسن پوٹس کی اس عبارت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں: ”جو خوشخبری میں نے سنائی انسان کی سی نہیں، کیونکہ وہ مجھے انسان کی طرف سے نہیں پہنچی، اور نہ مجھے سکھائی گئی، بلکہ یسوع مسیح کی طرف مجھے اس کا مکاشفہ ہوا۔“ (گلتیوں ۱: ۱۱ و ۱۲)

ہونی چاہئے کہ اُسے براہِ راست خدا کی طرف سے ان عقائد کی تعلیم دی گئی ہے، اور اس تعلیم کے بعد دینِ عیسوی کی سابقہ تعبیر منسوخ ہو چکی ہے۔ جب ایسی کوئی دلیل آج تک کوئی نہ پیش کر سکا تو کیا یہ نرا دعویٰ اس لائق ہے کہ اس کی بنا پر دینِ عیسوی کی بالکل کاپیا پلٹ دی جائے !

پھر اگر حضرت عیسیٰ کے فوراً بعد انہی کی مرضی سے ایک ایسا "انقلابی رسول" آنے والا تھا، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کی آمد کے بارے میں کوئی ہدایت کیوں نہیں دی ؟ بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ نے (بقول نصاریٰ) عیدِ سینٹی کو سٹ کے موقع پر نزولِ روح القدس کی خبر دی تھی، حالانکہ وہ کوئی انقلابی واقعہ نہ تھا، مگر پوٹس کے رسول بن کر آنے کی کوئی خبر آپ نے نہیں دی،

پوٹس کے ساتھ حواریوں کا طرزِ عمل

اس پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ اگر پوٹس کا یہ دعویٰ غلط تھا، اور وہ دینِ عیسوی کی پیروی کرنے کے بجائے اس کی تحریف کر رہا تھا، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے اس کے ساتھ تعاون کیوں کیا ؟

اس سوال کے جواب کے لئے قدرے تفصیل کی ضرورت ہے، ہماری تحقیق یہ ہے کہ پوٹس نے حواریوں کے سامنے آتے ہی فوراً اپنے انقلابی نظریات پیش نہیں کئے تھے، بلکہ وہ شروع میں دینِ عیسوی کے ایک سچے پیرو کی شکل میں ان کے سامنے آیا تھا، اس لئے حواریوں نے اس کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا، لیکن جب رفتہ رفتہ اس نے عیسوی عقائد میں ترمیم شروع کی، اور اس کے بنیادی تصورات پر ضربیں لگائیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری اس سے اختلاف کر کے قطعی طور پر الگ ہو گئے،

افسوس یہ ہے کہ اس وقت ہمارے پاس اُس زمانے کے حالات معلوم کرنے کے ضر

دو ذریعے ہیں، ایک خود پوتس کے خطوط، دوسرے اس کے شاگرد لوقا کی کتاب اعمال، اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں پوتس اثرات کے حامل ہونے کی وجہ سے تحقیق حال کے لئے بہت مخدوش ہیں، تاہم ان دونوں ذرائع سے اور بعض دوسرے تاریخی شواہد سے یہ پتہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ آخر میں پوتس اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے درمیان شدید اور سنگین اختلافات رونما ہو گئے تھے،

چونکہ اس پہلو سے اس سے قبل بہت کم غور کیا گیا ہے، اس لئے ہم یہاں مختلف حواریوں کے ساتھ پوتس کے تعلقات کا کسی قدر تفصیل سے جائزہ لیں گے، تاکہ حقیقت کھل کر سامنے آ سکے،

پوتس اور برنباس

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ حواریوں میں سے جو صاحب پوتس کے نظریاتی انقلاب کے بعد سب سے پہلے اُن سے ملے، اور جو ایک طویل عرصے تک پوتس کے ساتھ رہے وہ برنباس ہیں، حواریوں میں ان کا مقام کیا تھا؟ اس کا اندازہ کتاب اعمال کی اس عبارت سے ہو گا

”اور یوسف نامی ایک لادی تھا، جس کا لقب رسولوں نے برنباس یعنی نصیحت کا بیٹا رکھا تھا، اور جس کی پیدائش کپرس کی تھی، اس کا ایک کھیت تھا جسے اُس نے بیچا اور قیمت لاکر رسولوں کے پاؤں میں رکھ دی“ (اعمال ۴: ۳۶)۔

اور یہ برنباس ہی تھے جنہوں نے تمام حواریوں کے سامنے پوتس کی تصدیق کی، اور انہیں بتایا کہ یہ فی الواقعہ تھا راہم مذہب ہو چکا ہے، ورنہ ابھی تک حواریوں کو اس بات کا یقین نہ تھا، لوقا لکھتے ہیں:

”اور سب اس سے (پوتس سے) ڈرتے تھے، کیونکہ ان کو یقین نہ آتا تھا کہ یہ شاگرد ہے، مگر برنباس نے اسے اپنے ساتھ رسولوں کے پاس لے جا کر اُن سے بیان کیا کہ اس نے اُس طرح راہ میں خداوند کو دیکھا، اور اس نے

اس سے باتیں کیں، اور اس نے دمشق میں کیسی دلیری کے ساتھ یسوع کے

نام سے منادی کی“ (اعمال ۹: ۲۶، ۲۷)

اس کے بعد ہمیں کتاب اعمال ہی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پوتس اور برناباس عرصہ دراز تک ایک دوسرے کے ہم سفر رہے، اور انھوں نے ایک ساتھ تبلیغ عیسائیت کا فریضہ انجام دیا، (دیکھئے اعمال ۱۱: ۳۰ و ۱۲: ۲۵ و ابواب ۱۳ و ۱۴ و ۱۵) یہاں تک کہ دوسرے حواریوں نے ان دونوں کے بارے میں یہ شہادت دی کہ:

”یہ دونوں ایسے آدمی ہیں کہ جنھوں نے اپنی جانیں ہمارے خداوند یسوع مسیح کے نام پر نثار کر رکھی ہیں“ (اعمال ۱۵: ۲۶)

اعمال کے پندرہویں باب تک برناباس اور پوتس ہر معاملے میں شکر و شکر نظر آتے ہیں، لیکن اس کے بعد اچانک ایک ایسا واقعہ پیش آتا ہے جو بطور خاص توجہ کا مستحق ہے، اتنے عرصہ تک ساتھ رہنے اور دعوت و تبلیغ میں اشتراک کے بعد اچانک دونوں میں اس قدر شدید اختلاف پیدا ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ رہنے کا ارادہ نہیں رہتا یہ واقعہ کتاب اعمال میں کچھ اس ناگہانی طور سے بیان کیا گیا ہے کہ قاری کو پہلے سے اس کا وہم گمان بھی نہیں ہوتا، لہذا لکھتے ہیں:

”مگر پوتس اور برناباس انطاکیہ ہی میں رہے، اور بہت سے اور لوگوں کے ساتھ خداوند کا کلام سکھاتے اور اس کی منادی کرتے رہے، چند روز بعد پوتس نے برناباس سے کہا کہ جن جن شہروں میں ہم نے خدا کا کلام سنایا تھا آؤ پھر ان میں چل کر بھائیوں کو دیکھیں کہ کیسے ہیں؟ اور برناباس کی صلاح تھی کہ یہ حقاً جو مرقس کہلاتا ہے اپنے ساتھ لے چلیں، مگر پوتس نے یہ مناسب نہ جانا کہ جو شخص پمفولیہ میں کنارہ کر کے اس کام کے لئے اُن کے ساتھ نہ گیا تھا اس کو ہمراہ لے چلیں، پس ان میں ایسی سخت تکرار ہوئی کہ ایک دوسرے سے جدا ہو گئے، اور برناباس مرقس کو لے کر جہاز پر کپرس کو روانہ ہوا، مگر پوتس نے سیلاس کو پسند کیا، اور بھائیوں کی طرح

سے خداوند کے فضل کے سپرد ہو کر روانہ ہوا، اور کلیسیاؤں کو مضبوط کرتا

ہوا سواریہ اور کلکیہ سے گزرا (۱۵: ۳۵ تا ۴۱)

کتاب اعمال میں بظاہر اس شدید اختلاف کی وجہ صرف یہ بیان کی گئی ہے کہ برنباس یوحنا مرقس کو ساتھ لے جانا چاہتا تھا، اور پولس اس سے انکار کرتا تھا، لیکن ہماری رائے میں اس شدید اختلاف کا سبب صرف اتنی معمولی سی بات نہیں ہو سکتی، بلکہ دونوں کی یہ دائمی جدائی یقیناً کچھ بنیادی اختلافات کی بناء پر عمل میں آئی تھی، اس بات کے شواہد مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) لوقا نے کتاب اعمال میں ان کے ”اختلاف“ اور ”جدائی“ کو بیان کرنے کے لئے جویونانی الفاظ استعمال کئے ہیں، وہ غیر معمولی طور پر سخت ہیں، مسٹراسی، ایم، بلیک لاک اپنی کتاب اعمال کی شرح میں لکھتے ہیں:

”اب لوقا ایمانداری کے ساتھ دونوں رفقاء (پولس اور برنباس) کے درمیان واقع ہونے والے اختلاف کی المناک کہانی لکھتا ہے، جو لفظ

اس نے استعمال کیا ہے یعنی Paraxusmus وہ بڑا

سخت لفظ ہے، اور انگریزی مترجم (کننگ جیمز ورژن) نے اس لفظ کے

ترجمے میں لفظ (تیز سخت) کا اضافہ بالکل درست

کیا ہے، — پولس اور برنباس ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں“

— یہاں پھر جدائی کے لئے یونانی زبان کا ایک ایسا لفظ استعمال

کیا گیا ہے جو بڑا سخت ہے، اور عام طور سے استعمال نہیں کیا جاتا، یہ

لفظ عہد نامہ جدید میں یہاں کے علاوہ صرف مکاشفہ ۶: ۱۴ میں ملتا ہے،

جہاں آسمانوں کے تباہ ہو کر جدا ہونے کا ذکر ہے“

کیا اتنا شدید اختلاف جس کے لئے ایسے غیر معمولی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں صرف اس بنا پر پیدا ہو سکتا ہے کہ ایک شخص یوحنا مرقس کو رفیق سفر بنانا چاہتا ہے اور دوسرا سیلاس کو؟۔۔۔ اس قسم کے اختلافات کا پیدا ہو جانا کوئی بعید از قیاس نہیں، لیکن اس کی بنا پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دیرینہ رفاقتوں کو خیر باد نہیں کہا جاتا، بالخصوص جب کہ یہ رفاقت اُس مقصد کے لئے ہو جس کے تقدس اور پاکیزگی پر دونوں متفق ہوں، اس موقع پر پوتس کے بعض معتقدین گناہ برنباس کو مورد الزام قرار دیتے ہیں، کہ اس نے اپنے ایک رشتہ دار (یوحنا مرقس) کو ساتھ لے جانے کی خواہش پر تبلیغی مقاصد اور پوتس کی رفاقت کو تشر بان کر دیا، لیکن وہ پوتس کی محبت میں اس بات کو نظر انداز کر جاتے ہیں کہ دونوں کی جدائی کی یہ وجہ لوقا نے بیان کی ہے جو پوتس کا شاگرد ہے، مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ برنباس جو خود بقول ان کے ”کھلیسا کے ابتدائی دور میں اہم ترین شخصیتوں میں سے ایک تھا“ اور جس نے تبلیغ و دعوت کے مقاصد کے لئے اپنی ساری پونجی لمٹادی تھی (اعمال ۱۹، ۲۰، ۲۱) کیا وہ محض اپنے ایک رشتہ دار کی وجہ سے تبلیغ کے اہم ترین مقاصد کو تشر بان کر سکتا تھا؟ سیدھی بات یہ کیوں نہیں کہی جاتی کہ برنباس اور پوتس کا یہ اختلاف نظریاتی تھا، اور جب برنباس نے یہ دیکھا کہ پوتس دین عیسوی کے بنیادی عقائد میں ترمیم کر رہا ہے تو وہ اس کی رفاقت سے الگ ہو گئے۔ اور پوتس کے شاگرد لوقا نے اس اختلاف کی ایسی توجیہ بیان کی جس کی رُو سے اگر کوئی الزام عائد ہو تو برنباس پر عائد ہو، اور پوتس اس الزام سے بچ جاتے؟

(۲) پھر لطف کی بات یہ ہو کہ بعد میں پوتس یوحنا مرقس کی رفاقت کو گوارا کر لیتا ہے چنانچہ تیمتھیس کے نام اپنے دوسرے خط میں وہ لکھتا ہے:

Leewenich, Paul, His Life And Work, trans. by G. E. Harris, London 1960 P. 74

Ibid P. 50

ترقس کو ساتھ لے کر آجا، کیونکہ خدمت کے لئے وہ میرے کام کا ہے ۴

(۲۔ تیمتھیس ۱۱: ۴)

اسی طرح افسیوں کے نام خط میں وہ لکھتا ہے:

”ارسترخس جو میرے ساتھ قید ہے تم کو سلام کہتا ہے، اور برنباس کا رشتہ کا بھائی مرقس (جس کی بابت تمہیں حکم ملے تھے، اگر وہ تمہارے پاس آئے تو اس سے اچھی طرح ملنا) (افسیوں ۱۰: ۴)

اس سے معلوم ہوا کہ مرقس اور پولس کا اختلاف بہت زیادہ اہمیت کا حامل نہیں تھا، اس لئے پولس نے بعد میں اس کی رفاقت کو گوارا کر لیا، لیکن پولس نے عہد نامہ جدید یا تاریخ کی کسی اور کتاب میں کہیں نہیں ملتا کہ بعد میں برنباس کے ساتھ بھی پولس کے تعلقات درست ہو گئے تھے، سوال یہ ہے کہ اگر جھگڑے کی بنا مرقس ہی تھا تو اس کے ساتھ پولس کی رضامندی کے بعد برنباس اور پولس کی دوستی کیوں ہموار نہ ہوتی؟

(۳) جب ہم خود پولس کے خطوط میں برنباس سے اس کی ناراضی کے اسباب تلاش کرتے ہیں تو ہمیں کہیں یہ نہیں ملتا کہ اس کا سبب یوحنا مرقس تھا، اس کے برخلاف ہمیں ایک جملہ ایسا ملتا ہے جس سے دونوں کے اختلاف کے اصل سبب پر کسی قدر روشنی پڑتی ہے، گلیٹیوں کے نام اپنے خط میں پولس لکھتا ہے:

”لیکن جب کیفار (یعنی پطرس)، انطاکیہ میں آیا، تو میں نے روبرو ہو کر اس کی مخالفت کی، کیونکہ وہ ملامت کے لائق تھا، اس لئے کہ یعقوب کی طرف سے چند شخصوں کے آنے سے پہلے تو وہ غیر قوم والوں کے ساتھ کھایا کرتا تھا، مگر جب وہ آگے تو مختلفوں سے ڈر کر باز رہا اور کنارہ کیا، اور باقی یہودیوں نے بھی اس کے ساتھ ہو کر ریاکاری کی، یہاں تک کہ برنباس بھی اُن کے ساتھ ریاکاری میں پڑ گیا۔“ (گلیٹیوں ۲: ۱۱ تا ۱۳)

۱۔ اس کے بعد صرف ایک جگہ (کرنھیوں ۹: ۶) پولس اس کا ذکر بغیر کسی برائی کے کرتا ہے، اور اس مگر اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں آپس میں ملے نہیں، م

اس عبارت میں دراصل پولس اس اختلاف کو ذکر کر رہا ہے جو حضرت مسیح کے عروج آسمانی کے کچھ عرصہ کے بعد یروشلم اور انطاکیہ کے عیسائیوں میں پیش آیا تھا، یروشلم کے اکثر لوگ پہلے یہودی تھے، اور انھوں نے بعد میں عیسائی مذہب قبول کیا تھا، اور انطاکیہ کے اکثر لوگ پہلے بت پرست یا آتش پرست تھے، اور حواریوں کی تعلیم و تبلیغ سے عیسائی ہو گئے تھے، پہلی قسم کو بائبل میں ”یہودی مسیحی“ (Jewish Christian) اور دوسری قسم کو غیر قوم کے لوگ (Gentile Christians) کہا گیا ہے، یہودی مسیحیوں کا کہنا یہ تھا کہ غلتہ کرانا اور موسوی شریعت کے تمام احکام پر عمل کرنا ضروری ہے، اسی لئے انھیں ”مختون“ بھی کہا جاتا ہے، اور غیر قوموں کا کہنا یہ تھا کہ ”غلتہ“ وغیرہ ضروری نہیں، اس کے علاوہ یہودی مسیحی چونکہ بت پرستوں اور آتش پرستوں کے ذبیحہ کو حلال نہ سمجھتے تھے، اس لئے وہ ان کے ساتھ کھانا اور اٹھنا بیٹھنا پسند نہ کرتے تھے، پولس اس معاملے میں سو فی صد غیر قوموں کا حامی بلکہ ان کے اس نظریے کا بانی تھا، اُس نے غیر قوموں کو اپنا ہم خیال بنانے کے لئے ہی یہ تمام کوششیں کی تھیں،

ادھر ہم نے گلیتیوں کے نام خط کی جو عبارت پیش کی ہے اس میں پولس نے پطرس اور برنباس پر اسی لئے ملامت کی ہے، کہ انھوں نے انطاکیہ میں رہتے ہوئے مختونوں کا ساتھ دیا، اور پولس کے ان نئے مریدوں سے علیحدگی اختیار کی جو غلتہ اور موسوی شریعت کے قائل نہ تھے، چنانچہ اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے پادری جے پیٹر سن اسٹمٹھ لکھتے ہیں:

”پطرس اس اجنبی شہر (انطاکیہ) میں زیادہ تر ان لوگوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہو جو یروشلم سے آئے تھے، اور جو اس کے پرانے ملاقاتی تھے، لہذا بہت جلد وہ ان کا ہم خیال ہونے لگتا ہے، دوسرے مسیحی یہودی پطرس سے متاثر ہوتے ہیں، یہاں تک کہ برنباس بھی غیر قوم مریدوں سے علیحدگی اختیار کرنے لگتا ہے، اس قسم کے سلوک کو دیکھ کر ان نو مریدوں کی دل شکنی ہوتی ہے جہاں تک ممکن ہے پولس اس بات کی برداشت کرتا ہے، مگر بہت جلد وہ اس کا مقابلہ کرتا ہے، گویا یہاں کرنے میں اسے اپنے ساتھیوں کی

مخالفت کرنی پڑتی ہے۔“

واضح رہے کہ یہ واقعہ برنباؤس اور پولس کی جدائی سے چند ہی دن پہلے کا ہے، اس لئے کہ الطاکبہ میں پولس کی آمد یرושلم میں حواریوں کے اجتماع کے کچھ ہی بعد ہوتی ہے، اور حواریوں کے اجتماع اور برنباؤس کی جدائی میں زیادہ فاصلہ نہیں ہے، لہذا قائلے دونوں واقعات کتاب اعمال کے باب ۱۵ ہی میں بیان کئے ہیں،

لہذا یہ بات انتہائی طور پر ترسین قیاس ہے کہ پولس اور برنباؤس کی وہ جدائی جس کا ذکر لوقا نے غیر معمولی طور پر سخت الفاظ میں کیا ہے، یوحنا مرقس کی ہمسفری سے زیادہ اس بنیادی اور نظریاتی اختلاف کا نتیجہ تھی، پولس اپنے مریدوں کے لئے تختہ اور موسوی شریعت کے احکام کو ضروری نہیں سمجھتا تھا، اور برنباؤس ان احکام کو پس پشت ڈالنے کے لئے تیار نہ تھے جو بائبل میں انتہائی تاکید کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں، اور ان میں نسخ کا احتمال نظر نہیں آتا، چنانچہ اس بات کو پادری جے پیٹر سن اسمتھ بھی محسوس کرتے ہیں کہ پولس اور برنباؤس کی جدائی کا سبب صرف مرقس نہ تھا، بلکہ اس کے پس پشت نظریاتی اختلاف بھی کام کر رہا تھا، وہ لکھتے ہیں:

”برنباؤس اور پولس نے جو کہ بڑے عالی حوصلہ شخص تھے، ضرور اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا ہوگا، اور یوں وہ دقت دور ہو جاتی ہے، لیکن باوجود اس کے یہ احتمال ضرور گزرتا ہے، کہ ان کے درمیان کچھ نہ کچھ رنجش رہ جاتی ہے،

جو بعد میں ظاہر ہوتی ہے۔“ (حیات و خطوط پولس ص ۸۹ و ۹۰)

گویا مسٹر اسمتھ نے یہ تسلیم کر لیا کہ بعد میں پولس اور برنباؤس کی جو جدائی ہوئی تھی اس میں نظریاتی اختلاف کا دخل تھا،

یروشلم کونسل | البتہ یہاں ایک اعتراض ہو سکتا ہے، اور وہ یہ کہ کتاب اعمال کے پندرہویں باب میں بیان کیا گیا ہے کہ تمام مقتدر حواریوں نے یروشلم میں جمع ہو کر باہمی مشورہ کے بعد یہ طے کر لیا تھا کہ غیر قوموں کو صرف حضرت مسیح علیہ السلام

پرایمان لانے کی دعوت دی جائے، اور انھیں موسوی شریعت کے احکام کا پابند نہ بنایا جائے، اس فیصلے میں پولس کے علاوہ پطرس، برنباس اور یعقوب بھی شریک تھے، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ پطرس اور برنباس اس بناء پر پولس سے اختلاف کریں کہ وہ غیر قوموں کے لئے تورات کے احکام ختمہ وغیرہ کو واجب العمل قرار نہیں دیتا تھا، اگر پطرس اور برنباس کا مسلک پولس کے خلاف یہ ہوتا کہ غیر قوموں کے لئے بھی تورات کے احکام واجب العمل ہیں، تو وہ یروشلم کے اجتماع میں وہ فتویٰ صادر نہ کرتے، جن میں غیر قوموں کو تورات کے احکام سے مستثنیٰ رکھا گیا تھا،

یہ اعتراض بظاہر روزی معلوم ہوتا ہے، لیکن اگر نظر غائر کے ساتھ بالتفصیل اس ماحول کا جائزہ لیا جائے جس میں یروشلم کی کونسل منعقد ہوئی تھی، اور جس میں پولس اور برنباس کی جدائی عمل میں آئی تھی تو یہ اعتراض خود بخود رفع ہو جاتا ہے،

اس سلسلے میں ہماری تحقیق یہ ہے کہ یروشلم کے مقام پر حواریوں نے جو غیر قوموں کو تورات کے اکثر احکام سے مستثنیٰ قرار دیا تھا، اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان احکام سے مستثنیٰ رہیں گے، اور یہ احکام ان پر ہمیشہ سے واجب ہی نہیں ہیں، بلکہ اس زمانے کے حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ غیر قوموں کے لئے تورات کے بعض حبسزدی اور فروعی احکام مثلاً ختمہ وغیرہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پرایمان لانے کے لئے مانع بن رہے تھے، اور وہ اس ڈر سے دین عیسوی پرایمان نہیں لائے تھے کہ یہیں ان حبسزدی احکام پر عمل کرنا پڑے گا، بعض کم علم افراد نے انھیں یہ سمجھا دیا تھا کہ اخروسی نجات کے لئے جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام پرایمان لانا ضروری ہے، اسی طرح ختمہ کرنا اور تورات کی تمام موسوی رسموں پر عمل کرنا بھی لازمی ہے، اور اگر ان پر عمل نہ کیا جائے گا تو وہ نجات نہیں پاسکیں گے، چنانچہ لوقا لکھتے ہیں:

”پھر بعض لوگ یہودیہ سے آکر بھائیوں کو تعلیم دینے لگے، کہ اگر موسیٰ کی

رسم کے موافق تھا تو ختمہ نہ ہو تو تم نجات نہیں پاسکتے“ (اعمال ۱۱۵)

ظاہر ہے کہ یہ تعلیم غلط تھی، ختمہ وغیرہ کے حبسزدی احکام اگرچہ دین موسوی اور دین عیسوی

میں واجب تھے، لیکن وہ کفر اور ایمان کا مدار نہیں تھے، اور نہ انھیں مدارِ نجات قرار دیا جاسکتا تھا۔ آپ غور فرمائیے کہ اگر کوئی غیر مسلم محض اس بنا پر اسلام قبول کرنے سے انکار کرے کہ اسے ختنہ کرائی پڑے گی، تو مسلمان علماء کا رویہ کیا ہوگا؟ کیا وہ محض ختنہ نہ کرانے کی وجہ سے اس بات کو گوارا کر لیں گے کہ وہ شخص دین اسلام سے یکسر محروم ہو جائے؟ ظاہر ہے کہ نہیں، ایسے مواقع پر اس غیر مسلم سے یہی کہا جائے گا کہ ختنہ کا حکم ضروری نہیں، مگر مدارِ نجات نہیں ہے، اس لئے تم اسلام کے بنیادی عقائد و احکام کو اختیار کر لو، اور اس کے لئے ہم تم سے ختنہ کرائے کی شرط نہیں لگاتے، اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ختنہ کے حکم کو غیر مسلموں کے لئے منسوخ کر دیا گیا ہے، بلکہ مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ "اَهْوَنُ الْبَلِيَّتَيْنِ" minor evil

کو اختیار کرتے ہوئے غیر مسلموں کو کفر سے بچالیا جائے،

بس یہی طرزِ عمل حواریوں نے اختیار کیا تھا، اور جب اس مسئلے پر یرِ دِشلم کی مجلسِ مشارت منعقد ہوئی تو بالاتفاق یہ طے کیا گیا کہ اگر غیر قومی ختنہ وغیرہ کے احکام کو اپنے لئے ناقابلِ برداشت سمجھتی ہیں، تو انھیں اجازت دی جائے کہ وہ ان احکام پر عمل کئے بغیر بھی دین عیسوی کے بنیادی عقائد پر ایمان لا کر اس دین میں داخل ہو جائیں،

ہم نے حواریوں کے طرزِ عمل کی جو تشریح کی ہے وہ جنابِ پطرس کی اس تقریر پر بھی بخوبی واضح ہوتی ہے جو انھوں نے یرِ دِشلم کے اجتماع میں کی تھی، انھوں نے کہا تھا: پس اب تم شاگردوں کی گردن پر ایسا جوار کھ کر جس کو نہ ہمارے باپ ادا اٹھا سکتے تھے نہ ہم، خدا کو کیوں آزماتے ہو؟ حالانکہ ہم کو یقین ہے کہ جس طرح وہ خداوندِ یسوع کے فضل ہی سے نجات پائیں گے اسی طرح ہم بھی پائیں گے۔ (اعمال ۱۵: ۱۰-۱۱)

کیا اس کا صاف مطلب یہ نہیں ہے کہ تو رات کے بعض شرعی احکام تو اتنے سخت ہیں کہ ان پر خود ہم اور ہمارے آباء و اجداد پوری طرح عمل نہیں کر سکے، لہذا اگر اس کے باوجود ہم مومن اور نجات کے امیدوار ہیں، تو غیر قومی بعض شرعی احکام کو چھوڑ کر مومن اور نجات کی امیدوار.....

کیوں نہ بن سکیں گی؟

یہاں یہ بات بھی واضح رہنی چاہئے کہ یروشلیم کونسل کا موضوع بحث یہ نہیں تھا کہ ”تورات کے احکام غیر قوموں کے لئے واجب ہیں یا نہیں؟“ بلکہ موضوع بحث یہ تھا کہ ”تورات کے احکام کا غیر قوموں کو حکم دیا جائے یا نہیں؟“ ہماری تحقیق یہ ہے کہ جہاں تک احکام تورات کے فی نفسہ واجب ہونے کا تعلق ہے اس کے بارے میں حواریوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں تھا، سب مانتے تھے کہ یہ احکام فی نفسہ واجب ہیں، گفتگو اس میں تھی کہ جب یہ بات تجربے میں آچکی ہے کہ غیر قومیں ان فروعی احکام کے نام سے بدکتی ہیں تو انہیں صرف بنیادی عقائد کی دعوت دینے پر اکتفاء کیوں نہ کیا جائے؟ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ اس بات کے قائل تھے کہ غیر قوموں کو تورات کا پابند بنایا جائے، ان کا حال بیان کرتے ہوئے لوقا نے لکھا ہے کہ:

”مگر فریسیوں کے فرقہ میں سے جو ایمان لائے تھے ان میں سے بعض نے

اٹھ کر کہا کہ ان کا (غیر قوموں کا) ختنہ کرانا اور ان کو موسیٰ کی شریعت

پر عمل کرنے کا حکم دینا ضرور ہے“ (اعمال ۱۵: ۵)

اور اس کے جواب میں جب یعقوب نے اپنا فیصلہ صادر کیا تو انہوں نے کہا کہ:

”پس میرا فیصلہ یہ ہے کہ جو غیر قوموں میں سے خدا کی طرف رجوع ہوتے ہیں

ہم ان کو تکلیف نہ دیں، مگر ان کو لکھ بھیجیں کہ بتوں کی مکروہات اور حرام کام

اور گلا گھونٹے ہوتے جانوروں اور ہوسے پرہیز کریں“ (اعمال ۱۵: ۱۹ تا ۲۱)

اور اس کونسل نے اجتماعی طور پر غیر قوموں کے نام جو خط لکھا اس میں کہا گیا کہ:

”لہٰذا اگر پطرس کا مقصد یہ ہوتا کہ غیر قوموں کے لئے تورات کے احکام کو قطعی طور پر منسوخ کر دیں،

تو ہونا یہ چاہئے تھا کہ یہ احکام یہودی مسیحیوں کے لئے بھی منسوخ کر دیئے جاتیں، کیونکہ پطرس نے

جس طرح ان احکام کو غیر قوموں کے لئے ناقابل برداشت قرار دیا ہے، اسی طرح اپنے لئے بھی

ناقابل برداشت کہا ہے، تقی

”ہم نے مناسب جانا کہ ان ضروری باتوں کے سوا تم پر اور بوجھ نہ ڈالیں،
کہ تم بتوں کی فتر بانیوں کے گوشت سے اور لہو اور گلا گھونٹے ہوئے
جانوروں اور حرام کاری سے پرہیز کرو، اگر تم ان چیزوں سے اپنے آپ کو
بچائے رکھو گے تو سلامت رہو گے، والسلام“ (اعمال ۱۵: ۲۸ و ۲۹)

ان تمام عبارتوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حواریوں نے تورات کے احکام کو
قطعی طور پر منسوخ نہیں کیا تھا، بلکہ ایک اہم مصلحت کی وجہ سے غیر قوموں کو ان کے
بغیر دین عیسوی میں داخل ہونے کی اجازت دی تھی، پادری، جی، ٹی میتلی صراحت کے
ساتھ لکھتے ہیں:

”والپسی پرائیویٹ برتھس اور پوتس کو یہ معلوم ہوا کہ آجکل اس سوال
پر خوب مباحثہ ہو رہا ہے کہ غیر یہودیوں کو کن شرائط پر کلیسیا میں
پورے طور پر شریک کیا جاسکتا ہے، (۱: ۱۵)

انطاکیہ میں یہ رواج تھا، اور پوتس اور برتھس نے اپنے بشارتی سفروں
میں اسی اصول کی تقلید کی، اور غیر یہودیوں کو بھی یہودیوں کی طرح کلیسیا
کی شراکت اور رفاقت میں شریک کر لیا جاتا تھا، اور ان کے لئے حقنہ
کی کوئی قید نہ تھی، (جیسا کہ یہودی مریدوں میں ہوا کرتی تھی) اور نہ ہی ان میں
موسوی شریعت کی رسوم کا پابند ہونا پڑتا تھا، لیکن یروشلیم کی کلیسیا کے
زیادہ کٹر یہودی مسیحی اس بات پر مصرعے تھے کہ یہ شرائط ان پر ضرور عائد کی
جائیں، پس یروشلیم کی کونسل میں انطاکیہ کے مندوبین بھیجے گئے، پوتس اور
برتھس ان کے پیشوا تھے، اس کونسل میں یہ فیصلہ ہوا کہ ایسی کوئی شرط
غیر یہودی نو مریدوں پر عائد نہ کی جائے، لیکن یہودی اور عبرانی مسیحیوں
میں راہ دربط پیدا کرنے اور ایک ساتھ کھانے پینے کے لئے بات
ضروری قرار دی گئی کہ غیر یہودی مسیحی بتوں کی فتر بانیوں کے گوشت
سے اور لہو اور گلا گھونٹے ہوئے جانوروں اور حرام کاری سے پرہیز کریں

اور کہ وہ موسوی شریعت کے اعلیٰ اخلاقی معیار پر کاربند رہیں^{۱۵}۔

اس عبارت اور بالخصوص اس کے خط کشیدہ جملوں سے بھی یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ حواریوں کا مقصد یہ نہیں تھا کہ ان احکام کو غیر یہودی مسیحیوں کے لئے یکسر منسوخ کر دیں، بلکہ مقصد یہ تھا کہ ان کے دین عیسوی میں داخل ہونے کے لئے ایسی کوئی شرط عائد نہ کی جائے،

یہ تھا حواریوں کا اصل موقف، جس کا اعلان یروشلیم کونسل میں کیا گیا تھا، لیکن اس کے بعد جب برنباس اور پطرس انطاکیہ پہنچے، تو پطرس نے حواریوں کے اس اعلان سے غلط فائدہ اٹھایا، اور یہ تعلیم دینی شروع کر دی کہ تو رات کے تمام احکام قطعی طور پر منسوخ ہو چکے ہیں، اس کے احکام ایک لعنت تھے، جس سے اب ہم چھوٹ گئے ہیں، اور اب ان پر عمل کرنے کی کوئی حاجت نہیں رہی،

ظاہر ہے کہ پطرس کے اس دعوے کو قبول کرنا گویا دین عیسوی کو بالکل تلیٹ کر ڈالنا تھا، اس لئے اس موقع پر پطرس اور برنباس نے پطرس کی مخالفت کی جس کا ذکر خود پطرس نے اس طرح کیا ہے کہ:

”لیکن جب کیفار (یعنی پطرس) انطاکیہ میں آیا تو میں نے رد برد ہو کر اس کی مخالفت کی، کیونکہ وہ ملائت کے لائق تھا، اس لئے کہ یعقوب کی طرف سے چند شخصوں کے آنے سے پہلے تو وہ غیر قوم والوں کے ساتھ کھایا کرتا تھا، مگر جب وہ آگئے تو مختونوں سے ڈر کر باز رہا اور کنارہ کیا اور باقی یہودیوں نے بھی اس کے ساتھ ہو کر ریاکاری کی، یہاں تک کہ برنباس بھی ان کے ساتھ ریاکاری میں پڑ گیا“ (گلتیوں ۱۲: ۱۱-۱۳)

۱۵ جی، ٹی مینلی: ہماری کتب مقدسہ، مترجمہ، ایس، امام الدین دمسز کے، ایل ناصری ص ۲۵
مطبوعہ مسیحی اشاعت خانہ فیروز پور رڈ، لاہور،

اور اسی واقعہ کے متصل بعد برنباس نے پوٹس سے ناراض ہو کر اس سے جدائی اختیار کر لی تھی (اعمال ۱۵: ۳۵ تا ۴۱)

گلیٹیوں کے نام خط | معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اس مرحلے پر پطرس اور برنباس نے جو پوٹس کی مخالفت کی تھی اس کی وجہ سے اصلی عیسائیوں کا

ایک بڑا طبقہ پوٹس سے برگشتہ ہو گیا تھا، یہاں تک کہ گلیٹیہ کا علاقہ جو تمام تر غیر قوموں کا مسکن تھا وہاں بھی اس کی وجہ سے شورش پیدا ہو گئی تھی جس کی بنا پر گلیٹیہ کے لوگ پوٹس کی طرف سے بدظن ہونے لگے تھے، اسی لئے اس نے انطاکیہ میں بیٹھ کر گلیٹیوں کے نام ایک خط لکھا جس میں نہایت شد و مد کے ساتھ ان لوگوں کی مخالفت کی گئی جو غیر قوموں کے لئے شریعت کو کسی بھی درجے میں واجب العمل سمجھتے تھے، یہ خط متعدد دوجہ سے پوٹس کے دوسرے خطوط کی بہ نسبت ممتاز درجہ رکھتا ہے، ایک تو اس لئے کہ یہ پوٹس کے چودہ خطوط میں تاریخی اعتبار سے پہلا خط ہے، دوسرے اس لئے کہ یہ وہ پہلا موقع ہے جس میں اس نے خوب کھل کر اپنے نظریات کا اعلان کیا ہے، اس سے قبل اتنی وضاحت کے ساتھ اس نے اپنے نظریات بیان نہیں کئے، تیسرے اس لئے کہ وہ اس خط کے اندر بڑے جلال میں نظر آتا ہے، اور بار بار اپنے مخالفوں کو ملعون قرار دیتا ہے، چوتھے اس لئے کہ اسی خط میں اس نے پہلی بار یہ وضاحت کی ہے کہ مجھے دین عیسوی کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے کسی حواری کے واسطے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ مجھے براہ راست بذریعہ وحی علم حاصل ہوا ہے،

پوٹس کی اصل حقیقت کو معلوم کرنے کے لئے اس خط کا مطالعہ بہت ضروری ہے اس لئے ہم ذیل میں اس خط سے متعلق چند اہم باتیں پیش کرتے ہیں، اس خط کا پس منظر جی، ٹی مینٹی نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

آس زبردست خط کے لکھنے کی وجہ یہ تھی کہ بعض یہودی مائل مسیحیوں نے اس انجیل پر حملہ کیا تھا جو پوٹس نے گلیٹیہ کی کلیسیاؤں کو پہنچائی تھی،

۱۵ عبارت کے لئے دیکھئے، مقدمہ، براص ۱۴۱ و ۱۴۲

۱۶ واضح رہے کہ عیسائیوں کے کلام میں انجیل سے مراد تبلیغ دین یا مذہبی نظام ہوتا ہے،

ان جھوٹے استادوں کی تعلیم یہ تھی کہ جس انجیل کی پوئس منادی کرتا ہے، وہ مسیحی زندگی میں صرف پہلا قدم ہے، نو مرید مسیحیوں کے لئے پوری برکت حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ موسوی شریعت پر عمل کریں (۳:۳)۔ وہ پوئس پر الزام لگاتے تھے کہ وہ بے اصول اور تھالی کا بینگن ہے، خود تو شریعت پر عمل پیرا ہے، لیکن نو مریدوں سے مطالبہ نہیں کرتا، کہ وہ بھی ایسا کریں، اُن کے حلقے کا طریقہ یہ تھا کہ وہ پوئس کے اختیار کو یہ کہہ کر اس کی منادی کو کھوکھلا کریں کہ وہ مسیح کے بارہ رسولوں سے مختلف ہے، اور اُسے یہ حق حاصل نہیں، کیونکہ اوّل الذکر ہر صورت میں پوئس پر فوقیت رکھتے ہیں، ظاہر ہے کہ ایسی منطق اور دلائل گنتی نو مریدوں کی اکثریت منحرف اور برگشتہ ہوگی اور مخالفین نے اپنا مقصد پالیا۔

اور انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں اس خط کا پس منظر اس طرح بیان کیا گیا ہے: "یہ تو پوئس کو بعد میں معلوم ہوا کہ (گلتیہ کے لوگوں میں) انحراف کا خطرہ ہے، اور یہ بعض ایسے احتجاج کرنے والوں نے پیدا کیا ہے کہ جو گلتیوں کو یہ یقین دلا رہے تھے کہ پوئس کی انجیل کو یہودی قوانین سے ہم سنگ ہونا چاہئے، اور جس طرح قدیم اور اصلی حواریوں (Apostles) کی تعلیم ہے، ایک مکمل مسیحی زندگی کے لئے ختنہ اور موسوی رسمیں بھی ضروری ہیں دوسرے الفاظ میں گلتیوں کو یہ یقین دلایا گیا تھا کہ مسیح کی مسیحائی نظم کا استحقاق حاصل کرنے کے لئے ہتھاجا تیز راستہ تو رات پر عمل کرنا ہے، جو تمام نو مریدوں (Converts) کے لئے ضروری ہے، یہاں تک کہ اُن کے لئے بھی جو بت پرستی سے عیسائیت کی طرف آتے ہیں، یہ دخل اندازی کرنیوالے قدیم کلیسیا کی یہودی مسیحی جماعت سے تعلق رکھتے

تھے، انھیں شدید طور پر خطرہ تھا کہ اگر تو رات کو غابج کیا گیا تو کلیسا کے اخلاقی مفادات قربان ہو جائیں گے، ان لوگوں کی ہمدردیاں یعقوب کی پارٹی کے ساتھ تھیں، جیسا کہ اس کا عکس اعمال کے باب ۵ میں نظر آتا ہے۔
 بظاہر ان لوگوں کی سرکردگی بعض ممتاز افراد کر رہے تھے۔

ان عبارتوں کے خط کشیدہ جملوں سے مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں،

- ۱۔ گلیتھیہ میں پولس کے مخالفین کلیسا کے قدیم کے ممتاز افراد تھے،
- ۲۔ ان لوگوں کا کہنا یہ تھا کہ غیر قومیں جو دین عیسوی میں بغیر ختنہ کے داخل ہوتی ہیں، یہ ان کا پہلا قدم ہے، مکمل مسیحی زندگی کے لئے ختنہ اور شریعت کے تمام احکام ضروری ہیں،

- ۳۔ یہ لوگ کہتے تھے کہ دین عیسوی کی تشریح و تعبیر کا حق صرف حواریوں کو پہنچتا ہے، پولس کو نہیں،

- ۴۔ ان لوگوں کے خیال کے مطابق ”قدیم اور اصلی حواریوں“ کی تعلیم یہ تھی کہ مکمل مسیحی زندگی کے لئے ختنہ اور تمام موسوی احکام پر عمل کرنا ضروری ہے،

اس سے صاف واضح ہے کہ پولس کے معترضین کا اصل اعتراض یہ تھا کہ وہ حواریوں کی مخالفت کر رہا ہے، اور اسے اس بات کا حق نہیں پہنچتا، لہذا اگر حواری اس معاملے میں پولس کے ہتھیال ہوتے تو اس کے لئے جواب دہی کا سیدھا راستہ یہ تھا کہ وہ یا تو خود کوئی خط لکھنے کے بجائے حواریوں سے لکھواتا، جس میں وہ پولس کی حمایت کا اعلان کرتے، یا اگر خود ہی لکھنا تھا تو اس میں یہ وضاحت کرتا کہ تمام حواری میرے ہتھیال ہیں، اور وہ یروشلم کی کونسل میں یہ فیصلہ دے چکے ہیں کہ غیر قوموں کے لئے ختنہ وغیرہ ضروری نہیں ہے،

لیکن وہ گلیتھیوں کے نام خط میں ایسا ایک جملہ بھی نہیں لکھتا جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ اصل حواری اس کے ہتھیال ہیں، اس کے بجائے وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مجھے وین عیسوی کی

شریح و تعبیر میں حواریوں سے تعلیم یا اُن کی حمایت حاصل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، بلکہ
مجھے خود براہ راست وحی کے ذریعہ علم عطا کیا جاتا ہے، وہ لکھتا ہے:

اے بھائیو! میں تمہیں بتاؤں کہ جو خوشخبری میں نے سنائی وہ انسان
کی سی نہیں، کیونکہ وہ مجھے انسان کی طرف سے نہیں پہنچی اور نہ مجھے سکھائی
گئی، بلکہ یسوع مسیح کی طرف سے مجھے اس کا مکاشفہ ہوا“ (گلتیوں ۱: ۱۱ و ۱۲)

یہ آگے چل کر وہ علی الاعلان پطرس کو ”ملا مت کے لائق“ اور برنباس کو ”ریاکار“ قرار
دیتا ہے (۱۲: ۱ تا ۱۳) اور اپنا سارا زور یہ ثابت کرنے پر صرف کرتا ہے کہ مجھے براہ راست
خدا کی طرف سے وحی ہوتی ہے،

اس سے صاف ظاہر ہے کہ جس مرحلے پر پطرس گلتیوں کو خط لکھ رہا ہے اس مرحلے پر
حواری اس کے ہم خیال نہیں رہے تھے، ورنہ وہ پہلے ہی قدم پر یہ کہہ کر ساری بحث ختم کر سکتا
تھا، کہ حواری میرے ہم خیال ہیں،

اس پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ آخر دور کے عیسائی علماء کے نزدیک گلتیوں کے
نام پطرس کا خط یروشلیم کو نسل سے پہلے لکھا گیا ہے، اور چونکہ اس کو نسل سے پہلے اس
معاملے میں حواریوں کا نقطہ نظر واضح نہیں ہوا تھا، اس لئے پطرس نے اپنے اس خط میں
ان کا حوالہ نہیں دیا،

لیکن ہمارے نزدیک یہ خیال درست نہیں ہے کہ گلتیوں کے نام خط یروشلیم کی مجلس سے
پہلے لکھا گیا ہے، اس لئے کہ اس خط میں پطرس لکھتا ہے۔

”لیکن جب کیفار پطرس، انطاکیہ میں آیا تو میں نے رو بردہ ہو کر اس کی

مخالفت کی، کیونکہ وہ ملا مت کے لائق تھا“ (۱۱: ۲)

اس میں پطرس پطرس کے انطاکیہ میں آنے کا ذکر کر رہا ہے، اور یہ واقعہ لازماً یروشلیم کو نسل
کے بعد کا ہے، جیسا کہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں ہے:

”گلیتیوں ۱۱:۲ میں پوٹس یہ حقیقت واضح کرتا ہے کہ یروشلم کونسل کے معاہدے کے باوجود پطرس نے غیر قوموں کے متعلق اپنی پالیسی میں تذبذب کا اظہار کیا۔“

اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ واقعہ یروشلم کونسل کے بعد پیش آیا تھا، نیز پوٹس کے اکثر سوانح نگار بھی اس واقعہ کو یروشلم کونسل کے بعد قرار دیتے ہیں، لونی وینک اور جے پیٹرسن اسمتھ نے واقعات اسی طرح بیان کئے ہیں، اور اس جملے کے تیور بھی صاف بتا رہے ہیں کہ یہ واقعہ یروشلم کونسل کے بعد کا ہے، اس لئے کہ پوٹس پطرس کو قابل ملامت اسی وقت تو قرار دے سکتا ہے، جب اس نے پہلے اپنے موجودہ طرز عمل کے خلاف کوئی اقرار کیا ہو، اگر پطرس نے پہلے یہ اقرار نہ کیا ہو تا کہ غیر قوموں کو موسوی شریعت کے احکام چھوڑنے کی اجازت ہے، تو پوٹس اسے آسانی سے قابل ملامت کیسے قرار دے سکتا تھا؟ اس جملے کا صاف مطلب ہی یہ ہے کہ پطرس نے یروشلم کونسل میں پوٹس کی حمایت کی تھی، اور اب وہ اس کی مخالفت کر رہا تھا، اس لئے پوٹس نے اسے قابل ملامت قرار دیا، لہذا لازماً یروشلم کونسل انطاکیہ میں پطرس کی آمد سے پہلے ہو چکی تھی، اور چونکہ گلیتیوں کے نام خط میں پوٹس کی انطاکیہ میں آمد کا تذکرہ کر رہا ہے، اس لئے گلیتیوں کا خط بھی یروشلم کے اجتماع کے بعد ہی لکھا گیا ہے،

لہذا ہمارے نزدیک عیسائیت کے علماء متقدمین ہی کی رائے صحیح ہے، جسے جی،

ٹی مینلی نے اس طرح بیان کیا ہے کہ:

۱۵ برٹانیکا، ص ۶۴۲ ج ۱، مقالہ پطرس (Peter) واضح رہے کہ برٹانیکا کے مقالہ نگار نے آگے چل کر اس نقطہ نظر کی تردید کی ہے، کہ گلیتیوں کے نام خط یروشلم کونسل کے بعد لکھا گیا تھا، (حوالہ بالا)

۱۵ حیات و خطوط پوٹس ص ۸۸ مطبوعہ لاہور ۱۹۵۲ء اور Paul, His Life and Work

by Walter Von Loewenich, trans. by Gordan E. Harris, London 1960

پہلے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ پولس نے اپنے تیسرے بشارتی سفر کے دوران میں شریا اسی وقت اس علاقہ (گلتیہ) کی کلیساؤں کو یہ خط لکھا، جب روم کے لوگوں کو رومیوں کا خط تحریر کیا تھا، اور یہ واقعہ اعمال ۱۵ کی مجلس کے بعد کا ہوگا۔

نتائج

مندرجہ بالا بحث سے یہ باتیں پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہیں:

- ۱۔ برنباس اور دوسرے حواریوں نے شروع میں یہ سمجھ کر پولس کی تصدیق کی تھی کہ وہ مسیح معنی میں دین عیسوی پر ایمان لا چکا ہے،
- ۲۔ اسی بنا پر عرصہ دراز تک برنباس پولس کے ساتھ رہا،
- ۳۔ پھر برنباس نے اس سے جو جدائی اختیار کی اس کا سبب نظریاتی اختلاف تھا،
- ۴۔ یروشلم کونسل میں حواریوں نے غیر قوموں کے لئے ختنہ وغیرہ کے احکام کو قطعی طور پر منسوخ نہیں کیا تھا، بلکہ اس بات کی اجازت دی تھی کہ غیر قومیں ان احکام پر عمل کو بغیر بھی دین عیسوی میں داخل ہو سکتی ہیں، اور یہ مکمل مسیحی زندگی کی طرف پہلا قدم ہوگا
- ۵۔ لیکن پولس نے اس بات کی تبلیغ شروع کر دی، کہ تورات کے تمام احکام منسوخ ہو چکے ہیں، یہ ایک لعنت تھی جس سے ہمیں چھڑا لیا گیا ہے (گلتیوں ۳: ۱۳) اور اگر تم ختنہ کراؤ گے تو مسیح سے تم کو کچھ فائدہ نہ ہوگا (گلتیوں ۱: ۵) تو پولس اور برنباس نے انطاکیہ میں اس کی مخالفت کی: (گلتیوں ۲: ۱۱)
- ۶۔ حواریوں کی اس مخالفت سے پولس کے خلاف زبردست شورش برپا ہو گئی کہ وہ اصل حواریوں کی مخالفت کرتا ہے جس کے جواب میں پولس نے گلتیوں کے نام خط لکھا،
- ۷۔ اس خط میں اس نے حواریوں کو اپنا ہم خیال ظاہر کرنے کے بجائے ان کی مخالفت کا ذکر کیا، اور اپنا سارا زور یہ ثابت کرنے پر صرف کیا کہ مجھے دین عیسوی کی تشریح میں حواریوں سے علم حاصل کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ مجھے براہ راست وحی کے ذریعہ علم دیا گیا ہے، (گلتیوں ۱: ۱۱ و ۱۲)

۸۔ یہ خطیر و شلم کونسل کے بعد لکھا گیا تھا، جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ و شلم کونسل

کے وقت حواریوں نے پولس کی جو حمایت کی تھی، اب وہ ختم ہو چکی تھی، اور اب حواریوں

اس کے مخالف ہو گئے تھے، اسی لئے پولس نے مخالفین کے جواب میں حواریوں کی حمایت کا ذکر نہیں کیا

۹۔ پولس کے تمام خطوط اس واقعہ کے بعد لکھے گئے ہیں، (کیونکہ جی، ٹی مینلی کی تصریح کے

مطابق گھلتیوں کا خط تاریخی اعتبار سے پولس کا پہلا خط ہے) اس لئے تثلیث و حلول

تجسم، کفارہ اور توہرات کی منسوخی کے جو عقائد ان خطوط میں بیان کئے گئے ہیں، وہ

صرف پولس کے ذاتی نظریات ہیں، انھیں حواریوں کی حمایت حاصل نہیں،

آئیے! اب ذرا یہ دیکھنے کی کوشش کریں کہ برنباس پولس سے اس

سنگین اختلاف کی وجہ سے جدا ہو کر کہاں گئے؟ کتاب اعمال سے

جُدائی کے بعد

تو صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ پولس سے جدا ہونے کے بعد یوحنا مرقس کو لے کر قبرص

چلے گئے تھے، مگر اس جملے کے بعد کتاب اعمال ان کا کچھ حال بیان نہیں کرتی، دوسری

عیسائی تاریخیں بھی برنباس کی آئندہ زندگی کے متعلق بالکل خاموش ہیں، انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا

کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

”برنباس مرقس کو لے کر بذریعہ جہاز قبرص چلا جاتا ہے، تاکہ وہاں اپنا کام جاری

رکھے، اس سے آگے اس کے متعلق تاریخ کی دھند چھا جاتی ہے۔“

سوال یہ ہے کہ برنباس جو کلیسا کے ابتدائی دور میں اہم ترین شخصیت تھا، اور جس نے

اپنی ساری زندگی تبلیغ و دعوت میں صرف کی تھی، کیا پولس سے اختلاف کرنے کے بعد اس

لائق بھی نہیں رہتا کہ پولس کے شاگرد (لو قادر غیرہ) چند سطروں میں اس کا کچھ حال ذکر کریں؟

اس سے سوائے اس کے اور کیا نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ برنباس پولس کی اصل

حقیقت جان چکا تھا، اور اس کے بعد اس کی تمام تر کوششیں یہ رہی ہوں گی کہ پولس نے

دین عیسوی میں جو تحریفات کی ہیں ان سے لوگوں کو باخبر کیا جائے، اور ظاہر ہے کہ یہ سرگرمیاں

ایسی نہ تھیں کہ پولس کے شاگرد انھیں ذکر کرنا پسند کرتے،

انجیل برناباس

یہ عقلی نتیجہ تفسیر بنا واقعہ بن جاتا ہے، جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ سولہویں صدی میں پوپ اسکٹس پنجم کے خفیہ کتب خانے سے برناباس کی

لکھی ہوئی انجیل برآمد ہوتی ہے، جس کے پہلے ہی صفحے پر یہ عبارت ہے کہ:

اے عزیزو! اللہ نے جو عظیم اور عجیب ہے، اس آخری زمانے میں، میں

اپنے نبی یسوع مسیح کے ذریعہ ایک عظیم رحمت آزمایا، اس تعلیم اور آیتوں

کے ذریعہ جنہیں شیطان نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کرنے کا ذریعہ بنایا،

جو تقویٰ کا دعویٰ کرتے ہیں، اور سخت کفر کی تبلیغ کرتے ہیں، مسیح کو اللہ کا

بیٹا کہتے ہیں، ختنہ کا انکار کرتے ہیں، جس کا اللہ نے ہمیشہ کے لئے حکم دیا

ہے، اور ہر نجس گوشت کو جائز کہتے ہیں، انہی کے زمرے میں پولس

بھی گمراہ ہو گیا، جس کے باریں میں کچھ نہیں کہہ سکتا، مگر افسوس کے ساتھ

اور وہی سب سے جس کی وجہ سے وہ حق بات لکھ رہا ہوا، جو میں نے یسوع

کے ساتھ رہنے کے دوران سنی اور دیکھی ہے، تاکہ تم نجات پاؤ، اور

تمہیں شیطان گمراہ نہ کرے، ... اور تم اللہ کے حق میں ہلاک ہو جاؤ

اور اس بناء پر ہر اس شخص سے بچو جو تمہیں کسی نئی تعلیم کی تبلیغ کرتا ہے،

جو میرے لکھنے کے خلاف ہو، تاکہ تم ابدی نجات پاؤ۔ (برناباس ۱: ۹-۱۲)

یہی برناباس کی وہ انجیل ہے جسے عرصہ دراز تک چھپانے اور مٹانے کی بڑی کوششیں

کی گئیں، اور جن کے بارے میں پانچویں صدی عیسوی میں (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

تشریف آوری سے کئی سو سال پہلے) پوپ جیلاشیس اول نے یہ حکم جاری کر دیا تھا کہ اس

کتاب کا مطالعہ کرنے والا مجرم سمجھا جائے گا، اور آج یہ کہا جاتا ہے کہ یہ کسی مسلمان کی نگاہ میں بڑی

لے دیکھتے انسائیکلو پیڈیا اریکنا، ص ۲۶۲، ج ۳ مقالہ برناباس، چیمبرس انسائیکلو پیڈیا، ص ۱۹ ج ۶

مقالہ جیلاشیس اور مقدمہ انجیل برناباس از ڈاکٹر خلیل سعادت مصری،

لے اظہار الحق (اردو ترجمہ) جلد سوم، ص کے ایک طویل حاشیے میں ہم نے انجیل برناباس کا مفصل

تعارف کرایا ہے، اور اس کی اصلیت کی تحقیق کی ہے، ضرورت ہو تو اس کی مراجعت کی جائے،

کیا اس کے بعد بھی اس بات میں کسی شبہ کی گنجائش رہ جاتی ہے کہ موجودہ عیسائی مذہب سراسر پوٹس کے نظریات ہیں، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا آپ کے حواریوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں، فبأتی حدیث بعدہ یؤمنون؟

پوٹس اور پطرس

برنباس کے ساتھ پوٹس کے تعلقات کی نوعیت سمجھ لینے کے بعد آئیے اب ہم دیکھیں کہ پطرس کے ساتھ پوٹس کے تعلقات کیسے تھے؟ اور پطرس پوٹس کے نظریات کے حامی تھے، یا مخالف؟

جناب پطرس کی اہمیت اس لئے زیادہ ہے کہ انھیں کیتھولک چرچ ہمیشہ سے سردار کلیسا تسلیم کرتا آیا ہے، اور انھیں تمام حواریوں میں سب سے اونچا مرتبہ حاصل ہے، (۱) کتاب اعمال جو حواریوں کے کارناموں کی تفصیل بیان کرتی ہے، پندرہویں باب تک پطرس کی تقریباً تمام سرگرمیوں پر مفصل روشنی ڈالتی ہے، اس تمام عرصے میں پطرس اور پوٹس ہم خیال نظر آتے ہیں، لیکن انتہائی حیرت انگیز بات یہ ہے کہ کتاب اعمال جس کی تصنیف کا مقصد ہی حواریوں کی سرگزشت بیان کرنا ہے، پندرہویں باب کے بعد حواریوں کے سردار پطرس کے حالات بیان کرنے سے یک بیک خاموش ہو جاتی ہے، اور اس میں آخر (باب ۲۸) تک پطرس کا کہیں نام نظر نہیں آتا، جیسے ایک کنن لکھتے ہیں "یرؤشلیم کی کانفرنس کے بعد پطرس کتاب اعمال کے واقعات کا غائب ہو جاتا ہے۔"

اور انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں ہے:

"کتاب اعمال میں پطرس کا آخری تذکرہ یرؤشلیم کونسل سے متعلق ہے، جس میں اس نے غیر قوموں سے متعلق نہایت وسیع المشرقی کی پالیسی اختیار کی تھی۔"

قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ پطرس جیسا شخص جسے اعظم الحواریین کا لقب دیا گیا ہے، اور پندرہویں باب سے پہلے کتاب اعمال کا کوئی صفحہ جس کے تذکرے سے خالی نہیں ہے، اچانک اتنا غیر اہم کیوں بن جاتا ہے کہ آگے اس کا کہیں نام بھی نہیں آتا؟ اس سوال کا جواب بھی گلتیوں کے نام پطرس کے خط کی اس عبارت سے ملتا ہے جس کا ذکر بار بار آچکا ہے، پطرس کہتا ہے:

”لیکن جب کیفا ریہ پطرس کا دوسرا نام ہے (انطاکیہ میں آیا تو میں نے رد برد ہو کر اس کی مخالفت کی، کیونکہ وہ ملامت کے لائق تھا“ (گلتیوں ۲: ۱۱)

جیسا کہ پیچھے بیان کیا جا چکا ہے، یہ واقعہ یروشلم کونسل کے متصل بعد کا ہے، رد بھیجے مقدمہ ص ۱۵۶) لہذا کیا اس سے واضح طور پر یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ یروشلم کونسل تک چونکہ پطرس نے پطرس کی کوئی مخالفت نہیں کی تھی، اس لئے پطرس کا شاگرد و لوقا اپنی کتاب اعمال میں اس کے اس زمانے کے حالات تفصیل سے ذکر کرتا رہا، لیکن جب اس کونسل کے بعد پطرس انطاکیہ گئے، اور وہاں پطرس کے خود ساختہ نظریات کے سبب ان کا پطرس سے اختلاف ہو گیا تو لوقا نے ان کے حالات لکھنے بند کر دیئے،

۲۔ ان شواہد کی روشنی میں یہ گمان غالب قائم ہوتا ہے کہ انطاکیہ میں اس اختلاف کے پیش آنے کے بعد پطرس نے بھی برنباس کی طرح پطرس سے علیحدگی اختیار کر لی تھی اور انھوں نے بھی پطرس سے الگ کوئی جماعت بنالی تھی، تاکہ دین عیسوی کے صحیح عقائد کی تبلیغ کی جائے، اس کی تائید پطرس کی ایک اور عبارت سے بھی ہوتی ہے، گرتھیوں کے نام خط میں وہ لکھتا ہے:

”مجھے خلوتے کے گھر والوں سے معلوم ہوا کہ تم میں جھگڑے ہو رہے ہیں میرا

یہ مطلب ہے کہ تم میں سے کوئی تو اپنے آپ کو پطرس کا کہتا ہے، کوئی اپطرس کا

کوئی کیفا کا کوئی مسیح کا“ (۱۔ گرتھیوں ۱: ۱۲)

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت کیفا (یعنی پطرس) نے اپنی الگ جماعت بنالی تھی، جو پطرس کی جماعت سے ممتاز تھی، اور ان دونوں جماعتوں میں جھگڑے ہو رہے تھے

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار بھی اس عبارت سے یہی نتیجہ اخذ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

”۱۔ کرنٹھیوں ۱۲:۱ کی عبارت بیان کرتی ہے کہ کرنٹھس میں کیفار (پطرس) کی ایک

جماعت بن گئی تھی“

یرشلیم کونسل کے بعد پطرس کا صرف یہ تذکرہ ملتا ہے، ظاہر ہے کہ اس کی روشنی میں یہ قیاس قائم کرنا کچھ مشکل نہیں ہے، کہ پطرس نے اصل دین عیسوی کو پطرس کی تحریفات بچانے کی کتنی کوششیں کی ہوں گی، مگر افسوس ہے کہ اس وقت ہمارے پاس اس زمانے کی تاریخ کا جتنا مواد ہو وہ سارا پطرس کے معتقدین کا لکھا ہوا ہے، اس لئے اس سے کچھ پتہ نہیں چلتا کہ پطرس اس کے بعد کہاں گئے؟ اور انھوں نے کیا کارنامے انجام دیئے؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ ایشیائے کوچک ہی کے علاقوں میں رہے اور زیادہ تر بابلین کے علاقے میں ان کا قیام رہا، اور آئرلینڈ، کلمنٹ اسکندری اور ٹرٹولین وغیرہ کا کہنا ہے کہ وہ روم میں رہے، آریجن، یوسی بیس اور جیروم کا خیال ہے کہ انطاکیہ ہی میں ہے۔ ان کی وفات کا بھی کوئی یقینی حال معلوم نہیں، ٹرٹولین کا کہنا ہے کہ انھیں شاہ نیرد نے شہید کر دیا تھا، آریجن کہتا ہے کہ انھیں اٹالیا کا کر سولی دی گئی تھی (برٹانیکا ص ۶۴۲ و ۶۴۳ ج ۱، مقالہ پطرس)۔

پطرس کے خطوط یہاں ایک شبہ یہ ہو سکتا ہے کہ بائبل کے عہد نامہ جدید میں پطرس کے دو خط شامل ہیں، ان خطوط میں پطرس نے تقریباً اپنی نظریات کا اظہار کیا ہے جو پطرس کے نظریات تھے، بلکہ دوسرے خط میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ:

”ہمارے پیارے بھائی پطرس نے بھی اس حکمت کے موافق جو اُسے عنایت

ہوتی تھیں یہی لکھا ہے“ (۲۔ پطرس ۱۵:۳)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پطرس اور پطرس میں کوئی اختلاف نہیں تھا،

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں خطوط کے بارے میں خود عیسائی محققین کی رائے ہے کہ ان کی نسبت پطرس حواری کی طرف درست نہیں ہے، بلکہ یا تو یہ کسی اور شخص کے جس کا نام پطرس تھا، یا پھر کسی نے اسے جعلی طور پر پطرس حواری کی طرف منسوب کیا ہو، جہاں تک پہلے خط کا تعلق ہے اس کے بارے میں انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مقالہ لکھتے ہیں:

بہت سے ناقدوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ اس خط کے مضامین ایک ایسی تاریخ سے متعلق ہیں جو پطرس کی وفات کے بعد کی تاریخ ہے، مثلاً (الف) اس خط کے ۱: ۶، ۲: ۱۲، ۱۳ تا ۱۹ اور ۵: ۹ میں مصائب اور آزمائشوں کا ذکر ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کے عیسائی ایک خوفناک آزمائش سے گزر رہے تھے، انھیں ملامتیں اور بدنامیاں برداشت کرنی پڑ رہی تھیں..... یہ تمام حالات اُن حالات کے ٹھیک مطابق ہیں جو پلینی نے ٹراجان کے نام خط میں بیان کئے ہیں، لہذا اس دلیل کی روشنی میں یہ کہا گیا ہے کہ پطرس کا پہلا خط اُسی زمانے سے تعلق رکھتا ہے، اور پطرس کی وفات کے بہت بعد لکھا گیا ہے۔

آگے انسائیکلو پیڈیا کے مقالہ نگار نے اس بات پر مزید دلائل پیش کئے ہیں، کہ یہ خط پطرس نہیں ہے۔

رہا دوسرا خط، سو اس کی حالت پہلے خط سے بھی زیادہ نازک ہے، اس کا حال ان کرتے ہوئے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

”جس طرح پطرس کے پہلے خط کو کیتھولک خطوط میں سب سے پہلے بائبل کی فہرست میں جگہ دی گئی تھی، اس طرح اس دوسرے خط کو سب سے آخر میں جگہ دی گئی، اسے کنڈریہ میں اسے تیسری صدی کے اندر تسلیم کیا گیا تھا،

دہاں سے یہ قسطنطنیہ کے کلیسا کی فہرست مسلمہ میں شامل ہوا، لیکن ردوم میں اُسے چوتھی صدی سے پہلے قبولیت حاصل نہ ہو سکی، اور سوریہ کے کلیسا نے تو اُسے چھٹی صدی میں قبول کیا،

اس خط کی اصلیت پر مندرجہ ذیل اعتراضات کے مجموعی وزن کی وجہ سے عام طور پر اس ... دعوے کو غلط سمجھا گیا ہے کہ اس کا مصنف پطرس ہے۔ ۱۔ پہلا وہ شخص جس نے اسے پطرس کی تصنیف قرار دیا ہے، آریجن ہے، اور وہ خود اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ اس کی اصلیت متنازع فیہ ہے،

۲۔ اس کا اسلوب، زبان، اور خیال نہ صرف پطرس کے پہلے خط سے بلکہ پورے عہد نامہ جدید سے مختلف ہیں،

۳۔ ”بد اخلاقی“ اور ”جھوٹی تعلیم“ کے جو حوالے اس میں دیئے گئے ہیں وہ کس ایسی تاریخ سے متعلق معلوم ہوتے ہیں جو پطرس رسول کے بعد کی معلوم ہوتی ہے،

۴۔ یہوداہ کی شرکت اس خط کے پطرس کی تحریر ہونے کو اور مشتبہ بنا دیتی ہے،

۵۔ اس خط کے ۱۶:۳ میں پطرس کے خطوط کو جو الہامی طور پر قابل تسلیم قرار دیا گیا ہے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط دوسری صدی سے پہلے کا لکھا ہوا نہیں ہے، ہو سکتا ہے کہ یہ خط مصر میں لکھا گیا ہو، جہاں یہ پہلی بار منظر عام پر آیا، یا ڈیس مین کے خیال کے مطابق ہو سکتا ہو کہ ایشیائے کوچک میں لکھا گیا ہو۔

۱۵ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ص ۶۴ ج ۱، مقالہ: “Peter, Second Epistle of.”

جیمس میک کنن نے بھی ان خطوط کو مشتبہ قرار دیا ہے: P.116 from Christ to Constantine

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ خود ختن عیسائی علماء اس خط کو پطرس کی تصنیف ماننے سے انکار کرتے ہیں، لہذا ان خطوط کی بناء پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ پطرس پوتس کے ہم خیال تھے، اور دونوں میں کوئی نظریاتی اختلاف نہیں تھا،

یعقوب اور پوتس

حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانے میں یعقوب تین آدمیوں کا نام تھا۔
۱۔ یعقوب بن حلفی، انھیں یعقوب اصغر بھی کہتے ہیں، اُن کا ذکر صرف شاگردوں کی فہرست میں آیا ہے، (متی ۱۰: ۱۲) یا پھر اُن عورتوں کے ساتھ جو صلیب کے گرد جمع تھیں وہاں ان کا صرف نام مذکور ہے، (مرقس ۱۵: ۴۰) اس کے علاوہ پورے عہد نامہ جدید میں ان کا کچھ حال معلوم نہیں ہوتا،

۲۔ یعقوب بن زبدی، یہ یوحنا حواری کے بھائی تھے (متی ۱۰: ۲) لیکن انھیں حضرت مسیح علیہ السلام کے عروج آسمانی کے کچھ ہی عرصہ کے بعد ہیرودیس بادشاہ نے تلوار کے ذریعہ شہید کر دیا تھا (اعمال ۱۲: ۲) لہذا اُن کو اپنی زندگی میں پوتس سے کوئی خاص واسطہ نہیں پڑا، اور یہ یروشلم کونسل سے پہلے ہی دنیا سے تشریف لے گئے،

۳۔ یعقوب بن یوسف نجار، جنھیں انجیل میں حضرت مسیح علیہ السلام کا بھائی قرار دیا گیا ہے (متی ۱۳: ۵۵) اناجیل ہی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی میں آپ پر ایمان نہیں لاتے تھے، (دیکھئے مرقس ۳: ۲۱ یوحنا ۶: ۵۱) یا تو آخر وقت میں ایمان لاتے تھے، یا اُس وقت جب کہ بقول پوتس حضرت مسیح علیہ السلام حیاتِ ثانیہ (Resurrection) کے موقع پر انھیں نظر آئے (۱۔ کرنتھیوں ۱۵: ۷) اور

کتاب اعمال کے انداز سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھیں یروشلم کی کلیسا کا صدر منتخب کیا گیا تھا یہی وجہ ہے کہ یروشلم کونسل کی صدارت انھوں نے کی (اعمال ۱۵: ۱۹) یروشلم کونسل میں اگرچہ انھوں نے ہی یہ فیصلہ صادر کیا تھا کہ غیر قوموں کے لئے ختنہ وغیرہ کو دین عیسوی میں داخل ہونے کی شرط قرار نہ دیا جائے، لیکن اس بات پر تقریباً تمام عیسائی علماء کا اتفاق ہو

کہ ان کا یہ فتویٰ عبوری اور عارضی حیثیت رکھتا تھا، ورنہ وہ تورات کی سختی کے ساتھ پابندی کے قائل تھے، مسٹر جمیں میک کٹن یروشلم کونسل کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”رجعت پسند پارٹی نے اگرچہ اُس وقت اس وسیع المشرقی کی پالیسی کی حمایت کی تھی، لیکن وہ اس پر کسی طرح مطمئن نہ تھی، یہاں تک کہ یعقوب خلتہ کے مطالبہ سے دست کش ہونے کے باوجود یہودی مسیحیوں اور غیر قوموں کے آزادانہ میل جول کی راہ میں پابندیاں باقی رکھنا چاہتا تھا..... اس کے اثرات اتنے تھے کہ پطرس یہاں تک کہ برنباس بھی... ”غیر قوموں کے ساتھ کھانے سے باز رہے“

نیز ایک اور موقع پر یعقوب کے بارے میں لکھتے ہیں:

”یوسیفس کے مختصر نوٹ اور ہیچ سیس کے نسبتاً طویل تذکرے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یعقوب کے پختہ اور یکساں کردار اور تورات کی پابندیوں نے یہودیوں کے دل جیت لئے تھے۔“

پھر لطف یہ ہے کہ یروشلم کونسل کے بعد کتاب اعمال میں یعقوب کا ذکر صرف ایک جگہ آیا ہے، اور وہاں بھی یعقوب نے پوئس کو تورات کی خلاف ورزیوں پر کفارہ ادا کرنے اور تورات پر عمل کرنے کی تلقین کی ہے (اعمال ۱۳: ۱۵ تا ۲۶)۔

اس سے کم از کم اتنی بات وضاحت کے ساتھ ثابت ہوتی ہے کہ یعقوب ان نظریات کے ساتھ متفق نہیں تھے، جو پوئس نے بعد میں اختیار کر لئے تھے، رہا وہ خط جو یعقوب کی طرف منسوب ہو سو اس کے بارے میں جمیں میک کٹن لکھتے ہیں:

”دلائل کا وزن اس بات کی تائید نہیں کرتا کہ اس کا مصنف یعقوب ہے۔“

۵۱ From Christ to Constantine P. 95

۵۲ Ibid P. 119

۵۳ Ibid P. 120

یوحنا اور پولس

پطرس اور برنباس کے بعد حواریوں میں بلند ترین مقام یوحنا بن زبدي کا ہے، اور بقول میک کٹن انھیں کلیسا کے تین ستونوں میں سے ایک سمجھا جاتا ہے، دلچسپ بات یہ ہے کہ پطرس اور برنباس کی طرح یوحنا بھی یروشلم کونسل کے بعد کتاب اعمال سے یکتا غائب ہو جاتے ہیں، اور اس کے بعد ان کا بھی کوئی حال معلوم نہیں ہوتا، جیسے میک کٹن لکھتے ہیں:

”پطرس کی طرح یوحنا بھی یروشلم کانفرنس کے بعد کتاب اعمال کے واقعاً سے غائب ہو جاتا ہے، جبکہ وہ اس کانفرنس میں کلیسا کے تین ستونوں میں سے ایک تھا، یروشلم کو خیر باد کہہ کر انھوں نے اپنا تبلیغی کام کس جگہ انجام دیا؟ یہ ہمیں معلوم نہیں۔“

اس سے بھی واضح طور پر یہ قیاس قائم ہوتا ہے کہ یروشلم کونسل کے بعد جب پطرس اور برنباس پولس سے ناراض ہو کر اس سے الگ ہو گئے تھے، اسی وقت یوحنا نے بھی اس سے علیحدگی اختیار کر لی تھی، لہذا ہر انھوں نے بھی دین عیسوی کی اصل تعلیمات کو پھیلانے کی کوشش کی ہوگی، اسی لئے پولس کے شاگردوں نے یروشلم کونسل کے بعد ان کو کسی تذکرے کا مستحق نہیں سمجھا،

رہ گئی انجیل یوحنا اور وہ تین خطوط جو یوحنا کے نام سے عہد نامہ جدید میں موجود ہیں، سو ان کے بارے میں ہم پیچھے تفصیل کے ساتھ یہ بات ثابت کر چکے ہیں کہ خود عیسائی علماء متأخرین کا اس پر تقریباً اجماع ہو چکا ہے، کہ ان کا مصنف یوحنا حواری نہیں، بلکہ یوحنا بزرگ ہے۔“

دوسرے حواری

یہ تو وہ حواریین تھے جن کا ذکر کتاب اعمال یا عہد نامہ جدید کی دوسری کتابوں میں آیا ہے، ان کے علاوہ چودہ دوسرے حواریین ہیں ان کے حالات ان سے زیادہ پردہ راز میں ہیں، ان کے بارے میں یہی ثابت نہیں ہوتا کہ پوٹس سے ان کی ملاقات بھی ہوئی تھی یا نہیں؟ جیسے میک کنن لکھتے ہیں:

بارہ حواریوں میں سے باقی حضرات نے یسوع مسیح کے بعد کیا کیا؟ اس کے بارے میں کوئی قابل اعتماد بات نہیں کہی جاسکتی، روایات ان میں سے مختلف حضرات کی طرف گال سے انڈیا تک مختلف حلقہ ہائے کار تجویز کرتی ہیں۔ یوسسی بیس (۳) کہتا ہے کہ تو ما پرشیا چلے گئے تھے جس میں ان دنوں انڈیا کا کچھ شمالی حصہ بھی شامل تھا، لیکن اعمال تو ما کی روایت یہ ہے کہ وہ مقصر اور بحر ہند کے راستے سیدھے انڈیا گئے تھے، (۳۶۵ ف)، اسی طرح برتلمائی بھی ہندوستان چلے گئے تھے (اعمال برتلمائی)، اور اندراؤس اسکاتشیا چلے گئے تھے جو بحر اسود کے شمال میں واقع ہے، تداؤس (یعنی یہوداہ تداؤس) اڈیبہ میں مقیم ہو گئے تھے، جہاں کے بادشاہ نے یسوع مسیح سے خط و کتابت کی تھی، اور وہاں انھوں نے اس بادشاہ کی رعایا میں بہت سے لوگوں کو دین عیسوی کا پیر و بنایا۔

آگے فلپس وغیرہ کے بارے میں بھی اسی طرح کی روایات نقل کرنے کے بعد فاضل مصنف لکھتے ہیں:

”یہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے، کہ یہ تمام کہانیاں خالص افسانے ہیں، یہ ممکن ہے کہ تو ما اور برتلمائی کو ہندوستان جانے کا موقع ملا ہو، لیکن ہندوستان کے کسی خاص علاقے کو اس سلسلے میں مقرر کرنا مشتبہ ہے۔“

نتائج | اوپر ہم نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارہ حواریوں کے حالات کی جو تحقیق کی ہے اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ:

۱۔ بارہ حواریوں میں سے دو تو وہ تھے جو یروشلم کو نسل سے پہلے ہی انتقال فرما گئے تھے یعنی یعقوب بن زبدي (اعمال ۲: ۱۲) اور یہوداہ اسکر یوتی (اعمال ۱۸: ۱)

۲۔ اور سات حواری وہ ہیں جن کا حضرت مسیح علیہ السلام کے عروج آسمانی کے بعد کوئی حال معلوم نہیں، یعقوب بن حلفی، توما، برتلمائی، یہوداہ تداؤس، اندراؤس، فلپس اور متی،

۳۔ باقی تین حواریں میں سے برنباؤس اور پطرس کے بارے میں ہم نے تفصیل کے ساتھ یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ یروشلم کو نسل کے بعد پوتس کے ساتھ سنگین نظریاتی اختلاف کی بنا پر الگ ہو گئے تھے، اب صرف یوحنا بن زبدي رہ جاتے ہیں، اُن کے بارے میں بھی ہم پیچھے لکھ آئے ہیں کہ پطرس اور برنباؤس کی طرح یروشلم کو نسل کے بعد وہ بھی اچانک گم نام ہو جاتے ہیں، اور ان کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا،

اس تشریح و تجزیہ سے یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ حواریوں نے پوتس کی صرف اس وقت تک تصدیق کی تھی جب تک کہ اس نے دین عیسوی کی تحریف کے لئے کوئی قدم نہیں اٹھایا تھا، لیکن یروشلم کو نسل کے بعد جب اُس نے اپنے انقلابی نظریات کا اعلان کیا، اور گلیٹیوں کے نام خط میں (جو پوتس کا پہلا خط ہے) اُن نظریات پر جے رہنے کا اعلان کیا تو تمام وہ حواری جو اُس وقت موجود تھے اس سے مجدا ہو گئے،

اس لئے کتاب اعمال میں یروشلم کو نسل کے حالات تک پوتس کو ان حواریوں کے ساتھ جس طرح شیر و شکر دکھایا گیا ہے، اس سے یہ نتیجہ نکالنا قطعی غلط ہے، کہ حضرت مسیح کے حواری حضرات، پوتس کے نظریات تثلیث، تجسم اور کفارہ وغیرہ میں اس کا بڑا مشفق تھے، حقیقت یہی ہے کہ ان نظریات کا پہلا بالی پوتس ہے، اور حضرت مسیح علیہ السلام یا آپ کے حواریوں کا ان نظریات سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے،

پولس کے مخالفین

اب یہاں قدرتی طور پر ایک سوال پیدا ہو سکتا ہے، اور وہ یہ کہ اگر واقعہ پولس نے دین عیسوی میں ترمیم و تحریف کر کے ایک نئے مذہب کی داغ بیل ڈالی تھی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات سے یکسر مختلف تھا، تو اس کی کیا وجہ ہے کہ پولس کی کوئی موثر مخالفت نہیں کی گئی، اس کے نظریات عیسائی دنیا پر چھا گئے، اور اصل دین عیسوی بالکل نابود ہو کر گیا۔ جب اس سوال کا جواب ہم تاریخ کے صفحات میں تلاش کرتے ہیں تو ہمیں واضح طور سے نظر آتا ہے کہ تاریخ عیسائیت کی ابتدائی تین صدیوں میں پولس اور اس کے نظریات کی شدید مخالفت کی گئی تھی، اور اس زمانے میں پولس کے مخالفین کی تعداد اور ان کا اثر و رسوخ پولس کے اثرات سے کسی طرح کم نہیں تھا، لیکن اتفاق سے جب تیسری صدی عیسوی میں عیسائیت بازنطینی سلطنت کا سرکاری مذہب قرار پایا تو پولس کی حامی جماعت حکومت پر غالب آگئی، اور اس نے نہ صرف یہ کہ اپنے مخالفوں کو بزدل و کچل ڈالا، بلکہ وہ تمام وہ بھی ضائع کرنے کی کوشش کی جس سے پولس کے مخالفین اسد لال کر سکتے، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دنیا میں پولس کا دین پھیلتا چلا گیا، اور رفتہ رفتہ اصل دین عیسوی کا نام و نشان بالکل مٹ گیا،

ابتدائی تین صدیوں میں جس شدت کے ساتھ پولس کی مخالفت کی گئی، اس کی کچھ مثالیں ہم یہاں مختصراً پیش کرتے ہیں:-

۱۔ پولس کی مخالفت تو ٹھیک اُس وقت سے شروع ہو گئی تھی، جب اُس نے یرושلم کو نسل کے فیصلے سے ناجائز فائدہ اٹھا کر تورات کو بالکل منسوخ کرنے کا اعلان کیا تھا، اپنی مخالفین کے جواب میں پولس نے گلیتیوں کے نام اپنا معرکہ الارام خط لکھا تھا، انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے حوالہ سے ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ پولس کے مخالفین کا کہنا یہ تھا کہ وہ اصل حواریوں کی تعلیم سے لوگوں کو برگشتہ کر رہا ہے، مخالفت کرنے والے قدیم کلیسا کی یہودی سیحی جماعت سے تعلق رکھتے تھے،

ان لوگوں کی سرکردگی بعض ممتاز افراد کر رہے تھے،
۲۔ یہ مخالفت پوتس کے خطوط کے بعد کم نہیں ہوئی، بلکہ بڑھتی چلی گئی، مسٹر جیمز میک کنن لکھتے ہیں:-

”یہ سمجھنا غلط ہے کہ پوتس یا انجیل یوحنا کے مصنف کے خیالات حواریوں کے متصل بعد والے زمانے میں مذہبی عقائد کا سب سے زیادہ نمایاں اور با اثر معیار بنے ہوئے تھے، اگرچہ یہ درست ہے کہ پوتس اس زمانے کے ذہنوں کو مسلسل متاثر کرنے میں لگا رہا، اور بالآخر چوتھی انجیل کے عقائد نے مابعد کے کلیساؤں پر اثر و رسوخ حاصل کر لیا، لیکن یہ بھی اپنی جگہ حقیقت ہے کہ ابتدائی کیتھولک چرچ کے اخلاقی مذہب نے بہت جلد پوتسی خیالات کو نکال باہر کیا تھا، اور دوسری صدی میں جہاں انجیل یوحنا کے عقائد کو مانتے والے موجود تھے، وہاں اس کے مخالفین بھی پائے جاتے تھے، پوتس نے عیسائیت کا جو تصور پیش کیا تھا، وہ حواریوں کے زمانے میں بھی کسی طرح معیاری تصور نہ تھا۔“

۳۔ دوسری صدی عیسوی کی ابتداء میں آرتیوس، ہیریٹس، ایپی فانیس اور آریجن ایکسے فرقے کا تذکرہ کرتے ہیں جسے نصرانی (Nazarene) اور ... ایونی (Ebionites) فرقہ کہا جاتا ہے، مسٹر جے، ایم رابرٹسن ان لوگوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”یہ لوگ مسیح کی خدائی کا انکار کرتے تھے اور پوتس کو رسول تسلیم نہ کرتے تھے۔“

۱۵ دیکھئے مقدمہ ص ۱۵۳ و ۱۵۴، بحوالہ برٹانیکا، ص ۹۷، ج ۹،

۱۶ پیچھے گزر چکا ہے کہ انجیل یوحنا کا مصنف پوتس کا بالکل ہم خیال تھا،

۱۷ From Christ to Constantine ch. VII

۱۸ J. M. Robertson, History of Christianity, London 1913 P. 5

اور انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار آریوس سے نقل کر کے بیان کرتا ہے:

اُن لوگوں کا عقیدہ یہ تھا کہ مسیح ایک انسان تھے جسے معجزات دیئے گئے تھے، یہ لوگ پوتس کے بارے میں یہ تسلیم نہ کرتے تھے کہ وہ موسوی دین سے برگشتہ ہو کر عیسائی ہو گیا تھا، اور یہ لوگ خود موسوی شریعت کے احکام اور رسموں یہاں تک کہ ختنہ پر بھی مضبوطی کے ساتھ کاربند تھے۔

۴۔ پھر تیسری صدی میں پال آف سموسٹا کے نظریات بھی تقریباً یہی تھے، جو سنہ ۲۶۱ء سے ۲۷۲ء تک انتطاکیہ کا بطریق رہا ہے، اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس کے تاثرات کس قدر ہوں گے، یہی وجہ ہے کہ چوتھی صدی میں لوسین اور آریوس مستقل کتاب فکر کی صورت میں اس کی تائید کرتے نظر آتے ہیں،

۵۔ پھر چوتھی صدی میں آریوس (Arius) کے فرقے نے توثلیت کے عقیدے کے خلاف پوری عیسائی دنیا میں ایک ہلکے مچا دیا تھا، اس زمانے میں یہ بحث کے زوروں پر تھی؟ اس کا اندازہ قدیم تواریخ سے ہوتا ہے، عیسائیوں کا مشہور عالم تھیوڈورٹ لکھتا ہے:

”ہر شہر اور ہر گاؤں میں تنازعات اور اختلافات اُٹھ کھڑے ہوئے، جو تمام ترمذی عقائد سے متعلق تھے، یہ ایک نہایت المناک مرحلہ تھا جس پر آنسو بہانے چاہئیں، اس لئے کہ اُس وقت کلیسا پر زمانہ ماضی کی طرح بیرونی دشمنوں کی طرف سے حملہ نہیں ہو رہا تھا، بلکہ اب ایک ہی ملک کے باشندے جو ایک چھت کے نیچے رہتے اور ایک میز پر بیٹھتے تھے، ایک دوسرے کے خلاف برسرِ پیکار تھے، لیکن نیرول نہیں، بلکہ زبانوں سے“

۱۔ برٹانیکا، ص ۸۸۱ ج ۷، مقالہ: Ebionites

۲۔ تفصیل کے لئے دیکھئے مقدمہ ص ۶۲ اور اس کے حواشی،

۳۔ Theodoret, quoted by James Mackinon, *From Christ to Constantine* ch. IV

۴۔

۵۔

۶۔

سینٹ آگسٹائن نے اپنی کتاب *On the Trinity* میں آریوس کی تردید جس بسط و تفصیل کے ساتھ کی ہے، اس سے بھی یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آریوس کا فرقہ کتنی اہمیت اختیار کر گیا تھا، اور اس کے پیروکار کتنے زیادہ تھے؟

۶۔ پھر ۳۲۵ء میں شاہ قسطنطین نے نیقیہ کے مقام پر جو عام کونسل منعقد کی، اس میں آریوس کے نظریات کی تردید کی گئی، لیکن اوّل تو جیمس میک کنن لکھتے ہیں:-

”یہ کہنا بہت مشکل ہو کہ اس کونسل میں تمام عالم عیسائیت کے نمائندے شریک تھے، اس میں مغرب کے علاقے کے بہت کم افراد شامل ہوئے تھے، مگر تین سو لاشپ حاضر تھے جن کی اکثریت یونانی تھی۔“

پھر اس کونسل میں آریوس کے نظریات پر ایک منٹ کے لئے بھی سنجیدگی سے غور نہیں کیا گیا، تھیوڈورٹ لکھتا ہے:

”جوہنی آریوس کا فارمولا کونسل کے سامنے پڑھا گیا، اسے فوراً پھاڑ کر ٹکڑا کر ٹکڑے کر دیا گیا، اور اسی لمحے اسے غلط اور جھوٹ قرار دیا گیا۔“

اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ جیمس میک کنن کے الفاظ میں سنئے:

”اہتانی شیتس کی پارٹی کو چونکہ شاہی دباؤ اور سرکاری پشت پناہی حاصل تھی اس لئے وہ فتح پا گئی، اور اس کے ساتھ مذہبی مباحثات میں حکومت کے تشدد، ایذا رسانی، جبر و استبداد اور مذہبی اظہارِ زلت پر سزائیں جاری کرنے کے جذبات کو بھی فتح ہوئی۔“

جیمس میک کنن نے اس کے بعد تفصیل کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ اس فیصلے کے بعد بھی عرصے تک عوام میں زبردست اختلافات چلتے رہے، خاص طور سے مشرقی عیسائی تو کسی طرح نیقیہ کونسل کے فیصلے کو ماننے کے لئے تیار نہ تھے، لیکن رفتہ رفتہ حکومت نے

بزدور انھیں ٹھنڈا کر دیا، اور اس طرح یہ مخالفین دھیمی پڑ گئیں،

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عیسائیت کی ابتدائی تین صدیوں میں پولس کے نظریات کے بے شمار مخالفین موجود تھے، اور اُس وقت تک کثیر تعداد میں باقی رہے جب تک کہ حکومت نے انھیں بزدور ختم نہیں کر دیا،

اب ہم اپنے قریبی زمانے کے خود عیسائی علماء کے کچھ اقوال **آخری زمانے میں** پیش کرتے ہیں، جن سے آپ یہ اندازہ کر سکیں گے کہ پولس

کو عیسائیت کا بانی قرار دینے کا نظریہ تنہا ہمارا نہیں ہے، بلکہ وہ عیسائی علماء بھی اس کی تائید کرنے پر مجبور ہیں جنہوں نے غیر جانبداری کے ساتھ بائبل کا مطالعہ کیا ہے:

۱۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں پولس کے حالات بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ:

”مصنفین کا ایک محنت فکرجس میں سے ڈبلو، ریڈ (W Wrede) کو بطور

مثال ذکر کیا جاسکتا ہے، اگرچہ کسی بھی اعتبار سے پولس کا منکر نہیں

ہو، تاہم وہ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہتا ہے کہ پولس نے عیسائیت

کو اس قدر بدل دیا تھا کہ وہ اس کا دوسرا بانی بن گیا، وہ درحقیقت اُس

”کلیسائی عیسائیت“ کا بانی ہے جو یسوع مسیح کی لائی ہوئی عیسائیت سے

بالکل مختلف ہے، یہ لوگ کہتے ہیں کہ ”یا تو یسوع کی اتباع کر دیا پولس

کی“ ان دونوں پر بیک وقت عمل نہیں کیا جاسکتا،

یہ لوگ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ پولس مذہب نہ صرف یہ کہ گناہ

کفارہ اور نجات کے ابدی وجود سے متعلق بعض توہم پرستانہ تصورات کو

شامل ہے، بلکہ..... یسوع مسیح سے متعلق پولس کی تمام تر تصورات نہ

روش جو اسے ذریعہ نجات و کفارہ قرار دیتی ہے، خود یسوع مسیح کی

ان تعلیمات کے متناقض ہے جو انھوں نے خدا اور انسان کے صحیح رشتے سے متعلق

پیش کی ہیں۔“

Walter Von

۲۔ اور پوٹس کا ایک مشہور سوانح نگار والٹر وون لونی وینک (

) لکھتا ہے:

Loewenich

”پال ڈی لاگارڈے کہتا ہے کہ پوٹس کو جو واقعی طور پر ابراہیم کی نسل سے تھا، اور اپنے نظریاتی انقلاب کے بعد بھی ”فریسیوں کا فریسی“ تھا، اُسے یسوع اور اس کی انجیل کے بارے میں کوئی قابل اعتماد علم مطلق نہیں تھا، لہذا یہ بات کسی طرح سننے کے لائق نہیں ہے کہ جو لوگ تاریخی طور پر تعلیم یافتہ ہیں انھیں پوٹس نام کے اس شخص کو کوئی اہمیت دینی چاہیے،

آج بھی کلیسا اپنے ”پولسی ورثے“ کی بناء پر شدید مشکلات سے دوچار ہے، پوٹس نے کلیسا میں عہد نامہ قدیم کو داخل کیا، اور اس کے اثرات نے ہر ممکن حد تک انجیل کو تباہ کر دیا، یہ پوٹس ہی تھا جس نے یہودی و ستربانی کا نظریہ اپنے تمام لوازم کے ساتھ درآمد کیا، اسی نے یہودیوں کا پورا تاریخی نظریہ ہم پر مسلط کر دیا،

یہ تمام کام اُس نے قدیم کلیسا کے لوگوں کی شدید مخالفت کے عین درمیان انجام دیے، جو ہر چیز کہ یہودی تھے، مگر اول تو یہودی انداز میں پوٹس کی بہ نسبت کم سوچتے تھے، دوسرے کم از کم وہ ایک ”ترمیم شدہ اسرائیلی مذہب“ کو خدا کی بھیجی ہوئی انجیل قرار نہ دیتے تھے“

۳۔ لی لاگارڈے کا یہ اقتباس نقل کر کے لونی وینک لکھتے ہیں:

”عصر حاضر میں پوٹس کے بیشتر مخالفین اپنی خطوط پر سوچتے ہیں جو لی لاگارڈے نے بیان کئے، اب بھی لوگ بہت جلد اُس تضاد پر زور دیتے ہیں جو یسوع اور پوٹس کے درمیان پایا جاتا ہے، اُس شخص کو اس بات کا ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے کہ اس نے یسوع کی خالص اور اصلی تعلیمات کو مکمل طور پر منسوخ کر ڈالا“

Loewenich, Paul, His Life and Work trans. by G. E. Harris,

London P. 5

۴۔ اگرچہ خود لوئی وینک پوٹس کے سرگرم حامی ہیں، مگر وہ ہوسٹن اسٹیورٹ چمبرلین کے اس قول کی تائید کرتے ہیں کہ:

”اس نے (یعنی پوٹس نے) عیسائیت کو نکڑ کر کے اسے یہودیت سے الگ ایک شکل عطا کی، اس لئے وہ اُن کلیساؤں کا خالق بن گیا، جو یسوع کے نام پر بنے۔“

نیز آگے چل کر ایک جگہ لوئی وینک کہتے ہیں:

”اگر پوٹس نہ ہوتا تو عیسائیت یہودی مذہب کا ایک فرقہ بن جاتا اور کوئی کائناتی مذہب نہ ہوتا۔“

کیا اس بات کا کھلا اعتراف نہیں ہے کہ عیسائیت کو ایک کائناتی مذہب بنانے کے شوق میں پوٹس نے حضرت مسیح علیہ السلام کے لئے ہوئے دین کو بدل ڈالا، لوئی وینک کے نزدیک یہ پوٹس کا قابل تعریف کارنامہ ہے، لیکن ہمارے نزدیک یہی وہ چیز ہے جسے تحریف کہتے ہیں،

۵۔ مسٹر جیمز میک کٹن جن کے حوالے اس کتاب میں بار بار آچکے ہیں ایک فاضل عیسائی مؤرخ ہیں، اور انھیں کسی طرح بھی پوٹس کا مخالفت نہیں کہا جاسکتا، لیکن وہ کھل کر اعتراف کرتے ہیں کہ:

”پوٹس کا انداز فکر اُس کا اپنا ہے، یہ بات دلائل سے واضح نہیں ہوتی کہ اس کا یہ انداز فکر یسوع کے انداز فکر سے پوری طرح مطابقت رکھتا ہو، یسوع کا تورات کے بارے میں جو تصور تھا وہ پوٹس کے تصور سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ اس لحاظ سے پوٹس کا یہ دعویٰ کہ اس نے اپنی تعلیم یسوع سے براہ راست وحی کے ذریعہ حاصل کی ہے، ایک مشکل مسئلہ ہے۔“

۶۔ پوٹس کے ایک اور سوانح نگار جیکسن جو پوٹس کے حامی ہیں، پوٹس کے مخالفین کا نظریہ نقل کر کے آخر میں اس بات کا اعتراف کرتے ہیں:

”اگر پوٹس نہ ہوتا تو عیسائیت مختلف ہوتی، اور اگر یسوع نہ ہوتے تو عیسائیت ناممکن تھی۔“

۷۔ ۱۹۵۳ء میں امریکہ سے (The Nazarene Gospel Restored)

کے نام سے ایک کتاب شائع ہوئی ہے جو رابرٹ گریوٹس (Robert Graves)

اور جو شواپوڈرو (Josnua Pedro) کی مشترکہ تصنیف ہے، مؤخر الذکر

ایک مشہور عیسائی بشپ کا لڑکا ہے، اس کتاب کے مقدمے میں پوٹس پر مفصل تاریخی تنقید لگائی ہے، اور ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مذہب کو پوٹس نے بُری طرح بگاڑ ڈالا تھا، اور اس بناء پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصل حواری اس سے ناراض تھے، ہم نے اوپر مختلف عیسائی علماء کے جو حوالے پیش کئے ہیں، ان کی حیثیت ”مثبت نمونہ از خردا بے“ کی ہے، ورنہ اگر پوٹس کے مخالفین اور ناقدین کے اقوال اہتمام کے ساتھ جمع کئے جائیں تو بلاشبہ ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے، ان چند اقتباسات کو پیش کرنے کا مقصد صرف یہ دکھلانا تھا کہ خود عیسائی علماء میں سے بھی بے شمار لوگ اس بات کا اعتراف کرنے پر مجبور ہیں کہ موجودہ عیسائیت کے اصل بانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہیں، بلکہ پوٹس ہی، امید ہے کہ مندرجہ بالا دلائل و شواہد ایک حق پرست انسان پر یہ حقیقت آشکار کرنے کے لئے کافی ہوں گے کہ موجودہ عیسائی مذہب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصل تعلیمات سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا، وہ تمام تر پوٹس کی ایجاد ہے، اس بناء پر اس مذہب کا صحیح نام ”عیسائیت“ کے بجائے ”پولسیت“ ہے،

وَ اٰخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

۵ Roakes Jackson, *The Life of St. Paul*, London 1933 P. 18

۶ see *The Nazarene Gospel Restored*, Cassell 1953 PP. 19, 21

تیسرا باب

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی

مُصَنَّفُ اَظْهَارِ الْحَقِّ

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی اُن خدا مست بجاہدین میں سے ہیں جن کی زندگی کا ہر سانس دین اسلام کی خدمت کے لئے وقف تھا، انھوں نے ایک ایسے زمانے میں حق کا آواز بلند کیا تھا، جب حق کے پرستاروں کے لئے جگہ جگہ دار کے تختے لٹکے ہوئے تھے، تاریخ اسلام ایسے حضرات کے تذکروں سے مالا مال ہے جنھوں نے علمی طور پر حق کو پھیلانے اور پہنچانے کی موثر خدمتیں انجام دیں، اور اپنی زبان اور قلم سے دین اسلام کا دفاع کیا، دوسری طرف ایسے جانبازوں کی بھی کمی نہیں ہے جنھوں نے دین کی حفاظت کے لئے تلوار اٹھائی، اور اس کی آبیاری کے لئے اپنا خون پیش کیا، لیکن ایسے لوگوں کی تعداد بلاشبہ کم ہے، جنھوں نے قلم اور تلوار دونوں میدانوں میں اپنے جوہر دکھلائے ہوں،

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی انہی مفترس ہستیوں میں سے ہیں جن کی نظریں ہر زمانے کی تاریخ میں گہنی چنی ہوا کرتی ہیں، انھوں نے اگر ایک طرف عیسائیت کے تابڑ توڑ حملوں کا دفاع کرنے کے لئے اپنی زبان اور قلم کی تمام توانائیاں وقف کر دیں، تو دوسری طرف ہندوستان کو مغربی اقتدار سے آزاد کرانے کے لئے تلوار لے کر بھی نکلے، اور دونوں میدانوں میں جہد و عمل کی وہ ولولہ انگیز داستانیں چھوڑ گئے جو رہتی دنیا تک یادگار رہیں گی، اقبال انہی جیسے سرفردشوں کے لئے کہا تھا کہ ۵

قلندراں کہ براہ تو سخت می کوشند

ز شاہ باج ستانند و خرقہ می پوشند

بہ جلوت اندوگندے بہ مہر و مہ سچیند
 بہ خلوت اندو زمان مکان در آغوشند
 بر دوز زم سیرا پاچو پر نیان و حسریہ
 بر دوز زم خود آگاہ و تن سراموشند

مولانا کے آباء و اجداد | حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانہ کے مشہور و معروف عثمانی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، آپ کے جد امجد شیخ

عبدالرحمن گادرونی، سلطان محمود غزنوی کی فوج میں شرعی حاکم تھے، یہ عہدہ "قاضی عسکر" کے نام سے سلطنت ترکیہ کے زمانے میں بھی ہمیشہ رہا ہے، اور آخری خلیفہ سلطان محمد رشاد خان خاص مرحوم کے زمانے تک اس عہدے پر ممتاز علماء و مفتّر رکھے جاتے تھے، جو فوج کے تمام شرعی معاملات اور مقدمات کا فیصلہ کیا کرتے تھے، شیخ عبدالرحمن گادرونی سلطان محمود غزنوی کے لشکر کے ساتھ "قاضی عسکر" کی حیثیت سے ہندوستان آئے، اور جب سلطان نے سویمناٹ پر حملہ کیا تو یہ فوج کے ساتھ چاد میں شریک تھے، اور پانی پت کی فتح کے بعد یہیں قیام اختیار کر لیا، پانی پت کے قلعے کے نیچے آپ کا مزار ہے،

شیخ عبدالرحمن گادرونی کی اولاد میں ایک بزرگ حکیم عبدالکریم کے نام سے گذری ہیں، جو مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی کے آٹھویں جد امجد ہیں، یہ دربار اکبری کے مشہور طبیب تھے، اور حکیم بنیا کے نام سے معروف، ایک مرتبہ شاہ اکبر لاہور کے قریب چاندنی رات میں ہرنوں کی لڑائی کا تماشا دیکھ رہا تھا، اتفاقاً ایک ہرن نے جھپٹ کر اکبر کی رانوں کے بیچ میں سینک مار کر اُسے زخمی کر دیا، علاج کیا گیا، مگر آفاقہ نہ ہوا، تو ابو الفضل کے مشورے سے "حکیم بنیا" کو پانی پت سے بلایا گیا، ایک ماہ ساٹ روز کے بعد صحت ہو گئی، اس پر شاہ اکبر نے حکیم بنیا صاحب کو "شیخ الزمان" کا شاہی خطاب عطا کیا، حکیم

ابو الفضل نسب نامہ کے لئے ملاحظہ ہو "ایک مجاہد معمار" از مولانا محمد سلیم صاحب، ص ۸، مطبوعہ مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ،

کے صاحبزادے حکیم محمد حسن صاحب مرحوم بھی اپنے والد کے ساتھ بادشاہ کے علاج میں ہمہ تن مصروف رہے تھے، اس لئے انھیں ۱۱۵ھ میں قصبہ کیرآٹہ جاگیر کے طور پر عطا کیا گیا تھا۔ شاہزادہ سلیم نے انھیں نواب مقرب خان کالقب دیا، بعد میں جہانگیر نے انھیں صوبہ دکن اور گجرات کا اور شاہ جہاں نے صوبہ بہار کا گورنر مقرر کیا تھا،

حکیم محمد حسن کے دو سر بھائی حکیم عبدالرحیم صاحب رجن کی ساتویں پشت میں مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی آتے ہیں، بھی اپنے بھائی کی طرح صاحب منصب جاہلور اور جہانگیر کے عہد میں دربار کے خاص طبیب رہے ہیں،

جب حکیم محمد حسن صاحب کو کیرآٹہ بطور جاگیر عطا ہوا تو عثمانی خاندان کا بڑا حصہ پانی پت سے منتقل ہو کر کیرآٹہ میں آباد ہو گیا تھا، حکیم محمد حسن اور حکیم عبدالرحیم دونوں نے قصبہ سے اپنے محللات، کچھریاں، اور ریاستی مکانات بنائے تھے، ایک سو چالیس بیگہ زمین میں انھوں نے آموں کا ایک باغ لگایا تھا، جسے دیکھنے کے لئے شاہ جہانگیر خود کیرآٹہ آیا تھا، اس نے اپنے اس سفر کا ذکر "تزک جہانگیری" میں کیا ہے، اور باغ کی تعریف کی ہے، کہتے ہیں کہ اس میں نو لاکھ درخت تھے، اس لئے آج بھی اس باغ کی زمین "نولکھا باغ" کے نام سے مشہور ہے،

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب اسی خاندان کے چشم و چراغ | **ابتدائی حالات** تھے، اور اپنے آباء و اجداد کے انہی مکانات میں جمادی الاول ۱۲۳۳ھ کو پیدا ہوئے، مولانا نے ۱۲ سال کی عمر تک قرآن کریم بھی ختم کر لیا، اور اس کے

۱۵ شہنشاہ جہانگیر لکھنآباد جمعہ ۲۱ ماہ آذر کو مقرب خان کی جاگیر پر گئے کیرآٹہ میں نزول اجلال کیا، اس سرزمین پر مقرب خان نے باغ اور عمارات تعمیر کرائی ہیں، ہفتہ ۲۲ ماہ مذکور کو میں اہل محل کے ساتھ باغ اور عمارات کی سیر کو گیا، اس باغ میں ہر قسم کے پھل دار درختوں کے پودے لگائے گئے ہیں، باغ کی سیر سے میں بہت محفوظ ہوا، اور بہت تعریف کی، "تزک جہانگیری" مترجمہ مولوی احمد علی رانی پوری ص ۲۶۲

ساتھ فارسی اور ابتدائی دینیات کی کتابیں اپنے بزرگوں سے پڑھ لیں، اس کے بعد علوم اسلامیہ کی تحصیل کے لئے دہلی تشریف لے گئے، جہاں حضرت مولانا محمد حیات صاحب نے ایک مدرسہ قائم کیا ہوا تھا، ۱۲۵۵ھ میں آپ کے والد مولوی خلیل اللہ صاحب دہلی میں ہمارا چہ ہندو راؤ بہادر کے میرمنشی مقرر ہوئے، اور دھیرج پہاڑی کے قریب قیام اختیار کیا، اس وقت مولانا مدرسہ اپنے والد کے پاس آگئے، دن میں تعلیم حاصل کرتے اور رات کو والد ماجد کے پاس رہتے، اور راجہ کو اکبر نامہ سناتے تھے، کچھ عرصہ تک اپنے والد کا ہاتھ بٹانے کے لئے آپ نے میرمنشی کا کام بھی کیا ہے، لیکن بالآخر اس کام سے حضرت مولانا نے علیحدگی اختیار کر لی، اور لکھنؤ کی علی شہرت سکروہاں تشریف لے گئے، اور حضرت مولانا مفتی سعد اللہ صاحب سے شرف تلمذ حاصل کیا، اور ان سے مسلم الثبوت اور میرزا بہادر کا درس لیا، اگرچہ حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کے ابتدائی اساتذہ مولانا محمد حیات صاحب اور مولانا مفتی سعد اللہ صاحب تھے، مگر مندرجہ ذیل حضرات سے بھی آپ کو شرف تلمذ حاصل ہے:

- (۱) مولانا احمد علی صاحب بڈولی ضلع منظر نگر، جو آخر میں ریاست پٹیالہ کے وزیر ہو گئے تھے
- (۲) عارف باللہ مولانا حافظ عبدالرحمن صاحب حشتی، یہ استاد شاہ وقت تھے، تمام علوم و فنون میں مہارت تامہ رکھتے تھے، بستی نظام الدین اولیاء میں ان کا مزار ہے،
- (۳) مولانا امام بخش صاحب صہبائی، ان سے فارسی پڑھی،
- (۴) حکیم فیض محمد صاحب، ان سے علم طب کی تکمیل کی،
- (۵) مصنف لوکار تخم سے ریاضی پڑھی،

تدریس | ہندوستان میں حضرت مولانا کیرافوی کو تدریس کا بہت کم موقع ملا، ملک میں عیسائیت کا فتنہ اپنے شباب پر تھا، اس کی روک تھام کی فکر نے مولانا کو اتنی ہمت نہ دی، کہ آپ اطمینان کے ساتھ تدریس کا فیض جاری رکھتے، طالب علمی

لے سرسید احمد خاں نے ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے: "آپ کا علم و فضل قابلِ مثال اور لائقِ رشک تھا" (آثار الصنادید ص ۴۱ تا ۴۲ ج ۲)

سے فراغت کے بعد اور سن ۱۲۷۴ھ سے قبل مولانا نے قصبہ کیراتہ میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا تھا اس مدرسہ کے سینکڑوں تلامذہ ہیں سے حضرت مولانا محمد سلیم صاحب مدظلہم ہتم مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ نے مندرجہ ذیل نام بطور خاص ذکر فرماتے ہیں:

۱۔ مولانا عبد السمیع صاحب رامپوری، (مصنف حدیثی)

۲۔ مولانا احمد الدین صاحب چکوالی

۳۔ مولانا نور احمد صاحب امرتسری

۴۔ مولانا شاہ ابوالخیر صاحب

۵۔ مولانا شاہ ثروت الحق صاحب صدیقی (مشہور مناظر عیسائیت و مصنف دافع البیہات)

راستیصال دین عیسوی)

۶۔ مولانا قاری شہاب الدین عثمانی کیرانوی

۷۔ مولانا حافظ الدین صاحب دجانوی

۸۔ مولانا امام علی صاحب عثمانی کیرانوی

۹۔ مولانا عبد الوہاب صاحب دیلوری بانی مدرسہ الباقیات الصالحات مدراس

۱۰۔ مولانا بدرالاسلام صاحب عثمانی کیرانوی، ہتم حمید یہ کتب خانہ شاہی قسطنطنیہ

پھر جب مولانا ہجرت کر کے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو آپ کا حلقہ درس سینکڑوں طلباء اور علماء وقت پر مشتمل ہوتا تھا، مکہ مکرمہ میں آپ کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے، بعض خاص تلامذہ کے نام یہ ہیں:

۱۔ شریف حسین بن علی سابق امیر حجاز و بانی حکومت ہاشمیہ،

۲۔ شیخ احمد انجار سابق قاضی طائف

۳۔ شیخ القراء حضرت مولانا قاری عبد الرحمن صاحب الہ آبادی

۴۔ شیخ محمد حسین الحیاط بانی مدرسہ خیرہ مکہ مکرمہ

۱۵۔ ایک مجاہد معمار، ص ۱۸۱ و ۱۹۱ مطبوعہ مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ،

- ۵۔ شیخ احمد ابوالخیر مفتی الاحناف مکہ مکرمہ
- ۶۔ شیخ اسعد الدہان، قاضی مکہ و مدرس مسجد حرام
- ۷۔ شیخ عبدالرحمن سرلج، شیخ الائمہ مفتی الاحناف بمکہ المکرمہ
- ۸۔ شیخ محمد حامد الجذادی، قاضی جدہ
- ۹۔ شیخ محمد عابد المالکی، مفتی المالکیۃ بمکہ المکرمہ و المدرس بالمحرم الشریف
- ۱۰۔ شیخ عبداللہ و حلان، من مشاہیر علماء الحرم

گھریلو حالات | ۱۳۵۶ھ میں مولانا کی شادی اپنی خالہ کی صاحبزادی سے ہوئی، شادی کے اگلے سال پھر مہاراجہ ہند دراونے آپ کو اور آپ کے والد ماجد کو اپنے پاس دہلی ہاڑہ ہند دراونے میں بلایا، اور حضرت مولانا کو اپنا میر منشی مقرر کیا، اور آپ کے والد کو جائداد کی نگرانی اور دیکھ بھال کا کام سپرد کیا، اسی دوران ۱۳۵۷ھ میں مولانا کا ایک سالہ لڑکا فوت ہو گیا، اور کچھ ہی عرصے کے بعد آپ کی اہلیہ محترمہ دق کے عارضے میں مبتلا ہو کر انتقال فرما گئیں، اعزہ نے دوسری شادی کے لئے اصرار کیا، مگر کافی عرصے تک آپ کے دوسری شادی نہ کی، ابھی اس غم کو زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ والد ماجد کا انتقال ہو گیا چنانچہ آپ نے اپنی جگہ پر اپنے چھوٹے بھائی مولوی محمد جلیل صاحب کو ملازم رکھ کر احبہ کی ملازمت سے علیحدگی اختیار کی، اور کیرانہ پہنچ کر درس و تدریس کے ساتھ ترویج عیسائیت کی خدمت میں مصروف ہو گئے،

رو عیسائیت کی خدمات | شاہ عبدالغنی ساکن خانقاہ غلام علی شاہ کی فرمائش پر مولانا نے عیسائیت پر اپنی پہلی تصنیف

”ازالۃ الادہام“ فارسی زبان میں لکھنی شروع کی، حضرت مولانا محمد سلیم مدظلہم بہتم مدرسہ مولانیہ مکہ مکرمہ تحریر فرماتے ہیں:

”ازالۃ الادہام زیر ترتیب تھی، کہ حضرت مولانا مرحوم سخت علیل ہوئے، اٹھنے بیٹھنے اور چلنے پھرنے کے قابل نہ رہے، اشارہ سے نماز ادا ہوتی تھی

۱۵ فرنگیوں کا جال“ مصنف جناب امداد صابری، ص ۲۳۰ و ۲۳۱، مطبوعہ دہلی ۱۹۴۹ء

استریا۔ واعزاء تلامذہ اور بیمار دار بڑھتی ہوئی کمزوری اور شدت مرض سے پریشان تھے، ایک روز نماز فجر کے بعد آپ رونے لگے، بیمار دار سمجھے کہ زندگی سے مایوسی ہے، اعزاء سے تسلی و تشفی کرنی چاہی، آپ نے فرمایا ”بخدا صحت کی کوئی علامت نہیں، لیکن انشاء اللہ صحت ہوگی“ رونے کی وجہ یہ ہو کہ خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی ساتھ ہیں، حضرت صدیق اکبرؓ فرماتے ہیں ”اے جوان! تیرے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خوش خبری ہے کہ اگر تالیف از آلہ الاوہام مرض کی وجہ ہے تو وہی باعث شفاء ہوگی“ حضرت مولانا مرحوم نے فرمایا کہ اس خوشخبری کے بعد مجھے کوئی سچ و سلال نہیں، بلکہ مسرور اور خوش ہوں، اور شرط سترت سے یہ آنسو نکل آتے“

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ عیسائی مشنریوں نے ہندوستان میں اپنی اسلام دشمن سرگرمیاں تیز کر رکھی تھیں، پادری فائڈر (REV. C.C.P. FONDER) عیسائیوں کا سرگروہ تھا، وہ جگہ جگہ اسلام کے خلاف دلخراش تقریریں کر رہا تھا، اور اس نے ”میزان الحق“ نامی اپنی کتاب میں جو شبہات و تبلیغات پیدا کئے تھے، ان کی وجہ سے مسلمانوں میں خوف و ہراس پیدا ہو رہا تھا، پادری علماء کی خاموشی سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے تھے،

حضرت مولانا کیرانویؒ نے محسوس فرمایا کہ اس سیلاب کا موثر مقابلہ اس وقت تک نہ ہو سکے گا جب تک کہ پادری فائڈر کے ساتھ کسی مجمع عام میں ایک فیصلہ کن مناظرہ کر کے عیسائیت کی کمر نہ توڑ دی جاتے، تاکہ عوام کے دلوں میں عیسائیت کا جو خوف مسلط ہونے لگا ہے وہ بالکل دور ہو جاتے، اور وہ پہچان لیں کہ دلیل و حجت کے میدان میں عیسائیت کے اندر کتنی سکت ہے؟

۱۵ ایک مجاہد معمار، ص ۱۹-۲۰،

فانڈر سے مناظر

چنانچہ مولانا اپنے دوست مولوی محمد امیر اللہ صاحب میر مختار

راجہ صاحب بنارس کی معرفت پادری فانڈر سے ملنے تشریف

لے گئے، تاکہ مناظرہ کے لئے گفتگو کریں، پادری مکان پر نہ ملے، چنانچہ ۲۳ مارچ ۱۸۵۴ء

سے حضرت مولانا نے پادری فانڈر سے خط و کتابت شروع کی، فانڈر شروع میں پہلو بہ

کر تارہا، بالآخر ۱۰ اپریل ۱۸۵۴ء کے آخری خط میں مناظرہ طے پا گیا، طرفین کے اتفاق

ابتدائی مراحل کی تکمیل کے بعد پیر کے دن ۱۱ رجب ۱۲۷۴ مطابق ۱۰ اپریل ۱۸۵۴ء کو

علی الصباح کٹرہ عبد المسیح اکبر آباد آگرہ میں مناظرہ کا پہلا اجلاس منعقد ہوا، حضرت مولانا

کے ساتھ جناب ڈاکٹر محمد وزیر خاں صاحب مرحوم معاون تھے، اور فانڈر کے ساتھ پادری

فریچ، مناظرہ کی مجلس میں پہلے دن حاکم صدر دیوانی مسٹر اسمتھ صدر صوبہ بورڈ مسٹر کرکچن سیکنڈ

میسٹریٹ علاقہ فوج مسٹر ولیم، ترجمان حکومت مسٹر لیڈلی، پادری ولیم گلبن، مفتی ریاض الدین

صاحب، منشی خادم علی صاحب مہتمم مطلع الاخبار وغیرہ بطور خاص قابل ذکر ہیں،

ان کے علاوہ تعتر بیاضچہ سو مسلمان، عیسائی، ہندو اور سکھ موجود تھے، مناظرے

کے لئے پانچ مسائل طے ہوئے تھے، تحریف بائبل، وقوع نسخ، تثلیث، رسالت محمد

صلی اللہ علیہ وسلم اور حقانیت قرآن، اور شرط یہ طے پائی تھی کہ اگر مولانا رحمت اللہ صاحب

کیرانوی غالب آئے تو فانڈر مسلمان ہو جائے گا، اور اگر فانڈر غالب آئے تو مولانا عیسائی

ہو جائیں گے،

مناظرے کا پہلا دن

پہلے تین مسائل میں طے یہ ہوا تھا کہ مولانا اعتراضات کریں گے

اور فانڈر جواب دے گا، اور آخری دو مسئلوں میں برعکس صورت

ہو گی، سب سے پہلے نسخ کے مسئلے پر بحث شروع ہوئی، مولانا نے پہلے نسخ کی حقیقت واضح

۱۔ یہ پوری خط و کتابت مناظرے کی مطبوعہ روداد میں موجود ہے، اس کا عربی ترجمہ "البحث الثریف"

کے نام سے شیخ رفاعی خوی نے کیا ہے، جو اظہار الحق مطبوعہ مطبع علیہ بہتبول ۱۳۱۵ء کے حاشیہ پر چھپا ہے،

۲۔ البحث الثریف فی مسئلۃ النسخ والتحریف علی یا مش اظہار الحق ۱۳۱۶ء ج ۱

منسوخ مانی، اور بتایا کہ مسلمانوں کے نزدیک اس کا کیا مطلب ہو؟ اس کے بعد مسلمانوں کا دعویٰ معین کیا کہ انجیل کے بعض احکام منسوخ ہیں، اور بعض منسوخ نہیں، فائڈر نے دونوں کی مثالیں پوچھیں، تو آپ نے بتایا کہ مثلاً انجیل میں طلاق کی ممانعت کا جو حکم ہے وہ منسوخ ہو چکا ہے، مگر انجیل مرقس باب ۱۲ میں جو توحید کا حکم دیا گیا ہے وہ منسوخ نہیں ہوا، اس پر فائڈر نے کہا کہ انجیل کا کوئی حکم منسوخ نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ انجیل لوقا باب آیت ۳۳ میں حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ قول مذکور ہے کہ:-

”زمین و آسمان ٹل جائیں گے، مگر میری باتیں ہرگز نہ ٹلیں گی۔“

مولاناؒ نے جواب دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ ارشاد اپنی تمام باتوں کے لئے نہیں تھا، بلکہ خاص اُن باتوں کے لئے تھا جو اکیسویں باب میں مذکور ہیں، فائڈر نے کہا: ”لیکن الفاظ تو عام ہیں۔“

اس پر مولاناؒ نے ڈی آئی اور رچرڈ مینٹ کی تفسیر انجیل کا حوالہ دیا، جن میں خود عیسیٰؑ علماء نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اس قول میں ”میری باتیں“ سے مراد وہ باتیں ہیں جو اوپر ذکر ہوئیں،

تھوڑی سی گفت و شنید کے بعد فائڈر مولاناؒ کے اس اعتراض کا جواب دے سکا اور اس نے پطرس کے پہلے خط کے باب اول آیت ۲۳ کی یہ عبارت پیش کی:

”کیونکہ تم فانی تحم سے نہیں بلکہ غیر فانی سے خدا کے کلام کے وسیلے سے جو زندہ اور قائم ہے۔“

فائڈر نے کہا کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کا کلام ہمیشہ قائم رہے گا اور منسوخ نہ ہوگا۔

اس پر حضرت مولاناؒ نے فرمایا کہ بعینہ اسی قسم کا جملہ تورات کی کتاب یسعیاہ میں بھی مذکور ہے کہ:

”گھاس مڑھاتی ہے، پھول کھلتا ہے، پر ہاے خدا کا کلام اب تک قائم ہے۔“

لے یہ یسعیاہ ۴۰:۸ کی عبارت ہے،

ہذا اگر کلام کے زندہ اور قائم ہونے سے اس کا کبھی منسوخ نہ ہونا لازم آتا ہے تو آپ کو ثورات کے بارے میں بھی یہ کہنا چاہیے کہ وہ منسوخ نہیں ہو سکتی، حالانکہ اس کے سینکڑوں احکام کو آپ خود منسوخ کہتے ہیں،

فائدہ نے لا جواب ہو کر کہا کہ میں اس وقت صرف انجیل کے نسخے سے بحث کر رہا ہوں۔۔۔۔۔ اس پر ڈاکٹر وزیر خاں صاحب نے کہا کہ حواریوں نے اپنے زمانے میں بتوں کی تشریفانی، خون، گلا گھونٹے ہوئے جانور اور حرامکاری کے سوائے تمام چیزوں کو حلال کر دیا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ انھوں نے انجیل کے دوسرے احکام بھی منسوخ قرار دیتے تھے، اس کے علاوہ اب آپ کے نزدیک ان چیزوں میں سے بھی صرف حرامکاری ناجائز رہ گئی ہے،

فائدہ نے کہا کہ اصل میں ان اشیاء کی حرمت میں ہمارے علماء کا اختلاف ہے اور ہم بتوں کی تشریفانی کو اب بھی حرام کہتے ہیں، اس پر مولانا نے فرمایا کہ آپ کے مقدس پطرس نے رومیوں کے نام خط کے باب ۱۲ میں لکھا ہے کہ،

”مجھے یقین ہے کہ کوئی چیز بذاتہ حرام نہیں، لیکن جو اس کو حرام سمجھتا ہے اس کے لئے حرام ہے۔“

اور پطرس کے نام خط کے باب اول آیت ۱۵ میں بھی اس قسم کی عبارت ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام چیزیں حلال ہیں، پھر آپ انھیں حرام کیوں کہتے ہیں؟ فائدہ نے زچ ہو کر کہا کہ انہی آیات کی بناء پر ہمارے بعض علماء نے ان چیزوں کو حلال کہا ہے،

اس کے بعد مولانا رحمۃ اللہ اور ڈاکٹر وزیر خاں مرحوم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کلام سے نسخ کی کچھ اور مثالیں پیش کیں، آخر میں فائدہ نے یہ تسلیم کر لیا کہ انجیل کے احکام

کا منسوخ ہونا ممکن ہے، البتہ نسخ کے وقوع کو تسلیم نہ کیا۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ فی الحال ہم آپ سے یہی چاہتے تھے کہ آپ نسخ کے امکان کو تسلیم کر لیں، رہا اس کا وقوع، سو اس کا اثبات انشاء اللہ اُس وقت ہو جائے گا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی بحث آئے گی،

فائدہ دینے کہا، ٹھیک ہے اب آپ دوسرے مسئلہ یعنی تحریف کو لے لیجئے، تحریف کی بحث شروع ہوئی تو سب سے پہلے مولاناؒ نے فائدہ دے پوچھا کہ آپ پہلے یہ بتائیے کہ میں کونسی قسم کی تحریف کے شواہد پیش کروں کہ آپ اُسے تسلیم کر سکیں؟ فائدہ دینے اس کا کوئی واضح جواب نہ دیا، تو مولاناؒ نے پوچھا، یہ بتائیے کہ بائبل کی کتابوں کے بارے میں آپ کا کیا اعتقاد ہے؟ کیا کتاب پیدائش سے لیکر کتاب مکاشفہ تک ان کا ہر فقرہ اور ہر لفظ الہامی اور اللہ کا کلام ہے؟ فائدہ دینے کہا، نہیں، ہم ہر لفظ کے بارے میں کچھ نہیں کہتے، کیونکہ ہمیں بعض مقامات پر کاتب کی غلطی کا اعتراف ہے۔

مولاناؒ نے فرمایا، میں اس وقت کاتب کی غلطیوں سے صرف نظر کر کے ان کے علاوہ دوسرے جملوں اور الفاظ کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہوں؟ فائدہ دینے کہا، میں ایک ایک لفظ کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اس پر مولاناؒ نے کہا کہ، مورخ یوسی بیس نے اپنی تاریخ کی چوتھی کتاب کے اٹھارویں باب میں لکھا ہے کہ جسٹس شہید نے طریقہ یونانی کے مقابلے میں بعض بشارتوں کی عبارتیں نقل کر کے یہ دعویٰ کیا تھا کہ یہودیوں نے بائبل کے عہد نامہ قدیم سے یہ بشارتیں ساقط کر دی تھیں۔

یہ کہہ کر مولاناؒ نے والٹسن ج ۳، ص ۳۲ اور تفسیر ہورن ج ۲، ص ۶۲ کے حوالے بھی دکھائے کہ اس میں بھی جسٹس کا یہ دعویٰ مذکور ہے، اور آئرینوس، کریسپ، سلپریس، والی ٹیکر اور کلاک نے بھی جسٹس کی تصدیق کی ہے، اس کے بعد مولاناؒ نے فرمایا:

اب بتائیے کہ جسٹن نے جو یہ بشارتیں ذکر کی تھیں اور ان کے کلام الہی ہونے کا دعویٰ کر کے یہودیوں پر انھیں ملانے کا الزام لگایا تھا، اس معاملے میں وہ سچا تھا یا جھوٹا؟ اگر سچا تھا تو ہمارا دعویٰ ثابت ہو گیا، کہ یہودیوں نے تحریف کی ہے، اور اگر جھوٹا تھا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جسٹن جو آپ کا اتنا بڑا عالم ہے، اپنی طرف سے چند جملے گھڑ کر انھیں خدا کا کلام ثابت کر رہا تھا۔

اس پر فاندنر نے کہا کہ: ”جسٹن ایک انسان تھا، اس سے بھول ہو گئی۔“
مولاناؒ نے فرمایا: ”ہنری واسکاٹ کی تفسیر کی جلد اول میں تصریح ہے کہ آگسٹائن بھی یہودیوں کو یہ الزام دیا کرتا تھا کہ انھوں نے اکابر کی عمروں میں تحریف کی، اور اس طرح عبرانی نسخے کو بگاڑ دیا، اس کے علاوہ تمام متقدمین اس معاملے میں آگسٹائن کے ہم نوا تھے، اور مانتے تھے کہ یہ تحریف ۳۳ء میں واقع ہوئی تھی۔“

فاندنر نے جواب دیا: ”ہنری اور واسکاٹ کے لکھنے سے کیا ہوتا ہے؟ یہ دونوں مفسر تھے، اور ان کے علاوہ سینکڑوں نے تفسیریں لکھی ہیں۔“

مولاناؒ نے فرمایا: ”مگر یہ دونوں اپنی رائے نہیں لکھ رہے، بلکہ جمہور علماء متقدمین کا مذہب بیان کر رہے ہیں۔“

فاندنر نے کہا: ”یسوع مسیح نے انجیل یوحنا ۵: ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳ میں عہد نامہ قدیم کی حقانیت کی شہادت دی ہے، اور یسوع مسیح سے بڑھ کر کسی کی شہادت نہیں ہو سکتی۔“
ڈاکٹر وزیر خان نے کہا: ”تجربہ ہو کہ آپ اسی کتاب کے استدلال کر رہے ہیں جس کی اصلیت میں سارا جھگڑا ہے، جب تک بائبل کی اصلیت ثابت نہ ہو جائے آپ اس کی کسی عبارت سے اسی کی اصلیت پر کیسے استدلال کر سکتے ہیں؟ اور اگر فرض کیجئے اس وقت ہم اس پہلو سے قطع نظر بھی کر لیں تو اناجیل کی جو عبارتیں آپ نے پیش کی ہیں ان کے بارے میں محقق پتلی اپنی کتاب مطبوعہ لندن ۱۸۵۷ء کی قسم سوم اور باب سوم میں اقرار کرتا ہے کہ ان عبارتوں سے اس سے زائد کچھ ثابت نہیں ہوتا کہ عہد قدیم کی یہ کتب یسوع مسیح کے وقت موجود تھیں لہذا ان سے کتب عہد قدیم کی حرف بحرف اصلیت ثابت نہیں ہوتی۔“

فانڈر نے کہا: ”اس معاملے میں ہم پتلی کی بات نہیں مانتے“
 مولانا نے فرمایا: ”اگر آپ پتلی کی بات نہیں مانتے تو ہم آپ کی بات نہیں مانتے،
 ہمارے نزدیک پتلی کا کہنا درست ہے“
 تھوڑی سی بحث و تمحیص کے بعد فانڈر نے کہا:
 ”میں نے تو رات کی اصلیت کے لئے انجیل سے استدلال کیا ہے، اگر آپ انجیل کو
 درست نہیں سمجھتے تو انجیل کی تحریف ثابت کیجئے“
 ڈاکٹر وزیر خان نے کہا:

”اگرچہ آپ کی یہ بات اصول کے خلاف ہے، مگر آپ انجیل سے استدلال کریں، تاہم
 اگر آپ انجیل کی تحریف کے دلائل سنا چاہتے ہیں تو سنئے“
 یہ کہہ کر ڈاکٹر صاحب نے انجیل اٹھائی، اور انجیل متی ۱، ۱۷ پر پہنی شروع کی، جس
 میں حضرت مسیح علیہ السلام کے نسب نامے کے سلسلے میں کئی فحش غلطیاں ہیں،
 فانڈر نے یہ سن کر کہا: ”غلطی اور چیز ہے اور تحریف دوسری چیز“
 ڈاکٹر صاحب نے کہا: ”اگر انجیل پوری الہامی ہے تو اس میں غلطی کی کوئی گنجائش
 نہ ہونی چاہئے، لہذا اگر اس میں کوئی غلطی پائی جاتی ہے تو لازماً وہ تحریف کا نتیجہ ہوگی“
 فانڈر نے کہا: ”تحریف صرف اس وقت ثابت ہو سکتی ہے کہ آپ کوئی ایسی عبارت
 دکھلائیں کہ جو پُرانے نسخوں میں نہ ہوں، اور موجودہ نسخوں میں موجود ہو“
 اس پر ڈاکٹر صاحب نے یوحنا کے پہلے خط باب ۱ آیت ۷ کا حوالہ دیا:

لہ ان آیات کی عبارت عربی ترجمہ مطبوعہ کیمبرج یونیورسٹی پریس ۱۹۵۶ء و کیتھولک بائبل ٹرانس لٹریشن انگریزی
 مطبوعہ میکلن لندن ۱۹۶۳ء و کنگس جیمز ورنٹن مطبوعہ بائبل سوسائٹی نیویارک ۱۹۵۷ء میں اس طرح ہے:
 ”آسمان میں گواہ تین ہیں، باپ، کلمہ اور روح القدس، اور یہ تین ایک ہیں، اور زمین کے

گواہ تین ہیں، روح، پانی اور خون، اور تینوں متفق ہیں“

اس میں خط کشیدہ عبارت تمام علماء پر وٹسٹنٹ کے نزدیک الحاقی ہے، یعنی کسی نے اپنی طرف بڑھا دی ہے،
 کرسیاخ اور شوٹز اس کے محقق ہونے پر متفق ہیں، اور ہورن نے اسے کاٹ ڈالنے کا مشورہ دیا ہے، چنانچہ
 اردو ترجمہ بائبل مطبوعہ بائبل سوسائٹی لاہور ۱۹۵۹ء اور جدید انگریزی ترجمہ مطبوعہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس
 ۱۹۶۱ء میں یہ جملہ ساقط کر دیا گیا ہے، تقی

فائدہ نے کہا: ہاں! اس جگہ تحریف ہوتی ہے، اور اسی طرح دوسرے ایک دو مقامات پر بھی۔

دیوانی عدالت کا صدر جج اسمتھ جو پادری فریچ کے برابر میں بیٹھا تھا، جب اس نے یہ سنا تو اس نے پادری فریچ سے انگریزی میں پوچھا:

”یہ کیا بات ہے؟“

فریچ نے جواب دیا:

”ان لوگوں نے ہورن وغیرہ کی کتابوں سے چھ سات مقامات نکالے ہیں جن میں تحریف کا اقرار موجود ہے۔“

اس کے بعد فریچ نے ڈاکٹر وزیر خان صاحب سے کہا:

”پادری فائدہ بھی اعتراف کرتے ہیں کہ سات آٹھ مقامات پر تحریف ہوتی ہے۔“

اس پر بعض مسلمانوں نے ”مطلع الاخبار“ کے مہتمم سے کہا کہ آپ کل کے اخبار میں پادری صاحب کا یہ اعتراف شائع کر دیں، تو فائدہ بولا:

”ہاں! شائع کر دیں، مگر اس قسم کی معمولی تحریفات سے بائبل کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا، خود مسلمان انصاف کے ساتھ اس کا فیصلہ کر لیں۔“

یہ کہہ کر وہ مفتی ریاض الدین صاحب کی طرف دیکھنے لگا، تو مفتی صاحب نے فرمایا:

”اگر کسی وثیقے میں ایک جگہ جعل ثابت ہو جائے تو وہ قابل اعتماد نہیں رہتا، اور آپ تو سات آٹھ جگہ تحریف کا اعتراف کر رہے ہیں، اس بات کو جج صاحبان اچھی طرح سمجھیں گے۔“

یہ کہہ کر مفتی صاحب نے سول جج اسمتھ کی طرف دیکھا، مگر اسمتھ خاموش رہا، تو مفتی صاحب نے فرمایا:

”دیکھئے! مسلمانوں کا دعویٰ یہی تو ہے کہ بائبل کو یقینی طور پر اللہ کا کلام نہیں کہا جاسکتا، اور آپ کے اعتراف سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے۔“

اس پر فائڈر نے کہا: "اجلاس کا وقت آدھا آٹھنٹہ زائد ہو چکا ہے باقی بحث کل ہوگی"

مولانا رحمت اللہ صاحب نے فرمایا:

"آپ نے آٹھ جگہ تحریف کا اعتراف کیا ہے، ہم کل انشاء اللہ سچاس ساٹھ مقامات پر تحریف ثابت کریں گے، لیکن تین باتوں کا خیال رکھئے، ایک تو یہ کہ ہم آپ سے بائبل کے بعض صحیفوں کی سند متصل کا مطالبہ کریں گے، وہ آپ کو بیان کرنی ہوگی، دوسرے ہم جن سچاس ساٹھ مقامات پر تحریف ثابت کریں گے، آپ کے ذمے لازم ہوگا کہ یا ان کی تحریف کو تسلیم کریں، یا اس میں کوئی تاویل کریں، تیسرے جب تک ان مقامات کی تحریف کی بحث ختم نہ ہو جائے، آپ بائبل کی کسی عبارت سے استدلال نہیں کریں گے"

فائڈر نے کہا: "ہمیں یہ شرطیں منظور ہیں، مگر شرط یہ ہے کہ آپ بھی بتلائیں کہ آپ کے نبی کے زمانے میں انجیل کونسی تھی؟"

مولانا نے فرمایا: "یہ شرط منظور ہے، ہم انشاء اللہ کل یہ بتادیں گے"

ڈاکٹر وزیر خان بوسے: "اگر آپ فرمائیں تو یہ بات مولانا بھی بتادیں؟"

فائڈر نے کہا: "نہیں، اب دیر ہو گئی ہے، کل ہی سنیں گے"

اس پر پہلے دن کی نشست برخاست ہو گئی،

پہلے دن کے مناظرے کی شہرت دُور دُور تک پھیل چکی تھی، اس لئے دوسرے دن حاضرین کی تعداد ایک ہزار

سے زائد تھی، انگریز حکام، عیسائی، ہندو، سکھ، اور مسلمان عوام بھی کافی تعداد میں آئے تھے

اُس دن کی بحث میں سب سے پہلے فائڈر نے ایک طویل تقریر میں قرآن کریم کی بعض آیات

سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک انجیل اپنی

اصلی شکل میں محفوظ تھی، اور تہران نے اسی پر ایمان لانے کی دعوت دی ہے، لیکن مولانا

رحمت اللہ صاحب کیرانوی اور ڈاکٹر وزیر خان صاحب مرحوم نے نہایت معقول اور

مدلل جوابات دے کر ان کے تمام دلائل پر پانی پھیر دیا، اور اس کے بعد پہلے دن کی طرح

بائبل کے بہت سے مقامات پر تحریف ثابت کی، بالآخر فائڈر اور فریچ نے کہا کہ یہ تمام

غلطیاں کاتب کا سہو ہیں، اور ہم اسے تسلیم کرتے ہیں، لیکن ان غلطیوں سے ”متن“ کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

حاضرین نے پوچھا: ”متن“ سے آپ کا کیا مطلب ہے؟
فانڈر نے کہا: ”وہ عبارتیں جن میں تثلیث، الوہیت مسیح، کفارہ، اور شفاعت کا بیان ہے۔“

مولاناؒ نے فرمایا، یہ بات ناقابل فہم ہے کہ جب اتنے سارے مقامات پر آپ تحریف کا اعتراف کر چکے ہیں، تو اب اس کی آپ کے پاس کیا دلیل ہو کہ بقول آپ کے ”متن“ ان تحریفات سے محفوظ رہا ہے۔

فانڈر نے کہا: اس لئے کہ خاص ان عبارتوں کے محرف ہونے پر کوئی دلیل ہونی چاہئے، اور وہ صرف اُس وقت ثابت ہو سکتی ہے کہ آپ کوئی قدیم نسخہ دکھلائیں جس میں تثلیث وغیرہ کا عقیدہ مذکور نہ ہو۔

مولاناؒ نے فرمایا: ”آپ نے جن تحریفات کا اعتراف کیا ہے اُن سے یہ پوری کتاب مشکوک ہو چکی، اب اگر کسی عبارت کے بارے میں آپ کا دعویٰ یہ ہے کہ یہ یقیناً اللہ کا کلام ہے، تو اسے اللہ کا کلام ثابت کرنے کی دلیل آپ کے ذمہ ہے،

فریخ نے کہا: آپ نے بائبل کے جن مفسرین کے حوالہ سے تحریف ثابت کی ہے، وہی مفسرین یہ کہتے ہیں کہ تثلیث وغیرہ کے عقائد تحریف سے محفوظ رہے ہیں،

مولاناؒ نے فانڈر سے مخاطب ہو کر فرمایا: ”آپ نے ابھی تفسیر کشاف اور تفسیر بیضاوی کے حوالے دیئے تھے نا؟“

فانڈر نے کہا: ”جی ہاں!“

مولاناؒ نے فرمایا: ”ابھی مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ انجیل میں تحریف ہوئی ہے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، اور آپ کے منکر کافر ہیں، کیا اُن کی یہ باتیں بھی آپ مانتے ہیں؟“

فانڈر نے کہا: ”نہیں!“

مولانا نے فرمایا: ”اسی طرح ہم آپ کے علماء کی یہ بات تسلیم نہیں کرتے کہ بائبل میں اتنی ساری تحریفیات کے باوجود عقیدہ تثلیث وغیرہ تحریف سے یقینی طور پر محفوظ ہے، اصل بات یہ ہے کہ ہم نے آپ کے علماء کے اقوال الزامی طور سے نقل کئے تھے، اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ ہم ان کی ہر بات تسلیم کرتے ہیں۔“

فائدہ کرنے کہا، ”بہر حال، عقیدہ تثلیث وغیرہ میں تحریف نہیں ہوتی اور اس میں کوئی نقص واقع نہیں ہوا، اس لئے جب تک آپ اس بات کو نہیں مانیں گے میں آگے بحث نہیں کروں گا، کیونکہ تثلیث کے عقیدے میں ہم بائبل ہی سے استدلال کرتے ہیں۔“

حاضرین میں سے مولانا فیض احمد نے کہا: ”یہ عجیب بات ہے کہ آپ ایک کتاب کے تھے بڑے جتنے میں تحریف کا اقرار کرتے ہیں اس کے باوجود آپ کو اس پر بھی اصرار ہے کہ اسے بے نقص مانا جائے۔“

اس پر بحث ختم ہو گئی، اور فائدہ تعمیرے دن مناظرے کے لئے نہیں آیا، اس کے بعد پہلے ڈاکٹر وزیر خاں صاحب مرحوم اور اس کے بعد حضرت مولانا سے اپریل ۱۹۵۲ء تک اس کی کافی طویل خط و کتابت رہی، مگر زبانی مناظرے کی طرح قلمی بحث میں بھی وہ اپنی ہٹ دھرمی پر جما رہا، اور ان حضرات کے اتمام حجت کر دینے کے باوجود اپنی ضد پر قائم رہا، یہ تحریری بحث بھی مناظرے کی مطبوعہ روداد میں موجود ہے، جو ”بائبل مذہبی“ اور ”مراسلات مذہبی“ کے نام سے سید عبداللہ صاحب اکبر آبادی نے منشی محمد امیر صاحب کے اہتمام سے مطبوعہ ”منعمیہ اکبر آباد“ میں چھپوایا، پہلا حصہ فارسی میں تفسیری مناظرے کی روداد ہے، اور دوسرے حصے میں ڈاکٹر محمد وزیر خاں صاحب مرحوم اور

لے یعنی ہمارا ان کے اعترافات سے استدلال کرنا اس لئے درست ہے کہ اگر حقیقتہً بائبل کے ان مقامات پر تحریف نہ ہوتی ہوتی تو یہ عیسائی مفسر ہرگز تحریف کا اعتراف نہ کرتے، ان کا اعتراف اس بات کی دلیل ہے کہ بائبل تحریف ناقابل انکار طریقے پر ثابت ہو گئی ہے،

۱۔ ہم نے اس بحث کا نہایت مختصر خلاصہ لکھا ہے، جو ”البحث الشرعی“ سے اخذ ہے، پورے مناظرے کے لئے اسی کتاب کی طرف مراجعت کی جائے،

پادری فائزر کا تحریری مناظرہ اردو میں ہے، اور اس کا عربی ترجمہ انظار الالحی کے بہت سے نسخوں میں
حاشیے پر چھپا ہوا ہے،

اس مناظرے کی عالمگیر شہرت کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ مکہ مکرمہ کے شیخ رفعی
خولی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

”میں نے اس مناظرے کا حال مکہ معظمہ میں اُن بے شمار لوگوں سے سنا،

جو اُس مناظرے کے بعد حج کے لئے آئے، یہاں تک کہ یہ بات تو اتر

معنوی کی حد تک پہنچ گئی کہ پادری فائزر اس میں مغلوب ہوا تھا“

مناظرے کے بعد تین سال تک مولانا تصنیف و تالیف میں مشغول
ہے، بالآخر ۱۸۵۷ء میں سلطنتِ مغلیہ کا ٹٹمٹاتا ہوا چراغ گل ہو گیا اور

جہاد ۱۸۵۷ء

ہندوستان پر انگریزی اقتدار نے اپنے پاؤں پوری طرح جمائے، اُس زمانے کے علماء کی
ایک عداست جماعت اپنے فرائض سے غافل نہ تھی، جہاد فی سبیل اللہ کے عظیم مقصد
کے لئے یہ جماعت میدان میں آئی، اور اپنی بساط و ہمت کے مطابق خدمتِ دین کا حق ادا کیا

۱۸۵۷ء کا جہاد آزادی و حقیقت کسی باضابطہ حکیم یا لائحہ عمل کے تحت پیش
نہیں آیا تھا، بلکہ واقعہ یہ تھا کہ ۱۸۵۷ء میں پلاسی کی جنگ کے بعد جب انگریزوں نے
ہندوستان پر باضابطہ حکومت کا فیصلہ کر لیا تو اس کے بعد سو سال تک ہندوستانی
باشندوں میں اس حکومت کے غلات نفرت اور بیزاری کے غیر معمولی جذبات پروان
چڑھتے رہے، اور انگریزوں نے ہندوستانی باشندوں کی شجاعت کے پیش نظر انھیں اپنی
فوج میں اکثریت دیدی، نفرت و بیزاری کی انتہاء ان فوجیوں کی بغاوت پر ہوئی، جب

۱۷ البحت الشریف علی ہامش انظار الالحی، ص ۵۵ ج اول، مطبوعہ مستقبل،

۱۸ ۱۸۵۷ء کے جہاد آزادی کے اس پہلو پر حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی فاضلہ

تصنیف ”سوانح قاسمی“ میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، اکابر و روہتہ نے اس جہاد میں جس طرح حصہ لیا اس

کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ”سوانح قاسمی“ ص ۷۹ تا ۸۰ ج ۲، ص ۱۲

فوج باغی ہو گئی تو ملک کے عام باشندے جو سو سال سے انگریزی حکومت سے تنگ آ کر ہوئے تھے، اُن کے سامنے بھی ایک نجات کی صورت آگئی، چنانچہ ملک کے مختلف حصوں میں مختلف جتھے اور جماعتیں بنیں، اور ہر علاقے میں اس جہاد کا ایک امیر منتخب ہوا، تو ایچ سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اُن اُمراء کا آپس میں کوئی رابطہ تھا یا نہیں؟

چنانچہ تھا۔ بھون اور کیرانہ کا ایک محاذ قائم کیا گیا، مجاہدین کی جماعت مدافعت اور مقابلہ کرتی رہی، تھانہ بھون میں حضرت حاجی امجد آوالہ صاحب مہاجر مکی امیر، حضرت حافظ ضامن شہید امیر جہاد، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی سپہ سالار اور حضرت مولانا محمد منیر صاحب مولانا نانوتوی کے یادِ جزی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی وزیرِ لام بنی قرار پائے، انہی حضرات نے شاملی میں انگریزی فوج کی ایک گڑھی پر حملہ کر کے تحصیل شاملی کو فتح کر لیا،

دوسری طرف کیرانہ اور اس کے گرد و نواح میں حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی امیر، اور چودھری عظیم الدین صاحب مرحوم سپہ سالار تھے، اُس زمانے میں عصر کی نماز کے بعد مجاہدین کی تنظیم و تربیت کے لئے کیرانہ کی جامع مسجد کی سیڑھیوں پر تقارہ بجایا جاتا، اور اعلان ہوتا کہ:

”ملک خدا کا اور حکم مولوی رحمت اللہ کا“

اس دور کی تواریخ دیکھیں یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ شاملی کی جنگ میں حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ فی الواقعہ شامل تھے یا نہیں، لیکن آپ کے سوانح نگاروں نے اتنا ضرور لکھا ہے کہ انگریزوں نے آپ پر بھی تحصیل شاملی پر حملہ کرنے کا الزام لگایا تھا، اور اس کی وجہ بعض ابن الوقت لوگوں کی بخبری تھی، اسی کے نتیجے میں آپ کے نام حکومت

۱۔ سوانح قاسمی، ص ۱۲۷ ج ۲، مطبوعہ دیوبند ۱۳۷۳ھ

۲۔ چودھری صاحب مرحوم انقلاب کے بعد حضرت مولانا رحمت اللہ کے پاس مکہ معظمہ آگئے تھے

وہیں وفات پائی (ایک مجاہدِ معمار، ص ۲۹)

نے گرفتاری کا وارنٹ جاری کر دیا، مجھ نے اطلاع دی تھی کہ مولانا کیرانہ کے محلے دربار میں موجود ہیں اس لئے مولانا کو گرفتار کرنے کے لئے انگریز فوج نے کیرانہ کے محلے دربار کا محاصرہ کر لیا۔ اسی محلے کے دروازے کے سامنے اس نے توپ خانہ نصب کیا، اور محلے کی تلاشی لینے شروع کر دی، عورتوں اور بچوں کو فرداً فرداً دربار سے باہر نکالا گیا، مولانا بذاتِ خود پورے مجاہدانہ عزم اور حوصلے کے ساتھ گرفتاری کے لئے تیار تھے، لیکن آپ کے بعض بزرگوں کے ردِ پوش ہو جانے پر اصرار کیا، کیرانہ کے قریب پنجپٹھہ کے نام سے ایک چھوٹا سا گاؤں ہے، جس میں مسلمان گجروں کی ایک بڑی تعداد آباد تھی، یہاں کے بہت سے مسلمان مولانا کی جماعت مجاہدین میں شامل تھے، انھوں نے پیشکش کی کہ آپ پنجپٹھہ تشریف لے چلیں،

چنانچہ ان لوگوں کے اصرار پر آپ وہاں تشریف لے گئے، گاؤں کا مکھیا ایک مخلص مسلمان تھا، اُس کی جاں نثاری پر صد آفریں کہ اُس نے اُس وقت آپ کی حفاظت کی جب کسی ”باغی“ کو پناہ دینا موت کو دعوت دینے کے مرادف تھا،

مولانا پنجپٹھہ میں رہتے ہوئے کیرانہ کے حالات معلوم کرنے اور لوگوں کو تسلی دینے کے لئے چرواہوں کے بھیس میں خود بھی کیرانہ آتے جلتے تھے، اور دوسرے لوگ بھی آپ کو اہم واقعات کی خبریں پہنچا دیتے تھے،

ہجرت ایک دن انگریزی فوج کو کسی طرح یہ اطلاع مل گئی کہ مولانا پنجپٹھہ گاؤں میں مقیم ہیں، چنانچہ انگریزی فوج کا ایک شہسوار دستہ مولانا کو گرفتار کرنے کے لئے پنجپٹھہ روانہ ہوا، گاؤں کے مکھیا کو جب اس کا علم ہوا تو اس نے جماعت کو منتشر کر دیا، اور مولانا سے گزارش کی کہ کھرپالے کر کھیت میں گھاس کاٹنے چلے جائیں، مولانا تشریف لے گئے، اور گھاس کاٹنی شروع کر دی، انگریزی فوج اسی کھیت کی پگڈنڈی سے گزری، مولانا خود فرماتے تھے،

”میں گھاس کاٹ رہا تھا، اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے جو کنکریاں اڑتی تھیں وہ میرے جسم پر لگ رہی تھیں، اور میں ان کو اپنے پاس سے گذرتا ہوا دیکھ رہا تھا“

فوج نے گاؤں کا محاصرہ کیا، مکھیا کو گرفتار کر لیا گیا، پورے گاؤں کی تلاشی ہوئی، مگر

مولانا کا پتہ نہ چلا، مجبوراً یہ فوجی دستہ کیرانہ واپس ہوا، مولانا کی روپوشی کی وجہ سے انگریزوں نے حالات پر قابو نہ لیا تھا، مولانا پر فوجداری کا مقدمہ دائر کیا گیا، وارنٹ جاری ہوا، اور آپ کو ”مفرور باغی“ قرار دے کر گرفتاری کے لئے ایک ہزار روپیہ انعام کا اعلان ہوا، ہجرت کی سنت پر عمل قسمت میں لکھا تھا، مولانا نے یہ حالات دیکھ کر ہجرتِ حجاز کا عزم فرمایا، حجاز پہنچنا اس وقت کوئی ہنسی کھیل نہ تھا، لیکن مولانا کی اولوالعزمی جرات و حوصلہ مندی اور مجاہدانہ جفاکشی نے تمام مراحل سر کر دیئے، مولانا نے اپنا نام بدل کر ”مصلح الدین“ رکھا، اور پیدل دہلی روانہ ہوئے، ایک ایسے وقت میں جبکہ معمولی معمولی شبہات پر مسلمانوں کے لئے دار کے تختے لٹکے ہوئے تھے، آگ اور خون کے اس دریا کو عبور کرنا کوئی آسان کام نہ تھا، مگر مولانا نے دہلی سے سورت تک بھی پیدل سفر کرنے کا ارادہ کر ہی لیا، چنانچہ چشمِ فلک نے یہ نظارہ بھی دیکھ لیا کہ وہ مولانا رحمت اللہ جو ہمیشہ ناز و نعم اور عیش و آرام میں پلے تھے، جے پور اور جودھپور کے وحشت خیز ریگستانوں اور مہیب اور خطرناک راستوں کو نہایت مجاہدانہ عزم و استقامت اور صبر و استقلال کے ساتھ قطع کرتے ہوئے سورت پہنچ گئے،

لیکن سورت کی بندرگاہ سے جہاز کا سفر آسان نہ تھا، اس وقت بادبانی جہاز چلا کرتے تھے، سال بھر میں صرف ایک جہاز ہوا کی موافقت کے زمانے میں سورت سے جدہ جایا کرتا تھا، ایک خط کا محصول چار روپے تھا، جو لوگ ہجرت کے ارادے سے ترکِ وطن کرتے وہ ساتھ ہی دنیوی تعلقات اور باہمی رشتوں کو زندگی ہی میں ختم کر دیتے تھے، غرض چند در چند آلام و مصائب کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتا ہوا یہ مجاہد فی سبیل اللہ اپنی جان پر کھیل کر اس مقدس سرزمین میں پہنچ گیا جسے قدرت کی طرف سے ”مَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا“ کا شرف عطا ہوا ہے،

جائداد کی ضبطی | ادھر مولانا حجاز روانہ ہوئے، اور ادھر آپ پر غائبانہ فوجداری مقدمہ چلا کر حکومت نے آپ کی اور آپ کے خاندان کی ساری جائیداد ضبط کی، اور اس کا نیلام کر دیا، یہ فیصلہ ڈپٹی کمشنر کرنال کی طرف سے ۳۰ جنوری ۱۹۶۲ء کو

کیا گیا، سرکاری کاغذات میں اس نیلام کا عنوان اس طرح درج کیا گیا ہے:

”انڈس مشمولہ مثل فوجداری مقدمہ عرہنی کمال الدین ساکن کیرانہ
حال پانی پت مولوی رحمت اللہ باغی“

اس طرح مندرجہ ذیل جائیدادیں نیلام ہوئیں:

(۱) سرائے کچور، جس کی قیمت سرکاری طور پر پانچ سو روپے تھی،

(۲) سرائے چوڑے، ” ” ” ” ” ”

(۳) سرائے معروف شیخ فضل الہی،

(۴) سرائے قصاں،

(۵) سرائے لوآباد،

(۶) سرائے مالیان،

یہ سب سرائیں اور وسیع قطعات زمین اور مکانات ۱۴۲۰ روپے میں نیلام

ہوئے، جن کی اصل قیمت لاکھوں روپے تھی، مزدور علافے جو بحق سرکار ضبط ہوئے
اس کے علاوہ ہیں،

بیت اللہ میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ مولانا

سے پہلے ہی ہجرت فرما کر مکہ معظمہ پہنچ چکے تھے، اور باب احمد

سے متصل رباط داؤدیہ کے ایک حجرے میں مقیم تھے، صبح صادق کے قریب حضرت

مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی مکہ مکرمہ پہنچے، مطاف میں حضرت حاجی صاحب

سے ملاقات ہوئی، طواف قدوم اور سعی میں حضرت حاجی صاحب ساتھ رہے، اس کے

بعد دونوں رباط داؤدیہ میں گئے، اس زمانے میں سلطان عبدالعزیز خان خلافت عثمانیہ

کے خلیفہ تھے، اور عبداللہ بن محسن بن محمد شریف مکہ شیعہ العلماء حضرت سید احمد دحلان

مسجد حرام میں درس دیا کرتے تھے، اور شریف مکہ ان کا بڑا احترام کرتا تھا، مولانا

رحمت اللہ صاحب اکثر شیخ العلماء کے درس میں بیٹھ جاتے، شیخ العلماء شافعی المذہب تھے اس لئے ایک روز دوران تقریر کسی مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے اپنے مذہب کی ترجیح کے ساتھ حنفیہ کے دلائل کو کم زور قرار دیا، درس ختم ہونے کے بعد حضرت مولانا نے شیخ سید احمد دحلان سے پہلی بار ملاقات کی، اور اس مسئلہ کے بارے میں طالب علمانہ انداز سے اپنی تشنی چاہی، تھوڑی دیر کے سوال و جواب اور علمی گفتگو سے شیخ العلماء کو انداز ہو گیا کہ یہ شخص طالب علم نہیں، اس پر انھوں نے مولانا سے حقیقت حال دریافت کی، مولانا نے اختصار کے ساتھ کچھ حالات بیان فرمائے، دوسرے دن شیخ نے مولانا کو اپنے گھر پر مدعو کیا، آپ اپنے رفیق عزیز حضرت حاجی صاحب کے ساتھ شیخ کی دعوت میں شریک ہوئے، اسی مجلس میں انقلاب ۱۹۵۷ء کے تمام حالات اور خاص طور سے نصاریٰ کی تبلیغی سرگرمیوں اور ان کی تردید میں مسلمانوں کی عظیم الشان کامیابیوں کا ذکر آگیا، شیخ نے اس پر بجد مسرت کا اظہار فرمایا، اور حضرت مولانا سے دیر تک گفتگو ہوئی، اسی مجلس میں انھوں نے آپ کو مسجد حرام میں درس کی باقاعدہ اجازت دی، اور علماء نے مسجد حرام کے دفتر میں آپ کا نام درج کرا دیا، مولانا شیخ دحلان سے بہت متاثر تھے، اظہار الحق کے مقدمہ میں آپ نے ان کا ذکر نہایت عقیدت و محبت کے ساتھ کیا ہے،

قسطنطنیہ کا پہلا سفر ۱۹۵۷ء کے بعد پادری فائزر جرمنی، سویٹزرلینڈ اور انگلستان میں رہا، اس کے بعد لندن کی چرچ مشنری سوسائٹی نے اسے قسطنطنیہ بھیج دیا، تاکہ وہاں کام کرے، وہاں اس نے سلطان عبدالعزیز خاں مرحوم سے بیان کیا کہ ہندوستان میں میرا ایک مسلمان عالم سے مذہبی مناظرہ ہوا تھا، جس میں عیسائیت کو فتح اور اسلام کو شکست ہوئی، سلطان عبدالعزیز خاں مرحوم کو دینی معاملات سے کافی شغف تھا، انھوں نے تحقیق حال کے لئے شریف مسکہ عبداللہ پاشا کے نام فرمان جاری کیا کہ: ”جج کے زمانے میں ہندوستان سے جو باخبر حضرات آئیں ان سے پادری فائزر کے مناظرے اور انقلاب ۱۹۵۷ء کے خاص حالات معلوم کر کے باپ خلافت کو مطلع کیا جائے“

شریف مکہ کو اس مناظرے کی پوری کیفیت شیخ العلماء سید احمد دحلان سے معلوم ہو چکی تھی چنانچہ انھوں نے فوراً غلیفہ کو جواب میں مناظرے کی مختصر کیفیت کے ساتھ اطلاع دی کہ وہ عالم جن سے ہندوستان میں یہ مناظرہ ہوا تھا مکہ مکرمہ میں موجود ہیں، سلطان کو جب یہ معلوم ہوا تو انھوں نے حضرت مولانا کو قسطنطنیہ طلب کر لیا، چنانچہ ۱۲۸۹ھ مطابق ۱۸۶۲ء میں آپ شاہی مہمان کی حیثیت سے قسطنطنیہ پہنچے،

پادری فائڈر کو جب یہ معلوم ہوا کہ مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی قسطنطنیہ آرہے ہیں تو وہ قسطنطنیہ چھوڑ کر چلا گیا، سلطان نے مولانا کی تشریف آوری پر ایک مجلس علماء منعقد کی، جس میں وزراء سلطنت کے علاوہ اہل علم حضرات کو مدعو کیا گیا، اور حضرت مولانا سے ہندوستان میں مذہب عیسوی کی شکست اور انقلاب شیعہ کے حالات سنے، دولت عثمانیہ میں اس فتنہ و فساد کو روکنے کے لئے حکومت نے مشنریوں پر مختلف قسم کی پابندیاں لگائیں، اور سخت احکام جاری کئے،

اکثر نماز عشاء کے بعد سلطان پوری توجہ اور اشتیاق کے ساتھ حضرت مولانا کو بلاتے خیر الدین پاشا تونسہ صدر عظم اور شیخ الاسلام وغیرہ بھی شریک مجلس ہوتے، سلطان نے حضرت مولانا کی جلیل القدر دینی خدمات کی قدر و سزا کی، اور خلعت فاخرہ کے ساتھ تمغہ مجیدی درجہ دوم عطا کیا، اور مولانا کے لئے گراں قدر ماہانہ وظیفہ مقرر کیا،

سلطان عبدالعزیز خان اور صدر عظم خیر الدین پاشا کی خواہش تھی کہ مولانا عربی زبان میں ایک کتاب

اظہار الحق کی تصنیف

تصنیف فرمائیں، جس میں ان پانچوں مسائل پر محققانہ بحث کی گئی ہو جو اکبر آباد کے مناظرے میں موضوع بحث بنے تھے، چنانچہ ماہ رجب ۱۲۸۹ھ میں حضرت مولانا نے ”اظہار الحق“ لکھنی شروع کی، اور ذی الحجہ ۱۲۸۹ھ میں چھ ماہ کے اندر اسے مکمل کر کے سلطان کی خدمت میں پیش کر دیا،

مولانا نے اظہار الحق کے مقدمہ میں تالیف کا سبب شیخ العلماء سید احمد دحلان کے حکم کو قرار دیا تھا، خیر الدین پاشا نے جب یہ دیکھا تو مولانا سے فرمایا کہ آپ نے تو یہ

کتاب امیر المؤمنینؑ کی خواہش پر لکھی ہو، اس لئے اس میں امیر المؤمنینؑ کا ذکر ہونا چاہئے تھا، اس کے بجائے آپؑ مکہ معظمہ کے شیخ العلماء کا ذکر فرمایا ہے؟ حضرت مولاناؒ نے جواب میں فرمایا:

”اُس خالص مذہبی خدمت میں کسی دنیاوی غرض و مقصد کا کوئی شائبہ نہ آنا چاہئے، اس کے علاوہ مکہ معظمہ میں خود شیخ العلماء مجھ سے ان حالات کے قلمبند کرنے کی خواہش کر چکے تھے، اور ابتدائی مواد کی ترتیب کا کام بھی شروع کر دیا تھا، دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کتاب کی تالیف کا اصل سبب شیخ العلماء ہیں، کسی وجہ سے اگر وہ مجھے امیر مکہ تک پہنچاتے تو میری رسائی یہاں تک نہ ہوتی اور اس خدمت کا موقع نہ ملتا“

مولاناؒ کی بیان فرمودہ ان وجوہات کو بنظر استحسان دیکھا گیا،

قسطنطنیہ میں قیام کے دوران مختلف مذاق و خیال کے اہل علم سے مولاناؒ کی گفتگو رہتی تھی، مغربی تعلیم کے اثرات یہاں بھی رفتہ رفتہ ذہنوں کو مادیت کی طرف لے جا رہے تھے، اس لئے مولاناؒ نے یہیں رہتے ہوئے ”تنبیہات“ کے نام سے ایک رسالہ تحریر فرمایا جس میں اسلام کے بنیادی عقائد کو خالص عقلی دلائل سے ثابت کیا گیا ہے، یہ رسالہ اظہار الحق کے بعض نسخوں کے حاشیہ پر چھپا ہوا ہے،

مدرسہ صولتہ کا قیام | قسطنطنیہ سے واپس تشریف لانے کے بعد حضرت مولاناؒ نے محسوس فرمایا کہ مکہ مکرمہ میں ایک ایسے دینی مدرسے

کی شدید ضرورت ہے، جو دینی معاملات میں ٹھوس علم و بصیرت رکھنے والے علماء پیدا کرے، اُس زمانے میں اگرچہ مسجد حرام میں مختلف علماء کے درس ہوا کرتے تھے، جن کی سرپرستی خلافت عثمانیہ پوری توجہ کے ساتھ کرتی تھی، لیکن اوّل تو درس کے یہ حلقے کسی بچے تکلے نظام اور ضابطے کے ماتحت نہ تھے، یہاں تک کہ کوئی نصابِ تعلیم بھی مقرر نہ تھا، دوسرے تدریس کا طریقہ ایسا تھا کہ درس میں شریک ہونے والے ایک وعظ و تقریر کی طرح اس سے مستفید ہوتے تھے، طلباء میں قوتِ مطالعہ اور ذاتی استعداد پیدا کرنے کے لئے جن طرز

تدریس کی ضرورت ہوتی ہے وہ مفقود تھا، تمام عمر میں طلباء نحو، فقہ، تفسیر اور حدیث پڑھتے تھے اور وہ بھی نامکمل طریقے سے، اس لئے مولاناؒ نے مکہ معظمہ کے ہندوستانی مہاجرین اور اہل خیرا مہاجرین کو اس طرف متوجہ فرمایا، اور رمضان ۱۳۲۹ء میں نواب فیض احمد خاں صاحب مرحوم رئیس ضلع علی گڑھ کے رہائشی مکان کے ایک حصے میں مدرسے کی ابتداء کی، پھر ۱۳۲۹ء کے موسم حج میں سکنتہ کی ایک فیاض خاتون "صوات النساء صاحبہ" حج کرنے آئیں، تو حضرت مولاناؒ کے مشورے سے انھوں نے محلہ خندریہ میں ایک جگہ خریدی، اور اس پر مدرسے کی تعمیر خود اپنی نگرانی میں کروائی، ابھی نیک دل خاتون کے نام پر مدرسے کا نام مدرسہ "صولتیہ" رکھا گیا۔

اس مدرسے میں دینی علوم کی تدریس کے علاوہ حضرت مولاناؒ نے ایک صنعتی اسکول بھی قائم فرمایا، جس میں مہاجرین اور اہل عرب کے بچوں کی تعلیم و تربیت کے انتظام کے ساتھ انھیں صنعت و دستکاری کی تعلیم دی جاتی تھی، تاکہ اگر اہل حجاز اور مہاجرین کی اولاد کی ضروری ابتدائی تعلیم کے بعد مزید پڑھنے کا موقع نہ ملے تو وہ باعزت معاش حاصل کر سکیں، یہ مدرسہ آج تک بحمد اللہ مکہ مکرمہ کے "حارۃ الباب" میں قائم ہے، اور تعلیمی خدمات کے علاوہ تبلیغی جماعتوں اور حجاج و زائرین کی خدمت کا فریضہ انجام دے رہا ہے، حضرت مولانا رحمۃ اللہ صاحبؒ کے بعد آپ کے بھتیجے محمد صدیق صاحب کے صاحبزادے حضرت مولانا محمد سعید صاحبؒ اس کے مہتمم ہوئے، اور پچاس سال کے بعد اپنی زندگی کے

۱۵ مولانا محمد سعید صاحبؒ کے والد محمد صدیق صاحبؒ اقبالہ میں سررشتہ دار تھے، ان کے مکان کے قریب ایک مشن اسکول تھا، محمد صدیق صاحب مرحوم نے اپنے ایک دوست کے مشورے سے اپنے صاحبزادے مولانا محمد سعید صاحبؒ کو اس اسکول میں داخل کرادیا، جب کہ ان کی عمر دس سال تھی، اس وقت حضرت مولانا رحمۃ اللہ صاحبؒ مکہ مکرمہ ہجرت فرما چکے تھے، جب آپ کو اس کا علم ہوا تو بے حد رنجیدہ ہوئے، کہ اسلام کے جن دشمنوں سے لڑتے ہوئے میری ساری عمر گزری، آج میرے ہی خاندان کا ایک بچہ ان سے تعلق جوڑے ہوئے ہے، چنانچہ آپ نے اپنے خاندان کے (باقی صفحہ آئندہ)

آخری ایام میں یہ ذمہ داری اپنے قابل فخر فرزند حضرت مولانا محمد سلیم صاحب مدظلہم کو سونپ دی، جو بحمد اللہ آج تک اسے بحسن و خوبی انجام دے رہے ہیں، اٹال اللہ تعالیٰ بقاؤہ، ۱۲۹۹ھ میں دولت عثمانیہ نے عثمان نوری پاشا کو قسطنطنیہ کا دوسرا سفر حجاز کا گورنر نامزد کیا، انھوں نے نہ جانے کس غلط فہمی کی بنا پر مدرسہ صولتیہ کو ایک اجنبی ملک کی تحریک سمجھا، اور اس سے بدظن ہو گئے، بالآخر معاملہ قسطنطنیہ تک پہنچا، اس وقت سلطان عبدالحمید خاں مرحوم کی خلافت قائم تھی، انھوں نے مولانا کو طلب فرمایا، چنانچہ مولانا دوسری بار قسطنطنیہ تشریف لے گئے، اس سفر میں حضرت مولانا کے بھتیجے مولانا بدرالاسلام صاحب بھی ساتھ تھے، حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرالوی اپنے اس سفر کی زبرداد خود اس طرح بیان فرماتے ہیں:

(ہفتہ صفحہ ۱۸۸) ہر بزرگ کو خطوط لکھے، اور تاکید کے ساتھ لکھا، کہ محمد سعید کو مشن اسکول سے نکال کر فوراً میرے پاس بھیجو، مولانا محمد سعید صاحب کی والدہ بڑی نیک دل اور اولوالعزم خاتون تھیں، انھوں نے اپنے لخت جگر کو بارہ سال کی عمر میں مکہ معظمہ روانہ کر دیا، حضرت مولانا نے ان کی تعلیم و تربیت خصوصی توجہ کے ساتھ فرمائی، اپنی نواسی سے ان کا نکاح کیا، نکاح کی مجلس میں حضرت مساجی امداد اللہ صاحب ہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے، آپ نے ان سے فرمایا: میں نے اس بچے کی اس طرح تربیت کی ہے جس طرح سنار سونے کو سبٹی میں ڈال کر تپاتا ہے، حضرت مولانا سعید صاحب نے ۱۳۵۵ھ میں بمقام کیرانہ وفات پائی، اور پچاس سال مدرسہ صولتیہ کے ناظم رہے، (ماہنامہ قومی زبان کراچی ستمبر ۱۹۶۶ء مضمون مولانا محمد سعید مرحوم از جناب امداد صابری)

۱۳۵۵ھ مولانا محمد سلیم صاحب مدظلہم مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے، وہیں تعلیم حاصل کی، اور پندرہ بیس سال مدرسہ صولتیہ میں تعلیم دی، ۱۳۶۲ھ سے مدرسے کے نائب ناظم اور ۱۳۵۵ھ کے بعد سے اس کے ناظم ہیں، ہم نے حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرالوی کے تذکرے میں زیادہ تر آپ ہی کے لکھے ہوئے مختصر مگر جامع رسالہ "ایک مجاہد معارف سے استفادہ کیا ہے، تقی

۲۰ ربیع الاول ۱۳۳۸ھ ہفتہ کے دن مغرب کے وقت مکہ معظمہ سے جدہ
 کو روانہ ہوئے، آٹھویں کے آگبرٹ میں چنے کی تجویز موقوف رہی، پھر
 بائوہر (جہاز) مصری میں ۵ ربیع الثانی ۱۳۳۸ھ روز بدھ کو سوار ہوئے،
 اور اس نے جمعرات کے روز صبح کے وقت لشکر اٹھایا، پیر کی رات کو پانچ
 بجے سوز پھینچے، اور صبح کو جو پیر کا دن اور ۲۰ ربیع الثانی کی تھی بائوہر سے
 اترے، ... وہاں سے منگل کے دن ۲۱ تاریخ اسکندریہ کو ریل پر گئے،
 یمن بجے اسکندریہ پہنچے، سعد اللہ بے کے مکان پر اترے ... پھر
 آٹھویں دن ... بائوہر مصری پر سوار ہو کے ... جادی الاولیٰ کی
 پانچویں تاریخ پیر کے دن استنبول میں پہنچے، اور جہاز نے لشکر ڈالا، اسی وقت
 فی الفور مصطفیٰ وہابی بے یاد (ای ڈی سی)، اور بن باشی حضرت سلطان
 کے، جہاز پر چڑھے، اور محل کے کہا کہ حضرت سلطان نے بہت بہت
 سلام فرمایا ہے، اور کشتی خاص اپنی بھیجی ہے، چلے وہاں سے چل کر
 سرائے (محل) قصر شاہی سلطانی تک جو بنائے سلطان مرحوم عبدالحمید خاں
 غازی کی ہے، آئے، وہاں کشتی سے اتر کر دو گھوڑوں کی بگلی میں سوار ہو کر
 محل سرائے سلطانی میں آئے، اور محل سرائے کے ایک کمرے میں اترے
 اس روز ملاقات کو جناب کمال پاشا اور جناب عثمان بے اور جناب
 علی بے اور جناب نسیم بے تینوں قرنار (مشیر) حضرت سلطان کے ہیں،
 اور جناب سید احمد اسعد مدنی جو مصاحب حضرت سلطان ہیں، دن کو
 اور رات کو نصرت پاشا آئے، اور اگلے دن منگل کو جناب عثمان پاشا غازی
 اور بدھ کو ساتویں تاریخ جناب شیخ حمزہ ظافر اور جناب سید احمد اسعد مدنی
 اور جناب کمال پاشا آئے، اور رات کو جناب علی بے قرنار درجہ دوم
 نے حضرت سلطان کی طرف سے مزاج پرسی کر کے کلمات عواطف
 شاہانہ پہنچائے، آٹھویں تاریخ جمعرات کے روز شیخ محمد ظافر صاحب تشریف

لائے اور جمعہ کو جناب حسن پاشا داماد سلطان عبدالحمید مرحوم اور جناب
صفوت پاشا اور جناب اسماعیل حق اور جناب سید فضل پاشا آئے
اور اسی دن مغرب کے وقت خلعت سلطانی میرے اور بدرالاسلام
اور مولوی حضرت نور (صدر مدرس مدرسہ صولتہ) کے لئے آیا،
۷ تاریخ ہفتہ کے دن وہی بے نے حضرت سلطان کی طرف سے حکم
پہنچایا کہ ”مرضی سلطانی یہ ہو کہ تم اپنے اہل و عیال کو بلوالو، موسم ربیع
قریب آ پہنچا، اب عرصہ تک آب و ہوائے استنبول بہت اچھی رہیگی
نرمی سے اُس میں عذر کیا گیا، منگل کے دن کیسہ مفتاح کعبہ اور
ایک تسبیح عقیق البحر کی اور ایک تسبیح سنگ مقصود کی بھجوائی گئی، اور
فرمایا کہ: اُس کے شکریہ میں میں نے تم کو رتبہ ”پایہ حرمن شریفین“
کا عطا کیا، اس کا لباس بھی پہنچے گا“ اور چھٹی تاریخ رجب کی جمعرات کے
دن کو عصر کے بعد سرائے سلطانی (محل) کو جانا ہوا، مغرب کے بعد
ملاقات ہوئی، غایت عنایت شاہانہ سے پیش آئے، مسند سے اٹھ کے
ایک دو قدم بڑھا کر ہاتھ میرا قوت سے اپنے ہاتھ میں پکڑ کے فرمایا کہ
”کثرت شغل کے سبب اب تک میں نے ملاقات نہیں کی تھی، اور تاخیر کا
سبب اس کے سوا کوئی دوسرا امر نہیں“ میں نے بھی دعا اور
کلمات شکر یہ مناسبہ کہے

اس کے بعد سلطان سے متعدد بار ملاقاتیں رہیں، مختلف مسائل و معاملات پر
گفتگو ہوتی تھی، سلطان نے مدرسہ صولتہ کے لئے معقول ماہانہ امداد مقرر کرنے کے
متعلق خیال ظاہر فرمایا، جس کے جواب میں شکریہ اور دعا کے بعد حضرت مولانا
نے فرمایا کہ:

”حرمن شریفین میں امیر المؤمنین کے بہت سے جاری کردہ امور خیر ہیں
اور بہت سے نیک کام تشہ تکمیل، مدرسہ صولتہ چونکہ ہندوستان

کے دیندار اور نیک خیال مسلمانوں کی امداد سے چل رہا ہے، اور قائم ہے،
 اُن کو اس کا رنجیرین شرکت و سرپرستی کی سعادت سے محروم نہ فرمایا جائے جو
 یقیناً امیر المؤمنین کے الطابت شاہانہ سے بعید نہیں و

اسی دوران سلطان نے حضرت مولاناؒ کے بھتیجے مولانا بدرالاسلام صاحب کو
 اپنے شہرہ آفاق شاہی کتب خانے "حمیدیہ" کا ناظم بنادیا، یہ آخر وقت تک سلطان
 سے معزز علیہ ہے، سلطان عبدالحمید کی معزولی کے پرخطر وقت میں صرف تین اشخاص
 سلطان کی خدمت میں باقی رہے تھے، اُن میں مولانا بدرالاسلام صاحب بھی تھے،
 ایک عرصہ قفل بند رہنے کے بعد یہ اپنے وطن کیرانہ واپس آگئے تھے،
 بالآخر سلطان سے اور اعلیٰ ملاقات کے بعد دوسرے دن مصطفیٰ وہابی بے یار و
 اور غیر الدین پاشا وغیرہ تشریف لائے، اور سلطان کی طرف سے ذاتی ہدیہ ایک صبح تلوار
 حضرت مولانا مرحوم کو دی، اور سلطان کے یہ الفاظ نقل کئے کہ:
 "بھتیجا ہر مجاہد فی سبیل اللہ کی زینت ہے"

جب آپ مکہ معظمہ پہنچے تو استقبال کرنے والوں میں حجاز کے گورنر عثمان زوری
 پاشا بھی تھے، جو سب سے پہلے حضرت مولاناؒ سے بغل گیر ہوئے، اور اپنی غلط فہمی کی
 معافی چاہی،

دوسرے سفر سے واپس آنے کے بعد بھی سلطان اور مختلف وزراء
 مولاناؒ کی خط و کتابت جاری رہی، آخر عمر میں کبرسنی اور کثرت مشاغل
 سے آپ کو ضعفِ بصر کی شکایت ہو گئی تھی، اور ۱۳۳۱ھ میں حضرت مولاناؒ موتیابند
 کی وجہ سے لکھنے پڑھنے کے قابل نہ رہے، سلطان کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فوراً

لہ ایک مجاہد مطار، ص ۳۸ تا ص ۵۲،

۱۹۱۲ء کی جنگ عظیم میں انگریز اُن پر بہت شبہ کرتے تھے، اس لئے یہ لکھنؤ چلے گئے تھے، جہاں
 انھیں اندوۃ العلماء میں ادب عربی کا استاد مقرر کیا گیا، مولانا حلی مرحوم اُن کے بڑے اچھے تعلقات تھے،
 (قومی زبان ستمبر ۱۹۶۱ء، ص ۵۸)

حضرت مولانا کو علاج کے لئے قسطنطنیہ طلب کیا، اس سفر میں آپ کے شاگرد اور خادم مولوی عبداللہ ساتھ تھے،

۲ رمضان ۱۳۰۲ھ کو مولانا پھر استنبول پہنچے، اسی دن دو مرتبہ سلطان سے ملاقات ہوئی، افطار بھی سلطان کے ساتھ ہوا، اور ترواج بھی وہیں پڑھی، اُس وقت سلطان نے فرمایا کہ آپ کی آنکھوں کے علاج کے لئے میں کل ڈاکٹروں کو جمع کروں گا، چنانچہ اگلے دن پانچ ممتاز ڈاکٹروں نے مولانا کی آنکھوں کا معائنہ کیا، اور کہا کہ ابھی موتیا پوری طرح نہیں اُترا، اس لئے علاج دو ماہ بعد ہوگا، چنانچہ آپ دو تین ماہ قسطنطنیہ میں رہے بالآخر ڈاکٹروں نے آپریشن تجویز کیا، اس زمانے میں آپریشن ایک نہایت ہیبت ناک چیز تھی، اس لئے حضرت مولانا اس کے لئے تیار نہ ہوئے، سلطان کو آپ کی از حد دلاری مقصود تھی، اس لئے آپ کی مرضی کے خلاف اصرار نہیں کیا، سلطان کی خواہش تھی کہ آپ قسطنطنیہ میں اُن کے پاس رہیں، ایک ملاقات میں انھوں نے اس خواہش کا اظہار بھی کیا مگر مولانا نے فرمایا:

”اعزاء اور اقارب کو چھوڑ کر ترک وطن کر کے خدا کی پناہ میں اس کے

دروائے پر آکر پڑا ہوں، وہی لاج رکھنے والا ہے، آخری وقت میں

امیر المؤمنین کے دروائے پر مردوں تو قیامت کے دن کیا منہ دکھاؤں گا؟“

چنانچہ ذی قعدہ کے مہینے میں مولانا واپس مکہ معظمہ تشریف لے آئے،

مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران حضرت مولانا رحمۃ اللہ صاحب سماجی خدمات | کیرافونی نے وہاں کی بہت سی سماجی اور معاشرتی اصلاحات

میں حصہ لیا، جن میں اہم مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) حجاز کی نہر زبیدہ، ہارون رشید کی بیوی زبیدہ کا صدقہ جاریہ ہے، لیکن مرور ایام کی کی بنا پر اس نہر میں بہت زیادہ نقص واقع ہو گئے تھے، اور پانی کے حصول کے لئے ساکنان حرم کو کافی زحمت اٹھانی پڑتی تھی، عرصے سے اس کی مرمت اور اصلاح کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی، اسی زمانے میں سیٹھ عبدالواحد صاحب عرف

واحد تاسیٹھ مکہ مکرمہ آئے، اور اس سلسلے میں مدرسہ صولتیہ کے اندر ایک مشاورتی اجتماع منعقد ہوا، حضرت مولانا نے ہنزہ بیدہ کی اصلاح و مرمت کا بیڑا اٹھایا، حکومت کی اجازت سے اس کام کے لئے ایک مجلس بنائی گئی، جس میں مہاجرین کے ہر طبقہ سے ممتاز افراد ارکان منتخب ہوئے، اس مجلس کی صدارت کے لئے مولانا کو منتخب کیا گیا، مگر آپ نے اپنے شاگرد رشید مولانا شیخ عبدالرحمن سراج صاحب مرحوم مفتی الاحناف و شیخ العلماء مکہ معظمہ کو اس کے لئے موزوں سمجھا، اور خود نائب صدر کی حیثیت اختیار کی، سیٹھ عبدالواحد صاحب ہنزہ بیدہ کے خازن اور تحویلہ مقرر ہوئے، اور اس طرح ہنزہ بیدہ کا صدقہ جاریہ ان حضرات کی بہت سے دوبارہ زندہ ہوا،

(۲) جس وقت حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب مکہ مکرمہ پہنچے، تو وہاں ڈاک تقسیم کرنے کا کوئی انتظام نہیں تھا، نہ کوئی ڈاک خانہ تھا، اس زمانے میں جو ڈاک آتی تھی حرم شریف کے دروازے کے سامنے رکھ دی جاتی تھی، جس کا خط ہوتا تو تلاش کر کے لیجاتا، حضرت مولانا نے ڈاک کے انتظام کے لئے کوشش قرمانی زندگی میں تو اس میں کامیابی نہ ہوئی، مگر آپ کے بعد مولانا محمد سعید صاحب نے اس جدوجہد کو جاری رکھا، اور سلطان عبدالحمید کو توجہ دلا کر باب الوداع پر ٹکائی تعمیر کرایا،

(۳) دینی تعلیم کا ایک خاص مہمناج اور نظام قائم کیا، اور مکہ مکرمہ میں باضابطہ دینی تعلیم کی طرح ڈالی،

(۴) مکہ مکرمہ میں ایک صنعتی اسکول قائم فرمایا، جس میں مہاجرین اور مقامی باشندوں کے بچے ابتدائی تعلیم و تربیت کے بعد ہنزہ مند بن کر اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں،

(۵) جب عثمان فوری پاشا نے سلطان عبدالحمید مرحوم کی اجازت سے حرم میں بنے ہوئے شاہی کتب خانے کو حجاج کی سہولت کے لئے مہندم کرایا، تو مولانا نے اس کے پتھروں اور سامان تعمیر سے مدرسہ صولتیہ کے قریب ایک مسجد تعمیر کرائی، جس کے

تینوں گنبد پانی پت ضلع کرناٹک کے معماروں نے تعمیر کئے، اس مسجد کا تاریخی نام
 ”خانہ رحمت“ ہے، اور یہ مسجد آج تک وہاں موجود ہے،

(۶) مدرسہ صولتہ اور اس کے طرز پر جو دوسرے مدارس حجاز میں قائم ہوئے ان کی افتاد
 کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب ہما حبر مکیؒ
 اپنے خلیفہ ارشد حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے نام اپنے ایک مکتوب
 میں تحریر فرماتے ہیں:

”یہ مدرسہ (مولانا قاری احمد مکیؒ کا مدرسہ) جناب مولوی رحمت اللہ
 صاحبؒ کی شاخ ہے، جناب مولانا مرحوم کی ہمت اور توجہ سے یہ مدرسہ
 قائم ہوا، اور اس کا اہتمام قاری حافظ احمد مکی صاحب موصوف کے
 ذمہ کیا گیا، ماشاء اللہ ان مدرسوں سے فائدہ عظیم ہوئے ہیں۔“

وفات اسلام اور مسلمانوں کی گونا گوں علمی و عملی خدمات کے بعد اس محبا
 فی سبیل اللہ نے پچھتر سال کی عمر میں جمعہ کے دن ۲۲ رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ
 کو وفات پائی، اور حرم محترم کی مقدس سرزمین میں دفن ہونے کی سعادت حاصل ہوئی،
 جنت البقیع میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے جوار میں صدیقین و شہداء کے قریب
 آپ کا مزار ہی، اس چھوٹے سے احاطے میں پانچ قبریں ہیں جن میں حضرت مولانا رحمت اللہ
 صاحب کیرانویؒ کے علاوہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب ہما حبر مکیؒ اور مولانا عبدالحق
 صاحب شیخ الدلائل، مصنف ”اکلیل شرح مدارک التنزیل“ بطور خاص قابل ذکر ہیں
 حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے کے ممتاز علماء
 اور اولیاء اللہ کی نگاہوں میں کتنا محبوب مقام رکھتے تھے، اس کا اندازہ اس بات سے
 کیجئے کہ جس زمانے میں مولانا استنبول گئے ہوتے تھے، اُس وقت حضرت حاجی امداد اللہ
 صاحب ہما حبر مکی رحمۃ اللہ علیہ مکہ مکرمہ سے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ

۱۰ مکتوبات امدادیہ، مرتبہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ، ص ۶،

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی وغیرہم کے نام اپنے ایک گرامی نامے میں تحریر فرماتے ہیں،
 ”مولوی رحمت اللہ ہنوز تشریف باستنبول میدارند، خدائے تعالیٰ
 مولوی صاحب راجلہ آرد“

تصانیف

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی کی بیشتر تصانیف ردِ عیسائیت کے موضوع پر ہیں، ان تصانیف کا مختصر تعارف درج ذیل ہے:-

۱۔ ازالۃ الاوهام | یہ کتاب بڑی تقطیع کے ۵۶۳ صفحات پر مشتمل ۱۲۶۹ء میں سیالکوٹ شاہجہاں آباد میں چھپی، یہ فارسی زبان میں ہے، اور اس میں نصاریٰ

کے اکثر مباحث کا جواب ہے، پادری فائز نے ”میزان الحق“ میں جو اعتراضات کئے تھے ان کے دندان شکن جوابات بھی اس میں موجود ہیں، مسئلہ تثلیث اور بشارات کی بحث اس کتاب کی خصوصیت ہے، ازالۃ الاوهام کے اس نسخے کے حاشیے پر مولانا آل حسن صاحب کی ”استفسار“ بھی چھپی ہوئی ہے، احقر نے اپنے کام میں اس کتاب کے کافی مدد لی ہے،

۲۔ ازالۃ الشکوک | یہ کتاب اردو زبان میں ہے، اور اس میں عیسائیوں کے ۳۹ سوالات کا جواب ہے، دونوں جلدوں کے مجموعی صفحات

۱۱۶ ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اثبات اور بائبل کی تحریف اس کتاب کے خاص مباحث ہیں، اس کی پہلی جلد مدرسۃ الباقیات الصالحات مدراس کے بانی اور حضرت مولانا کے خاص شاگرد مولانا عبدالوہاب صاحب دیپوروی نے مدینہ میں چھپوائی تھی، پھر دوسری جلد مولانا کے فرزند مولانا ضیاء الدین صاحب نے اپنی نگاہ میں طبع کرائی ہے،

۳۔ اعجاز عیسوی | یہ کتاب بھی اردو میں ہے، اس کا موضوع "تحریف بائبل" ہے، اور اپنے موضوع پر بے نظیر تصنیف ہے، متوسط تقطیع

کے چھ تصنیفات پر مشتمل ہے، پہلی بار آگرہ کے مطبع رضوی میں چھپی تھی، سن طباعت ۱۲۷۸ھ ہر "ذی الحجۃ" اللہ یحییٰ بہ من یشاک" اس کی تاریخ ہے،

۴۔ اوضح الاحادیث | اس کا پورا نام "ادھیح الاحادیث فی ابطال التثلیث" ہے، یہ ۶۴ صفحات پر مشتمل ایک مختصر رسالہ ہے، جس میں

عقیدہ تثلیث کو عقلی و نقلی دلائل سے باطل کیا گیا ہے، ۱۲۹۲ھ میں دہلی میں چھپا تھا، یہ رسالہ راقم الحروف کی نظر سے نہیں گذرا،

۵۔ بروق لامعہ | یہ کتاب غیر مطبوعہ ہے، اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا مدلل اثبات اور عقیدہ ختم نبوت پر فاضلانہ

گفتگو کی گئی ہے،

۶۔ معدل اعوجاج المیزان | یہ کتاب فائز کی میزان الحق کا جواب ہے، پادری صفدر علی نے رسالہ "نور افشاں" جلد ۱۲،

شمارہ ۳۰ مطبوعہ ۲۲ جولائی ۱۸۸۸ء میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کا نقلی نسخہ ان کے پاس ہے،

۷۔ ثقلی المطاعن | یہ کتاب پادری لاسمند کی تحقیق دین حق کا جواب ہے، جو افسوس ہے کہ زیور طبع سے آراستہ نہیں ہو سکا،

۸۔ معیار التحقیق | یہ پادری صفدر علی کی کتاب "تحقیق الایمان" کا مدلل اور مفصل جواب ہے،

۱۵ تصانیف کی یہ فہرست "فرنگیوں کا جال" از جناب امرا و صابری ص ۲۳۷ و ۲۳۸، اور "ایک مجاہد معمار" ص ۲۷ و ۲۸ سے ماخوذ ہے، ت

”اظہار الحق“

ردِ عیسائیت پر مولانا کی آخری اور سب سے زیادہ معرکہ الآرا کتاب اظہار الحق ہے، چھ ابواب پر مشتمل اس کتاب میں اسلام اور عیسائیت کے بنیادی اختلافی مسائل میں ہر ایک پر اس قدر مبسوط، سیر حاصل، مدلل اور فاضلانہ بحثیں کی گئی ہیں کہ شاید کسی بھی زبان میں ردِ عیسائیت پر اتنا قیمتی مواد ایک جگہ نہ ہو، یہ کتاب حضرت مولانا نے قسطنطنیہ میں رہتے ہوئے چھ ماہ کے اندر تصنیف فرمائی، اصل کتاب عربی زبان میں تھی، جس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۱۱ء میں استنبول میں چھپا، پھر ایک ترک عالم نے ”ابراز الحق“ کے نام سے اس کا ترکی زبان میں ترجمہ کیا، پھر حکومت عثمانیہ نے یورپ کی متعدد زبانوں فرانسیسی وغیرہ میں اس کے ترجمے شائع کئے، پادریوں نے خاص اہتمام سے ان ترجموں کو خرید کر جلايا، مصر میں بار بار طبع ہوئی، مولانا سلیم اللہ صاحب مرحوم نے اردو میں اس کا ترجمہ کیا تھا، مگر چھپ نہ سکا، پھر مولانا غلام محمد صاحب بھانجا راندیری نے اس کا گجراتی میں ترجمہ کیا، اور اس کے بعض مقامات پر مفید حواشی کا اضافہ کیا، اسی گجراتی ترجمے سے کسی صاحب نے اس کا انگریزی ترجمہ کیا ہو، ”THE TRUTH REVEALED“ کے نام سے چھپا، یہ انگریزی ترجمہ راقم الحروف کے پاس موجود رہا ہے، اور اس نے اس سے اپنے کام میں کافی استفادہ کیا ہے،

مقرر اور استنبول میں متعدد مرتبہ شائع ہونے کے باوجود یہ کتاب عربی زبان میں بھی تقریباً نایاب ہو چکی تھی، اب حال ہی میں مراکش کی وزارت مذہبی امور نے ۱۳۸۳ھ میں اسے عمدہ طریقے پر شائع کیا ہے، ابھی جلد اول ہی راقم الحروف کی نگاہ سے گزری ہے، جلد ثانی کا انتظار ہو، مصر کے ایک عالم استاد عمر الدسوقی نے اس کی تصحیح و ترتیب کی ہے،

اردو زبان میں یہ کتاب پہلی بار منظر عام پر آ رہی ہے، اللہ تعالیٰ اسے نافع اور مقبول بنائے، آمین،

لکھنؤ
۱۳۸۳ھ

تبصرہ کوئی شک نہیں، اظہار الحق جس زبان میں بھی چھپی، اس نے علمی دنیا میں ایک تہلکہ مچا دیا، اور ہر طبقے کی طرف سے اسے زبردست خارج تحسین پیش کیا گیا، ۱۲۸۱ھ کے بعد جو کتاب بھی ردِ عیسائیت میں لکھی گئی، اظہار الحق اس کا ماتخذ بنی، علماء محققین، اور صحافیوں نے اس کتاب کو جو خراج تحسین پیش کیا، ہمارے لئے ممکن نہیں ہو، کہ اس سب کو یک جا کر کے پیش کریں، تاہم ماضی قریب کی چند اہم علمی شخصیتوں کے تبصرے ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں:

لندن ٹائمز "الفضل ما شهدت به الاعداء" کے پیش نظر ہم سب کے پہلے ایک غیر مسلم کی شہادت پیش کرتے ہیں، جب اظہار الحق کا انگریزی ترجمہ شائع ہو کر لندن پہنچا، تو لندن ٹائمز نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ:

"لوگ اگر اس کتاب کو پڑھتے رہیں گے تو دنیا میں مذہب عیسوی کی ترقی بند ہو جائے گی۔"

نواب حاجی اسماعیل خاں صاحب مرحوم رئیس دہلوی ضلع علیگڑھ نے مکہ معظمہ میں حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کو "ٹائمز" کا یہ تراشا خاص طرہ پر دیا تھا۔

شیخ باچہ جی زاوہ مقرر کے مشہور عالم شیخ عبدالرحمن بک باچہ جی زاوہ رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳۲۲ھ میں "الفارق بین المخلوق والمخالق" کے نام سے روایتیت پر ایک معرکہ الاراء کتاب لکھی جو بلادِ عربیہ کے علمی حلقوں میں بہت مشہور ہے، مسٹر اظہار الحق اس کتاب کا اہم ماتخذ ہے، وہ ایک موقع پر لکھتے ہیں:-

"ان الاستاذ الفاضل رحمت اللہ الہندی قدس اللہ روحہ فی کما
اظہار الحق قطعاً کتبہم وبتین ما فیہا من التحریف والمناقضات
والکذب وتجاوزہم علی اللہ تعالیٰ وانبیاء اللہ الطاہرین فان
احبت الوقوف علی مساویہم فراجعہ فہو یغنیہ ویشفیہ"

۱۔ ایک مجاہد معمار ص ۲۶،

۲۔ الفارق بین المخلوق والمخالق، ص ۳۸۶، مطبوعۃ التقدم بمصر ۱۳۲۲ھ،

بلاشبہ استاذ فاضل رحمت اللہ ہندی قدس اللہ روحہ نے اپنی کتاب
اظہار الحق میں عیسائیوں کی کتابوں کو رسوا کر کے چھوڑا ہے، اور ان کتابوں
میں جو تحریف ہوئی ہے، جو اختلافات اور جھوٹی باتیں ان میں پائی جاتی ہیں
اور اللہ تعالیٰ اور انبیاء طاہرین کے حق میں جو گستاخیاں اُن میں کی گئی ہیں
اُن سب کو کھول کھول کر بیان کیا ہے، لہذا اگر آپ اُن کے نقائص سے واقف
ہونا چاہیں تو اس کتاب کی مراجعت کیجئے، آپ کو بے نیاز کر دے گی
اور تشفی بخشنے گی۔

اور اسی کتاب کے مقدمے میں بشارات کی بحث کے ذیل میں لکھتے ہیں:

وَمِنْ أَمْرَادِ زِيَادَةِ التَّبَيُّانِ وَالْإِطْمِئْنَانِ فَلْيَرِاجِعْ مَكْتَبَهُ الْعِلَامَةُ
وَالْحَبْرُ الْفَهَامَةُ الشَّيْخُ رَحِمَتْهُ اللَّهُ الْهِنْدِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى
فِي الْجُزْءِ الثَّانِي مِنْ كِتَابِهِ الْمُسَمَّى أَظْهَارَ الْحَقِّ فِيهِ غَنِيَّةُ الْحَقِّ
أَذَقْنَا شَيْخَ الْقَوْلِ فِي ذِكْرِ الدَّلَائِلِ الْعَقْلِيَّةِ وَالْبِرَاهِينِ النُّقْلِيَّةِ
مِنْ أَكْبَرِ عُلَمَائِهِمْ وَرُؤَسَاءِ دِينِهِمْ

جو صاحب زیادہ وضاحت اور زیادہ اطمینان حاصل کرنا چاہیں تو وہ عالم
مفکر علامہ شیخ رحمت اللہ ہندی رحمہ اللہ کی کتاب اظہار الحق جلد ثانی کی
طرف رجوع فرمائیں اس میں حاجت مند کو بے نیاز کر دینے والا سامان ہے،
اس لئے کہ انھوں نے عقلی دلائل اور خود عیسائیوں کے علماء اور مذہبی
پیشواؤں کی کتابوں کے نقلی دلائل سے اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہو

شیخ جنزیریؒ | مصر میں سابق ہیئتہ کبار العلماء کی لجنہ علیہ کے ایک رکن
رکین اور مساجد الاوقاف کے مفتش اول شیخ عبدالرحمن
جنزیری رحمۃ اللہ علیہ نے پادری فائزہ کی کتاب "میزان الحق" کا ایک جواب

”ادلۃ الیقین“ کے نام سے لکھا ہے، اس کے دیباچے میں وہ تحریر فرماتے ہیں:

ہاں بلاشبہ استاذ جلیل شیخ رحمت اللہ ہندی مرحوم نے
اس کتاب (میزان الحق) کے بعض نظریات کی تردید میں سخت محنت
اٹھائی ہے، اور اپنی کتاب اظہار الحق میں تورات و انجیل کی تحریف
پر دلائل قاطعہ قائم کئے ہیں۔

رشید رضا مصری | مقرر کے مشہور جدت پسند عالم اور مجلۃ المنار کے ایڈیٹر
شیخ رشید رضا لکھتے ہیں:

”شیخ ہندیؒ نے اظہار الحق کے چھٹے باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی بشارات کو کافی دانی طریقے سے بیان فرمایا ہے، اور قاطح دلائل
قائم کئے ہیں۔“

عمر الدسوقی | قاہرہ یونیورسٹی کے شعبہ ادب عربی کے صدر جناب عمر الدسوقی
اظہار الحق پر اپنے مقدمے میں اظہار الحق کا مفصل تعارف کرانے
اور مدح و ستائش کرنے کے بعد آخر میں لکھتے ہیں:

”اس کتاب کو پڑھتے وقت ہر شخص یہ محسوس کرتا ہے کہ یہ شخص اپنے
دین پر گہرا ایمان رکھتا ہے، دوسرے مذاہب سے پوری طرح
باخبر ہے، اپنے موضوع پر اسے پوری گرفت حاصل ہے، دلائل
قائم کرنے اور فن مناظرہ میں اس کو زبردست ملکہ حاصل ہے،
اپنے مخالف کی تمام کمزوریوں سے واقف ہے، اس نے حمد نامہ
مدریم و جدید کا ایک ایک لفظ پڑھا ہے، اور ان تمام باتوں کا
مطالعہ کیا ہے جو بائبل کے بارے میں یہودی اور عیسائی علما نے

۱۔ ادلۃ الیقین، ص ۹ مطبوعۃ الارشاد ۱۳۵۳ھ

۲۔ مقدمہ انجیل برناباس، ترجمۃ الدكتور خلیل سعادت المسیحی،

لکھی ہیں اور اس کی دلیلوں میں سب سے زیادہ زور دار حصہ ہے،
جہاں وہ خود عیسائی مفسرین اور مورخین کے اقوال سے استہناد
پیش کر کے اپنے نظریات کی تائید کرتا ہے۔

اس کے علاوہ ہندوستان کے علماء میں سے حکیم الامت حضرت مولانا
اشرف علی صاحب تھانویؒ نے بیان القرآن میں اور حضرت مولانا حفظ الرحمن
سیوہارویؒ نے قصص القرآن میں اس کتاب کا ذکر فرمایا مگر اس کی تعریف و توصیف
کی ہے، اور تقریباً تمام مشاہیر علماء اس پر اپنے اعتماد کا اظہار فرماتے رہے ہیں
وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ اَدْوٰلَہٗ وَاٰخِرَہٗ

محمد تقی عثمانی

یکم شعبان ۱۳۸۷ھ

دائے العلوم

کراچی نمبر ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خطبہ کتاب

تمام تعریفوں کے لائق وہ ذات ہے کہ جس کے نہ کوئی اولاد ہے، نہ اس کی سلطنت میں کبھی کوئی شریک ہو سکتا ہو، پھر تمام پاکی اور پاکیزگی اس ہستی کے لئے مخصوص ہے، جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی، اور اس کو سمجھ والوں کے لئے بصیرت اور نصیحت کا ذریعہ بنایا، اور جس نے یقین کے چہرہ سے اپنی آیات کے دلائل سے نقاب اٹھا دی، اور یقین کی جلوہ گاہ پر ہدایت کے جھنڈے نصب فرمائے، تاکہ اپنے کلام سے حق کا حق ہونا ثابت کرے، تاکہ اس کی دلیل کے بعد ان اقوام کے دلائل بیکار ہو جائیں جو سطحیات کا سہارا لیتے ہیں، اور جو اللہ کی روشنی کو اپنے منہ سے بھانا چاہتے ہیں، حالانکہ خدا اپنے نور کو مکمل کر کے رہے گا، خواہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو،

اور رحمت و سلامتی اس ذات اقدس پر نازل ہو جس کی نبوت کے معجزے حیلین مطلع پر روشن ہیں، اور جس کی شریعت کے شعا تر واضح اور ظاہر ہیں، جس نے تمام دوسرے دینوں اور مذاہب کی نشانیوں کو منسوخ کر دیا، جس کو اس کے مالک نے ہدایت

اور سچا دین دے کر بھیجا، تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب بنائے، اور اس کی تائید ایسی محکم کتاب سے فرمائی، جس نے بڑے بڑے بلغاء کو اس جیسی ایک سورت پیش کرنے سے عاجز کر دیا، یعنی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم، جن کے ظہور کی خوشخبری تورات اور انجیل نے دی، اور جن کے وجود سے اُن کے باپ ابراہیم خلیل صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا ظہور ہوا، اُن پر اور اُن کی اولاد پر جو آپ کی شریعت کے اتباع کرنے کی بنا پر کامیاب ہیں، اور صحیح راہ پر چلنے والے ہیں، اور آپ کے اُن صحابہ پر بھی خدا کی رحمت و سلامتی نازل ہو جن کو اللہ نے دولت اسلام عطا فرمائی، جس کے نتیجہ میں وہ کافروں پر نہایت سخت اور آپس میں ایک دوسرے پر بڑے مہربان ہیں :

—————

پیش لفظ مصنف

اما بعد، اپنے محسن خدا کی رحمت کا امیدوار رحمت اللہ بن خلیل الرحمن غفرلہ
 عرض پرداز ہے کہ جب برٹش حکومت کا ہندوستان پر زبردست تسلط اور غلبہ ہو گیا،
 اور اس نے امن و امان اور بہترین نظم و انتظام کو قائم کر دیا، تو ان کے آغاز حکومت سے ۴۳
 برس تک ان کے علماء کی طرف سے اپنے مذہب کی دعوت کا کوئی خاص اظہار نہیں ہوا، اس
 کے بعد آہستہ آہستہ انھوں نے اپنے مذہب کی دعوت دینی شروع کی، اور مسلمانوں کے خلاف
 رسالے اور کتابیں تالیف کیں، اور مختلف شہروں میں ان کو عوام میں تقسیم کیا، نیز بازاروں
 اور عام جلسوں، محفلوں اور شاہراہوں پر وعظ کہنا شروع کیا،
 ایک عرصہ تک تو عام مسلمان ان کے وعظ سننے، اور ان کی کتابوں، رسالوں کے مطالعہ
 سے نفرت کرتے رہے، اس لئے کسی ہندوستانی عالم نے بھی ان رسالوں کی تردید کی طرف
 کوئی توجہ نہیں کی، مگر ایک مدت گزرنے پر کچھ لوگوں کی نفرت میں ضعف اور کمزوری پیدا
 ہونے لگی، اور بعض جاہل عوام کی لغزش کا خطرہ لاحق ہوا، تب کچھ علماء اسلام کو ان کی تردید
 کی طرف توجہ ہوئی،

میں اگرچہ گننامی کے گوشہ میں پڑا ہوا تھا، ادھر میرا شمار بھی کوئی بڑے علماء کی جماعت

میں نہ تھا، اور حقیقت میں میں اس عظیم الشان کام کا اہل بھی نہ تھا، مگر جب مجھ کو عیسائی علماء کی تقریروں اور تحریروں کا علم ہوا، اور ان کے تالیف کردہ بہت سے رسالے میرے پاس پہنچے، تو میں نے مناسب سمجھا کہ اپنی امکانی حد تک میں بھی کوشش کروں، لہذا سب سے پہلے تو میں نے کچھ رسالے اور کتابیں تالیف کیں، تاکہ سمجھدار لوگوں پر حقیقت حال واضح ہو جائے، اس کے بعد عیسائی حضرات کے وہ بڑے پادری جن کا شمار ان عیسائی علماء میں تھا جو ہندوستان میں تحریری اور تقریری دونوں طریقوں سے مذہب اسلام پر اعتراض اور نکتہ چینی و عیب جوئی میں مشغول رہتے تھے، یعنی "میزان الحق" کے مصنف، میں نے ان سے درخواست کی کہ میرے اور آپ کے درمیان ایک عام جلسہ میں مناظرہ ہو جانا چاہئے تاکہ یہ امر خوب اچھی طرح واضح ہو جائے کہ علماء اسلام کی بے توجہی کا سبب یہ نہیں کہ وہ حضرات عیسائی پادریوں کے رسالوں کی تردید سے قاصر و عاجز ہیں، جیسا کہ بعض عیسائیوں کا دعویٰ اور خیال تھا،

چنانچہ پادری مذکور سے ان پانچ مسائل میں مناظرہ ہونے لگا جو عیسائی اور مسلمانوں کے باہمی نزاعی مسائل کی بنیاد ہیں، یعنی تحریف، نسخ، تثلیث، قرآن کی حقانیت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا حق ہونا، اور شہر آگرہ میں ماہ رجب ۱۲۸۲ء میں ایک جلسہ عام منعقد ہوا، میرے ایک محترم دوست (خدا ان کو تادیر زندہ رکھے) اس جلسہ میں میرے معین و مددگار تھے، اسی طرح بعض پادری صاحبان پادری صاحب کے مددگار تھے،

ان یعنی ڈاکٹر وزیر خان صاحب مرحوم، ۱۸۳۲ء میں انگلینڈ سے ڈاکٹری کی ڈگری حاصل کرنے گئے تھے، وہیں عیسائی کے موضوع پر کتابوں کا عظیم الشان ذخیرہ جمع کر کے ہندوستان لائے، آپ انگریزی کے ساتھ یونانی زبان بھی جانتے تھے، آپ ہی کے پُر غلوں تعاون نے مولانا رحمت اللہ صاحب کو انگریزی اور یونانی لٹریچر سے واقف کرایا، آپ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے مجاہدین میں سے ہیں، جنرل بخت خان کپ کو اودھ کا گورنر مقرر کر دیا تھا باقی مشہور

خدا کے فضل و کرم سے نسخ اور تحریف والے دو مسئلوں میں جو دقیق ترین مسئلے تھے، اور پادریوں کے خیال میں سب سے مقدم تھے (چنانچہ اس پر ان کی ایک عبارت بھی ذلالت کرتی ہے جو کتاب حل الاشکال میں موجود ہے) ہم کو کامیابی اور غلبہ حاصل ہوا، جب پادری مذکور نے یہ دلخراش شکست دیکھی تو باقی تین مسائل میں مناظرہ سے راہ فرار اختیار کی،

پھر مجھ کو مکہ مکرمہ کی حاضری کا اتفاق ہوا، اور میں حضرت الاستاذ علامہ سیدی وسندی و مولائی سید احمد بن زینی و حلان ادام اللہ فیضہ کی چوکھٹ پر حاضر ہوا، موصوف نے حکم دیا کہ میں ان پانچوں مباحث کا ان کتابوں سے جو اس سلسلہ میں میں نے تالیف کی ہیں عربی زبان میں ترجمہ کروں، کیونکہ وہ کتابیں یا فارسی زبان میں تھیں، یا مسلمانان ہند کی زبان (اردو) میں، اور دوزبانوں میں میری تالیفات کا یہ سبب تھا کہ پہلی زبان تو ہندوستانی مسلمانوں میں بے حد مانوس تھی، اور دوسری زبان خود ان کی اپنی مادری زبان تھی، اور پادری حضرات جو ہندوستان میں مقیم تھے، اور وعظ کرتے پھرتے تھے وہ دوسری زبان میں یقیناً ماہر تھے اور پہلی زبان سے بھی کچھ نہ کچھ واقفیت رکھتے تھے، بالخصوص وہ پادری جنھوں نے مجھ سے مناظرہ کیا تھا، وہ تو فارسی زبان میں بہ نسبت اردو کے بہت زیادہ ماہر تھے،

ادھر اپنے آقا کے حکم کی تعمیل میرے لئے واجب اور ضروری تھی، مجبوراً میں امثال حکم کے لئے تیار ہو گیا، مجھ کو ایسے لوگوں سے جو انصاف کی راہ پر چلتے اور بے انصافی کی راہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲) اس وقت سے مسلسل آزادی کی جدوجہد میں شریک رہے، پھر ہجرت کر کے حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ کی خدمت میں مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، وہیں وفات پائی، جنت البقیع میں مدفون ہیں (از فرنگیوں کا جال) ۱۲ محدثی

سے اعراض کرتے ہیں، پوری پوری امید ہے کہ وہ میری غلطیوں پر پردہ ڈالیں گے، اور میری
ثرولیدہ بیانی کی اصلاح فرمائیں گے،

اپنے اس خدا سے جو ہر مشکل کو آسان کر دینے والا ہے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے وہ
بصیرت و صلاحیت عطا کرے جو حق و صواب کی جانب رہنمائی فرمائے، اور اس کتاب
کو مخلوق میں شرف قبول بخشے، خاص و عام سب اس سے مستفید ہوں، اہل باطل کے
بشہات اور منکرین کے ادہام سے اس کو محفوظ رکھے،

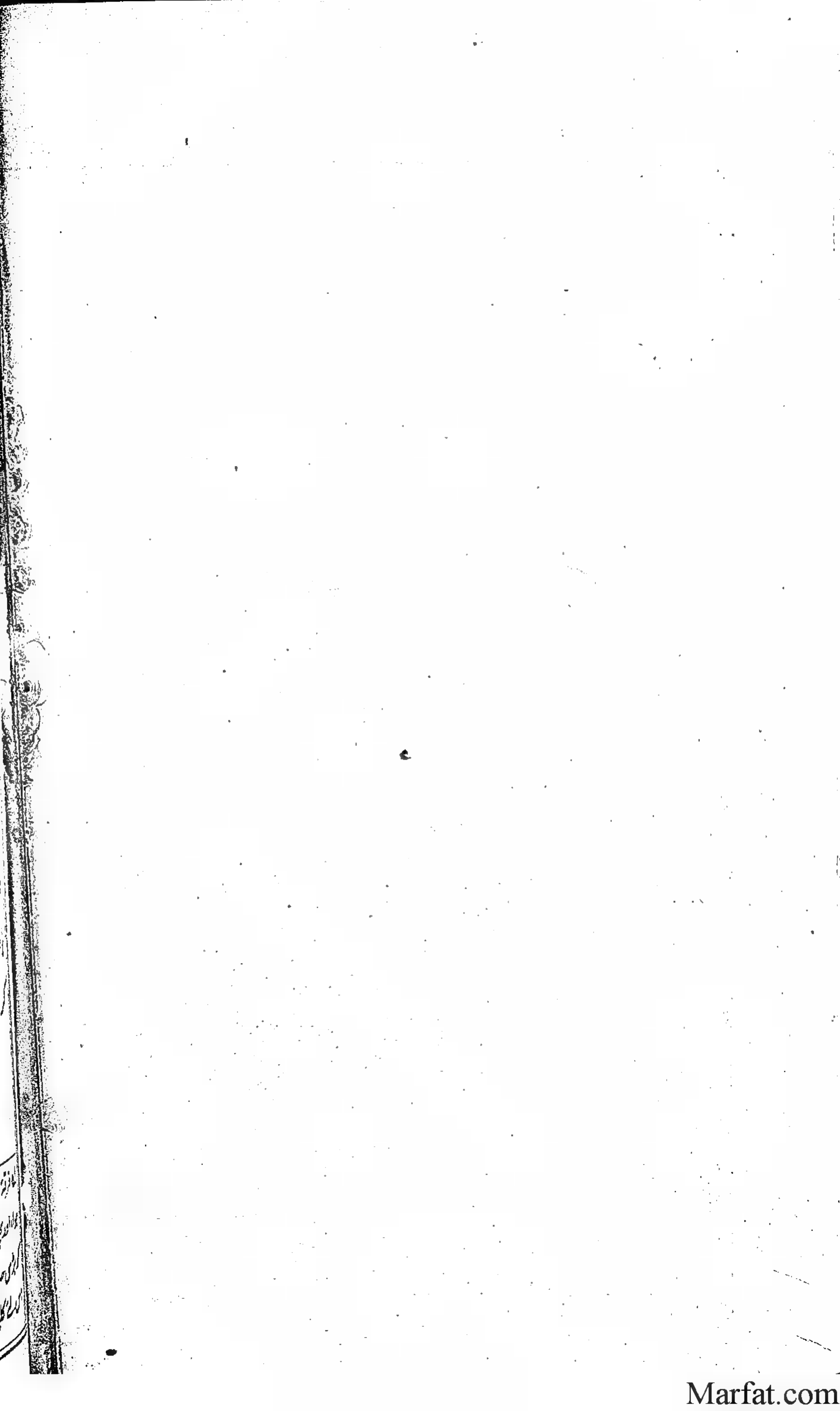
وہی توفیق بخشے والا ہے، اسی کے ہاتھ میں تحقیق کی لگام ہے، اور وہ تو ہر چیز پر قادر
ہے، اور قبول کرنے کا اہل ہے،

اور میں نے اس کا نام اظہار الحق رکھا ہے، جو ایک مقدمہ اور چھ بابوں پر تقسیم ہے۔

—————

مقدمہ

کتاب سے متعلق چند ضروری باتیں



مقدمہ

کتاب سے متعلق چند ضروری باتیں

(۱)

میں اس کتاب کے کسی حصہ میں اگر کوئی بات بلا کسی قید کے ذکر کروں گا تو سمجھ لیا جائے کہ وہ علماء پروٹسٹنٹ کی کتابوں سے الزامی طور پر منقول ہے، اگر کسی صاحب کو وہ بات مسلمانوں کے مذہب کے خلاف نظر آئے تو اس کو شک اور غلط فہمی میں نہ پڑنا چاہئے ہاں اگر کوئی بات میں اسلامی کتابوں سے نقل کروں گا تو عموماً اس کی جانب اشارہ کروں گا، الا یہ کہ وہ بہت زیادہ مشہور ہو،

(۲)

اس کتاب میں جو کچھ نقل کیا گیا ہے، عموماً فرقہ پروٹسٹنٹ کی کتابوں سے ماخوذ ہے،

۱۔ فرقہ پروٹسٹنٹ Protestant عیسائیوں کا مشہور فرقہ جو سولہویں صدی عیسوی میں نمودار ہوا، اور پھر رفتہ رفتہ تمام دنیا میں پھیل گیا، اس کا دعویٰ یہ تھا کہ کلیسا کے پاپاؤں نے عیسائیت کی شکل صورت کو بڑی حد تک بگاڑ دیا ہے، اس میں بہت سی بدعتیں شامل کر دی ہیں، اور بچہ تنگ نظری سے کام لیا ہے، اس لئے کلیسا کے نظام کی از سر نو اصلاح کرنی چاہئے، چنانچہ اس فرقہ نے جو نظریات پیش کئے (باقی صفحہ آئندہ)

خواہ تراجم ہوں یا تفسیریں یا تاریخیں، کیونکہ ملک ہندوستان پر اسی فرقہ کے لوگوں کا تسلط ہے، اور انہی کے علماء سے مناظرہ اور مباحثہ کا اتفاق ہوتا ہے، اور انہی کی کتابیں مجھ تک پہنچی ہیں، بہت کم ایسی چیزیں بھی آپ کو ملیں گی جو فرقہ کیتھولک کی کتابوں سے لی گئی ہیں، تغیر و تبدل اور اصلاح کرتے رہنا، فرقہ پرڈسٹنٹ کے لئے ایک امر طبعی بن گیا ہے، اسی لئے آپ دیکھیں گے کہ جب کبھی ان کی کوئی کتاب دوسری بار طبع ہوتی ہے، اس میں پہلے کی نسبت بے شمار تغیر و تبدل پایا جاتا ہے، یا تو بعض مضامین بدل دیئے جاتے ہیں، یا گھٹا بڑھا دیتے جاتے ہیں، یا کسی بحث کو مقدم یا مؤخر کر دیا جاتا ہے،

اب اگر کسی ایسی چیز کا جو ان کی کتابوں سے نقل کی گئی تھی اصل کتاب اسے مقابلہ کیا جائے تو اگر یہ کتابیں اسی نوع کی ہیں جن سے ناقل نے نقل کیا تھا تب تو نقل مطابق نظر آئے گی، ورنہ عموماً مخالف، لہذا اگر کوئی صاحب ان کی اس عادت سے واقف نہ ہوں تو ان کو یہی غلط فہمی ہوگی کہ ناقل نے غلط کہا ہے، حالانکہ وہ غریب صحیح کہتا ہے، یہ بات

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۷) بشمار چیزوں میں قدیم رومن کیتھولک فرقہ سے مختلف ہیں، اس فرقہ نے چوتھے کتابوں کو بائبل سے نکال دیا، بائبل کو لوگوں کی مادر فہمی میں پہنچانے کی تحریک چلائی، اور پاپا سے اس کے بہت سے اختیارات سلب کر لئے رومن کیتھولک فرقہ نے جو بہت سی رسمیں گھڑ رکھی تھیں انہیں منسوخ کر کے صرف بتسمہ (Baptism) اور عشاء ربانی (Eucharist) کو باقی رکھا، اور عشاء ربانی کی تفصیلات بھی بدل دیں، ان تمام اختلافات کی تفصیل آگے کتاب میں اپنے اپنے مقام پر آئے گی، مارٹن لوتھر اس فرقہ کا بانی ہے، اور کالون وغیرہ اس کے مشہور لٹریں، (تفصیل کے لئے دیکھئے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ص ۳۲ تا ۳۳، ج ۱۹، مقالہ ریفرمیشن)۔

۱۵ رومن کیتھولک (Roman Catholic) عیسائیوں کا قدیم ترین فرقہ جس کا دعویٰ

ہے کہ خود حضرت مسیح علیہ السلام نے اس کی بنیاد رکھی تھی، یہ فرقہ حضرت مسیح کے حواری جناب پطرس کو نائب مسیح مانتا ہے، اور کہتا ہے کہ وہ کلیسا کے رئیس، اور جتنے پاپا کلیسا میں منتخب ہو جائیں گے وہ سب کے جناب پطرس کے خلیفہ ہوں گے، اس لئے انہیں ہی امور میں مکمل اختیار حاصل ہوں گے، اس کے مختلف عقائد و نظریات کی تفصیل کے لئے دیکھئے کتاب ہذا، ص ۱۰۴ ج ۲، ۱۲ محمد تقی

گویا ان پادریوں کی عادت بن گئی ہے، میں خود بھی دوبار ان کی اس عادت کے جانتے سے قبل اس قسم کے مخالطہ میں پڑ چکا ہوں، اس لئے ناظرین کو یہ نکتہ ہمیشہ پیش نظر رکھنا ضروری ہے، تاکہ خود بھی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں، نہ دوسرے کو غلطی میں مبتلا کریں، اور نہ ناقل پر بہتان لگائیں،

کتاب کے اہم مآخذ | اب ہم ان کتابوں کی تفصیل بیان کرتے ہیں جن سے ہم نقل کریں گے وہ کتابیں حسب ذیل ہیں:-

- ۱۔ موسیٰ علیہ السلام کی پانچوں کتابوں کا عربی ترجمہ، جس کو ولیم ڈالٹن نے لندن میں طبع کیا ہے، مطبوعہ ۱۸۴۸ء، جو نسخہ مطبوعہ روم ۱۲۶۴ھ کے بعد طبع کیا گیا ہے،
- ۲۔ عہد عتیق و جدید کی تمام کتابوں کا عربی ترجمہ جس کو ولیم ڈالٹن نے ۱۸۴۴ء میں طبع کیا اور اس ترجمہ میں زبور ۹ و عزرا کو یک جا کر کے ایک کر دیا گیا، اور زبور ۱۴ کے دو حصے کر کے دو زبوریں قرار دیں، اس طور پر زبوروں کی تعداد ۱۰ اور ۱۴ کے درمیان بہ نسبت دوسرے تراجم کے بقدر ایک کے کم ہو گئی،
- ۳۔ عہد جدید کا ترجمہ عربی زبان میں بیروت میں ۱۸۶۱ء میں طبع ہوا، میں نے عہد جدید کی عبارت اکثر اسی ترجمہ سے نقل کی ہے، کیونکہ اس کی عبارت پہلے ترجمہ کی طرح رکیک نہیں ہے،

۴۔ تفسیر آدم کلارک جو عہد عتیق و جدید پر لندن میں ۱۸۵۸ء میں طبع ہوئی،

۵۔ بیرون کی تفسیر جو ۱۸۶۲ء میں لندن میں تیسری بار طبع کی گئی،

۶۔ ہنری واسکاٹ کی تفسیر، مطبوعہ لندن،

نہ اصل میں ہنری کی تفسیر الگ تھی، اور اسکاٹ کی الگ، بعد میں بعض عیسائی علماء (باقی صفحہ اگلی)

۷۔ لارڈز کی تفسیر مطبوعہ لندن ۱۸۳۸ء،

۸۔ رسلے کی تفسیر،

۹۔ ولسن کی کتاب،

۱۰۔ فرقہ پروٹسٹنٹ کا ترجمہ انگریزی ہر شدہ مطبوعہ ۱۸۱۹ء و ۱۸۳۰ء و ۱۸۳۱ء و ۱۸۳۶ء،

۱۱۔ عہد عتیق و جدید کا ترجمہ انگریزی ترجمہ جو رد من کیتھولک کا کیا ہوا ہے، مطبوعہ ڈبلن ۱۹۳۰ء،

اس کے علاوہ دوسری کتابیں بھی ہیں، جن کا ذکر اپنے اپنے موقع پر آئے گا، یہ کتابیں ان ممالک میں جن پر انگریزوں کا تسلط ہی بڑی کثرت سے ملتی ہیں، جس کسی کو شک ہو نقل کو اصل کے مطابق کر سکتا ہے،

(۴)

اگر کسی جگہ میرے قلم سے کوئی ایسا لفظ نکل جائے جو عیسائیوں کی کسی مسئلہ کتاب کی نسبت یا ان کے کسی پیغمبر کے متعلق بے ادبی اور گستاخی کا شبہ پیدا کرتا ہو تو ناظرین اس کو اس کتاب کی یا نبی کی نسبت میری بد اعتقادی، مروجہ نہ فرمائیں، کیونکہ میرے نزدیک خدا کی کسی کتاب یا اس کے کسی پیغمبر کی شان میں بے ادبی اور کالوں وغیرہ اس کے مشہور مجھے اور تمام مسلمانوں کو اس سے محفوظ رکھے، مگر چونکہ وہ کتابیں جو عیسائیوں کے نزدیک مسلم اور انبیاء کی جانب منسوب ہیں، ان کا الہامی کتابیں ہونا آج تک ثابت نہیں ہو سکا، بلکہ

دقیقہ سنہ گزشتہ نے دونوں کو یک جا کر دیا اور اس کا نام ہنری واسکاٹ کی تفسیر ہو گیا، اسی لئے آپ دیکھیں کہ مصنف اس کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تفسیر ہنری واسکاٹ کے جامعین نے یوں کہا ۱۲ محمد تقی

اس کے برعکس ان کا من گھڑت اور مصنوعی ہونا ہی ثابت ہے، اور ان کتابوں کے بعض مضامین
 کا شدید انکار کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے، اور یہ بھی ثابت ہے کہ ان کتابوں میں اغلاط و اختلاط
 و تناقض و تحریف یقینی طور پر موجود ہے، اس لئے میں یہ کہنے پر مجبور اور معذور ہوں کہ یہ کتابیں
 خدا کی کتابیں نہیں ہو سکتیں اور بعض واقعات کے قطعی انکار کرنے میں حق بجانب ہوں،
 مثلاً یہ کہ حضرت لوط علیہ السلام نے شراب پی کر اپنی دو بیٹیوں سے زنا کیا جن کو
 حمل رہ گیا، اور داؤد علیہ السلام نے اوریا کی بیوی سے زنا کیا، اور ان سے حاملہ ہو گئیں،
 پھر حضرت داؤد علیہ السلام نے امیر لشکر کو اشارہ کیا کہ کوئی ایسی تدبیر کرے جس سے اوریا
 مارا جائے، اور حیلہ سے اس کو مروا دیا، اور اس کی بیوی میں انھوں نے ناجائز تصرف کیا، اسی
 طرح حضرت ہارون علیہ السلام نے بچہ ایتنا یا، اور اس کے لئے قسربان گاہ تعمیر کی، اور
 خود ہارون علیہ السلام نے مع بنی اسرائیل کے اس کی عبادت کی، اور اس کو سجدہ کیا،
 اس کے سامنے قربانی کی، یا یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام آخر عمر میں مرتد ہو گئے تھے، اور
 بت پرستی کرنے لگے تھے، انھوں نے بت خانے تعمیر کئے، ان کی مقدس کتابوں سے یہ بھی
 ثابت نہیں ہوتا کہ سلیمان علیہ السلام نے ان افعال سے کبھی توبہ کی ہو، بلکہ اس کے برعکس
 یہی ثابت ہے کہ ان کی وفات مرتد و مشرک ہوئے کی حالت میں ہوئی،
 غلط ثابت ہے،
 ۵۔ مرہا ہمارے لئے ضروری اور واجب ہے،

۱۔ نقل کفر کفر نباشد "سوا انھوں نے (یعنی حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹیوں نے) اسی رات اپنے باپ کو بے پلائی
 (پیدا نش ۱۹-۳۳) اور لوط کی دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے حاملہ ہوئیں" (پیدائش ۱۹-۳۶) ۱۲
 ۲۔ (سموئیل دوم ۱۱-۲۵) ۳۔ (سموئیل دوم ۱۱-۱۵) ۴۔ (خروج ۳۲-۶۳۲)
 ۵۔ (سلاطین اذل ۱۱-۱۳۲۲) محمد تقی

ہمارا دعویٰ ہے کہ یہ واقعات یقینی طور پر غلط ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ نبوت کا مقدس مقام ان شرمناک کاموں سے پاک ہے،

غرض ہم غلط کو غلط کہنے میں مسدور ہیں، اس لئے علماء پر ڈسٹنٹ کے لئے زیبا نہیں ہوگا کہ وہ اس سلسلہ میں ہماری شکایت کریں، ان حضرات کو خود اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھنا چاہئے کہ وہ قرآن کریم اور احادیث نبوی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر طعن و اعتراض میں کس قدر حدود سے تجاوز کر جاتے ہیں، اور کیونکر ان کے قلم سے ناشائستہ الفاظ نکلے ہیں؟ مگر انسان اپنے عیب کو خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو نہیں دیکھتا، اور دوسرے کے عیوب کے خواہ کتنے ہی معمولی ہوں درپے ہوتا ہے، ہاں وہ شخص اس سے مستثنیٰ ہے جس کی بصیرت کی آنکھیں اللہ نے کھول دی ہیں، حضرت مسیح علیہ السلام نے کیا ہی اچھی بات کہی ہے کہ:-

تو کیوں اپنے بھائی کی آنکھ کے تنکے کو دیکھتا ہے؟ اور اپنی آنکھ کے شہتیر پر غور نہیں کرتا؟ اور جب تیری ہی آنکھ میں شہتیر ہے تو تو اپنے بھائی سے کیونکر کہہ سکتا ہے کہ لا تیری آنکھ میں سے تنکا نکال دوں؟ ایسے ریاکار پہلے اپنی آنکھیں سے تو شہتیر نکال، پھر اپنے بھائی کی آنکھ میں سے تنکے کو اچھی طرح نکال سکے گا“ (متی ۷: ۳، ۴، ۵) اور (لوقا ۱۱: ۴۱-۴۲)

(۵)

عیسائی لٹریچر میں مخالفین کبھی کوئی ایسی بات نکل جاتی ہے جو مخالف کو گراں ہوتی ہو، آپ نے کے لئے نازیب الفاظ دیکھا ہوگا کہ مسیح علیہ السلام نے کس طرح پر کتبہ اور فریسیوں کے

۱۵ اظہار الحق کے دونوں نسخوں میں یہ لفظ اسی طرح ہے جو غالباً ”کاتب“ کی جگہ ہے، مگر انجیل متی میں ”فریسیوں“ کے ساتھ ”فقہوں“ کا لفظ ہی (متی ۲۳-۲۹) اور لوقا میں شرع کے ”عالموں“ کا لفظ ہی (۱۱-۳۵) مفہوم تقریباً ایک ہی ہے۔ ۱۲ محمد تقی

سامنے اُن کے منہ پر یہ الفاظ استعمال کئے۔

اے ریاکار کتبہ اور فریسیوں! تم پر افسوس، اور آندھے راہ بتانے والو! اور اے احمق! اور آندھو! تم پر افسوس! اے ندھے فریسی! اے سانپو! اے افعی کے بچو! تم جہنم کی سزا سے کیونکر بچو گے؟

نیز اُن کی بُرائیاں اور عیوب بھرے مجمع میں بیان کئے، یہاں تک کہ ان میں سے بعض نے شکایت کی کہ آپ ہم کو گالیاں دیتے ہیں، جس کی تصریح انجیل متی باب ۲۱ اور انجیل لوقا باب ۱۱ میں موجود ہے،

اسی طرح کنعانی کافروں کے حق میں کس طرح کتوں کا لفظ استعمال کیا، جس کی تصریح انجیل متی باب ۱۵ میں موجود ہے، نیز حضرت یحییٰ علیہ السلام نے یہودیوں کو ان الفاظ کے ساتھ کس طرح خطاب کیا کہ۔

اے اژدھوں کی اولاد! کس نے تم کو بتایا کہ تم آنے والے غضب سے بھاگ سکو گے؟ جس کی تصریح انجیل متی باب ۲۳ میں موجود ہے،

بالخصوص علماء ظاہر کے مناظروں میں اس قسم کے کلمات بشری تقلض کے ماتحت بیکل جاتے ہیں، ذرا ملاحظہ کیجئے فرقہ پروٹسٹنٹ کے مقتدی اور رئیس المصلحین یعنی جناب ^{۱۵} ڈاکٹر کو کہ وہ ایسے شخص کے حق میں جو اپنے زمانہ میں عیسائیوں کا مقتدی اور اس کا معاصر یعنی

۱۵ آیت ۲۶ و ۲۷،

۱۵ اے سانپ کے بچو! تمہیں کس نے جتادیا کہ آنے والے غضب سے بھاگو، (متی ۳-۷)

۱۵ مارٹن لوتھر Martin Luther جرمنی میں فرقہ پروٹسٹنٹ کا بانی اور اس کا سب

پہلا لیڈر ہے، اس نے سب سے پہلے یہ آواز اٹھائی کہ ہر عام و خاص انسان کو براہ راست کتب مقدسہ سے استفادہ کا حق حاصل ہے، اس نے کلیسائے روم کی بدعات کے خلاف احتجاج کیا تھا، اس لئے اس کے (باقی صفحہ)

پاپائے روم تھا، کس قسم کے الفاظ استعمال کرتا ہے۔

اسی طرح ملک معظم ہنری ہشتم شاہ انگلستان کے حق میں کیا کیا لفظ کہتا ہے؟ ہم اس کے بعض اقوال ترجمہ کے طور پر کیتھولک میرٹز جلد ۹ ص ۲۷۷ سے نقل کرتے ہیں، اس کے مصنف کا دعویٰ ہے کہ اس نے ان اقوال کو جناب رئیس المصلحین مذکور کی سات جلدوں میں سے جلد ۲۷ سے نقل کیا ہے، غرض رئیس مذکور نے جلد ۷ مطبوعہ ۱۵۵۸ء کے ص ۲۷۷ میں پاپا کے حق میں یوں کہا ہے کہ:-

تیس سب سے پہلا شخص ہوں جس کو خدا نے ان باتوں کے بیان کرنے کے لئے طلب کیا ہے جن کی تم کو نصیحت کرنا ہے، میں خوب اچھی طرح جانتا ہوں کہ خدا کا مقدس کلام جو تمہارے پاس تھا آہستہ آہستہ نکل گیا، اے حق پرستی! اے گدھے اپنے کو گرنے سے بچا، اے میرے گدھے پاپا! اپنے کو بچا، اے ذلیل گدھے آگے مت بڑھ، ممکن نہ تو گر پڑے اور پاؤں ٹوٹ جاتے، کیونکہ اس سال ہوا بھی بہت کم ہے، یہاں تک کہ برف میں بھی بے شمار چکنائی پائی جاتی ہے، اور اس میں پاؤں پھسل جاتے ہیں پھر اگر تو گر پڑا تو لوگ مذاق اڑائیں گے، کہ یہ کونسا شیطان کا کام ہے، میرے پاس سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۳) فرقہ کو پروٹسٹنٹ کہتے ہیں، اسی نے تورات کا ترجمہ جرمنی زبان میں کیا، جس کو جرمنی نشر کا ایک شاہکار تیار دیا جاتا ہے، پیدائش ۱۵۸۳ء، وفات ۱۵۶۷ء ۱۲

پاپا یا پوپ نصاریٰ کی اصطلاح میں کلیسا کے رئیس کو کہا جاتا ہے، اُسے نصاریٰ حضرت مسیحؑ کا خلیفہ سمجھتے ہیں پہلے اسی کو پیٹرک کہا جاتا تھا، بعد میں پاپا کا نام دیا گیا، اور وہ امور مذہبیہ کے اندر کامل طور پر خود مختار ہوتا اور مفت میں ابن خلدون، ص ۴۱۸) تو تھوڑے اپنے زمانہ کے پاپا سے بغاوت کی تھی ۱۳

۱۴ ہنری ہشتم شاہ انگلستان (۱۵۰۹ء - ۱۵۴۷ء) اس نے سب سے پہلے شروع میں لو تھوڑی

تحریک بغاوت کا کلیسا کی جانب سے مقابلہ کیا، جس پر اُسے "پاپا" نے "محافظ ایمان" کا خطاب دیا، بعد میں یہ کلیسا سے الگ ہو گیا، اور ایک الگ مذہب کی بنیاد ڈالی جس کا نام پروٹسٹنٹ یا پروٹسٹنٹزم رکھا گیا، اس کی اختیارات ہونے چاہئیں، ۱۵

دور ہو جاؤ، اے شریر! ناقابلِ التفات! احمق! ذلیل! گدھو! تم اپنے کو گدھوں سے
بہتر سمجھتے ہو؟ اے پوپ! بے شک تو گدھا ہے، بلکہ بیوقوف گدھا ہے۔ اور
ہمیشہ گدھا ہی رہے گا۔

پھر صفحہ ۴۷۴ جلد مذکور میں یوں ہے:-

”اگر میں حاکم ہوتا تو یہ حکم جاری کرتا کہ شریر پوپ اور اس کے متعلقین کو
باندھ کر دریائے استیاء میں جو روم سے تین میل کے فاصلہ پر ایک بڑا دریا ہے
ڈبو دیا جائے، کیونکہ وہ پاپا اور اس کے جملہ متعلقین کے لئے تمام امراض اور
کمزوری سے شفاء اور صحت حاصل کرنے کے لئے ایک بہترین حمام ہے، اور
میں نہ صرف اپنا قول دیتا ہوں، بلکہ مسیح کو بھی اس امر کا ضامن بناتا ہوں کہ
اگر میں ان کو صرف آدھا گھنٹہ ڈبو دوں تو وہ تمام بیماریوں سے صحتیاب
ہو جائیں گے۔“

پھر جلد مذکور کے صفحہ ۴۰۱ پر کہتا ہے کہ:-

”پوپ اور اس کے متعلقین ایک شریر اور مفسد مکار و فریب کار گروہ ہے،
اور بد قماش لوگوں کی ایسی پناہ گاہ ہے جو بڑے بڑے جہنمی شیاطین سے بھری
ہوتی ہے، کہ اس کے ٹھوک اور ناک کی ریزش سے بھی شیاطین برآمد
ہوتے ہیں۔“

پھر جلد ۲ مطبوعہ ۱۵۶۲ء کے صفحہ ۱۰۹ پر کہتا ہے کہ:-

”میں پہلے کہا کرتا تھا کہ جان ہس کے بعض مسائل انجیل والوں کے مسائل ہیں

اب میں اس قول سے ہٹ کر کہتا ہوں کہ صرف بعض مسائل ہی نہیں، بلکہ وہ تمام مسائل جن کی تردید جلال اور اس کے حواریوں نے کونستنس کے جلسہ میں کی ہے، وہ سب انجیلی ہیں، اور اب میں تیرے منہ پر کہتا ہوں، اے اللہ کے مقدس نائب کہ جان ہس کے تمام مسائل جن کی تردید کی گئی ہے واجب التسلیم ہیں، اور تیرا ہر مسئلہ شیطانی اور کافرانہ ہے، اس لئے میں جان ہس کے تمام رد کئے ہوئے مسائل کو تسلیم کرتا ہوں، اور ان کی تائید کے لئے خدا کے فضل سے تیار ہوں۔“

جان ہس کے مسائل میں سے یہ بھی ہے کہ ”پادشاہ یا پادری اگر کسی کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرے تو پھر وہ بادشاہ یا پادری نہیں رہ سکتا۔“

اب سوال یہ ہے کہ جب رئیس المصلحین جناب لوتھر کے نزدیک اس کے تمام مسائل درست ہیں، تو یہ مسئلہ بھی ضروری ہے کہ مسلم ہو، اس بنا پر اس کے ماننے والوں میں ایک شخص بھی ایسا نہیں نکلتے گا جو پادشاہت یا پادری ہونے کا اہل ہو، کیونکہ ان میں کسی کا بھی دامن کبیرہ گناہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۱) کی اتباع میں کلیسا روم کے خلاف آواز بلند کی، اور اس کی تعلیمات کی بنیاد پر لوتھر نے اپنا فرقہ قائم کیا، اس زمانہ کے پاپا مغفرت نامے فروخت کیا کرتے تھے، اس کی بنیادی تعلیمات میں اس کی خلاف احتجاج، گناہ کبیرہ کے مرتکبوں کو پادری نہ بنانے کی تجویز اور تبسبل کو ہر شخص کی مادری زبان میں پڑھانے کی آرزو شامل ہو، مسئلہ ۱۲۱ میں جب مغفرت ناموں کی تقسیم کا اعلان ہو رہا تھا اس کی موثر تبلیغ سے یہ کام نہ ہو سکا چنانچہ پاپا نے اسے کلیسا سے خارج کر دیا، اور ستایا، مسئلہ ۱۲۱ میں اسے گرفتار کیا گیا، اور سات مہینے متواتر جھوس رکھنے کے بعد ۹ جولائی ۱۵۲۱ء کو شہر کانسٹنس میں زندہ جلادیا گیا (تواریخ کلیسا روم ۱۲)

(حاشیہ صفحہ ۱۲۱) Constance Council جس زمانہ میں پاپاؤں اور پادشاہوں میں خانہ جنگی جاری تھی، یکم نومبر ۱۵۱۳ء کو شہر کانسٹنس میں ایک عالمگیر اجلاس بلایا گیا جس میں شرکاء کی تعداد تقریباً ایک لاکھ تھی، اس میں باہمی اتحاد کی بحالی، کلیسا میں اصلاحات اور غلط تعلیمات کو بدعتیوں (باقی بر صفحہ ۱۲۱)

سے پاک نہیں ہے، اور بڑی عجیب بات ہے کہ عصمت و پاک و امنی عیسائیوں کے نزدیک انبیاء اور پیغمبروں کے لئے تو شرط ہی نہیں، چنانچہ جناب لوتھر کے نزدیک یہ حضرات محصور نہیں ہیں، مگر پادشاہ اور پادری کے لئے شرط ہے، شاید یہ بات ہو کہ نبوت کا منصب اس کے نزدیک پادری کے منصب سے کم ہوگا،

لوتھر صاحب نے جو الفاظ ملک معظم ہنری ہشتم کے حق میں استعمال کئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں: جلد ۷ مطبوعہ ۱۵۵۸ء صفحہ ۷۷ پر کہتا ہے کہ ۱۔

(۱) بیشک لوتھر ڈرتا ہے کیونکہ پادشاہ نے اس قدر اپنا ٹھوک کذب و لغویں خرچ کیا ہے۔

(۲) ”میں جھوٹے اور بے غیرت کے ساتھ بات کر رہا ہوں، اور چونکہ وہ اپنی بیوقوفی سے اپنے منصب سلطانی کا لحاظ نہیں کرتا تو پھر میں کیوں اس کا جھوٹ اس کے حلق میں نہ ٹوٹاؤں۔“

(۳) اے لکڑی کے بڑے ہوتے حوض جاہل: تو جھوٹا ہے، اور احمق پادشاہ ہر جو کفن چور بھی ہے۔“

(۴) اسی طرح یہ احمق پادشاہ کو اس کیا کرتا ہے۔“

بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ مخالفین کے لئے اس قسم کے الفاظ کا استعمال علماء پرہیزگاروں کے نزدیک جائز ہے، یہ دوسری بات ہے کہ وہ یہ کہیں کہ یہ استعمال مقتضاتِ بشریت کی بناء پر ہوا ہے، اب ہم کہتے ہیں کہ انشاء اللہ تعالیٰ ہم کوئی ایک لفظ بھی جان بوجھ کر اس

(بقیہ حاشیہ گذشتہ) سمیت دفع کرنے کی تدبیر پر غور کیا گیا، جان ہنس کی تعلیمات زیر بحث آئیں تو انہیں باتفاق رد کیا گیا، اور اسی کے نتیجے میں اسے زندہ نذر آتش کیا گیا، دیکھئے شارٹ ہسٹری آف دی چرچ، از سی پی ایس کلیرک، ص ۲۳۹ و ۲۴۰، ۱۲ محمد تقی

انداز کا استعمال نہیں کریں گے، جس انداز کے الفاظ ان کے مقتدار نے مسیحی علماء کے حق میں استعمال کئے ہیں، ہاں اگر کوئی لفظ بلا ارادہ ایسا نکل گیا جو ان کے خیال میں ان کی شان کے مناسب نہیں ہے تب بھی ہم ان سے چشم پوشی اور دعاء کے طالب ہیں،
 مسیح علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ :-

”تم اپنے لعنت کرنے والوں کو برکت کی دعاء دو، اپنے ساتھ بغض رکھنے والوں سے بھلائی کرو، جو تمہارے ساتھ بُرائی سے پیش آئیں اور تم کو دھتکالیں تم ان سے صلہ رحمی کرو۔“

جس کی تصریح انجیل متی باب میں موجود ہے

(۶)

عیسائی ملحدین کے اقوال پر ردی مالک میں ایسے لوگ بڑی کثرت سے موجود ہیں جن کو عیسائی نعتل کرنے کی وجہ پر وٹسٹنٹ ملحد اور بددین کہتے ہیں، جو نبوت و الہام کے منکر اور مذاہب کا مذاق اڑاتے ہیں، مذہب عیسوی کے پیغمبروں کی بے ادبی کرتے ہیں، بالخصوص حضرت مسیح علیہ السلام کی، ان مالک میں ان کی تعداد دن بدن بڑھتی جاتی ہے، ان کی کتابیں دنیا کے اطراف میں پھیل چکی ہیں، کچھ تھوڑی مقدار میں ان کے اقوال بھی اس کتاب میں نقل کئے جاتے ہیں اس نقل سے کوئی صاحب یہ خیال نہ فرمائیں کہ ہم ان کے اقوال یا افعال کو اچھا سمجھتے ہیں، حاشہ و کلاً، کیونکہ ہمارے نزدیک جن پیغمبروں کی نبوت ثابت ہو چکی ہے ان کا منکر بالخصوص حضرت مسیح کا منکر ایسا ہی ہے جیسا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرنے والا، بلکہ اس نقل کا منشا محض علماء پر وٹسٹنٹ کو یہ بتانا ہے کہ انھوں نے مذہب اسلام پر جو اعتراضات کئے ہیں، وہ ان اعتراضات کی نسبت کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتے، جو خود ان کے اہل ملک و مچنس لوگوں

نے عیسائی مذہب پر کتے ہیں،

(۷)

علمائے پروٹسٹنٹ کی اکثر علماء پروٹسٹنٹ کی عادت مخالفین کے جواب لکھنے کے موقع پر یہ مسلمانوں پر بہتان طرازی کرتے ہیں، کہ وہ اس کی کتاب میں عناد اور مخالفت کی نگاہ سے جستجو کرتے ہیں، اگر پوری کتاب میں تھوڑے سے بھی کمزور اقوال ان کو مل گئے تو وہ ان کو غنیمت سمجھ کر عوام کو مغالطہ میں ڈالنے کے لئے ان کو نقل کرتے ہیں، پھر دعویٰ کرتے ہیں کہ تمام کتاب اسی نمونہ کی ہے، حالانکہ انھوں نے پوری بھاگ دوڑ کے بعد محدودے چند اقوال کمزور پائے ہیں، پھر مخالف کے ان اقوال کو لے لیتے ہیں جن میں وہ تاویل کر سکتے ہیں، یا ان کا جواب دے سکتے ہیں، اور قوی مضبوط اقوال کو قطعی ہاتھ نہیں لگاتے، بلکہ ان کی طرف اشارہ بھی نہیں کرتے اور نہ تردید کے لئے اس کی کتاب کی تمام عبارت نقل کرتے ہیں، کہ ناظرین پر فریقین کے کلام کی حقیقت واضح ہو سکے، بلکہ کبھی کبھی تو ان کی طرف سے نقل کرنے میں بھی خیانت کا ارتکاب ہوتا ہے، یعنی ناظرین کو مغالطہ میں ڈالنے کے لئے اس کے الفاظ اور اصل غرض میں تحریف اور تغیر و تبدل کر دیتے ہیں، تاکہ دیکھنے والا صرف ان منقول اقوال کو دیکھ کر یہ سمجھے کہ واقعی مخالف کا تمام کلام اسی نمونہ کا ہو گا جس طرح انھوں نے نقل کیا ہے،

یہ عادت بہت ہی ناپسندیدہ ہے، جو حضرات ان کی اس عادت سے واقف ہیں ان کو یقین ہو جاتا ہے کہ ان معترضین کو مخالف کی کتاب میں اس کے سوا کچھ نہیں ملا ہے، پھر یہ بات بھی واضح ہے کہ اگر بالفرض نقل درست بھی ہو تو صرف ان اقوال سے پوری کتاب

کمزور ہونا لازم نہیں آتا، بالخصوص جبکہ وہ کتاب بھی بڑی ہو کیونکہ جب کسی کتاب الہامی نہیں تو عادتاً اس میں حصہ لازمی ہے، اس لئے کسی انسانی کلام اس عیب پاک ہونا بہت مشکل ہے، ہر کاٹنی والی تلوار کیلئے کہنا بہتر ہے،

”کل صارم نبوة وکل جواد کبرۃ ویکل“

گر نالازم ہے، اور سب سے پہلا انسان سب سے پہلا بھولنے والا ہے۔

ہمارے نزدیک غلطی اور بھولک پاک ہو صرف ایمان اور کتاب الہی کیلئے مخصوص ہے یہ شان کسی اور کتاب کی نہیں تھی، ذرا غور کیجئے کہ امام عیسیٰ کو تھر کے وقت اس موجود زمانہ تک ان محققین میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں کیا جاسکتا جس کے کلام میں کوئی غلطی اور کمزوری انکی تصانیف میں کسی موقع پر نہ ہوتی ہو، اگر کوئی ایسا ہو تو پیش کیجئے، پھر اس کی جواب دہی ہمارے ذمہ ہوگی، کیا پھر اسی طرح ہمارے لئے بھی جائز ہوگا کہ ہم بھی ان کے امام ممدوح یا دوسرے امام کالون یا ان کے کسی مشہور محقق کے بعض کمزور اقوال کو نقل کر کے یہ کہیں کہ اس کا باقی کلام بھی اسی طرح باطل ہے، اور اسی قسم کی بکواس ہے، اور اس کو باریک بینی نصیب نہیں رہتی کہ ہم یہ بات کہیں، کیونکہ یہ قطعی انصاف کے خلاف ہے، اور اگر عیسائیوں کے

کافی ہے تو ہم کو بڑی راحت حاصل ہو جائے گی، کیونکہ ہم ان کے کہے

اقوال جن کے بارے میں خود ان کے مقتداؤں اور اہل مذاہب

یا غلط ہیں، نقل کرنے کے بعد کہہ دیں گے کہ ان کا باقی کلام بھی اسی

اس لئے کہ مجھ کو عیسائی علماء سے توقع ہے کہ اگر وہ ہماری کتاب کا جواب

کے لئے میری پوری عبارت کو نقل کریں، اور اس مقدمہ میں جو باتیں ذکر کی گئی ہیں ان

پوری پوری رعایت کریں، اس پر اگر یہ لوگ عدیم الفرستی کا بہانہ پیش کریں تو یہ کسی طرح

مقبول نہ ہوگا، کیونکہ مصنف مرشد الطالبین نے اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۴۸ء جز ۲، فصل ۲

۱۵ کالون Calvin فرقہ پرڈسٹنٹ کا مشہور مصلح (۱۵۰۹ء تا ۱۵۶۴ء) شروع میں تدریم

میں ایک عقائد کا تھا، بعد میں تو تھر کے عقائد و نظریات کو قبول کیا، پھر ان نظریات کی تبلیغ میں بڑی قربانیاں

محض علماء پر پیدا ہوا تھا، بعد میں بے شمار سفر کر کے جیو میں مقیم ہو گیا، جیو اور گرد و نواح میں پرڈسٹنٹ

میں گاہ بڑا اہم کردار بھی عیسائیت پر اس کی بہت سی تصانیف ہیں، فرانسیسی زبان میں بائبل کا پہلا

ان اعتراضات کی نسبت کے تمام نظریات کو بنام کمال قبول نہیں کرتا، مگر اسے اپنا مقتدا تسلیم کرتا ہے اور انہیں (ج ۱۲)

میں تصریح کی ہے کہ:-

تقریباً ایک ہزار گشتی علماء پر ڈسٹنٹ دوامی طور سے انجیل کی اشاعت میں مشغول رہتے ہیں، جن کی اعانت اور مدد کرنے کے لئے ایک سودا عظیم اور معین ہر وقت مستعد رہتے ہیں۔

پھر یہ سب کے سب اپنے گھروں سے صرف اس ضروری کام کے لئے نکلے ہوتے ہیں کہ وعظ و نصیحت کریں، اور اپنے مذہب کی لوگوں کو دعوت دیں، ایسی صورت میں اتنی بڑی جماعت کے ہوتے ہوئے عدیم الفرستی کا عذر کیسے مانا جاسکتا ہے؟ اپنے بیان کی توضیح کے لئے کچھ حالات امام جماعت جناب لوتھر کے اور کتاب میزان الحق و حل الاشکال و مفتاح الاسرار مصنف پادری فنڈر صاحب کے ہم ذکر کرنا چاہتے ہیں،

وارڈ کیتھولک اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۴۱ء میں ترجمہ مذکورہ کے حال میں جو ڈچ زبان میں ہے کہتا ہے:-

”وہ ہیں جو علماء پروٹسٹنٹ میں بڑے پایہ کا عالم ہے، لوتھر کو خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ: اے لوتھر تو خدا کے کلام کو بگاڑتا ہے، تو بڑا مخراب ہے۔ اور کتب مقدسہ کو خراب کرتے والا ہے، ہم کو سچے سے پھر شرم آتی ہے، کیونکہ ہم تیسری بے شمار تعظیم کرتے تھے، اور اب پتہ چلا کہ تو اس قسم کا ہی، ادھر لوتھر نے رومن کلیس کے ترجمہ کا رد کیا، اور اس کو احمق، گدھا، دجال دھوکہ باز کے القاب سے یاد کیا، پادری گلرمن ترجمہ مذکورہ کے حق میں کہتا ہے کہ ”عہد عتیق کی کتابوں کا ترجمہ، بالخصوص کتاب ایوب کا اور انبیاء کی کتابوں کا، عیسویوں سے لبریز ہے اور عہد جدید کا ترجمہ بھی عیب دار ہے، اور اس کا عیب بھی کچھ کم نہیں ہے،“

اور بسرواؤسیانڈر، تو تھر سے کہتا ہے کہ "تیرا ترجمہ غلط ہے، اور سٹافیلس اور

اسیرس نے فقط عہد جدید کے ترجمہ میں چودہ سو غلطیاں پائی ہیں جو بتائیں"

پھر جو اغلاط صرف عہد جدید کے ترجمہ میں پائے جاتے ہیں، اُن کی تعداد ۴۰۰ ہے، تو

غالب یہی ہے کہ پورے ترجمہ میں چار ہزار اغلاط سے کم ہرگز نہ ہوں گے، پھر جب اتنی اغلاط

پائے جانے کے باوجود ان کے پیشوائے عظیم کٹیپٹ جہل اور عدم تحقیق کی نسبت نہیں کی جاتی، تو

ایک منصف مزاج کے نزدیک وہ شخص جس کا کلام پانچ سات مقامات پر اور وہ بھی مخالفت

کے نزدیک مجروح ہو، تو جہل اور عدم تحقیق کا مجرم کس طرح قرار پاسکتا ہے؟

اب عیسائیوں کے پیشوائے عظیم کا حال سننے کے بعد کچھ حالات میزان الحق وغیرہ کتابوں

کے بھی سنتے جاتے :-

اس کتاب کے دو نسخے ہیں، ایک قدیم نسخہ جو عرصہ دراز تک داعظ پادریوں کے یہاں

استفسار کی تالیف سے قبل مروج رہا ہے، مگر جب فاضل محترم علامہ آل حسن نے استفسار

تصنیف فرمائی اور نسخہ مذکورہ کے باب نمبر ۱۰۳ کی تردید لکھی، اور اس کتاب کے دیکھنے کے

بعد پادری فنڈر کو اپنی کتاب کا حال معلوم ہوا، تو انھوں نے مناسب سمجھا کہ دوبارہ اس کو

کاٹ تراش کر اور کچھ حذف و اضافہ کر کے شائع کیا جائے، چنانچہ پادری صاحب نے ایک

جدید نسخہ کامل اصلاح کے بعد مرتب کر کے اس کو فارسی زبان میں ۱۸۴۹ء میں آگرہ میں طبع

کرایا، پھر ۱۸۵۵ء میں اردو زبان میں طبع کیا، گویا وہ قدیم نسخہ اس جدید نسخہ کے مقابلہ میں

قانون منسوخ کی حیثیت سے عیسائیوں کے یہاں غیر معتبر قرار دیا گیا، اس لئے ہم اس قدیم

نسخہ سے ایک قول کے علاوہ اور کچھ نقل نہیں کریں گے، اگرچہ اس سلسلہ میں کافی گفتگو کی

گنجائش ہے،

بہر کیف! ہم اس جدید فارسی نسخے سے نمونہ کے طور پر ۲۴ اقوال نقل کریں گے، اسی طرح حل الاشکال مطبوعہ ۱۸۳۷ء سے ۹ اقوال اور صرف دو قول کتاب مفتاح الاسرار قدیم و جدید سے بطور ترجمہ عربی زبان میں نقل کریں گے، ساتھ ساتھ ہم باب اور فصل اور صفحات کے حوالے بھی دیتے جائیں گے،

”میزان الحق“ کے اقوال

پہلا قول | میزان الحق، صفحہ ۱، باب اول میں یوں لکھا گیا ہے کہ :-

اُس نسخ کے مسئلہ میں قرآن اور مفسرین دعویٰ کرتے ہیں کہ جس طرح زبور کے نزول سے تورات اور انجیل کے نزول سے زبور منسوخ ہو گئی، اسی طرح قرآن کے نازل ہونے پر انجیل منسوخ ہو گئی۔“

ملاحظہ کیجئے کہ زبور کے نزول سے تورات اور انجیل کے نزول سے زبور کا منسوخ ہو جانا، اس کی نسبت قرآن کی طرف کرنا سراسر بہتان اور افتراء ہے، قرآن کریم میں اس کا کہیں کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کی کسی معتبر مستند کتاب میں بھی اس کا ذکر نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک زبور تورات کی ناسخ اور انجیل منسوخ ہے، بلکہ اس کے برعکس داؤد علیہ السلام پورے طور پر شریعت موسوی کے متبع تھے، اور زبور تو صرف چند دعاؤں کا مجموعہ ہی جس کے ناسخ و منسوخ ہونے کا سوال ہی نہیں ہو سکتا، ممکن ہے کہ پادری موصوف نے کسی جاہل عامی سے شکر قیاس کیا ہو گا کہ یہ بات قرآن اور تفسیروں میں ہوگی، اس لئے اس کو قرآن اور مفسرین کی جانب منسوب کر دیا، یہ شان ہے اُن محقق صاحب کے دعاوی کی، ایسے طعن و اعتراض کے سلسلہ میں جو عیسائیوں کا اولین اور بہت بڑا اعتراض ہے۔

دوسرا قول | فصل مذکور صفحہ ۲۴ پر لکھا ہے کہ :-

مسلمانوں کے اس دعوے کی کوئی اصل نہیں ہے کہ زبور توریت کی ناسخ ہے اور

انجیل دونوں کی ۱۱

یہ بھی پہلے کی طرح غلط ہے، کیونکہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ زبور نہ تو توریت کی ناسخ ہے نہ انجیل سے منسوخ ہے، میں نے جب اس مشہور مناظرہ میں جو میرے اور پادری مذکور کے درمیان مجمع عام میں ہوا تھا، ان دونوں قولوں کی نقل کی تھی صحیح کا مطالبہ کیا تو پادری صاحب کے لئے کوئی پناہ کی جگہ اس کے سوا نہیں مل سکی کہ اپنی غلطی کا اقرار کرنے پر مجبور ہوئے جس کی تصریح ان مناظرہ کے رسالوں میں موجود ہے جو آگرہ اور دہلی میں فارسی اور اردو میں کئی بار طبع ہو چکے ہیں، جو صاحب چاہیں دیکھ سکتے ہیں،

تیسرا قول | فصل مذکور، صفحہ ۲۵ میں یوں ہے کہ :-

قانون نسخ سے یہ تصور لازم آتا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے جان بوجھ کر محض اپنی مصلحتوں اور ارادہ کے پیش نظر یہ چاہا کہ ایک ایسی ناقص چیز جو مطلوب تک پہنچانے والی نہیں ہے عطا کرے اور پھر اس کی توضیح کرے، مگر اس قسم کے ناقص اور باطل تصورات اللہ تعالیٰ کی مقدس ذات کی نسبت جو قدیم اور کامل الصفات ہر کوئی شخص بھی نہیں کر سکتا :-

یہ اعتراض مسلمانوں پر ان کے اصطلاحی نسخ کے پیش نظر کسی طرح بھی نہیں پڑ سکتا، چنانچہ باب میں آپ کو معلوم ہو جائے گا، ہاں عیسائیوں کے مقدس جناب پولس پر یہ اعتراض

۱۱ پولس (لام کے پیش کے ساتھ) Paul نصاریٰ کا ایک مقدس پیشوا ہے، جس کے ۱۴ خطوط پہلے کے مسیحیوں (عہد نامہ جدید) میں موجود ہیں، بزعم نصاریٰ نصرانی مذہب کی تبلیغ میں اس کا بڑا اہم کردار ہے شروع میں عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق اس کا نام ساؤل تھا، اور یہ یہودی تھا، اس نے یروشلم میں عیسائیوں پر بڑے ظلم و ستم ڈھائے، بعد میں دمشق گیا، تو ایک غیر معمولی واقعہ سے مرعوب ہو کر عیسائی ہو گیا (باقی برصغیر)

ضرور دارد ہوگا، کیونکہ یہ بزرگ اسی ناقص باطل تصور میں مستلذا نظر آتے ہیں، جو پادری فتنہ زر کے نزدیک ناممکن ہے، ہم اس کی عبارت عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۶۰ء سے نقل کرتے ہیں، عبرانیوں کے نام خط کے باب آیت ۱۸ میں یوں فرماتے ہیں کہ :-

”غرض پہلا حکم کمزور اور بے فائدہ ہونے کے سبب منسوخ ہو گیا کیونکہ شریعت نے کسی چیز کو کامل نہیں کیا،“

نیز اسی خط کے باب ۸ آیت ۷ میں یوں ہے کہ :-

”کیونکہ اگر پہلا عہد بے نقص ہوتا تو دوسرے کے لئے موقع نہ ڈھونڈا جاتا“

اور تیسریں آیت میں ہے :-

”جب اس نے نیا عہد کیا تو پہلے کو پرانا ٹھہرایا، اور جو چیز پرانی اور مدت کی

ہو جاتی ہے وہ مٹنے کے قریب ہوتی ہے“

اور اسی خط کے باب ۱۰ آیت ۱۱ میں ہے کہ :-

”غرض وہ پہلے کو موقوف کرتا ہے تاکہ دوسرے کو قائم کرے“

دیکھئے عیسائیوں کے مقدس نے توریت پر یہ اطلاق کیا کہ وہ باطل اور منسوخ ہو گئی

اور وہ بیکار محض اور کمزور تھی، اور کسی چیز کو مکمل نہ کر سکتی تھی، عیب دار تھی، اور اس کو مضحک اور

باطل ہونے کے لائق شمار کیا،

بلکہ اس پادری کے قول کے موافق تو یہ لازم آتا ہے کہ نعوذ باللہ خود باری تعالیٰ بھڑکے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶) اور عیسائیوں کا زبردست مبلغ بنا، (یہ واقعات کتاب اعمال پٹ دی میں دیکھے جاسکتے

ہیں)، شمالی جزیرہ عرب اور ایشیائے کوچک Asia Minor کے مختلف شہر مقدونیہ وغیرہ اس کی

تبلیغ کا اہم مرکز رہے ہیں، اسے بیت المقدس میں دو مرتبہ قید کیا گیا، پھر ردیامیں ایجا کر ۶۷ء میں قتل کر دیا گیا تفصیل

کے دیکھئے مقدمہ باب ۱۲ مرقمہ احقر ۱۲ تقی

پہلے اس باطل ناقص تصور میں مبتلا ہوا، کیونکہ اس نے حزقیلؑ کی زبانی یہ فرمایا کہ ۱۔

”سو میں نے ان کو بُرے آئین اور ایسے احکام دیتے جن سے وہ زندہ نہ رہیں“ (حزقی ایل ۲۵)

ہم کو اس محقق کے انصاف پر بڑا ہی تعجب ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں پر وہ الزام قائم کرتا ہے

جو خود اس کے مذہب پر عائد ہوتا ہے، نہ کہ مسلمانوں کے مذہب پر،

چوتھا قول | فصل مذکور صفحہ ۲۶ میں یوں کہا گیا ہے کہ ۱۔

”ان آیات کا مقتضایہ ہے کہ انجیل اور عہد عتیق کی کتابوں کے احکام رہتی دنیا

تک قائم اور باقی رہیں“

حالانکہ یہ چیز اس لئے قطعی غلط ہے کہ اگر آیت کا مقتضی یہ ہوتا... کہ دونوں کے احکام

باقی رہیں گے، تو لازم آتا ہے کہ تمام پادری واجب القتل ہوں، اس لئے کہ یہ لوگ شنبہ کے

دن کی تعظیم نہیں کرتے، اور توریت کے حکم کے مطابق اس کی تعظیم کو توڑنے والا واجب قتل

ہے، اس کے علاوہ پادری صاحب نے اسی فصل میں صراحت کیا ہے کہ ۱۔

”توریت کے ظاہری احکام مسیحؑ کے ظہور پر پورے ہو چکے، اور اس معنی کے اعتبار

سے منسوخ ہو گئے کہ ان کی پابندی اب ضروری نہیں رہی“

یعنی یہ احکام ظاہری پادری صاحب کے اقرار کے مطابق قیامت تک باقی رہنے والے

نہیں ہیں، اب بتایا جائے کہ اس معنی کے لحاظ سے ان احکام کی تکمیل و نسخہ میں اور ہمارے

لے حزقیال بن بوزی آپ کبار انبیاء علیہم السلام میں سے ہیں، آپ کا نام تائیل کی عام کتابوں میں حزقیل

عربی کی بائبل میں حزقیال اور اردو ترجمہ میں حزقی ایل مذکور ہے، آپ لاوی (Levi) بن یعقوب علیہ السلام

کی اولاد میں سے ہیں، جب ششم ق م میں بنو کد نصر

پر حملہ کیا تو آپ نے اہل شہر کے ساتھ اس کاوٹ کر مقابلہ کیا، عہد قدیم کے موجودہ مجموعہ میں ایک کتب

”کتاب حزقی ایل“ کے نام سے آپ کی طرف منسوب ہے،

اصطلاحی نسخ میں کیا فرق باقی رہ جاتا ہے،

حضرت مسیح علیہ السلام اپنے حواریوں کو روانہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۱۔

غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا، بلکہ اسرائیل

کے گھرانے کی کھوتی ہوتی بھیڑوں کے پاس جانا ۲

یعنی مسیح علیہ السلام نے حواریوں کو دوسری قوموں اور سامریوں کو دعوت دینے سے

منع کیا، اور اپنی پیغام رسانی کو بنی اسرائیل تک محدود و مخصوص رکھا، پھر آسمان پر چڑھنے کے وقت فرمایا کہ ۳۔

تم تمام دنیا میں جا کر ساری خلق کے سامنے انجیل کی منادی کرو ۴

یہاں سارے عالم کو دعوت دینے کا حکم کر رہے ہیں، اور اپنے پیغام کے عموم کا ارشاد

فرماتے ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ اپنے پہلے حکم کو منسوخ کر دیا، پھر حواریوں نے مشورہ کے بعد

توریت میں کہے ہوئے سارے ہی عملی احکام کو باستثناء چار احکام کے منسوخ کر ڈالا:

بتوں کے ذبیحہ کی حرمت، خون کی حرمت، گلا گھونٹے ہوتے جانور کی حرمت، زنا کی

حرمت، اس سلسلہ میں تمام گرجوں کے نام ہدایت نامہ جاری کیا گیا، جس کی تصریح کتاب الاعمال باب ۱۱ میں موجود ہے،

پھر مقدس پولس نے ان چار استثنائی احکام میں سے پہلے تین احکام کو اباحت عام

۱۔ (متی ۱۰-۷، ۷)

۲۔ (مرقس ۱۵-۱۶)

۳۔ روح القدس نے اور ہم نے مناسب جانا کہ ان ضروری باتوں کے سوا تم پر اور بوجھ نہ ڈالیں، کہ تم بتوں کی قربانیوں کے گوشت سے اور ہوا اور گلا گھونٹے ہوتے جانوروں اور حرام کاری سے پرہیز کرو، اگر تم اپنے آپ کو

ان چیزوں سے بچاتے رکھو گے تو سلامت رہو گے، والی سلام (اعمال ۱۵-۲۸ و ۲۹) ۱۲

کے فتوے کے ذریعہ جو اس کے رسالہ اہل روم کے باب ۱۲ آیت ۱۴ میں اور ططس کے نام خط کے باب آیت ۱۵ میں درج ہے، منسوخ کر ڈالا، غرض حواریوں نے توریت کے احکام کو منسوخ کیا، اور مقدس پولس نے حواریوں کے احکام کو الہذا ہمارے بیان سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ نسخ جس طرح توریت کے احکام میں واقع ہوا، اسی طرح انجیل کے احکام میں بھی واقع ہوا ہے، اور دونوں کے احکام منسوخ قیامت تک باقی رہنے والے نہیں ہو سکے، ان چیزوں کی تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ آپ کو باب ۳ میں معلوم ہو جائے گی،

وہ آیتیں جن سے پادری مذکور نے استدلال کیا ہے چار ہیں، جن کو فصل مذکور ص ۲۶ و ۲۷ میں نقل کیا ہے:-

۱۔ انجیل لوقا، باب ۲۱ آیت ۳۳ میں ہے کہ:

”آسمان اور زمین ٹل جائیں گے، لیکن میری باتیں ہرگز نہ ٹلیں گی۔“

۲۔ انجیل متی باب ۵ آیت ۱۸ میں یوں ہے کہ:

”پس بے شک میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں

ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے۔“

۱۵۔ ”مجھے معلوم ہے بلکہ خداوند یسوع میں مجھے یقین ہے کہ کوئی چیز بذاتہ حرام نہیں، لیکن جو اس کو حرام سمجھتا ہے اس کے لئے حرام ہے۔“ (رومیوں کے نام ۱۴-۱۳)، اور ”پاک لوگوں کے لئے سب چیزیں پاک ہیں، مگر گناہ آلود لوگوں اور بے ایمان لوگوں کے لئے کچھ بھی پاک نہیں۔“ (ططس کے نام، ۱-۱۵) ان فتووں سے پہلی تین چیزیں منسوخ ہوتی ہیں، کیونکہ یہاں کھانے پینے کی اشیاء کا ذکر ہے، زنا کی حرمت اس سے منسوخ نہیں ہوتی، اسی لئے مصنفؒ نے فرمایا کہ ”چار استثنائی احکام ہیں“ پہلے تین احکام کو الخ ۱۲

—————

۳۔ پطرس کے پہلے خط باب آیت ۲۳ میں اس طرح ہے کہ:

”کیونکہ تم فانی تخم سے نہیں، بلکہ غیر فانی خدا کے کلام کے وسیلہ سے جو زندہ اور

قائم ہے، نئے سرے سے پیدا ہوئے ہو۔“

۴۔ کتاب اشعیاء کے باب ۴۰ آیت ۸ میں ہے کہ:

”گھاس مڑ جاتی ہے، پھول کھلتا ہے، پر ہمارے خدا کا کلام ابد تک قائم ہے۔“

عیسائیوں کا دوسری اور چوتھی آیت سے اس امر پر استدلال کرنا کہ توریت کا کوئی حکم منسوخ نہیں ہو سکتا۔ ہرگز درست نہیں، کیونکہ اس کے جملہ عملی احکام شریعت عیسوی میں منسوخ ہو چکے ہیں، اسی طرح پہلی اور تیسری آیت سے اس امر پر استدلال کرنا بھی غلط ہے کہ انجیل کا کوئی حکم بھی منسوخ نہیں ہے، کیونکہ انجیل کے احکام میں بھی نسخ ثابت ہے، ناظرین کو اس کا کچھ علم ہو بھی چکا ہے، اور مزید تفصیل کے ساتھ انشاء اللہ باب ۱۲ میں ہو جائے گا، صحیح بات یہ ہے کہ پہلی آیت میں جو ”میری باتیں“ کہا گیا ہے اس میں اودنا عہد کی ہے، جس سے مراد وہ پیشینگوئیاں ہیں جو پیش آنے والے واقعات کی نسبت انھوں نے کی ہیں، چنانچہ مفسر ڈی آتلی اور چرچ ڈمینٹ نے پادری پیرس اور ڈین اسٹان

۱۔ پطرس دپا اور آرمینوم ہیں (Peter) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں ان کا اصلی نام سمعان تھا، مجملیوں کے شکار پر گزارہ کرتے تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تو آپ نے ان کی تبلیغ سرگرمیوں کو دیکھ کر ان کا نام پطرس رکھا جس کے معنی چٹان کے ہیں، شروع میں یہ اٹلی میں رہے پھر انھیں روم لایا گیا، اور وہیں پچانسی وی گئی، عہد نامہ جدید کے موجودہ مجرمین اُن کے دو خط شامل ہیں

دپا انش تقریباً سن ۴۰ ق، م، وفات سن ۶۷ء

۲۔ یعنی اس سے مراد اپنی ہر ایک بات نہیں، بلکہ چند مخصوص باتیں مراد ہیں، ۱۲

کی اختیار کردہ تفسیر کے مطابق یہی مطلب لیا ہے، چنانچہ اس باب میں عنقریب آپ کو معلوم ہو جائے گا، غرض یہ اضافت کسی طرح بھی اشتقاق کے لئے نہیں ہے کہ یہ مراد لیا جاسکے کہ میری ہر بات قیامت تک باقی رہے گی، خواہ وہ حکم ہو یا اور کچھ، اسی طرح میرا کوئی حکم منسوخ نہ ہو سکے گا، ورنہ احکام منسوخ کی نسبت اُن کی انجیل کا جھوٹا ہونا لازم آئے گا۔

اس کے علاوہ یہ چیز بھی قابل غور ہے کہ دوسری آیت میں نہ ملنا کمال کی قید کے ساتھ مقید ہوا اور پادری مذکور کے خیال کے مطابق توریت کے احکام کی تکمیل شریعت عیسوی میں ہو چکی، اس کے بعد ان کے مٹ جانے کے لئے کوئی مانع نہیں رہا،

نیز تیسری آیت میں الی الابد، ابد تک کا لفظ محرف اور الحاقی ہے، جس کا پتہ کس وقت اور صحیح نسخہ میں نہیں ہے، اسی لئے اس کی دونوں جانب قوسین اور طرح لکھے ہوئے ہیں (الی الابد) نسخہ عربی مطبوعہ ۱۸۶۷ء بیروت اور اس کے طبع کرنے والوں اور تصحیح کرنے والوں نے دیباچہ میں جو نوٹ دیا ہے اس میں کہا ہے کہ ”یہ دونوں ہلالی نشان اس کی دلیل ہیں جو الفاظ اُن کے درمیان ہیں اُن کا وجود قدیم اور صحیح نسخوں میں نہیں ہے“

پطرس حواری کے الفاظ ”خدا کے کلام کے وسیلہ سے جو زندہ اور قائم ہے“ اشعیا کے الفاظ کی طرح ہیں، انھوں نے کہا ہے کہ ”پھر ہمارے خدا کا کلام ابد تک قائم ہے۔“ لہذا جس طرح اشعیا کا کلام توریت کے احکام کے منسوخ نہ ہونے کا فائدہ نہیں دیتا، اسی طرح پطرس کا قول انجیل کے منسوخ نہ ہونے کے لئے مفید نہیں ہے، اور جو بھی تاویل اشعیا کے قول میں چلی سکتی ہے وہی بعینہ پطرس کے قول میں بھی ممکن ہے،

غرض یہ چاروں آیتیں مسلمانوں کے مقابلہ میں اُن کے نسخ اصطلاحی کے ابطال کے لئے بطور استدلال پیش نہیں کی جاسکتیں، اسی لئے پادری صاحب نے اس مناظرہ کے

دوران جو میرے اور ان کے درمیان ہوا تھا، ان آیات سے استدلال کرنے میں بہت سی ہلکی باتیں
کی ہیں جن کا علم ان لوگوں کو خوب ہو جنہوں نے اس مناظرہ کی مطبوعہ روئداد ملاحظہ کی ہوگی،
جو دہلی اور آگرہ میں بار بار طبع ہو چکی ہے،

پانچواں قول پادری شمس موصوف نے شیعہ اثنا عشریہ کا مسلک قرآن مجید کے بارے میں بیان
کرتے ہوئے فانی کا قول اس کی کتاب دبستان سے میزان الحق کے باب فصل ۳ صفحہ ۲۹
میں نقل کیا ہے، مگر اس کے الفاظ کو کاٹ تراش کر بدل ڈالا، کیونکہ اس کی عبارت یوں تھی کہ:-
”ان میں کے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ عثمانؓ نے قرآن کو جلادیا تھا، مگر پادری مذکور نے یوں نقل کیا کہ
”وہ کہتے ہیں“ یعنی ”ان میں کے کچھ لوگ“ اڑادیا، اور لفظ ”می“ بڑھایا، تاکہ اس قول کی نسبت تمام
شیعوں کی طرف ہو جائے،

اسی طرح پادری مذکور نے استفسار کی اپنی کتاب حل الاشکال کے ص ۱۰۳ پر اس طرح
نقل کی ہے کہ:-

”صرفی، نحوی اور معانی و بیان اور جملہ فنون کے قواعد و اصول اسلامی عہد سے

پہلے کسی یہودی یا مسیحی کے یہاں نظر نہ آئیں گے“

حالانکہ استفسار کی عبارت لفظ ”جملہ فنون“ موجود نہیں ہے، بلکہ اس کے عوض میں

”مفردات لغت“ پایا جاتا ہے، اور مصنف استفسار کا مطلب یہ تھا کہ جن فنون کا تعلق توریت

و انجیل کی اصلی زبان سے ہے وہ اسلامی عہد سے قبل کسی یہودی یا نصرانی کے پاس نہ تھے

پادری صاحب نے لفظ مفردات لغت کو جملہ فنون سے بدل کر پھر اس پر اعتراض کر دیا،

فرقہ کیتمو لکے واسے کہتے ہیں کہ اس قسم کی باتوں میں تحریف اور تغیر کر دینا فرقہ پرست

لہ فارسی زبان کا لفظ ”می“ مراد ہو ستماری عادت پر دلالت کرتا ہے ۱۲ تقی

والوں کی طبیعت ثانیہ بن گئی ہے، چنانچہ وارڈ کیتھولک اپنی کتاب میں کہتا ہے کہ:-
 ”فسرقہ پروٹسٹنٹ کی ایک رپورٹ پادشاہ جمیس اول کے حضور میں پیش ہوئی
 کہ جو زبوریں ہماری کتاب ”صلوٰۃ“ میں داخل ہیں وہ اندازاً دوسو مقامات میں
 کمی بیشی کے اور تغیر و تبدل کے لحاظ سے عبرانی کی مخالف ہیں“

تھامس انگلس کیتھولک اپنی کتاب مرآۃ الصدق میں جو اردو زبان میں ۱۸۵۱ء میں
 طبع ہوئی ہے، صفحہ ۱۷۱ء پر یوں کہتا ہے کہ:-

”اگر تم فقط چودھویں زبور کو دیکھو جو کتاب الصلوات میں موجود ہے اور جس پر
 علماء پروٹسٹنٹ کی رضا مندی علت اور قسم کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے، پھر اس
 زبور کا مطالعہ کر دو جو علماء پروٹسٹنٹ کی کتاب مقدس میں ہے تو تم کو معلوم ہوگا
 کہ کتاب الصلوٰۃ میں چار آیتیں کتاب مقدس کی نسبت کم ہیں، اب یہ آیتیں اگر
 کلام اللہ کی ہیں تو ان کو چھوڑنے کا کیا سبب؟ اور اگر خدا کے کلام کی نہیں ہیں تو
 کتاب الصلوٰۃ میں ان کا سچا نہ ہونا کیوں نہیں ظاہر کیا گیا، صاف سچی بات تو یہ ہو کہ
 پروٹسٹنٹ والوں نے خدا کے کلام میں تحریف کی، اور یہ پیشین گوئی جو آئندہ واقعات
 کی نسبت تھی، اس میں یا کمی ہوئی یا بیشی“

ظاہر ہے کہ فانی کی عبارت میں سے صرف لفظ ”ان میں سے کچھ لوگ“ اڑا دینا بہت
 خفیف اور معمولی بات ہے، بہ نسبت اس کے کہ ایک زبور سے کئی چار آیات کا صفایا کر دیا جائے
 اسی طرح لفظ ”مفردات لغت“ کو بدل ڈالنا کتاب زبور کے دوسو مقامات میں تحریف کر دینے
 کے مقابلہ میں نہایت آسان اور خفیف ہے،

چھٹا قول | میزان الحق کے باب فصل ۳ صفحہ ۵۲ میں یوں کہا گیا ہے کہ:-

ہمارا عقیدہ نبی کی نسبت یہ ہے کہ پیغمبر اور حواریوں سے اگرچہ تمام کاموں میں بھول
چوک اور سہو و نسیان واقع ہو سکتا ہے، مگر تبلیغ و تحریر کے دائرے میں معصوم^{ہیں}

لیکن یہ بھی غلط ہے، چنانچہ باب اول کی فصل سوم میں ناظرین کو معلوم ہو جائے گا، کتاب
سلاطین اول باب ۱۳ میں اس نبی کا واقعہ بیان کیا گیا ہے جو خدا کا حکم لے کر یہود اسے یوربعام^{۱۲}
کے پاس آیا تھا، پھر جب یہ معلوم ہوا کہ یوربعام کی دستربان گاہ کو داؤد علیہ السلام کی اولاد میں
سے سلطان یوشیاہ گرا دیگا، تو یہود واپس پہنچا، اس میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ:-

اور بیت ایل میں ایک بڑھانہ رہتا تھا، اس کے بیٹوں میں سے ایک نے آکر
وہ سب کام جو اس مرد خدا نے اس روز بیت ایل میں کئے اُسے بتائے، اور جو
باتیں اس بادشاہ سے کہی تھیں ان کو بھی اپنے باپ سے بیان کیا، اور اُن کے باپ
نے اُن سے کہا وہ کس راہ سے گیا؟ اُس کے بیٹوں نے دیکھ لیا تھا کہ وہ مرد خدا
جو یہود راہ سے آیا تھا، کس راہ سے گیا ہے، سو اُس نے اپنے بیٹوں سے کہا میرے
لئے گدھے پر زین کس دو، پس انھوں نے اس کے لئے گدھے پر زین کس دیا
اور وہ اس پر سوار ہوا، اور اُس مرد خدا کے پیچھے چلا، اور اسے بلوط کے ایک درخت

۱۲ یہوداہ یا یہودیر (Judah) بحر میت اور بحر متوسط کے درمیان ایک ملک کا نام ہے، جس میں رحبت
بن سلیمان علیہ السلام نے تقریباً ۹۷۰ ق م میں اپنی مملکت قائم کی تھی جس کا پایہ تخت یروشلم تھا ۱۲
۱۳ یربعام بن نباط (Jeroboam) شروع میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا خادم تھا، بعد میں اُن کی بغاوت
کی، اور اُن کے انتقال کے بعد جب اُن کا بیٹا رجعام تخت پر بیٹھا تو اس نے اکثر بنی اسرائیل کو اپنے ساتھ ملا کر
انگ سلطنت قائم کر لی، اور اس میں ایک قربان گاہ بنائی، رجعام اور یربعام میں ہمیشہ جنگیں رہیں، اس نے
بائیس سال بنی اسرائیل پر حکومت کی، اس کے تفصیلی حالات کتاب سلاطین باب ۱۱، باب ۱۲ اور کتاب
تواریخ باب ۱۲ و ۱۳ میں دیکھے جاسکتے ہیں ۱۳

کے نیچے بیٹھے پایا، تب اس نے اس سے کہا کیا تو وہی مرد خدا ہے جو یہوداہ سے
آیا تھا؟ اُس نے کہا ہاں، تب اُس نے اُس سے کہا میرے ساتھ گھر چل، اور
روٹی کھا، اس نے کہا میں تیرے ساتھ ٹوٹ نہیں سکتا اور نہ تیرے گھر جاسکتا
ہوں اور میں

تیرے ساتھ اس جگہ نہ روٹی کھاؤں نہ پانی پیوں، کیونکہ خداوند کا مجھ کو یوں حکم
ہوا ہے کہ تو وہاں نہ روٹی کھانا، نہ پانی پینا، اور نہ اس راستے سے ہو کر ٹوٹنا،
جس سے تو جاتے، تب اس نے اس سے کہا کہ میں بھی تیری طرح نبی ہوں اور
خداوند کے حکم سے ایک فرشتہ نے مجھ سے یہ کہا کہ اسے اپنے ساتھ اپنے گھر میں
ٹوٹا کر لے آ، تاکہ وہ روٹی کھائے اور پانی پئے، لیکن اس نے اس سے جھوٹ کہا
سو وہ اس کے ساتھ ٹوٹ گیا، اور اس کے گھر میں روٹی کھائی، اور پانی پیا،
اور جب وہ دسترخوان پر بیٹھے تھے تو خداوند کا کلام اس نبی پر جو اُسے ٹوٹا لایا تھا
نازل ہوا، اور اس نے اس مرد خدا سے جو یہوداہ سے آیا تھا، چلا کر کہا، خداوند نے
فرماتا ہے، اس لئے کہ تو نے خداوند کے کلام سے نافرمانی کی، اور اس حکم کو نہیں
مانا جو خداوند تیرے خدا نے تجھے دیا تھا، بلکہ تو ٹوٹ آیا اور تو نے اسی جگہ جس کی
بابت خداوند نے تجھے فرمایا تھا کہ نہ روٹی کھانا نہ پانی پینا، روٹی بھی کھائی
اور پانی بھی پیا، سو تیری لاش تیرے باپ دادا کی قبر تک نہیں پہنچے گی، اور جب
وہ روٹی کھا چکا اور پانی پی چکا تو اس نے اُس کے لئے یعنی اُس نبی کے لئے
جسے وہ ٹوٹا لایا تھا گھر پر زین کس دیا، اور جب وہ روانہ ہوا تو راہ میں اسے
ایک شیر ملا جس نے اُسے مار ڈالا، سو اس کی لاش راہ میں پڑی رہی، اور گدھا

اس کے پاس کھڑا رہا، اور شیر بھی اس لاش کے پاس کھڑا رہا، اور لوگ، ادھر سے گزرے، اور دیکھا کہ لاش راہ میں پڑی ہے، اور شیر لاش کے پاس کھڑا ہے، سو انھوں نے اس شہر میں جہاں وہ بڑھا بنی رہتا تھا، یہ بتایا، اور جب اس نبی نے جو اسے راہ سے کوٹالا یا تھا، یہ سنا تو کہا، یہ وہی مرد خدا ہے جس نے خداوند کے کلام کی نافرمانی کی، اسی لئے خداوند نے اس کو شیر کے حوالہ کر دیا، اور اس نے خداوند کے اس سخن کے مطابق جو اس نے اس سے کہا تھا اُسے پھاڑ ڈالا اور مار ڈالا، پھر اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ میرے لئے گدھے پر زین کس دو، سو انھوں نے زین کس دیا، تب وہ گیا اور اس نے اس کی لاش راہ میں پڑی ہوئی اور گدھے اور شیر کو لاش کے پاس کھڑے پایا، کیونکہ شیر نے نہ لاش کو کھایا اور نہ گدھے کو پھاڑا تھا، سو اس نبی نے اس مرد خدا کی لاش اٹھا کر اُسے گدھے پر رکھا، اور لے آیا اور وہ بڑھا بنی اس پر ماتم کرنے اور اسے دفن کرنے کو اپنے شہر میں آیا۔ (سلاطین اول - ۱۳ - ۱۱ تا ۲۹)

اس عبارت میں بوڑھے پیغمبر کے لئے پانچ مقامات پر نبی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، نیز آیت نمبر ۸ میں ان کی جانب سے سچی پیغمبری کا دعویٰ نقل کیا گیا ہے، اور آیت ۲۰ میں اس کی سچی رسالت کی تصدیق بھی ثابت ہو چکی ہے، اب غور کیجئے اس بوڑھے پیغمبر کی حرکت پر جو صادق النبوت ہے، کہ خدا پر بہتان لگایا، اور تبلیغ کے سلسلہ میں جھوٹ بھی بولا، اور اللہ کے مسکین بندے کو سخت فریب دیا، اور اس کو خداوند کے قہر و غضب میں مبتلا کر دیا، اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام تبلیغ کے دائرہ میں بھی معصوم نہیں ہیں، ممکن ہے کہ کوئی صاحب پھر نکلتے پیدا کریں کہ انبیاء کی خدا پر بہتان طرازی اور تبلیغ میں دروغ بیانی

قصداً ہوتی ہے نہ کہ یہود و نصاریٰ کے طور پر اور پادری صاحب کا کہنا یہود و نصاریٰ والی صورت کے متعلق ہے،

جواباً گزارش ہے کہ پادری مذکور کی عبارت کی توجیہ کا جہاں تک تعلق ہے اس میں شک نہیں، یہ توجیہ ان کی عبارت کے مناسب ہے، مگر اس میں یہود و نصاریٰ سے زیادہ ایک شدید خرابی لازم آئے گی، پھر اس کے علاوہ یہ واقعہ کے بھی تو خلاف ہے، چنانچہ عنقریب آپ کو معلوم ہو جائے گا، اس کے بعد پادری صاحب فرماتے ہیں کہ:-

”اگر کسی شخص کو ان کی تحریروں میں کسی مقام پر کوئی اختلاف یا عقلی استحالہ نظر

آئے تو یہ اس کی عقل اور سمجھ کے ناقص ہونے کی دلیل ہے“

ہم کہتے ہیں کہ یہ نہ صرف غلط، بلکہ دھوکہ بازی اور فریب کاری اور علماء یہودی کی تصریح کے خلاف ہے، اور نہ صرف علماء یہودی بلکہ فرقہ پر وٹسٹنٹ کے مشہور مفسر آدم کلارک کی تصریح کے بھی مخالف ہے، اُسی طرح اس فرقہ کے دوسرے محقق لوگوں کی تصریحات کے خلاف ہے، چنانچہ باب اول کی فصل ۳ و ۴ اور باب دوم، مقصد کے شاہد نمبر ۱۶ میں عنقریب آپ کو معلوم ہو جائے گا،

اگر پادری صاحب کو اپنے دعوے کی صداقت پر اصرار ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان تمام اختلافات اور اغلاط کی محقول توجیہ فرمائیں، جن کو ہم نے فصل ۳ میں نقل کیا ہے، تاکہ صحیح کیفیت منکشف ہو جائے، مگر یہ ضروری ہے کہ تمام اغلاط و اختلاف کی توجیہ کرنا ہوگی، صرف بعض کی توجیہ کافی نہ ہوگی، اور یہ بھی ضروری ہوگا کہ اس کا جواب میری عبارت اور تقریر کے نقل کرنے کے بعد ذکر کیا جائے، تاکہ ناظرین فریقین کی باتوں کو پیش نظر رکھیں، اور اگر بعض چیزوں کی جن کی تاویل ممکن ہو توجیہ کی گئی، خواہ وہ کتنی ہی بعید ہو اور

میری عبارت کو چھوڑ دیا گیا تو پھر اُن کا دعویٰ قابلِ سماعت نہ ہوگا،

ساتواں قول | میزان الحق کے باب ۲ کے مقدمہ میں ص ۱۰ پر یوں ہے کہ :-

خدا نے یہودیوں کو اولیاء سے کئے ہوئے وعدہ کے مطابق ستر سال گزرنے پر

رہائی دیدی اور ان کو ان کے وطن پہنچا دیا۔

یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ اُن کے قیام کی مدت بابل میں ۶۳ سال ہے، نہ کہ ستر سال،

چنانچہ باب فصل ۳ میں آپ کو معلوم ہو جائے گا،

آٹھواں قول | باب فصل ۳ صفحہ ۱۰۵ میں فرماتے ہیں کہ :-

اور ستر اسبوع جس سے مراد ۴۹۰ سال کی مدت ہے، ظہور مسیح پر پورے ہو گئے

جس طرح دانیال پیغمبر نے خبر دی تھی کہ بنی اسرائیل کی بابل سے واپسی اور مسیح کی

آمد کے درمیان مذکورہ مدت ہوگی۔

یہ بھی غلط ہے، چنانچہ باب فصل ۳ میں آپ کو معلوم ہوا جاتا ہے، نیز یہ قول اپنی حقیقت

اور واقعیت کے لحاظ سے صحیح نہیں ہو سکتا، اگرچہ ہم یہ بات مان لیں کہ یہودیوں نے بابل میں

ستر سال قیام کیا تھا، پھر ان کو آزاد کر دیا گیا تھا، کیونکہ صفحہ ۶۰ پر تصریح کی گئی ہے کہ :-

۱۰۔ بابل (Babylon) دنیا کے قدیم ترین شہروں میں سے ہے، جو تباہ ہو چکے ہیں، یہ دریائے فرات کے کنارے

بغداد سے ۶۰ کیلو میٹر جنوب مشرق میں واقع تھا، یہاں سومالیوم اموری نے ششہ قہم میں ایک نسل آباد کی تھی،

جس کا چھٹا بادشاہ مشہور تاریخی انسان حمورابی (انسانوں میں سب سے پہلا انسان واضح قانون دانیسویں صدی

قبل مسیح میں گذرا ہے، سلطنت نینوا کے خاتمہ کے بعد ششہ قہم میں بنو کہ نصر

نے اُسے پایۂ تخت بنا کر دنیا کے اہم ترین شہروں میں داخل کر دیا، پھر سکندر مقدونی نے

اسے مشرق کا مرکزی شہر بنایا، اس زمانہ میں اس شہر کی تہذیب دنیا کی سب سے ترقی یافتہ تہذیب تھی، پھر

سلوقیین کے زمانہ (تیسری صدی قبل مسیح) میں اسے انحطاط ہوا، ۱۲

”یہودیوں کا قیدی بنایا جانا ولادت مسیح سے ۶۰۰ سال پیشتر ہوا ہے“

اگر ہم اس میں سے ستر سال کم بھی کر دیں تب بھی ۵۳۰ باقی رہتے ہیں، تو رہائی سے
ظہور مسیح تک کی مدت اس قدر ہوگی نہ کہ ۴۹۰ سال،
نواں قول | باب فصل ۳ صفحہ ۱۰۰ میں ارشاد ہے کہ:-

خدا نے داؤد پیغمبر کو خبر دی تھی کہ یہ مخلص تیری نسل سے پیدا ہوگا، اور اس کی
سلطنت ہمیشہ باقی رہے گی۔

چنانچہ اس کی تصریح سفر صموئیل ثانی فصل ۱۷ آیت ۱۳ میں موجود ہے، اور ان دونوں
آیتوں سے استدلال کرنا غلط ہے، چنانچہ باب فصل ۳ میں آپ کو تفصیل سے معلوم ہوگا،
دسواں قول | باب فصل ۳ صفحہ ۱۰۱ میں یوں کہا گیا ہے کہ:-

اس مخلص کی پیدائش کا مقام کتاب پنج پیغمبر کے باب ۵ آیت ۲ میں یوں بتایا گیا ہے
کہ اے بیت لحم! افراتاہ، اگرچہ تو یہوداہ کے ہزاروں میں شامل ہونے کے لئے
چھوٹا ہے تو بھی تجھ میں سے ایک شخص نکلے گا اور میرے حضور اسرائیل کا حکم ہوگا،
اور اس کا مصدر زمانہ سابق ہاں قدیم الایام سے ہے (دیکھا، ۵۰-۲)۔

اس عبارت میں تحریف کی گئی ہے، جیسا کہ عیسائیوں کے مشہور محقق ہودن کی تحقیق ہے

۱۔ اور جب تیرے دن پوسے ہو جائیں گے تو اپنے باپ دادا کے ساتھ سو جائے گا تو میں تیرے بعد تیری نسل کو
جو تیری صلیب سے ہوگی کھڑا کر کے اس کی سلطنت کو قائم کروں گا، وہی میرے نام کا ایک گھر بنائے گا اور
میں اس کی سلطنت کا تختہ ہمیشہ کے لئے قائم کروں گا (صموئیل ثانی، ۷-۱۲ و ۱۳)

بیت اللحم Bethlehem فلسطین کا ایک شہر جو بیت المقدس سے ۸ کیلو میٹر جنوب میں واقع ہے،
کہتے ہیں کہ اسی میں حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام پیدا ہوئے اور اس میں ایک چوتھی صدی عیسوی
کی عمارت اب تک موجود ہے، واللہ اعلم ۱۲ تقی

پنچم باب مقصد (۱) شاہد ۲۳ میں آپ کو معلوم ہوگا،

نیز یہ انجیل متی باب ۲ آیت ۱۷ کے قطعی مخالف ہے، اس لئے پادری صاحب کو ہر دو
اں میں سے ایک کو قبول کرنا ہوگا؛

یا تو دنیا کی عبارت میں تحریف واقع ہونے کا اقرار کریں، جس طرح اُن کے مشہور محقق نے
زاف کر لیا ہے، یا پھر انجیل کی عبارت کو محرف تسلیم کریں، مگر وہ عوام کے سامنے اس کے
تسلسلے سے پناہ مانگتے ہیں، کیونکہ اقرار کی شکل میں پہلی صورت میں اُن پر یہ الزام آتا ہے کہ
وہ نے دیدہ و دانستہ محرف عبارت سے استدلال کرنے کی جرأت کس طرح کی؟ اور
دونوں صورتوں میں اُن پر واجب ہو کہ وہ بتائیں کہ کس نے اور کب اور کس مقصد کے
لیے یہ تحریف کی؟ کیا اس کو کچھ دنیوی عہدے مل گئے؟ یا پھر کچھ آخرت کا ثواب ملا؟ جس
لئے وہ خود مسلمانوں سے مطالبہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ توضیح مسلمانوں کے ذمہ قرض ہے،
ہم خدا کے فضل سے اس قرض سے پاک ہیں، چنانچہ کتاب اعجاز عیسوی اور ازالۃ الشکوک
سعدی اعوجاج المیزان اور اس کتاب میں کافی تفصیل کے ساتھ اس حقیقت کو واضح کیا
گیا ہے،

ارہواں قول | مذکورہ صفحہ پر کہا گیا ہے کہ :-

”یہ مخلص ایک کنواری کے پیٹ سے پیدا ہوگا، جیسا کہ اشعیا نے فصل ۱۱ آیت ۱۰
میں کہا ہے۔“

اے بیت لحم یہوداہ کے علاقے، تو یہوداہ کے حاکموں میں ہرگز سب سے چھوٹا نہیں، کیونکہ تجھ میں ایک سردار
کا جو میری امت اسرائیل کی گلہ بانی کر گیا۔ (متی ۲) کتاب میکاہ میں یہوداہ کو چھوٹا لکھا ہے اور متی میں اس کے چھوٹا ہونے
کی گئی ہے ۱۲ اتنی

دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا پیدا ہوگا، اور وہ اس کا نام عمانوئیل رکھے گی (یشعیاہ ۷)۔

اس سے استدلال کرنا بھی بلاشبہ غلط ہے، چنانچہ باب فصل ۳ غلطی ۵۰ کے بیان میں آپ کو معلوم ہوگا، اور وہاں سے یہ بھی پتہ چلے گا کہ جناب پادری صاحب نے اپنی کتاب حل الاشکال کے صفحہ ۱۳۰ پر جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ ”لفظ علمائے کے معنی صرف کنواری کے ہیں یہ بھی غلط ہے،

بارہواں قول | پادری صاحب نے زبور ۲۲ کی ایک عبارت باب فصل ۳ ص ۱۱۲

نقل کی ہے، اور اس عبارت میں یہ جملہ بھی ہے کہ:-

”وہ (رکتے) میرے ہاتھ اور میرے پاؤں چھیدتے ہیں“

یہ جملہ عبرانی نسخہ میں موجود نہیں ہے، بلکہ اس میں اس کے بجائے یہ جملہ ہے ”میرے دونوں شیر کی طرح ہیں“ البتہ عیسائیوں کے تراجم میں خواہ قدیم ہوں یا جدید یہ جملہ پایا جاتا ہے۔ اب پادری صاحب سے پوچھا جاسکتا ہے کہ آپ کے خیال میں عبرانی نسخہ اس میں پر محرف ہے یا نہیں؟ اگر محرف نہیں تھا تو آپ نے محض اس لئے کہ آپ کے خیال کے مطابق مسیح پر صادق آجاتے، اس میں تحریف کیوں کی؟ اور اگر محرف تھا تو آپ پر اس کی تحریف اقرار و اظہار کرنا واجب ہے، پھر ان سے سوال کیا جاتے کہ کس نے کب تحریف کی؟ کس غرض سے کی؟ کیا اس کو کچھ دنیوی عہدے ملے؟ یا اخروی ثواب حاصل ہوا؟

تیرھواں چودھواں | باب ۲، فصل ۶ صفحہ ۱۶۵ پر پادری صاحب نے منجملہ اور پندرھواں قول | پیشینگوئیوں کے جن کے وقوع سے اس امر پر استدلال

لہ اظہار الحق کے دونوں نسخوں میں یہ لفظ اسی طرح ہے، مگر باب فصل ۳ غلطی ۵۰ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ”سلمہ“ ہے جو عبرانی لفظ ہے، اور اس کا ترجمہ ”کنواری“ سے کیا گیا ہے، اور مصنف کو اس پر اعتراض ہے، انھوں نے ثابت کیا ہے کہ اس کے معنی جوان عورت کے ہیں خواہ وہ کنواری ہو یا شادی شدہ، تفصیل کیساتھ بتاؤں موقع پر آئے گا۔
۱۶:۲۲ زبور ۱۶

لیا جاسکتا ہے کہ کتب مقدسہ خدائی کتابیں ہیں اُس پیشینگوئی کو بھی شمار کیا ہے جو کتاب دانیال کی فصل ۸ و ۱۲ میں درج ہے، نیز اُس پیشینگوئی کو جو انجیل متی آیت ۱۶ لغایت ۲۲ باب ۱۰ میں درج ہے شمار کیا ہے، حالانکہ یہ تینوں پیشینگوئیاں صحیح نہیں ہیں، جیسا کہ ہم انشاء اللہ باب ۳ فصل ۳ میں غلطی ۳ و ۳۱ و ۹۸ میں بیان کریں گے،

سوالوں قول | باب ۳ فصل ۳ صفحہ ۲۳۴ میں یوں کہا گیا ہے کہ :-

ان میں سے ہر ایک یوں کہتا ہے کہ متعدد منسوخ آیتیں قرآن میں موجود ہیں، اور جو شخص بھی ذرا غور کرے گا اور تھوڑی سی باریک بینی کو کام میں لاتے گا وہ سمجھ سکتا ہے کہ یہ اصول نہایت ناقص اور عجیب والا ہے۔

جو اباعرض ہے کہ اگر یہ بات کوئی عجیب کی ہے تو توریت و انجیل بدرجہ اولیٰ ناقص اور عجیب والی ہوں گی، کیونکہ ان دونوں میں بھی منسوخ آیتیں پائی جاتی ہیں، جیسا کہ آپ کو قول نمبر ۴ میں معلوم ہی ہو چکا ہے، اور تفصیل سے انشاء اللہ باب ۳ میں معلوم ہو جائے گا، ہمیں ان محقق صاحب پر انتہائی حیرت ہوتی ہے کہ وہ قرآن کی مخالفت میں وہ الزام عائد کرتے ہیں جو اس سے زیادہ بدترین طور پر توریت و انجیل پر عائد ہوتا ہے،

ستر سوال قول | پادری صاحب نے باب ۳ فصل ۴، صفحہ ۲۴۶ میں اُس معجزہ کا انکار فرمایا ہے جو کلام الہی کی آیت وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰی سے مفہوم ہوتا ہے اور اپنے زعم میں اُس پر عجیب لگانے کے بعد یوں کہا ہے کہ :-

لے ان کی اصل عبارتیں بھی وہیں پر ملاحظہ ہوں، کتاب ہذا، ص ۳۶۵ و ۳۶۶ و ۳۶۷ و ۳۶۸ (جلد اول) ۲۴۶ کتاب ۲۴۶
 ”لے اور جب آپ نے کنکریاں پھینکی تھیں (تو درحقیقت) وہ آپ نے نہیں پھینکیں، بلکہ اللہ نے پھینکی تھیں“
 (انفال، ۲۶) اس آیت میں ایک معجزہ کا ذکر کیا گیا ہے جو غزوہ بدر کے موقع پر پیش آیا تھا، تفسیر بیضاوی کے الفاظ میں یہ معجزہ چند سطروں کے بعد آ رہا ہے، ۳ تقی

اور اگر ہم یہ تسلیم بھی کر لیں کہ وہ حدیث جن کو مفسرین نے ذکر کیا ہے صحیح ہے، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعی مٹی کی ایک مٹھی بھر کر دشمن کے لشکر کی جانب پھینکی تھی تب بھی اس سے معجزہ ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔

گزارش یہ ہے کہ جس حدیث کو مفسرین نے ذکر کیا ہے وہ اس طرح ہے :-

”منقول ہے کہ تشریش جس وقت ٹیلہ سے نمودار ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تشریش ہیں جو اپنی بڑائی اور فخر کو لے کر آئے ہیں، تیرے رسول کو جھٹلاتے ہیں، اے اللہ میں آپ کے اس چیز کی درخواست کرتا ہوں جس کا آپ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے، پھر آپ کے پاس جبریل آئے اور آپ سے کہا کہ ایک مٹھی مٹی کی لے کر ان پر پھینک دیجئے، پھر جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے، آپ نے کنکریوں کی ایک مٹھی بھر کر ان کے اوپر دے ماری اور فرمایا ”چہرے بد نما ہو جائیں“ نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی بھی مشرک ایسا نہ رہا کہ اپنی آنکھوں کو نہ ملنے لگا ہو، پھر انھوں نے شکست کھائی پھر مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا، اور ان کو قتل کیا، اور قید کیا، پھر جب واپس ہونے لگے تو فخر کرنے لگے، اور کہنے والا کہتا تھا کہ میں نے قتل کیا اور میں نے قید کیا“

بیضادی میں اسی طرح منقول ہے، اس میں یہ الفاظ کہ آپ کے پاس جبریل آئے

اور آپ سے کہا کہ ایک مٹھی مٹی کی لے لیجئے ” واضح طور پر دلالت کر رہے ہیں کہ یہ سب خدا کی طرف سے ہوا ہے، اور یہ الفاظ ”کوئی مشرک باقی نہ رہا جو اپنی آنکھوں کی فک نہ لگ رہا ہو“ یہ بھی وضاحت سے اس امر پر دلالت کر رہے ہیں کہ یہ بات خلاف عادت ہوئی، ... پھر حدیث کو تسلیم کرنے کے بعد اس کے معجزہ ہونے کا انکار صرف وہی کر سکتا ہے جس کی غرض ہی عناد اور مخالفت ہو، اور حق بات کا انکار کرنا اس کی طبعی

ہی بن گئی ہو،

اٹھارہواں قول | تیسرے باب کی فصل ۵ صفحہ ۲۷۵ میں یوں کہا گیا ہے کہ:

”یہ بات سمجھنے کی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں کی کل تعداد تین سال کی مدت میں صرف دس یا بارہ اشخاص ہیں، اور تیسرے صدیوں سال میں جو ہجرت کا پہلا سال ہو کہ مکہ کے باشندوں میں سے ایمان لانے والے صرف ایک سو افراد اور اہل مدینہ میں سے صرف ستر افراد تھے۔“

یہ بھی غلط ہے، اس کی تردید کے لئے ہم خود پادری صاحب کا قول نسخہ مطبوعہ ۱۸۵۷ء سے نقل کرتے ہیں:-

”ہجرت سے قبل مدینہ کے گھرانوں میں شاید ہی کوئی ایسا گھر نکلتے گا جس میں کوئی مسلمان نہ ہو، اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ اسلام فقط تلوار کے زور سے پھیلا ہے اس کا یہ قول سراسر بہتان ہے، اس لئے کہ بہت سے شہر اور ممالک ایسے ہیں جہاں تلوار کا ذکر بھی نہیں تھا، اور وہاں اسلام خوب پھیلا۔“

نیز ابو ذرؓ اور ان کے بھائی انیسؓ اور ان دونوں کی والدہ ابتدائی دور کے ایمان لانیوالوں میں سے ہیں، پھر جب یہ واپس ہوئے تو غفار کا آدھا قبیلہ ابو ذرؓ کی دعوت سے متاثر ہو کر ایمان لے آیا،

نیز سیدہ نبویؓ میں مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں میں ۸۳۰ مرد اور ۱۸ عورتیں تھیں۔ ان کے علاوہ کافی تعداد مسلمانوں کی مکہ میں موجود تھی، نیز بنجران کے عیسائیوں میں سے

لے بنجران، حجاز اور یمن کے درمیان ایک شہر ہے، جاہلیت میں یہاں عیسائی بہت بڑی تعداد میں آباد تھے، شروع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے صلح فرمائی تھی، بعد میں ان میں سے اکثر مسلمان ہو گئے تھے ۱۲ ت

بیں افراد اسلام قبول کر چکے تھے، اسی طرح ضنا و اردی ٹنسہ نبوی سے قبل مشرف باسلام ہو چکے تھے، طفیل بن عمرو الدوسی بھی جو اپنی قوم کے سربراہ اور شریف ترین فرد تھے، اسلام کے سلسلہ بگوش ہو چکے تھے، اپنی قوم کی طرف واپس ہونے کے بعد ان کی دعوت پر ان کے والدین بھی مسلمان ہو گئے تھے، ہجرت سے پہلے مدینہ منورہ میں قبیلہ عبدالاشہل پورا کا پورا صرف ایک دن میں حضرت مصعب بن عمیرؓ کے وعظ کی برکت سے مشرف باسلام ہو گیا تھا، پورے قبیلہ میں صرف ایک شخص عمرو بن ثابتؓ ایسے تھے جنہوں نے اسلام لانے میں تاخیر کی اور غزوہ احد کے موقع پر مسلمان ہوئے، اس قبیلہ کے اسلام قبول کر لینے کے بعد تو حضرت مصعبؓ نے اپنی دعوت مدینہ کے باشندوں میں بڑی سرگرمی کے ساتھ جاری کی، یہاں تک کہ انصار کے گھروں میں کوئی ایسا گھر نہ تھا جس میں متعدد مرد و عورت مسلمان نہ ہوں، البتہ مدینہ کی بالائی جانب کی آبادیاں جو نجد کی طرف آباد تھیں، انہوں نے اس وقت اسلام قبول کرنے میں تاخیر کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ ہجرت فرماتے مدینہ کے راستہ ہی میں بریدہ سلمیٰؓ اپنی قوم کے ستر اشخاص بضا و غبت مسلمان ہو گئی نیز حبشہ کے بادشاہ نجاشی ہجرت سے قبل اسلام قبول کر چکے تھے، شامی لوگوں میں سے ابوہند، تیم، نعیم اور چار دوسرے افراد ہجرت سے قبل ہی اسلام قبول کر چکے تھے، اسی طرح اور لوگ بھی۔

انیسواں قول | باب ۵، صفحہ ۲۷۹ میں پادری مذکور نے پہلے تو یہ کہا کہ :-

ابو بکر رضی اللہ عنہ، نے لشکر پر ۱۲ امیر مقرر کر کے ہر ایک کو احکامات کی ایک

ایک کتاب دی تاکہ کافروں کے سامنے پڑھی جائے۔

اس کے بعد کتاب مذکور کے احکام میں یہ حکم بھی نقل کیا ہے کہ :-

امیران لشکر کو پیٹھ موڑنے والوں پر ذرہ برابر رحم نہ کرنا چاہئے، بلکہ ان کو آگ میں

جلاد دیا جائے، اور ہر صورت سے قتل کیا جائے۔

یہ بھی غلط ہے، کتاب روضۃ الصغار میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کی وصیت یوں بیان کی گئی ہے کہ:

”شکر کے امراء کو حکم دیا کہ خیانت مت کرنا، اور بد عہدی کے پاس نہ جانا، بچوں

بوزھوں اور عورتوں کو قتل مت کرنا، پھل زار و غول کو نہ کاٹنا، اور اُن راہوں

جو گرجوں اور عبادت خانوں میں اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں تعرض نہ کرنا۔

پادری صاحب کے لئے لازم ہے کہ مسلمانوں کی کسی معتبر و مستند تاریخ کے حوالہ سے

ثابت کریں کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے امیروں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ کافروں کو آگ میں جلائیں

میسواں قول | باب ۳، فصل ۵، صفحہ ۲۸۰ میں کہتا ہے کہ:-

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہو گئے تو آپ نے عربوں کا ایک لشکر ایران کی

طرف بھیجا، اور یہ حکم دیا کہ اگر ایرانی لوگ دین محمدی کو بخوشی قبول کر لیں تو بہتر ہے

ورنہ پھر اُن کو جبراً بزور و قوت قرآن کا معتقد اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تابع بنایا جائے۔

یہ الزام بھی قطعی غلط اور دروغ بیانی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کبھی اس قسم کا

حکم جاری نہیں کیا، کیا پادری صاحب کو یہ بات معلوم نہیں کہ غزوہ بیت المقدس کے موقع

پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ لشکر کے ہمراہ بذات خود موجود تھے، مگر بیت المقدس کے فتح ہونے

پر کسی عیسائی باشندہ پر آپ نے یہ جبر نہیں کیا کہ وہ مذہب اسلام قبول کرے، بلکہ اُن کو نہایت

باعزت شرطیں پیش کیں، اُن کے کسی گرجا کو نہیں توڑا، بلکہ اُن کے ساتھ وہ شریفانہ برتاؤ کیا

ہر جس کی نظیر نہیں ملتی، یہاں تک کہ مفتر طامس نیوٹن نے اس موقع پر حضرت عمر کو

خراج تحسین پیش کیا ہے، چنانچہ باب ۳، فصل ۳ میں اس کے الفاظ آپ کے سامنے آئیں گے ہیں

اکیسواں قول | باب ۳، فصل ۳، صفحہ ۲۱۰ میں فرماتے ہیں:-

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے قبل شام کا پہلا سفر اپنے چچا ابوطالب کے ہمراہ کیا اس کے بعد خود تنہا متعدد سفر آپ نے شام کے کئے۔

یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا سفر نو عمری میں جبکہ آپ ۹ سال کے تھے اپنے چچا کے ہمراہ کیا تھا، پھر دوبارہ آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلام میسرہ کے ساتھ ۲۵ سال کی عمر میں تشریف لے گئے، نبوت سے قبل ان سفروں کے علاوہ اور کوئی شام کا سفر کرنا آپ سے ثابت نہیں ہے، پادری صاحب نے ایک مرتبہ تنہا سفر کرنے کو متعدد سفروں سے تبدیل کر دیا،

پانیسواں قول | باب ۳، فصل ۴، صفحہ ۲۴۳ میں ہے کہ:-

”اور یہ آیت یعنی یونسؑ پیغمبر کا معجزہ جس کا مسیحؑ نے یہودیوں سے وعدہ کیا تھا اور جو انجیل متی باب ۱۲ میں مذکور ہے، یہودیوں نے مسیح کے اٹھنے کے وقت پالیا۔“

یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ موعودہ معجزہ مطلقاً مرنے کے بعد کھڑے ہونے کے ساتھ نہ تھا، بلکہ اس طرح موعود تھا کہ مسیح تین شب و روز قلب ارض میں رہ کر پھر کھڑے ہوں گے، یہ معجزہ یہودیوں نے ہرگز نہیں دیکھا، جیسا کہ عنقریب آپ کو باب ۳ میں غلط نمبر ۶ کے ضمن میں معلوم ہو جاتا گا،

تیسواں قول | باب ۳، فصل ۴، صفحہ ۲۵۳ میں اس طرح ہے کہ:-

۱۵ مشہور پیغمبر ہیں، آپ کے تعارف کی حاجت نہیں، بائبل کے عربی ترجمہ میں آپ کا نام یونان، اردو ترجمہ میں یوناہ اور انگریزی ترجمہ میں Jonah مذکور ہے، عہد نامہ قدیم کے مجموعہ میں آپ کی ایک کتاب اسی نام سے موجود ہے ۱۲۵
۱۶ جیسے یوناہ تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہا ویسے ہی ابن آدم تین رات دن زمین کے اندر رہیگا (متی ۱۲-۲۰)
۱۷ دیکھئے کتاب ہذا صفحہ ۵۰۳ جلد اول

یہ بات مخفی نہیں ہے کہ مسیحؑ کے معجزات کو ان حواریوں نے کہا ہے جو ہر وقت مسیحؑ کے ساتھ رہتے تھے اور جنہوں نے ان معجزات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔
 یہ بھی غلط اور خود اپنی کہ اس بیان کے خلاف ہے جو حل الاشکال میں نقل کیا گیا ہے، جیسا کہ آپ کو حل الاشکال کے قول نمبر ۵۵ میں معلوم ہو جائے گا۔
چوبیسواں قول | باب فصل ۵ صفحہ ۲۸۳ میں پادری مذکور نے دعویٰ کیا ہے کہ:

”جو شخص مذہب اسلام سے پھر جاتا تھا مسلمان اس کو شرابی حکم کی تعمیل میں قتل کر دیتے تھے، یہ امر قطعی واضح ہے کہ سچائی اور حقیقت کو تلوار کے زور سے ثابت نہیں کیا جاسکتا، اور یہ بات محال ہے کہ انسان جبر و اکرام سے ایسے مرتبہ کو پہنچ جائے کہ خدا کو دل سے مان لے، اور اس سے محبت کرنے لگے، اور اس پر ہاتھوں کو برے کاموں سے روک لے، بلکہ اس کے برعکس جبر و اکرام خدا پر ایمان لانے اور اس کی فرمانبرداری کرنے سے مانع بنتے ہیں۔“

ہم کہتے ہیں کہ یہ اعتراض اس سے زیادہ بدترین طور پر تو ریت پر واقع ہوتا ہے۔
 ملاحظہ کیجئے کتاب الخروج باب ۲۲ آیت ۲۰ میں ہے کہ:-
 ”جو بتوں کے لئے قربانی کرے وہ واجب القتل ہے۔“
 نیز کتاب الخروج باب ۳۲ میں ہے کہ:-

”موسیٰ علیہ السلام نے خدا کے حکم سے بنی لادی کو حکم دیا کہ گوسالہ پرستوں کو قتل کریں، چنانچہ انہوں نے تیس ہزار آدمی قتل کئے۔“

۱۔ اور جو کوئی واحد خدا کو چھوڑ کر کسی اور معبود کے آگے قربانی چڑھائے وہ بالکل نابود کر دیا جائے (خروج ۲۲-۲۴)۔
 ۲۔ اظہار الحق کے تینوں نسخوں میں ثلاثہ و عشرین (۲۳ ہزار) کا لفظ ہے، مگر کتاب خروج میں تین ہزار مذکور ہے اور بنی لادی نے موسیٰ کے کہنے کے موافق عمل کیا، چنانچہ اُس دن لوگوں میں سے تقریباً تین ہزار مرد کھیت آئے (خروج ۲۲-۲۸)۔

نیز کتاب الخروج باب ۳۵ آیت ۲ میں سبت کے حکم کے ذیل میں یوں کہا گیا ہے کہ:

”جو کوئی اس میں کچھ کام کرے وہ مار ڈالا جائے۔“

اور ایک مرتبہ ایک بنی اسرائیلی سینچر کے دن لکڑیاں اکٹھی کرتا ہوا پکڑا گیا، تو موسیٰ علیہ السلام نے خدائی فرمان کے مطابق حکم دیا کہ اس کو سنگسار کیا جائے، چنانچہ بنی اسرائیل نے اس کو پتھر مار کر ہلاک کر دیا، جس کی تصریح کتاب گنتی کے باب ۲ میں موجود ہے۔

نیز کتاب استثناء باب میں مذکور ہے کہ اگر کوئی بنی غیر اللہ کی دعوت دے اس کو قتل کیا جائے خواہ وہ کتنے ہی بڑے معجزے رکھتا ہو، اسی طرح اگر کوئی اتنی غیر اللہ کی عبادت کی دعوت دے تو اس کو سنگسار کیا جائے، خواہ یہ دعوت دینے والا رشتہ دار ہو یا دوست، ایسے شخص پر قطعی رحم نہ کیا جائے، اسی طرح اگر کسی بستی کے لوگ مرتد ہو جائیں تو تمام باشندوں کو قتل کرنا واجب ہے، ان کے ساتھ ان کے جانور بھی قتل کر دیے جائیں، اور بستی کو اور تمام اموال و اسباب کو آگ لگا دی جائے، اور اس کو ملبہ کا ڈھیر کر دیا جائے، جو قیامت تک آباد نہ ہو سکے۔

(بقیہ صفحہ ۲۶۹) انگریزی ترجمہ میں بھی (

about three thousand men کے الفاظ ہیں، یعنی تین ہزار،

۱۵ سبت سینچر کے دن کو کہتے ہیں، یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ نے چھ روز میں کائنات پیدا کر کے اس دن آرام کیا تھا اور انسانوں کے لئے بھی کوئی کام کاج جائز نہیں (خروج ۲۰-۸) ت

۱۶ ساری جماعت نے اسے شکر گاہ کے باہر لیجا کر سنگسار کیا اور وہ مر گیا (گنتی ۱۵-۳۶)

۱۷ مفہوم آیت ۹ و ۸،

۱۸ مفہوم آیت ۵۱،

۱۹ مفہوم آیات ۱۲ تا ۱۴،

۲۰ مفہوم آیت ۶،

اس کے علاوہ سفر استثناء ہی کے باب ۱ میں ہے کہ اگر کسی پر غیر اللہ کی عبادت کا الزام ثابت ہو جائے تو اس کو سنگسار کیا جائے گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔

اس قسم کے سخت احکام قرآن میں موجود نہیں ہیں، ہم کو پادری صاحب کے اس تعصب پر حیرت ہوتی ہے کہ ان کے نزدیک ان سخت احکام کے باوجود توریت میں کوئی عیب نظر نہیں آتا، اور قرآن عیب وارد کھائی دیتا ہے،

کتاب سلاطین اول باب ۸ میں ہے کہ ایلیاء نے وادی قیشون میں لیے چار سو پچاس آدمیوں کو ذبح کر دیا جنہوں نے بعل کی طرف سے بھیجے ہوئے نبی ہونے کا دعویٰ کیا تھا،

ہذا پادری صاحب کے دعوے کے بموجب موسیٰ علیہ السلام اور ایلیاء علیہ السلام بلکہ خود اللہ تعالیٰ کو ایسی واضح بات کا قطعی کوئی علم نہ تھا، اور نعوذ باللہ یہ سب

لے ملاحظہ ہوا استثناء باب ۱ کی آیات ۶۴۲،

بعل (Baal) کے لغوی معنی شوہر یا آقا کے ہیں، بنی اسرائیل میں جب بخوم پرستی اور بت پرستی کا رواج ہوا تو انہوں نے سورج یا مشتری کا نام بعل رکھا، اور اس کی پرستش شروع کر دی، بعد میں لوگوں نے بتوں کے نام بھی بعل رکھے، مگر یہاں آسمانی دیوتا ہی مراد ہے، بائبل کی روایت کے مطابق حضرت الیاس علیہ السلام کے روز میں یہوداہ کے بادشاہ اخیاب نے بعل پرستی کو فروغ دیا، تو بہت سے لوگوں نے یہ دعویٰ کر دیا کہ ہم اسی کے بھیجے ہوئے نبی ہیں، اس پر حضرت الیاس علیہ السلام نے معجزات کے ذریعہ نہیں بھٹلایا اور قتل کر دیا، یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ سفر استثناء کے باب ۱ میں دیکھا جاسکتا ہے،

۲۱ ایلیاء علیہ السلام آپ کا قرآنی نام الیاس علیہ السلام ہے۔ تو رات میں ایلیاء کے نام سے یاد کیا گیا، یہ روایت تقریباً ۸۴۴ ق م، وفات ۸۴۲ ق م

احق اور غبی تھے، کہ جو بات اس پادری کے نزدیک نہایت واضح اور کھلی ہوئی ہے ان کے لئے وہ مخفی رہی، معلوم یہ ہوتا ہے کہ ان حضرات کا عقیدہ کچھ اسی قسم کا ہے، کیونکہ عیسائیوں کا مقدس پولس ^۱قورنیتھس والوں کے نام پہلے خط میں باب آیت ۲۵ پر یوں کہتا ہے:

”خدا کی ہر قونی آدمیوں کی حکمت سے زیادہ حکمت والی ہے، اور خدا کی کمزوری

آدمیوں کے زور سے زیادہ زور آور ہے۔“

یعنی مقدس پولس کے نزدیک نعوذ باللہ خدا کی حماقت اس پادری کی رائے سے جو اس نے قائم کی ہے زیادہ محکم ہے۔ اس لئے اس کی رائے خدا کے حکم کے مقابلہ میں قابل قبول نہیں، یہ اقوال نمونہ کے طور پر ہم نے جدید نسخہ سے نقل کئے ہیں، باقی اقوال ہم اپنی کتاب کے ہر مناسب موقع پر ذکر کریں گے،

پادری صاحب نے میزان الحق کے قدیم نسخہ میں صفحہ ۲۵۲ پر (جواب مسوخ ہو چکا ہے) کہا ہے کہ:-

”بعض مفسرین مثلاً قاضی بیضاوی نے کہا ہے کہ آیت شریفہ اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ

وَأَنشَأَ الْقَمَرُ فِي لَفْظِ انْشَأَ، سَيْنَشِقْ کے معنی میں ہے۔“

یہ بات غلط ہے، اس لئے کہ درحقیقت قاضی بیضاوی اور صاحب کشاف نے بعض

۱۔ قورنیتھس جنوبی یونان کے ایک شہر کا نام ہے جسے بائبل کے اردو ترجمہ میں کرنتھس کے نام سے یاد کیا گیا ہے اور انگریزی میں (Corinth) کہا جاتا ہے، یہ بڑا دو لقمہ شہر تھا، اب تک اس کے بعض آثار بچے جاتے ہیں۔
۲۔ عہد نامہ جدید کے موجودہ مجمر میں پولس کے دو خط اس شہر کے گرجاؤں کے نام ہیں ۱۲

۳۔ یعنی یہ کہ قتل مرتد ناجائز ہونا چاہئے ۱۲

۴۔ آیت شریفہ کے معنی ہیں ”قیامت قریب آگئی اور چاند شق ہو گیا“ اور اگر انشق کو سینشِق کے معنی میں لیا جائے تو معنی ہوں گے ”قیامت قریب آگئی اور چاند شق ہونے والا ہے“ ۱۲

لوگوں کے اس قول کو نقل کر کے اس کی تردید کی ہے، اس وجہ سے فاضل محترم آل حسن نے استفسار میں پادری صاحب پر اعتراض کیا ہے اور کہہ رہے ہیں کہ یا تو خود پادری صاحب نے غلط سمجھا ہے، یا عوام کو فریب دینا چاہا ہے، چنانچہ پادری صاحب نے اپنی عبارت کو جدید نسخے میں بدل ڈالا،

حل الاشکال کے اقوال

اب آپ حل الاشکال کی بعض عبارتیں ملاحظہ فرمائیے، اس کتاب کے دو قول تو آپ میزان الحق کے پانچویں اور گیارہویں قول کے ضمن میں ملاحظہ فرما چکے، اب سات اقوال جن کو ہم بطور نمونہ بیان کرنے کا ارادہ کیا ہے باقی ہیں،

تیسرا قول | چنانچہ تیسرا قول جو صفحہ ۱۰۵ میں مذکور ہے یہ ہے :-

”ہم یہ نہیں کہتے کہ خدا تین اشخاص ہیں یا ایک شخص ہے، بلکہ ہم کہتے ہیں کہ تینوں اقنوم وحدت میں ہیں، اور تین اقنوم اور تین اشخاص میں اتنا ہی فرق ہے جس قدر آسمان اور زمین کے درمیان“

یہ خالص مغالطہ ہے، کیوں کہ وجود بغیر شخص کے نہیں پایا جاسکتا، پھر جب یہ فرض کیا جاتا ہے کہ اقنوم موجود اور ممتاز ہیں اور امتیاز بھی حقیقی ہے، جس کی تصریح خود انہوں نے اپنی کتابوں میں کی ہے، اس لئے تین اقنوم کے وجود کا دعویٰ بعینہ تین اشخاص کا دعویٰ کرنا ہے

۱۔ ملاحظہ فرمائیے کتاب ہذا، ص ۲۵۱ و ۲۶۰،

۲۔ ”اقنوم“ عبرانی زبان کا لفظ ہے، جو بعد میں عربی میں بھی مستعمل ہوا ہے، اس کے معنی ”اصل“ اور ”عنصر“ کے ہیں، عیسائیوں کا مشہور عقیدہ یہ ہے کہ خدا تین اقنوم ہیں، اللہ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور روح القدس اقنوم کی جمع ”اقانیم“ ہے، چوتھے باب میں اس مسئلہ کی تفصیلات آپ کے سامنے آئیں گی ۱۳

اس کے علاوہ کتاب الصلوات (جو انگریزی میں گرجوں میں مروج ہے، اور جس کی طرف اس پادری نے لوہترین گرجا کے طریقہ پر عرصہ دراز تک رہنے کے بعد آخر عمر میں رجوع کیا ہے، اور جو لندن میں اردو زبان میں رچرڈ واٹسن کے مطبع میں ۱۸۱۸ء میں طبع ہوئی ہے) اس کے صفحہ ۳ پر ہے کہ :-

اے مقدس اور مبارک! اور عالی شان! تینوں جو ایک ہو، یعنی تین شخص اور ایک خدا ہم پر نشان گہنگاردن پر رحم کر۔
اس تین اشخاص کی تصریح موجود ہے،
چوتھا قول | صفحہ ۱۲۱ میں یوں ہے :-

”بے شک بعض علماء کا خیال صرف انجیل متی کے متعلق یہ ہے کہ شاید وہ عبرانی یا عوامی زبان میں تھی، پھر اس کا ترجمہ یونانی میں کیا گیا، لیکن غالب یہی ہے کہ متی عوامی نے اس کو بھی یونانی زبان میں لکھا ہے۔“

اس میں یہ کہنا کہ بعض علماء کا خیال ہے، اور یہ کہنا کہ غالب یہی ہے، دونوں باتیں قطعاً غلط ہیں، چنانچہ باب ۳، مقصد ۳ کے شاہد ۱۸ میں عنقریب آپ کو معلوم ہو جائے گا، اس کی عبارت

۱۔ اصل میں ”عبرانی“ یہودیوں کو کہتے ہیں، اور ”عبرانی“ کی طرف نسبت ہے، جو حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب تھا، وجہ تسمیہ میں علماء لغت و تاریخ کا اختلاف ہے، انگریزی میں انھیں (Hebrews) کہتے ہیں ۱۲
۲۔ عوامی یا ارامی، زبان کا ذکر کتاب دانی ایل (۲-۴) میں موجود ہے، جس کے بارے میں (Oxford Bible Concordance) میں لکھا ہے کہ یہ سوریہ کی زبان تھی، انگریزی میں اسے (Syriack) کہا گیا ہے۔
۳۔ متی، الف مقصورہ کے ساتھ (Maththew) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں حوالہ دیتے ہیں۔
ایک ہیں، آپ کفرناحوم (Capharnaum) میں جو فلسطین کا ایک شہر تھا، عشر وصول کرنے پر حاضر تھے، آپ کو شہید کیا گیا، مگر یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ کب اور کہاں؟ اناجیل اربعہ میں سے ایک انجیل آپ ہی کی طرف منسوب ہے، اور اسے عیسائی حضرات قدیم ترین انجیل مانتے ہیں اگرچہ وہ درحقیقت ان کی ہرگز نہیں ۱۲
۴۔ ملاحظہ ہو کتاب ہذا، ص ۱۳، (جلد ۲)

میں تین الفاظ ضرور قابل غور ہیں، اول لفظ ”بعض علماء کا خیال ہے“ دوسرے ”شاید“ کا لفظ، تیسرے ”غالب“ کا لفظ، یہ تینوں مجموعی طور پر اس امر پر دلالت کر رہے ہیں کہ اس دعویٰ پر اُنکے پاس کوئی بھی سند متصل نہیں ہے، بلکہ جو کچھ کہتے ہیں وہ محض قیاس و تخمینہ ہے،

پانچواں قول | صفحہ ۱۳۵ پر کہا گیا ہے :-

یہ بات واقعی اور صحیح ہے کہ دوسری اور تیسری انجیل یعنی مرقس اور لوقا حواریوں کی نہیں ہیں،

پھر صفحہ ۱۳۶ پر فرماتے ہیں :-

تمام قدیم عیسائی کتابوں میں متعدد مواقع پر بیان کیا گیا ہے، اور اسناد کی کتابوں میں بہت سے دلائل سے ثابت ہو چکا ہے کہ موجودہ انجیل یعنی عہد جدید کے مجموعہ کو حواریوں نے لکھا ہے اور بعینہ وہی ہے جو اول میں تھی، اور اس کے سوا کسی زمانہ میں کوئی دوسری انجیل نہیں تھی۔

ملاحظہ کیجئے کہ وہ تینوں اقوال جن کو ہم گذشتہ قول میں نقل کر چکے ہیں، اور یہ قول کس طرح آپس میں ایک دوسرے کی تردید کر رہے ہیں، کیونکہ اقوال سابقہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس امر کی کوئی سند متصل موجود نہیں، کہ فلاں شخص نے لکھا ہے، اور وہ فلاں زبان میں تھی، اور فلاں شخص نے اس کا ترجمہ کیا ہے،

اور تیسرا قول یہ بتا رہا ہے کہ عہد جدید کے مجموعہ کو حواریوں نے لکھا ہے، اور یہ چیز کتب اسناد میں بے شمار دلائل سے ثابت اور تمام قدیم عیسائی کتابوں میں مذکور ہے، اس کے علاوہ خود انھوں نے دوسرے قول میں یہ اقرار کیا تھا کہ دوسری اور تیسری انجیل کو حواریوں نے نہیں لکھا، اور تیسرے قول میں پھر اس کے خلاف دعویٰ فرماتے

ہیں کہ عہد جدید کے مجموعہ کو حواریوں نے لکھا ہے،

نیز انھوں نے گزشتہ قول میں یہ استرار کیا تھا کہ بعض علماء کا انجیل متی کی نسبت یہ خیال ہے کہ شاید وہ عبرانی یا عرمانی زبان میں تھی، اور پھر آخری قول میں اس کے برعکس یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ مجموعہ بعینہ وہی ہے جو ابتداء میں تھا، اسی طرح عنقریب باب فصل ۲ میں ناظرین کو معلوم ہو جائے گا کہ رسالہ یعقوب اور رسالہ یہود اور رسالہ عبرانیہ اور پطرس کا دوسرا رسالہ، نیز یوحنا کا دوسرا تمیز رسالہ ان کی نسبت حواریوں کی جانب بلا حجت و سند تھی، اور سلسلہ ۳۶۳ء تک مشکوک رہی، اسی طرح یوحنا کے مشاہدات ۳۹ء تک مشکوک النسبتہ تھے، یہاں تک کہ نائس کے جلسے اور یوڈیشیا کے اجلاس نے بھی ان کی مشکوکیت باقی رکھی، اور اس کو مردود قرار دیا، اور سریانی گرجے تو ابتداء سے آج تک پطرس کے دوسرے

۱۱ یوحنا (چار مفتوح ہی) (John) جیب بن زبدی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ حواریوں میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں، اناجیل اربعہ میں چوتھی انجیل آپ ہی سے منسوب، اور عہد نامہ جدید کے مجموعہ میں تین خط اور ایک کتاب مکاشفہ بھی آپ کی طرف منسوب کی گئی ہے، آپ نے عمر بھر یہودیوں کے ظلم و ستم برداشت کئے، اور پہلی صدی عیسوی ہی میں آپ کا انتقال ہوا، یاد رہے کہ عیسائی حضرات حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بھی یوحنا کہتے ہیں، مگر اس کے ساتھ "المعمد" کی قید ہے یہاں وہ مراد نہیں ۱۲

۱۱ نائس، روم کے ایک شہر کا نام تھا، جہاں ۳۲۵ء میں شاہ قسطنطین نے عیسائی علماء کا ایک عظیم الشان اجتماع بلایا تھا، تاکہ مشکوک کتابوں کے بارے میں کوئی صحیح بات محقق ہو جائے، اس اجلاس نے کتاب یہودیت کے سوا سب کو بدستور مشکوک قرار دیا تھا ۱۲

۱۱ یوڈیشیا کی مجلس بھی ۳۶۳ء میں اسی مقصد کے لئے منعقد ہوئی تھی، اور اس میں کتاب یہودیت کے علاوہ سات کتابیں بھی واجب التسلیم قرار دی گئی تھیں ۱۲

۱۱ سریانی دراصل ایک زبان تھی، پھر زبان بولنے والے عیسائی چونکہ تقریباً پانچویں صدی عیسوی میں انطاکیہ کے گرجا سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کچھ فلسفی مباحث میں اختلاف کر کے الگ ہو گئے تھے، اس لئے ان کے قائم مقام کئے ہوئے گرجوں کو سریانی گرجے کہا جاتا ہے، اس فرقہ کا نام مونوفیسٹ (Mono physites)

۱۱ بھی ہے، اس فرقہ کے افراد کی تعداد تقریباً چودہ لاکھ ہے، اور یہ فرقہ دوسرے عیسائیوں کی بہ نسبت کسی قدر توحید کی طرف

رسالہ اور یہود کے رسالہ اور یوحنا کے دونوں رسالوں اور کتاب مشاہدات کو رد کرتے آئے ہیں، اور عرب کے تمام گرجوں نے بھی ان کو رد کیا ہے، اور خود پادری مذکور نے مباحثہ محرفہ مطبوعہ ۱۸۵۵ء کے صفحہ ۳۸ و ۳۹ میں مذکورہ صحیفوں کے حق میں یہ اصرار کیا ہے کہ یہ تمام صحیفے پہلے زمانہ میں انجیل میں شامل نہ تھے، اور سریانی ترجمہ میں پطرس کا رسالہ نمبر ۱۲ اور یہود کا رسالہ، یوحنا کے دونوں رسالے اور کتاب مشاہدات یوحنا موجود نہیں ہیں، اور انجیل یوحنا کے باب کی آیت نمبر ۲ تا ۱۱ اور یوحنا کے پہلے خط باب ۵ آیت ۷ موجود نہیں ہیں، اسی لئے ہمارے دوست مصنف ہتفسار نے یہ اقوال نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ :-

”ہم اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں کہ یہ پادری دیوانہ معلوم ہوتا ہے“

چھٹا قول | صفحہ ۱۳۶ میں کہا گیا ہے کہ :-

”سلسوس دوسری صدی کے بت پرست علماء میں سے تھا، جس نے عیسائی مذہب

کی تردید میں ایک کتاب لکھی تھی، اس کے بعض اقوال آج تک موجود ہیں، مگر اس نے

کسی مقام پر بھی یہ نہیں لکھا کہ انجیل حواریوں کی نہیں ہے“

ہم کہتے ہیں کہ یہ بات دو لحاظ سے غلط اور کمزور ہے، اول تو اس لئے کہ وہ خود اعتراف

کریں کہ اس کی کتاب آج موجود نہیں ہے، صرف اس کے بعض اقوال موجود ہیں، پھر

انھوں نے یہ کیسے مان لیا کہ اس نے کسی جگہ ایسا نہیں لکھا؟ ہمارے خیال میں یہ بات قریب

قریب یقیناً ہی کہ :-

پروٹسٹنٹ جس طرح اس زمانہ میں اپنے مخالف کے اقوال نقل کرتے ہیں، اسی طرح

لے پادری فنڈر کے ساتھ مصنف کا جو مناظرہ ہوا تھا، اس کا حال خود فنڈر نے بعد میں شائع کیا، مگر اس میں بہت

کچھ تریف کردی تھی، مصنف اسے اپنی کتاب ”مباحثہ محرفہ“ کے نام سے یاد کرتے ہیں ۱۲

تیسری صدی اور اس کے بعد کے مسیحی بھی اپنے مخالفین کے اقوال کو نقل کرتے تھے، آریجن نے اپنی تصانیف میں سلسوس کے بھی اقوال کو نقل کیا ہے، اس کے زمانہ میں عیسائی فرقہ میں جھوٹ اور فریب کا ارتکاب مذہبی لحاظ سے مستحب سمجھا جاتا تھا، چنانچہ آپ کو عنقریب باب ہدایت نمبر ۳ قول نمبر ۶ میں معلوم ہوگا، اور یہ آریجن صاحب ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے جھوٹی کتابیں گھڑ کر ان کو حواریوں اور تابعیوں کی طرف یا کسی مشہور پادری کی جانب منسوب کرنا جائز قرار دیا تھا، جس کی تصریح تاریخ کلیسا اردو مطبوعہ ۱۸۴۸ء مصنفہ ولیم میور کے باب حصہ ۳ میں موجود ہے، ایسی شکل میں اس مفتی کی نقل پر کیا اعتماد کیا جاسکتا ہے، میں نے خود وہ جھوٹے اقوال اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں جو میری جانب اس مباحثہ میں منسوب کئے گئے تھے جن کو پادری صاحب نے تحریف کر کے شائع کیا ہے، اسی لئے سید عبداللہ کو جو انگریزی حکومت سے متعلق بھی تھے، اور محفل مناظرہ میں شریک تھے، اور انہوں نے پورے مناظرہ کو پہلے اردو میں پھر فارسی میں ضبط بھی کیا تھا، اور دونوں کو اکبر آباد میں طبع بھی کرایا تھا، انہیں ضرورت محسوس ہوئی کہ ایک مختصر لکھا کر اس پر معتبر اشخاص کی مہریں اور شہادتیں کرائیں، مثلاً قاضی القضاۃ محمد اسد اللہ، مفتی ریاض الدین اور فاضل امجد علی وغیرہ جو شہر کے سربراہ اور وہ اور حکومت انگریزی کے ارکان تھے،

دوسرے اس لئے کہ یہ بات حقیقت اور واقعہ کے لحاظ سے بھی درست نہیں ہے،

کیونکہ سلسوس دوسری صدی میں بیانگ دھل یوں کہہ رہا ہے:-

۱۵ "Origen" "متقدمین علماء عیسائیت میں ممتاز حیثیت رکھتا ہے، (پیدائش ۱۸۵ء وفات ۲۵۴ء)، عیسائی حضرات کہتے ہیں کہ اس نے چھ ہزار کتابیں لکھی ہیں، مگر حقیقتیں نے اسے بے بنیاد قرار دیا ہے، تاہم اس کی بیشتر تصانیف میں جن میں سے اکثر مذہب متعلق ہیں بائبل کے علوم کا اسے بطور خاص ماہر سمجھا جاتا ہے ۱۲

عیسائیوں نے انجیلوں کو تین یا چار مرتبہ تبدیل کیا، بلکہ اس سے بھی زیادہ اور ایسی تبدیلی کی کہ اس کے مضامین بھی بدل گئے۔
اسی طرح منرقہ مانی کینز کان کا زبردست عالم فاسٹس چوتھی صدی میں باواز بلند اعلان کرتا ہے :-

یہ بات محقق ہے کہ اس عہد جدید کو خود مسیح یا حواریوں نے تصنیف نہیں کیا تھا، بلکہ ایک ایسے شخص نے تصنیف کیا، جس کا نام معلوم نہیں اور حواریوں اور ان کے ساتھیوں کی جانب اس اندیشہ سے منسوب کر دیا، کہ لوگ اس کی تحریر کا اس لئے اعتبار نہیں کریں گے کہ وہ خود لکھے ہوئے حالات کی خبر براہ راست نہیں رکھتا، اور اس نے معتقدین عیسیٰ کو بڑی سخت اذیت دی کہ ایسی کتاب تالیف کر دی جس میں اغلاط اور تناقضات پائے جاتے ہیں۔

جیسا کہ آپ کو باب کی ہدایت ۲ سے معلوم ہوگا،

ساتواں قول | صفحہ ۱۰۵ پر کہتا ہے :-

”کسی پیغمبر بچھڑے کی عبادت نہیں کی، صرف ہارون علیہ السلام نے ایک مرتبہ یہودیوں کے خوف سے کی تھی، اور وہ پیغمبر نہیں تھے، بلکہ صرف کاہن اور موسیٰ کے سرستادہ تھے۔“

اس پر دو طرح سے اشکال پیش آتا ہے، اول تو اس لئے کہ یہ جواب مکمل نہیں ہے کیونکہ استفسار کے مصنف نے گورسالہ پرستی اور بت پرستی دونوں چیزوں پر اجتماعی اعتراض کیا تھا، مگر پادری صاحب نے بت پرستی کے جواب سے خاموشی اختیار کی، اور اس سلسلہ میں ایک لفظ بھی نہیں کہا، کیونکہ اس معاملہ میں وہ یقیناً عاجز ہیں، اور کیسے نہ ہوں جبکہ

سیلیان علیہ السلام کے متعلق توریت میں کہا گیا ہے کہ انھوں نے آخر عمر میں مرتد ہو کر بت پرستی اختیار کر لی تھی، اور بت خانوں کی تعمیر کرائی تھی، جس کی تصریح کتاب سلاطین الاول کے باب ۱۱ میں موجود ہے،

دوسرے اس لئے کہ ان کا یہ دعویٰ کہ ہارون بنی نہ تھے قطعی باطل ہے، چنانچہ انشاء اللہ تعالیٰ باب میں ہارون علیہ السلام کے حالات کے بیان میں یہ بات آپ کے سامنے آجائے گی،

آٹھواں قول | پادری صاحب موصوف صفحہ ۵۲ پر آگسٹائن کا قول اس طرح نقل کرتے ہیں کہ :-

”کتب مقدسہ کی تحریف کسی زمانہ میں بھی ممکن نہیں تھی، کیونکہ بالفرض کوئی شخص اگر اس حرکت کا قصد کرتا تو چونکہ کتب مقدسہ کے نسخے قدیم زمانہ سے موجود تھے اس لئے اسی وقت اس کا پتہ چل جاتا“

اس پر بھی دو اشکال ہیں۔ اول تو یہ کہ ہنری واسکاٹ کی تفسیر جلد (۱) میں آگسٹائن کا قول یوں بیان کیا گیا ہے :-

”واقعی یہودیوں نے توریت کے عبرانی نسخوں کو ان اکابر کے زمانہ کے حالات میں قطعی محرف کر دیا جو طوفان سے پہلے گزر چکے تھے، یا طوفان کے بعد موسیٰ علیہ السلام کے دور تک ہوئے ہیں، اور یہ تحریف و تغیر اس لئے کی تاکہ یونانی ترجمہ غیر معتبر ہو جائے، اور مسیحی

۱۵ آیت ۲ تا آیت ۱۳،

۱۵ آگسٹائن (St. Augustine) عیسائیوں کا مشہور بشارت اور فلاسفر جو افریقہ میں ۳۵۴ء کو پیدا ہوا، ۴۳۰ء میں ہینو کا بشارت مقرر ہوا، اور ۴۳۰ء میں انتقال کر گیا، لاطینی زبان میں اس کی بہت سی تصنیفات ہیں، حال ہی میں اس کی اہم تصانیف کا انگریزی ترجمہ نیویارک سے ”بیسک رائٹنگس آف سینٹ آگسٹین“ کے نام سے

شائع ہو گیا ہو، فرقہ پروٹسٹنٹ کے لیڈروں نے بہت حد تک اس کی تصانیف سے استفادہ کیا ہے ۱۴ ت

مذہب کے عناد و دشمنی نے اُن سے یہ حرکت کرائی، قدما مسیحین کا نظریہ بھی اسی قسم کا تھا، وہ

کہتے تھے کہ یہودیوں نے توریت میں منسلک میں تحریف کی تھی،

اس سے معلوم ہوا کہ آگسٹائن اور قدما مسیحین توریت کی تحریف کا اعتراف کرتے

تھے، اور ان کا دعویٰ تھا کہ یہ تحریف منسلک میں ہوئی ہے، تفسیر مذکور کا بیان پادری صاحب

کے بیان کے سراسر خلاف ہے، مگر چونکہ علماء پروٹسٹنٹ کے نزدیک یہ تفسیر بہت ہی معتبر

ہی، اس لئے اس کے مقابلہ میں پادری صاحب کا بیان قطعی مردود ہے، ہاں اگر یہ ثابت

ہو جائے کہ پادری صاحب کا بیان کسی ایسی کتاب سے منقول ہے جو تفسیر مذکور سے زیادہ معتبر

ہی، ایسی صورت میں ہم ان سے نقل کی تصحیح کا مطالبہ کریں گے۔ اور ان پر یہ بتلانا واجب ہوگا

کہ انھوں نے کس معتبر کتاب سے اس کو نقل کیا ہے؟

دوسرے یہ کہ دوسری صدی عیسوی سے موافق و مخالف سب ہی بیانات گہل یہ ہتر

آئے ہیں، کہ تحریف واقع ہوئی ہے، محققین مذہب عیسوی تحریف کی تینوں قسموں کا عہدِ عتیق

و جدید کی کتابوں کے بہت سے مقامات میں واقع ہونا تسلیم کرتے ہیں، چنانچہ باب میں آپ کو

معلوم ہوگا، اس سے زیادہ واضح چیز اور کونسی ہو سکتی ہے، استبشار کے مصنف نے تعجب

اور تعریف کرتے ہوئے کہا ہے:-

معلوم نہیں کہ پادری صاحب کے نزدیک تحریف ثابت ہونے کا معیار کیا ہے،

شاید اُن کے نزدیک تحریف ثابت ہونے کی صورت صرف یہ ہوگی کہ تحریف

کرنے والا انگریزی عدالت میں گرفتار ہو کر آئے اور جعل سازی کے جرم میں دوائی

جیل کی سزا پائے۔

ضروری نوٹ:- پادری صاحب تحریف کو مستبعد ثابت کرنے کے لئے وہ احتمالات بیان

کرتے ہیں جن کو ایک جاہل بھی حدود سے تجاوز خیال کرتا ہے، مثلاً یہ فرماتے ہیں:-
 ”کس نے تحریف کی؟ کس زمانہ میں کی؟ کس غرض سے کی؟ تحریف شدہ الفاظ کیا ہیں؟“
 الحمد للہ اُن کے بزرگوں نے اس سلسلہ میں ہماری یہ مشکل بھی آسان کر دی، اور بتا دیا
 کہ یہودیوں نے توریت میں تحریف کی، اور تحریف کا زمانہ ۱۳۷۷ء ہے، اور تحریف کا سبب
 دین مسیحی کی عداوت اور دشمنی اور یونانی ترجمہ کو غیر معتبر ثابت کرنا ہے، اور تحریف کردہ الفاظ
 میں سے وہ الفاظ ہیں جن میں اکابر کے زمانہ کے واقعات بیان کئے گئے تھے، عیسائیوں کا
 دعویٰ کرنا کہ مسیح نے قومیت کے حق میں شہادت دی ہے، اس کے تسلیم کرنے کے بعد بھی مضر
 نہیں، کیونکہ یہ دعویٰ عروج مسیح کے عرصہ دراز بعد کیا گیا ہے، اور یہ لوگ تین چار نہیں ہیں
 بلکہ جمہور قدما مسیحین ہیں،

نواں قول | صفحہ ۱۲۱ پر فرماتے ہیں:-

”انجیل بواسطہ حواریین کے الہام کے طور پر لکھی گئی، یہ بات خود انجیل سے اور
 قدیم مسیحی کتابوں سے ثابت اور ظاہر ہے“
 پھر کہتا ہے:-

”حواریوں نے مسیح کے اقوال، اُن کی تعلیمات اور حالات بذریعہ الہام کے لکھے ہیں“
 یہ بھی اُن وجوہ کی بنا پر جو ہم نے حل الاشکال کے قول نمبر ۴ و ۵ کے بیان میں ذکر کی
 ہیں، مردود باطل ہے، اور اس وجہ سے بھی کہ جس شخص نے بھی انجیل کو پڑھا ہو گا اس کو
 اس امر کا یقین آجائے گا کہ پادری صاحب کا یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے، اس سے قطعی یہ بات
 ثابت نہیں ہوتی کہ فلاں انجیل کو فلاں حواری نے بذریعہ الہام یونانی زبان میں لکھا ہو،
 بے شک انجیل کا نام اناجیل کے ہر صفحہ پر چھاپنے والوں اور کاتبوں کی طرف سے ضرور

لکھا ہوتا ہے، لیکن یہ نہ کوئی حجت، نہ دلیل، کیونکہ یہ لوگ جس طرح انجیل کا نام لکھ دیتے ہیں،

اسی طرح لفظ قصاۃ، راعوت و استیر اور ایوب بھی کتاب القصاۃ، کتاب راعوت کتاب استیر اور کتاب ایوب کے ہر صفحہ کی پیشانی پر لکھتے ہیں،

پھر جس طرح دوسری صورت میں یہ لکھنا اس امر کی دلیل نہیں کہ یہ کتابیں انہی لوگوں کی تصانیف ہیں جن کی طرف منسوب کی جا رہی ہیں، اسی طرح پہلی خبر بھی انجیل ہونیکے دلیل نہیں ہو سکتی، اس قسم کے نکات کا بیان پادری صاحب کی جانب سے علماء اسلام کے نزدیک موجب تعجب ہی، اور بعض اوقات کچھ لوگوں کے قلم سے تنگدل ہو جانے کی بناء پر کوئی ایسا لفظ نکل بھی جاتا ہے، جو پادری صاحب کی شان کے مناسب نہیں ہے، جیسا کہ استبشار کے مصنف نے اس موقع پر پادری کے قول کی تردید کرنے کے بعد کہا ہے کہ۔

”ہم نے کوئی پادری اتنا جھوٹا اور بیدھڑک جھوٹ بولنے والا نہیں دیکھا، جیسا کہ

پادری فنڈ ہے“

اور چونکہ اس کے اقوال کو نقل کرنا تطویل کا موجب ہے، اس لئے بہتر یہی ہے کہ اس مقدار پر اکتفا کریں۔

اب جب کہ ہم عیسائیوں کی اس عادت کی نشان دہی کر چکے تو مناسب سمجھتے ہیں کہ ان کی دوسری دو عادتیں بھی بیان کر دیں تاکہ ناظرین کے لئے موجب بصیرت ہو،

عیسائی علماء کی دوسری عادت

پادری صاحب کی ایک عادت یہ بھی ہے کہ وہ اُن الفاظ کو پکڑ لیتے ہیں جو مخالفین کے قلم سے بشریت کے تقاضہ سے اُن کے حق میں یا اُن کے اہل مذہب کے حق میں نکل گئے ہیں

اور اتفاق سے وہ ان کے زعم میں اُن کے منصب شان کے مناسب نہیں ہیں، اس پر شکر یہ ادا کرتے ہیں، اور راتی کا پہاڑ بنا کر کھڑا کر دیتے ہیں، اور ان الفاظ کی جانب قطعی توجہ نہیں کرتے، جو خود اُن کے قلم سے مخالف کے حق میں نکلتے رہتے ہیں،

میں حیران ہوں کہ اس کا سبب کیا ہے؟ کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جو لفظ بھی اچھا ہو یا بُرا ان کی زبان و قلم سے نکلے تو وہ اچھا، بہتر اور بر محل بھی ہے، لیکن اگر وہی الفاظ مخالف کی جانب سے نکل جائیں تو وہ بُرے سنی ہیں اور بے محل بھی، چنانچہ ہم اُن کے بعض اقوال نقل کرتے ہیں،

پادری صاحب کشف الاستار (جو مفتاح الاسرار کا جواب ہے) کے مصنف فاضل ہادی علی کے حق میں حل الاشکال کے صفحہ ۱ پر کہتے ہیں:-

”اس مصنف کے حق میں پولس کا قول صادق آتا ہے“

پھر پولس کے قول کو نقل کرتے ہیں جس میں یہ جملہ بھی ہے:-

”اس زمانہ کے خدا نے کافروں کے ذہنوں کو اندھا کر دیا ہے“

اس عبارت میں انھوں نے اپنے مخالف پر کافر کا اطلاق کیا، پھر صفحہ ۲ پر کہتے ہیں:-

”مصنف نے تعصب کی بناء پر قصد انصاف سے آنکھ بند کر لی“

اور صفحہ ۳ پر کہتے ہیں:-

”اس کا مقصد محض جھگڑا، بحث اور خالی تعصب ہے“

پھر صفحہ ۴ پر رقمطراز ہیں:-

”پوری کتاب باطل اعتراضات، جہل دعویٰ اور نامناسب مطابعت سے لبریز ہے“

پھر اسی صفحہ پر کہتے ہیں:-

”کتاب مذکور خلاف اور باطل سے بھری ہوئی ہے“

صفحہ ۱۹ پر ارشاد ہے کہ:-

”مصنف نے تکبر کی وجہ سے گمان کیا۔“

پھر صفحہ ۲۲ پر فرماتے ہیں کہ:-

”یہ خالص تکبر ہے اور کفر ہے، اللہ اس پر رحم کرے اور اس کو فہم کی گمراہی کے جال

سے نکالے“

صفحہ ۲۵ پر کہتے ہیں کہ:-

”یہ فقط اس کی چہالت اور کم علمی ہی کی دلیل نہیں، بلکہ اسکی کج فہمی اور تعصب کی بھی دلیل ہے“

پھر اسی صفحہ پر کہتے ہیں کہ،

”ظاہر ایہ معلوم ہوتا ہے کہ تکبر اور تعصب نے مصنف کو سمجھ سے محروم کر دیا ہے،

اور عقل و انصاف کی آنکھ کو بند کر دیا ہے“

صفحہ ۳۸ پر ہے کہ:-

”دوسری باطل باتوں سے قطع نظر کرتے ہوئے یہ بھی کہا ہے“

صفحہ ۴۲ پر ہے کہ:-

”یہ قول باطل اور بیکار ہے“

صفحہ ۵۰ پر:-

”یہ بعینہ تکبر اور کفر ہے“

پھر اسی صفحہ پر ہے کہ:-

”مصنف کا دل تکبر اور عجب سے اسی طرح بھرا ہوا ہے“

پھر اس صفحہ پر ہے کہ :-

”یہ بعینہ جہالت اور انتہائی تکبر ہے“

صفحہ ۵۵ پر ہے کہ :-

”یہ اس کی قطعی ناواقفیت اور تعصب پر دلالت کرتا ہے“

صفحہ ۵۶ پر ہے کہ :-

”اس کا بیان اعتبار کے درجہ سے گرا ہوا ہے، اندھن باطل اور بیکار ہے“

پھر اس صفحہ پر ہے کہ :-

”یہ انتہائی تعصب اور کفر ہے“

صفحہ ۸۷ پر ہے کہ :-

”وہ بات جو عقل کو فیصلہ کن قرار دے مھن نامعقول اور حیلہ حوالہ ہے“

یہ تمام الفاظ سید ہادی علی کی شان میں کہے گئے ہیں جن کی لکھنؤ کا بادشاہ بھی تعظیم

کرتا تھا، باقی جو الفاظ فاضل ذکی آل حسن مصنف استفسار کے حق میں کہے ہیں اُن کا نمونہ بھی

ملاحظہ ہو، حل الاشکال کے صفحہ ۷۱ پر فرماتے ہیں کہ :-

”یہ شخص فہم میں بت پرست سے بھی کم ہے، اور کفر میں ان یہودیوں سے بڑھ کر ہے۔“

پھر صفحہ ۱۱۸ پر ہے کہ :-

”پھر اب جناب فاضل صفحہ ۵۹۲ پر انتہائی کافرانہ انداز میں لاپرواہی سے کہتے ہیں :-“

پھر صفحہ ۱۲۰ پر ہے کہ :-

”انصاف اور ایمان دونوں جناب فاضل کے قلب سے رخصت ہو چکے ہیں۔“

اپنے آخری خط میں فاضل مدوح کے حق میں انھوں نے قرار کا لفظ بھی استعمال

کیا ہے، حالانکہ یہ لفظ اُن کے نزدیک بہت قبیح ہے کہ اگر کسی دوسرے سے اُن کے حق

میں نکل جاتے، تو شکریہ ادا فرماتے ہیں، اور اگر پادری صاحب یہ کہیں کہ میں نے یہ الفاظ
فاضل مدوح کے حق میں اس لئے کہے ہیں کہ ان کے قلم سے اسرائیل پیغمبروں کی شان میں
نامناسب الفاظ استعمال ہوتے ہیں، تو یہ محض فریب دہی اور مغالطہ ہے، کیونکہ فاضل
مدوح نے اپنی کتاب کے بہت سے مقامات پر تصریح کی ہے کہ انھوں نے یہ الفاظ
الزامی دلائل میں پادریوں کی تقریروں اور ان کے الزامی اعتراضات کے مقابلہ میں استعمال
کئے ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ تھارے اوپر یہ بات لازم آئے گی، حالانکہ میں انبیاء علیہم السلام
کے حق میں بدگمانی سے پاک ہوں، جو صاحب چاہیں وہ کتاب کے صفحہ ۸ و صفحہ ۱۷ و صفحہ ۵۰۸
۵۹۴ و ۶۰۴ مطبوعہ ۱۸۶۱ء ملاحظہ فرمائیں، انھیں ہمارے بیان کی تائید ملے گی،
کتاب حل الاشکال کے صفحہ ۹ پر تمام مسلمانوں کے حق میں یوں کہتے ہیں کہ:-
”مسلمان بڑے و موسوں اور بیشمار باطل باتوں کے معتقد ہیں“

میرے دہلی واپس ہونے کے بعد پادری صاحب اور ڈاکٹر وزیر خاں صاحب کے
درمیان ایک تحریری مناظرہ ہوا، جو ۱۸۵۴ء میں آگرہ میں طبع ہو چکا ہے، اس میں پادری صاحب
نے دوسرے خط مورخہ ۲۹ مارچ ۱۸۵۴ء میں یوں لکھا ہے کہ :-

”شاید جناب بھی ان کے ہی زمرہ میں داخل ہیں، (یعنی وہ بیرونیوں اور لامذہبوں کے) جس طرح مسلمانوں میں کثرت ہے ایسے لوگ موجود ہیں جو ظاہریں مسلمان اور باطن میں لامذہب ہیں“

ڈاکٹر وزیر خان نے اس کے جواب میں چند باتیں لکھی ہیں جن میں یہ دو باتیں بھی ذکر کی ہیں کہ
 "متم نے عام مجمع میں اصرار کیا ہے کہ توریت کے احکام منسوخ ہو چکے ہیں، اور تم نے
 اس مجمع میں یہ بھی تسلیم کر لیا ہے کہ سات یا آٹھ جگہ پر تحریف ہوئی ہے، اور متعدد

نحوں کے تیس یا چالیس ہزار مقامات پر سہو کا تب کی وجہ سے حاشیہ کے فقرہ اور جملوں کا متن میں داخل ہو جانا، اور بہت سے جملوں کا نکل جانا، اور بدان جانا بھی تم نے مان لیا ہے، پھر اس بات کے کہنے میں کوئی بھی رکاوٹ باقی رہ گئی ہے کہ تم لوگ دل میں تو سمجھتے ہو کہ مذہب عیسوی باطل ہے، اور اس بات کا بھی یقین رکھتے ہو کہ کتب مقدسہ منسوخ اور محرف ہیں، اور ان کا تمہارے نزدیک کوئی اعتبار نہیں ہے مگر تم لوگ محض دنیوی طمع کے ماتحت مصنوعی طور پر ظاہر میں اس مذہب کو تمہارے ہوئے ہو، اور ان محرف کتابوں کو چمپے ہوئے ہو، یا پھر چونکہ تمام عمر لوہریں کے گرجے کے مرید بنے رہے، اور چند ماہ سے انگریزی می کلیسا کے آگے سر خم کر دیا ہے، تو یہی سمجھنا چاہتے کہ اس کا سبب بھی دہی دنیوی طمع ہے، کیونکہ اب تمہارا ارادہ جیسا کہ مجھے کو تمہارے ایک قلبی دیگر دوست (یعنی پادری فریچ) سے معلوم ہوا ہے انگلستان کو وطن بنانے کا ہے، یا پھر اس کا سبب کوئی گھریلو معاملہ ہے (یعنی پادری مذکور کی میم صاحب انگلش پیرچ سے تعلق رکھتی ہیں، اس لئے پادری صاحب نے اُن کی خوشنودی مزاج کے لئے اپنا مذہب تبدیل کر ڈالا، جیسا کہ مجھ کو ڈاکٹر مدوح کے بیان سے معلوم ہوا کہ گھریلو معاملہ سے یہی مراد ہے)۔

اب ملاحظہ فرمائیے کہ کس طرح پادری صاحب نے ایک بات کہہ کر دس باتیں تبدیل مذہب کی جو دو وجوہات ڈاکٹر موصوف نے لکھی ہیں، میں جواب میں ان کا انکار نہیں کرتا، اور اگر تبدیلی مذہب کا سبب ان میں سے کوئی بھی ہو تو اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بہت ہی قبیح ہے، اور دوسری بات ان دونوں کے علاوہ اور کسی سے نہیں سنی، مگر یہ موضوع ہماری بحث سے خارج ہے، اس لئے اس کو چھوڑ کر ان کی عادت کے بیان کا سلسلہ پھر

باری کرتے ہیں،

یہ الفاظ تو وہ تھے جو پادری مذکور نے ہندوستان کے دو بڑے عالموں کی شان میں استعمال کئے تھے، اور وہ ناپاک الفاظ جو اس نے حل الاشکال صفحہ ۱۳۹ میں اور اپنے آخری خطوط میں، نیز میزان الحق، اور طریق الحیات میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن و حدیث کی شان میں استعمال کئے ہیں، انہیں نقل کرنے کے لئے میرا قلم اور دل کسی طرح آمادہ نہیں ہوتا، اگرچہ نقل کفر کفر مباشرتاً۔

جب ۱۸۴۴ء میں پادری صاحب اور مصنف استفسار کے درمیان تحریری مناظرہ ہوا تھا، تو صاحب استفسار نے اپنے دوسرے خط میں مناظرہ کے لئے چار شرائط کے قبول کرنے کی پیشکش کی تھی، جن میں پہلی شرط یہ تھی کہ:-

”ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی یا لقب کو تعظیمی الفاظ سے ذکر کیا جائے اور اگر تم کو یہ بات منظور نہ ہو تو تمہارے ”پیغمبر“ یا ”مسلمانوں کے پیغمبر“ کا لفظ استعمال کر سکتے ہو اور ان افعال کے صیغے یا ضمیریں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہوں وہ جمع کے صیغے کے ساتھ ہونی چاہئیں، جیسا کہ اردو زبان والوں کی عادت ہو ورنہ ہم گفتگو نہیں کر سکیں گے، اور ہم کو انتہائی کوفت ہوگی۔“

اس پادری نے اس کے جواب میں اپنے خط مورخہ ۲۹ جولائی ۱۸۴۴ء میں یہ لکھا ہے:-
”خوب سمجھ لو! ہم تمہارے نبی کا ذکر تعظیم کے ساتھ کرنے یا انحال اور ضمیروں کے جمع کے صیغوں کے ساتھ لانے سے معذور ہیں، یہ بات ہمارے لئے قطعی ناممکن ہے، ہاں ہم بے ادبی کے الفاظ بھی استعمال نہیں کریں گے، بلکہ یہ لکھیں گے ”تمہارے پیغمبر یا مسلمانوں کا محمد صلی اللہ علیہ وسلم، مثلاً میں کہوں گا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا“ اور کسی ایسی جگہ

یہاں کلام کا مقتضی ہو گا یہ بھی کہوں گا کہ ”محمد رسول نہیں ہیں“ یا ”بھوٹے ہیں“ لیکن

ان الفاظ سے یہ گمان مت کرنا کہ ہمارا مقصد تم کو ایذا دینا ہے، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ

چونکہ ہمارے نزدیک محمدؐ سچے نبی نہیں ہیں اس لئے اس کا اظہار ضروری ہے۔

پھر اس خط میں جو ۳۱ جولائی ۱۸۵۲ء میں لکھا تھا یہ لکھتا ہے:-

”یہ بات محال ہے کہ ہم محمدؐ کا نام ذکر کرتے ہوئے افعال اور ضمیروں کو جمع کے صیغوں

کے ساتھ لائیں۔“

خود میں نے بھی اپنے خط مورخہ ۱۹ اپریل ۱۸۵۲ء میں اس سے ہی مطالبہ کیا تھا، اس نے

اس کے جواب مورخہ ۸ اپریل ۱۸۵۲ء میں وہی لکھا جو مصنف استفسار کو لکھا تھا۔

ان باتوں کو جاننے کے بعد اب ہم کہتے ہیں کہ علماء اسلام اس کے حق میں وہی

اعتقاد رکھتے ہیں جو وہ اُن کے حق میں رکھتا ہے، اور خود اس کے اور اس کے مذہبی علماء

کے حق میں اس سے زیادہ اعتقاد رکھتے ہیں جس قدر وہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حق

میں رکھتا ہے، پھر اگر مسلمان عالم ان کے حق میں خود یہ اُن کی بات نقل کر کے کہہ دے کہ اس کے

حق میں پوس کا قول صادق آتا ہے، کہ ”اس زمانہ کے خدا نے کافروں کے دلوں کو اندھا کر دیا

ہے۔“ اور اُس نے قصداً تعصب کی وجہ سے انصاف سے آنکھوں کو بند کر لیا ہے، اور اُس کی

غرض و مقصد حسن جھگڑا اور بحث و تعصب ہے، اور اس نے تکبر سے یوں سمجھا ہے، اور

ظاہری ہے کہ تعصب اور تکبر نے اس کی عقل سلب کر لی ہے، اور عقل کی آنکھوں کو بند

کر دیا ہے، اور قطع نظر کرتے ہوئے دوسری باطل باتوں کے اس نے ایسا بھی کہا ہے، اس

کا قلب تکبر و تعصب سے لبریز اور سمجھ میں بُت پرست سے کم ہے، اور کفر میں یہودیوں

سے بڑھا ہوا ہے، اور وہ نہایت لاپرواہی اور کفر کی بناء پر لکھتا ہے، اور ایمان و انصاف

دونوں اس کے دل سے رخصت ہو چکے ہیں، اور وہ لازمہ ہوں کے گردہ میں داخل ہے، اور وہ بھگوڑا ہے۔“

اسی طرح اگر اس کی کتاب میزان الحق کی شان میں یوں کہیں کہ وہ خالص مثالوں اور محض فریب اور غلط دعاوی اور کمزور دلائل پر مشتمل ہے یہ الفاظ صادر ہو جائیں کہ: ”وہ پوری کی پوری باطل اعتراضوں سے لبریز ہے، اور خلاف و باطل اور مہمل و عہدوں اور نامناسب مطاعن سے بھری ہوئی ہے۔“

اسی طرح اس کی اُس تحریر کے حق میں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن و حدیث کے حق میں صادر ہوتی ہے یہ الفاظ استعمال کئے جائیں کہ ”یہ خالص تکبر ہے، اور یہ محض اس کی جہالت اور قلتِ علم ہی کی دلیل نہیں ہے، بلکہ یہ اس کی بد فہمی اور تعصب کی دلیل ہے اور یہ سب باطل و بیکار ہے، اور یہ لعینہ تکبر اور کفر ہے، اور یہ عین جہالت اور انتہائی تکبر ہے، اور یہ اس کی قطعی ناواقفیت و تعصب کی دلیل ہے، اور ہر اعتبار سے ساقط اور باطل محض اور بیکار انتہائی تعصب اور کفر اور غیر مقبول حیلہ حوالہ ہے۔“

تو کیا پادری صاحب کے نزدیک ان الفاظ کا استعمال کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو پھر پادری صاحب کو اس قسم کے الفاظ کا کوئی شکوہ نہیں کرنا چاہئے، اور اگر ناجائز ہے تو وہ خود کیوں ان الفاظ کو زبان پر لاتے ہیں؟ اُن کے اس انصاف پر تعجب ہے کہ وہ ان الفاظ کے لکھنے سے معذور ہیں، اور مسلمان عالم لائقِ ملامت اور غیر معذور ہو، اس لئے ہم کو امید ہے کہ وہ سمجھ لیں گے کہ وہ عالم جس کے قلم سے کوئی لفظ اس کی یا

یا اس کے علماء کی نسبت کسی مقام پر مقتضائے کلام کی وجہ سے صادر ہو جائے تو اس کا مقصود پادری یا اس کے اہل مذہب کو ایذا دینا نہیں ہوگا، بلکہ اس کی وجہ محض یہ ظاہر کرنا ہے کہ اس عالم کے نزدیک یہی حق ہے، یا پھر اس کے قول یا اس کے علماء کے اقوال کا انتقام ہو جیسا کہ مشہور ہے ہر شخص اپنا بویا ہوا کاٹتا ہے، اور جیسا کرتا ہے بھرتا ہے،

تیسری عادت پادری صاحب قرآن مجید کی آیتوں کا ترجمہ اور تفسیر اپنی رائے کے مطابق کرتے ہیں، تاکہ اپنے زعم میں اس پر اعتراض کریں، اور دعویٰ

کرتے ہیں کہ صحیح ترجمہ اور تفسیر وہی ہے جو میں نے کی ہے، نہ کہ وہ جو علماء اسلام یا مفسرین قرآن نے کی ہے، اور عوام کے سامنے اپنے اظہار کمال کے لئے بعض تفسیری قاعدے بھی بیان فرماتے ہیں،

(۱) مثلاً میزان الحق مطبوعہ ۱۸۴۹ء بزبان فارسی باب ۳ فصل صفحہ ۲۳۷ و ۲۳۸،

اور حل الاشکال مطبوعہ ۱۸۴۷ء باب ۴ صفحہ ۵۵ پر کئی تفسیری قاعدے بیان فرماتے ہیں، یہاں ہم دو قواعد نقل کرتے ہیں، پادری صاحب فرماتے ہیں کہ:-

”مفسر کے لئے ضروری ہے کہ کتاب کے مطالب اس طرح سمجھے جس طرح مصنف کے دل میں ہیں، اس لئے ہر مطالعہ کرنے والے اور مفسر کے لئے لازمی ہے کہ وہ مصنف کے زمانہ کے حالات اور اس قوم کی عادات سے پورا باخبر اور واقف ہو، جس میں مصنف کی تربیت ہوئی ہے، اور ان کے مذہب کا علم رکھتا ہو، مصنف کی صفات اور اس کے احوال سے واقفیت رکھتا ہو، یہ نہ ہو کہ محض زبان دانی کے بل بوتے پر کتاب کے ترجمہ اور تفسیر کرنے کی جرات کرے، دوسرے ضروری ہے کہ مضامین کے ربط و تسلسل کا خیال رکھے، گزشتہ اقوال اور آنے والے اقوال کے درمیان ربط و علاقہ کو نہ توڑے۔“

حالانکہ خود پادری صاحب عربی زبان بھی سے پورے طور پر واقف نہیں، چہ جائیکہ ان کی بیان کردہ دوسری شرائط ان میں پائی جائیں، آپ کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ موصوف محترم مضمون کے تسلسل کو کس طرح توڑ دیتے ہیں، اور مربوط باتوں کو کس صفائی کے ساتھ ایک دوسرے سے بالکل جدا فرما دیتے ہیں،

اس کے بعد ان کے اس قسم کے دعووں کو کس چیز پر محمول کیا جائے، اب اگر ہم ان کے حق میں وہی بات کہہ دیں جو انھوں نے فاضل بادی علی کے حق میں کہی ہے کہ ”محکمہ اور جہالت انسان کی عقل سلب کر لیتے ہیں، اور اس کی عقل و انصاف کی آنکھیں بند کر دیتے ہیں“ یا یہ کہہ دیں کہ ”یہ عین جہالت اور تکبر ہے“ تو ہمارا یہ کہنا صحیح و اظہار حق ہوگا، مگر چونکہ اس قسم کے الفاظ ناشائستہ ہیں، اس لئے میں ان کے حق میں کبھی استعمال نہیں کر دوں گا، خواہ وہ ایسے الفاظ یا اس قسم کے دوسرے الفاظ علماء اسلام کی شان میں کتنے ہی استعمال فرماتے رہیں،

پادری صاحب نے میزان الحق باب ۳، فصل ۳ میں یوں کہا ہے کہ :-
جو شخص کجسری کو چھوڑ کر انصاف کی راہ اختیار کرے گا، اور قرآنی آیات کے معانی کو ملحوظ رکھے گا، وہ یقینی طور پر سمجھ لے گا کہ اس کے معانی و مطالب صحیح تفسیر کے مطابق اور قوانین تفسیر کے مطابق وہی ہیں جو میں نے بیان کئے ہیں۔“

ناظرین نے پادری صاحب کا بلند بانگ دعویٰ تو سن لیا ہے، اب ہم ان کے علم و فضل کے تین نمونے (تثلیث کے عدد کی رعایت سے) پیش کرتے ہیں، تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ پادری صاحب اپنے ان دعوؤں میں کس حد تک حق بجانب ہیں؟
پہلا شاہد | پادری صاحب نے اس مناظرہ کی دوسری مجلس میں جو میرے اور

اُن کے درمیان ہوا تھا، کھڑے ہو کر میزان الحق ہاتھ میں لیتے ہوئے اُن آیات قرآنیہ کو پڑھنا شروع کیا، جو میں نے باب اول کی فصل اول میں نقل کی ہیں، یہ آیات بہت ہی خوب صورت تحریر میں لکھی ہوئی اور اعراب شدہ تھیں، مگر وہ الفاظ کو بھی غلط پڑھتے تھے اعراب کی تو بات ہی کیا ہے، مسلمانوں کے لئے یہ مرحلہ بڑا صبر آزما تھا، آخر قاضی القضاۃ محمد اسد اللہ سے نہ رہا گیا، انھوں نے پادری صاحب سے کہا کہ صرف ترجمہ پر اکتفا کیجئے اور الفاظ چھوڑ دیجئے، کیونکہ الفاظ کی تبدیلی سے معنی تبدیل ہو جاتے ہیں، تب پادری صاحب نے کہا کہ آپ لوگ ہم کو معاف کریں، اس کا سبب ہماری زبان کا قصور ہے، یہ نقش تو اُن کی زبان دانی کا تقریر میں آپ نے دیکھ لیا، اب تحریری قابلیت کا بھی ایک نمونہ ملاحظہ ہو۔

پادری صاحب نے محض اپنی فضیلت و کمال کے اظہار کے لئے **دوسرا شاہد** اور یہ بتانے کے لئے کہ میں عربی زبان سے واقف ہوں، میزان الحق فارسی مطبوعہ ۱۲۷۹ء کے آخر میں اور میزان الحق اردو مطبوعہ ۱۲۵۷ء کے آخر میں ایک عربی عبارت لکھی ہے:-

تمت هذه الرسالة في سنة ثمانية مائة وثلاثون والثلاث
بعد الالف مسیحی بالمطابق مائتان واربعين ثمانية بعد الالف هجری
اسی طرح مفتاح الاسرار فارسی مطبوعہ ۱۲۵۷ء کے آخر میں یوں فرمایا کہ:-
تمت هذه الاوراق في سنة ثمانية مائة وثلاثون السابعة بعد الالف
مسیحی وفي سنة مائتان اثنا وخمسين بعد الالف من هجرة المجددية۔

لہ افسوس ہو کہ ان عبارتوں سے ”لطف اندوز“ ہونے کے لئے عربی گرامر سے واقفیت ضروری ہے، اس کے بغیر ان کی دلچسپ غلطیوں کو سمجھا نہیں جاسکتا، اس لئے ہم ان کی تشریح کرنے سے معذوریں، عربی داں حضرات کی تفریح طبع کے لئے یہ عبارتیں بعینہ بلا تبصرہ حاضر ہیں ۱۲ تقی

نیز اس نسخہ میں جو اردو زبان میں ہے یہ عبارت بعینہ موجود ہے، صرف اتنا فرق ہے کہ لفظ ہجرت فارسی نسخہ میں بغیر الف لام کے ہے، اور اس نسخہ میں مع الف و لام ہے، غالباً اس کا سبب یہ ہے کہ فارسی نسخہ کی جانب پادری صاحب کی توجہ زیادہ تھی، اس لئے اس میں اس کی تصحیح زیادہ ضروری تھی، ادھر پادری صاحب موصوف کی کمالی تحقیق کا پتہ یہ ہے کہ موصوف و صفت دونوں کو معروف باللام نہیں ہونا چاہئے، اس لئے موصوف کے الف لام کو ساقط کر دیا، یہ اُن کی تحریری فضیلت و کمال کا عکس ہے،

تیسرا شاہد | قدیم مفتاح الاسرار مطبوعہ ۱۸۲۳ء صفحہ ۴ پر انھوں نے پہلے سورۃ تحریم کی یہ آیت نقل فرمائی ہے کہ :-

”وَمَرْيَمُ ابْنَةُ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ مِنْ رَوْحِنَا“
پھر سورۃ نساء کی آیت :-

”إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلَّمَتْهُ الْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ
وَرُوحٌ مِنْهُ“

نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :-

جب ان دونوں آیتوں کے فیصلہ کے مطابق مسیح خدا کی رُوح ہیں تو ضروری بات ہو کہ وہ الوہیت کے درجہ میں ہوں، کیونکہ خدا کی رُوح خدا سے کم نہیں ہو سکتی، مگر بعض مسلمان کہتے ہیں کہ اس رُوح سے مراد جو دونوں آیتوں میں مذکور ہے جبرئیل فرشتہ ہے، حالانکہ اس قول کا انشاء محض بغض و عداوت ہے، کیونکہ منہ کی ضمیر جو دوسری آیت میں ہر اور لفظ روحنا کی ضمیر متصل جو پہلی آیت میں ہے صرف قاعدہ کے بموجب

فرشتہ کی طرف راجح نہیں ہو سکتیں، بلکہ اللہ کی طرف راجح ہیں۔

اب ہم کہتے ہیں کہ اس پر چند وجوہ سے اشکال ہے، اول تو ہم یہ معلوم کر کے اُن کی معلومات سے استفادہ کرنا چاہتے ہیں کہ وہ کونسا صرفی قاعدہ ہے جس کے مطابق دونوں ضمیریں فرشتہ کی طرف راجح نہیں ہو سکتیں، بلکہ خدا کی طرف ہوں گی، ہم نے تو کم از کم ایسا کوئی صرفی قاعدہ نہیں دیکھا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فاضل محترم کو یہ بھی معلوم نہیں کہ علم صرف کونسا علم ہو؟ اور اس میں کن چیزوں سے بحث کی جاتی ہے؟ محض اس کا نام سن لیا ہے، اور یہاں اس لئے اس کا ذکر کر دیا تاکہ جہلاً یہ سمجھیں کہ یہ شخص عربی علوم کا ماہر ہے،

دوسرے کسی بھی معتبر عالم نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ آیت شریفہ "بالا میں روح" کے مصداق جبرئیل ہیں، یہ ایسا بہتان ہے جس کا منشاء محض عداوت و بغض ہے، تیسرے سورۃ نسا کی آیت یوں ہے:-

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ
إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلَّمَتْهُ آفَاهَا إِلَى مَرْيَمَ
وَرُوحٌ مِنْهُ، فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ اِنْتُمْ اٰخِرًا
لَّكُمْ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَاحِدٌ سُبْحَانَهُ اَنْ يَّكُوْنَ لَهُ وَلَدٌ لَّهٗ مَا فِي
السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مَنْ وَكْفَى بِاللّٰهِ وَكِيلًا

ترجمہ:- اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں غلو نہ کرو، اور مت کہو اللہ پر مگر حق بات، بلاشبہ مسیح عیسیٰ بن مریم اللہ کے رسول اور اس کے "کلمہ" ہی ہیں، جس کو اللہ نے مریم پر

"لہ کلمہ" ہونے کا مطلب یہ ہو کہ وہ صرف اللہ کے کلمہ کن سے پیدا ہوئے تھے، اُن کی پیدائش میں کوئی جبروت اللہ

القاء کیا ہے، اور اس کی روح ہیں، پس تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور
مت کہو کہ (اللہ) تین ہیں، باز آؤ، اور اس بات کو مانو جو تمھارے لئے بہتر ہے، اللہ
تو ایک ہی موجود ہے، وہ اس بات سے پاک ہے کہ اس کا کوئی لڑکا ہو، آسمان زمین
میں جو کچھ ہے وہ اسی کا تو ہے، اور اللہ کا رسا زہونے کے اعتبار سے کافی ہے۔

اس آیت میں درودِ منہ سے قبل یہ الفاظ فرمائے گئے ہیں یا اہل الکتاب لا
تغلو فی دینکم ولا تقولوا علی اللہ الا الحق۔ یعنی اے اہل کتاب تم اپنے دین میں
غلو نہ کرو، اور اللہ پر حق بات کے سوا کوئی بات نہ کہو، یہ الفاظ عیسائیوں کو مسیح کے بارہ
میں اعتقادی غلو پر ملامت کر رہے ہیں،

پھر اس کے بعد یہ ارشاد ہے: ”اور مت کہو کہ (اللہ) تین ہیں، باز آجاؤ اور اس
بات کو مانو جو تمھارے لئے بہتر ہے“ یہ الفاظ ان کو تثلیث کا عقیدہ رکھنے اور مسیح کو خدا
کا بیٹا سمجھنے پر ملامت کر رہے ہیں، قرآن کریم نے اسی عقیدہ پر متحد مقامات پر ملامت
کی ہے، مثلاً:-

”بلاشبہ وہ لوگ کافر ہو گئے جنھوں نے
کہا کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے“

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ
ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ (رائدہ، رکوع ۱۳)

اور

”نہیں ہیں مسیح بن مریم مگر ایک رسول“

مَا الْمَسِيحُ بْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ رَاٰهُ قَوْمٌ

(بقیہ صفحہ ۲۹۴) ظاہری اسباب کا کوئی دخل نہ تھا، چونکہ یہودیوں کو حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش میں کچھ شبہ تھا
اس لئے قرآن نے یہاں تصریح فرمائی ہو، عیسائی حضرات قرآن کے اس لفظ سے بھی اپنے مذہب پر استدلال کیا
کرتے ہیں، مگر مصنف اظہار الحق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ایک دوسری کتاب ازالۃ الشکوک، صفحہ ۳۳ تا ۳۸ پر
جلد اول میں اس مسئلہ پر سیر حاصل فرمائی ہے جس میں کلمۃ اللہ کے معنی قرآن لغت و ایب کتب مقدسہ کی رو سے واضح ہیں

اب ہم اس کا فیصلہ ناظرین پر چھوڑتے ہیں کہ پادری صاحب قواعد تفسیر کے کس قدر ماہر اور متبحر ہیں، اور ان کی باریک بینی کتنی لاجواب ہے؟ مصنف کی مراد اور مقصود کو کس خوبی سے ادا کرتے ہیں، اور مضامین کے تسلسل کو کس طرح ملحوظ رکھتے ہیں، گزشتہ اور آئندہ اقوال میں باہمی ربط و تعلق کی کس قدر رعایت فرماتے ہیں؟ مگر ہم کو اس کا بڑا سخت افسوس ہے کہ ایسے عظیم النظر اور یکتا سے روزگار عالم اور بے مثل مفسر نے عہد عتیق و جدید کی کوئی ایسی تفسیر نہ لکھی جو اس قسم کی اندکھی اور عجیب و غریب تحقیقات پر حادی ہوتی، اس سے ایک تو یہ فائدہ ہوتا کہ عیسائیوں کے یہاں یہ ایک یادگار چیز ہوتی، دوسرے عہد عتیق و عہد جدید کی وہ باریکیاں جو آج تک منظر عام پر نہ آسکی تھیں وہ نمایاں ہو کر سامنے آجائیں،

سچی بات تو یہ ہے کہ ایسا بے مثل مفسر اگر پورے غور و تامل کے بعد یہ فیصلہ کرے کہ دو اور دو پانچ ہوتے ہیں، تو اس کی باریک بینی اور درستی رائے سے کچھ بھی بعید نہ ہوگا، یہ نمونہ ہے پادری صاحب کی قوت فہم کا، اور اس تحریری و تقریری سرمایہ اور کج فہمی کے باوجود ان کو اپنی ذات سے اتنا حسن ظن ہے کہ ان کے خیال میں ان کا ردی ترجمہ اور رکیک تفسیر علماء اسلام کے ترجموں اور ان کی تفسیروں کے مقابلہ میں قابل ترجیح ہوں گے، یہ سب چیزیں تکبر اور خود رانی کا ثمرہ ہیں، اس کے سوا کچھ نہیں۔

چوتھے اس کا یہ دعویٰ کہ خدا کی روح خدا سے کم نہیں ہو سکتی، مردود و باطل ہے، اس لئے کہ خدا تعالیٰ نے سورۃ سجدہ میں آدم علیہ السلام کے حق میں فرمایا ہے :-

ثُمَّ سَوَّاهُ وَ نَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْهِ،
یعنی پھر اس کو درست اور مکمل کیا اور
اپنی روح اس میں پھونک دی "

اور سورۃ حجر اور سورۃ ص میں بھی ان کے حق میں یوں کہا :-

فَاِذَا اسْوَيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيْهِ	اور جب میں اُسے درست کر لوں اور اس
مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا اِلَيْهِ سَاجِدِيْنَ	میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس
	کے لئے سجدہ کرتے ہوئے گر پڑنا،

اس میں حق تعالیٰ شانہ نے آدمؑ کے نفس ناطقہ پر اپنی رُوح کا اطلاق کیا ہے، اور سورۃ زیم میں جبریل کے حق میں یہ الفاظ فرماتے :-

فَاَرْسَلْنَا اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ	پس ہم نے اس (یعنی مریم) کی طرف بھیجا
لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا	اپنی روح کو سودہ اس کے ساپورا آدمی بنکر ظاہر ہوا

یہاں پر لفظ "ہماری رُوح" سے مراد جبریل ہیں، کتاب حزقیال کے باب ۳۷ آیت ۱۴ میں ان ہزاروں انسانوں سے خطاب کرتے ہوئے جن کو خدا نے حزقیال کے معجزہ سے زندہ کر دیا تھا، خدا تعالیٰ کا ارشاد اس طرح مذکور ہے :- اور میں اپنی رُوح تم میں ڈالوں گا۔ اس میں بھی خدا نے انسان کے نفس ناطقہ پر لفظ "اپنی رُوح" کا اطلاق کیا ہے، جس سے پادری صاحب کی تحقیق کے مطابق لازم آئے گا کہ کتاب حزقیال کے فیصلہ کے مطابق ہزاروں انسان بھی معبود ہوں، اور قرآنی فیصلہ کی بنا پر جبریل و آدمؑ بھی معبود ہوں، لہذا سچی بات یہ ہے کہ درود منہ میں "روح" سے مراد نفس ناطقہ ہی ہے، اور مضاف محذوف ہے، یعنی ذرود منہ (جلالین میں ایسا ہی لکھا ہے) اس میں

۱۲ "نفس ناطقہ" فلاسفہ کی اصطلاح ہے، انسان کی جان کو کہتے ہیں

۱۳ یعنی اللہ کی جانب سے رُوح والا

افشا تشریف ہے، اور بیضادی میں کہا گیا ہے کہ (روح) ای ذروح (منہ) (صد منہ) بتوسط یا مجری مجری الاصل والمادة) یعنی ایسی روح والا جو اس سے بغیر کسی اور اصل کے صادر ہوئی۔

اور چونکہ یہ پادری صاحب کی ہنایت بچکانہ عبارت تھی، اور بعض فضلاء کے اعتراض کرنے پر پادری صاحب اس کی خرابی اور عیب پر مطلع ہوئے، اس لئے جلد نسخہ مطبوعہ ۱۸۵۰ء میں اس کو بدل ڈالا، اور ایک دوسری فریب آمیز عبارت استعمال کی، جس کو نقل کر کے میں نے اپنی کتاب ازالۃ الشکوک میں اس کا رد کیا ہے، جو صاحب چاہیں وہاں دیکھ لیں، ہم اس موقع پر دو قصے جو پادری صاحب کی حکایت کے مناسب ہیں ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ یعنی بعض اوقات باری تعالیٰ کسی چیز کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے اسے اپنی جانب منسوب فرمادے ہیں، مثلاً کعبہ کو اپنا گھر مقرر دیا، اور فرمایا ”طہر بتی“ (یعنی میرے گھر کو پاک کرو) یہ نسبت ظاہر ہے کہ گھر کی فضیلت بتلانے کے لئے ہے، ورنہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ معاذ اللہ خدا اس میں مقیم ہو، اس اضافہ کو اضافت تشریفی کہتے ہیں، اور مقصود یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جو روح اللہ کا اطلاق کیا گیا ہے وہ بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ کعبہ کو بیت اللہ کہا گیا، اس کے علاوہ ایک بات یہ ہے کہ بعض اوقات کسی چیز کی پیدائش خلاف عادت عجیب طریقہ سے ہوتی ہے، تو اللہ تعالیٰ اسے اپنی جانب منسوب فرمادیتے ہیں، جیسے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو سورۃ شمس میں ”ناقة اللہ“ (اللہ کی اونٹنی) فرمایا، یعنی وہ اونٹنی جو اللہ نے خلاف عادت طریقہ پر پیدا فرمائی، اسی طرح ”روح اللہ“ کے معنی ہوں گے وہ روح جو اللہ نے عجیب طریقہ سے بغیر اصل کے پیدا فرمائی، اس سلسلہ میں مصنف نے اپنی بہترین کتاب ازالۃ الشکوک ص ۴۲ تا ۴۳ میں بڑے مبسوط اور قابل قدر بحث کی ہے، جس میں ”روح“ کے مختلف معنی قرآن کریم اور کتب مقدسہ ثابت کئے ہیں ۱۲ تو اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ قرآن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا، ان کا روح الہی ہونا اور کلمۃ اللہ ہونا بیان کیا ہے، یہ تینوں اوصاف انبیاء میں سے کسی اور کے لئے بیان نہیں کئے، لہذا قرآن نے بھی مسیح علیہ السلام کو سب آدمیوں اور سائے پنیروں پر فوقیت دی ہے، اور ان کی الہمیت کے مرتبہ کا اقرار کیا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ یہ استدلال کتنا کمزور ہے، چنانچہ مصنف نے اس کے ایک ایک جزو کی رد و جحیٰ (دبانی) پر آئندہ

ایک واقعہ | طیبی نے مشکوٰۃ کی شرح میں نقل کیا ہے کہ ایک مسلمان قرآن کی تلاوت کر رہا تھا کہ کسی پادری نے اس کی زبان سے یہ الفاظ سنے، **وَكَلِمَتُهُ لَقَاَهَا** **بِی مَرْيَمَ دَرُوحُ مِّنْهُ**،

کہنے لگا کہ یہ الفاظ ہمارے دین کی تصدیق اور مذہب اسلام کی تردید کر رہے ہیں، اس لئے کہ اس میں یہ اعتراف پایا جاتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام ایسی روح ہیں جو خدا کا جزو ہے اتفاق سے اس موقع پر علی بن حسین واقعہ مصنف کتاب النظیر موجود تھے، انھوں نے جواب دیا کہ خدا نے اس قسم کے الفاظ ساری مخلوق کے حق میں استعمال کئے ہیں مثلاً، **وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِی السَّمَوَاتِ وَمَا فِی الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ**، اب اگر **دَرُوحُ مِّنْهُ** کے معنی اس کے جزو کے لئے جائیں تو **جَمِيعًا مِّنْهُ** کے معنی بھی آپ کے قول کے مطابق یہی ہوں گے، تو لازم آئے گا کہ ساری مخلوق خدا ہے، اس موقع پر پادری نے انصاف پسندی سے کام لیا اور ایمان لے آیا۔

دوسرا واقعہ | عیسائی فرقہ کے کچھ لوگوں نے دہلی میں تثلیث کے اثبات کے لئے اللہ کے اس ارشاد سے استدلال کیا تھا کہ **بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ** اس میں تین نام استعمال کئے گئے ہیں جو تثلیث پر دال ہیں، ایک ظریف نے فوراً جواب دیا کہ تم نے خود کو اس کا پابند بنادیا کہ **وَسْتَأْنِ** سے سات خداؤں کے وجود پر

دقیقہ صفحہ ۱۲۸، بکھیر دی ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان تینوں اوصاف میں سے کوئی الٰہیت پر کسی طرح دلالت نہیں کرتا، یہ بحث ازالہ الشکوک کے صفحہ ۴۲ تا ۵۰ پر موجود ہے اور اس کی ایک ایک سطر میں قیمتی مواد ہے ۱۲
۱۳ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا کلمہ ہیں جسے اللہ نے مریم پر نازل کیا، اور اس کی روح ہیں ۱۳
۱۴ یعنی اللہ نے تمھارے لئے وہ سب معجز کر دیا جو آسمانوں میں ہوا جو زمین میں ہوا یہ سب اسی کی طرف ہوتا

استدلال کرو، ان سات خداؤں کا وجود سورۃ مومن کے شروع میں اس طرح ثابت ہے،
 حَمْدًا، تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ غَاثِ الْمُنْتَبِ وَ قَائِمِ
 التَّوْبِ شَدِيدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر تمھارے لئے ضروری
 ہوگا کہ قرآن کریم کی سورۃ حشر کی آخری آیات سے جس میں خدا تعالیٰ کے سترہ اسم
 ذاتی و صفاتی مسلسل بیان کئے گئے ہیں، سترہ خداؤں کے وجود کو تسلیم کرو،

ہمارے اس بیان سے آپ کو پادری صاحب کے ۳۶ اقوال سے واقفیت ہوگی
 ہم اس کتاب کے اکثر مقامات پر اس کے چیدہ چیدہ دوسرے اقوال نقل کریں گے
 اب ہم پادری صاحب سے سوال کرتے ہیں کہ ہم نے جو اقوال ان کے نقل کئے
 ہیں کیا ان کے پیش نظر مجھ کو خود ان کی عادت کے مطابق یہ کہنا جائز ہے کہ یہ مواد جس کو
 کوئی بنسیاد نہیں واضح طور پر پادری صاحب کے قلت علم اور باریک بینی نہ ہونے
 دلالت کر رہا ہے، اس لئے کہ اگر ان میں ذرا بھی باریک بینی اور علم کی شدید ہوتی تو وہ ایسی
 بات ہرگز نہیں کہہ سکتے تھے، یا پھر مجھ کو ایسا کہنا جائز نہیں ہے؟

دوسری صورت میں فرق بتانا ضروری ہوگا کہ پادری صاحب کے لئے تو یہ بتا جائز ہو کہ اگر انھیں اپنے مخالف کلام میں پانچ چھ اقوال
 ایسے مل جائیں انکے خیال میں مجروح اور کمزور ہیں مخالف کے حق میں تو وہ ایسا کہہ سکتے ہیں لیکن اگر مخالف انکے کلام میں قطعی جمل اقوال
 اس قدر گنا بھی زیادہ پائیں تو اس پادری صاحب کے حق میں ایسا کہنا جائز نہیں ہوگا، پہلی صورت میں
 پادری صاحب کو اپنے حال پر نظر کر کے اعتراف کرنا پڑے گا کہ یہ جواب میزان الحق اور
 مفتاح الاسرار اور حل الاشکال وغیرہ کے بارہ میں شافی اور کافی جواب ہے، کیونکہ ان
 بقیہ کلام مذکورہ صورت میں ایسا ہی سمجھا جائے گا، کسی کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے
 کہ وہ دروازہ مت کھول جس کے بند کرنے سے تجھ کو عیب لاحق ہو، اور وہ تیر مت

کے واپس لوٹانے سے تو عاجز ہو۔“

اس ساتویں امر میں جو کچھ میں نے ذکر کیا ہے اس کا مقصد اصلی یہ ہے کہ جو بھی میری کتاب کا جواب دینے کا ارادہ کرے اس سے یہ توقع ہو جائے کہ پہلے میری عبارت نقل کرے گا پھر جواب دے گا، تاکہ ناظرین میرے اور اس کے دونوں کے کلام کا موازنہ کر سکیں، اور اگر تطویل کا اندیشہ ہو تو چھ ابواب میں سے کسی ایک کے جواب پر غما کرے، اور جواب دینے میں ان باتوں کو بھی ملحوظ رکھے جو میں نے اس مقصد میں رکی ہیں، اور علماء پر وٹسٹنٹ فریب کاروں کی راہ نہ اختیار کرے، کیونکہ یہ طریقہ صاف کی راہ سے دور اور حق سے بعید ہے،

اور اگر پادری فنڈر صاحب میری اس کتاب کے جواب کا ارادہ کریں تو ان سے مجھ کو مقدمہ میں بیان کردہ امور کے لحاظ رکھنے کی اس طرح امید کرنا چاہتی جیسی سردوں سے توقع ہے،

اور ایک مزید بات کی بھی توقع رکھتا ہوں، وہ یہ کہ پہلے اپنے کلام میں ان ۳۶ اقوال کی توجیہ کریں، تاکہ ان کی توجیہات میری توجیہات کے لئے معیار بن سکیں جو میں جواب الجواب میں ذکر کروں گا، میرا خیال تو ایسا ہی ہے کہ انشاء اللہ وہ لوگ جواب نہیں لکھ سکیں گے، اور اگر جواب لکھا بھی تو بھی امور مذکورہ کی یقیناً رعایت نہیں کریں گے، ورنہ کمزور اور بڑے بہانے بنائیں گے، ان کا جواب بھی کچھ اس قسم کا ہو گا کہ میرے اقوال میں سے بعض وہ اقوال لے لیں گے جن میں کچھ کہنے کی گنجائش نکلے، اور قوسی اقوال

۱۲ عربی کے الفاظ یہ ہیں ”لا تفہم باباً یعیبنا سداً، ولا ترم سہما یعجزك ردہ“

کی طرف کچھ بھی اشارہ نہیں کریں گے، نہ اقرار کے ساتھ نہ انکار کے طور پر، البتہ عوام دھوکہ میں ڈالنے کے لئے یہ باطل دعویٰ ضرور کریں گے کہ اس کا باقی کلام بھی اس کا نمونہ ہے، اور شاید اُن کے رد کا کل حجم اس حد تک نہیں پہنچ سکے گا کہ اس کا وزن میری کتاب کے ہر جزو کا مقابل ہو سکے، اس لئے میں پیشگی کہہ دیتا ہوں کہ اگر انھوں نے ایسا کیا تو یہ اُن کی شکست کی دلیل ہوگی،

کچھ کتاب کے حوالوں کے بارے میں | میں نے جن علماء اور کتابوں کے نام نقل کئے ہیں ان انگریزی کتابوں سے لئے ہیں جو مجھ تک پہنچ سکتی ہیں، یا پھر فرقہ پرور ٹسٹوں کے ترجموں سے، یا اُن کے فارسی، عربی یا اردو کے رسائل سے، اور ناموں کی گڑبڑ کی حالت سے بھی زیادہ بڑھی ہوئی ہے، جیسا کہ ان کی کتابوں کے ناظرین سے یہ بات مخفی نہیں ہے، لہذا اگر کوئی کسی نام کو دوسری زبان میں مشہور نام کے مخالف پائے تو اس سلسلہ میں میری عیب جوئی نہ فرمائیں :



پہلا باب

بائبل کیا ہے؟

- — بائبل کی کتابیں اور اُن کا درجہ استناد
- — اُن کے باہمی خصلات
- — اُن کی فحش غلطیاں

ان ہی الاسماء سمیتوہا انتم
وآباءکم ما أنزل اللہ بہا من سلطان
(آیت النجم)

پہچان نہیں

مگر خدینام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپے دادوں نے
رکھ لیے ہیں۔

اللہ نے

ان میں کوئی دلیل
نازل نہیں کی ہے

(النجم)

باب اول

عہد و کیم و جدید کی کتابیں

پہلی فصل

بہرہ و فائدہ ہوتا

کے نام اور ان کی تعداد کا نام قضاۃ ہے، اور

کی دو قسمیں کرتے ہیں، ایک وہ کہ داؤد علیہ السلام کے
پھر بیت اللہ میں آگئیں

ان کے واسطہ سے ہمارے پاس اس میں ۴ باب ہیں ۱۲

لیہ السلام کی طرف منسوب ہے

رہتے، اپنی کے عہد میں طاقت

ت وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ بائبل میں ساقا کہا گیا ہے

کی کتابوں کے مجموعہ کو عہد عتیق مذکور ہیں

عہدوں کے مجموعہ کا نام بائبل ہے کھٹے بیٹوں سے

لیا ہے، اور اس میں حضرت

Old Testu نشینی، ان کے دور حکومت، انکی

کہتے ہیں ۱۲ آیت مذکور ہیں، حضرت الیاس علیہ السلام

ہیں جن کی نسبت

ہیں، جو عیسیٰ علیہ السلام

علیہ السلام کے بعد

کے اور دوسری قسم کے

الہا، تے ہیں، یہ یونانی

اور عہد جدید کو نیا عہد نامہ

Bible

پھر دونوں عہدوں کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ قسم ہے جس کی صحت پر تمام قدامتیین متفق ہیں، دوسری قسم وہ جس کی صحت میں اختلاف ہے،

عہد قدیم کی پہلی قسم | اس مجموعہ میں ۳۸ کتابیں ہیں، (۱) سفر تکوین، اس کا دوسرا نام سفر الخلیقہ بھی ہے، (۲) سفر خروج، (۳)

سفر احبار، (۴) سفر عدد، (۵) سفر استثناء،

ان پانچوں کتابوں کے مجموعہ کا نام توریت ہے، یہ عبرانی لفظ ہے، اور جس کے معنی شریعت اور تعلیم ہیں، کبھی کبھی مجازاً یہ لفظ عہد عتیق کے مجموعہ پر بھی بولا جاتا ہے،

نسطرین کے کسرہ اور فار کے سکون کے ساتھ "تفرق" ہے جس سے معنی عربی زبان میں صحیفہ اور کتاب کے آتے ہیں۔
نام "پیدائش" ہے اور انگریزی میں Genesis ہے، اس میں زمین و آسمان کی

رہے لیے حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحاقؑ، اور حضرت یوسف علیہم السلام کی وفات پر ختم ہو گئی ہے، اس کے ۵۰ باب ہیں ۱۲
رجح "ہی ہے اور انگریزی میں Exodus اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے غرق اور کو سینا پر اللہ سے ہمکلامی کے واقعات اور تورات میں کے صحرائے سینا میں خیمہ زن ہونے کے واقعات پر ختم ہو گیا ہے، اسے خروج کے مصر نکلنے کا واقعہ مذکور ہے، اس میں ۴۰ باب ہیں ۱۲

رجح "ہی ہے اور انگریزی میں Leviticus اس میں
رجح "ہی ہے اور انگریزی میں Numbers اس میں بنی اسرائیل کی
رجح "ہی ہے اور انگریزی میں Deuteronomy اس میں بنی اسرائیل کی

رجح "ہی ہے اور انگریزی میں Deuteronomy اس میں بنی اسرائیل کی
رجح "ہی ہے اور انگریزی میں Deuteronomy اس میں بنی اسرائیل کی

(۶) کتاب یوشع بن نون (۷) کتاب القضاۃ (۸) کتاب راعوت (۹) سفر سموئیل اول (۱۰) سفر سموئیل ثانی (۱۱) سفر ملوک الاول

۱۷ اس کا نام اردو ترجمہ میں "یوشع" اور انگریزی میں Joshua رکھا گیا ہے، یہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی طرف منسوب ہے، جو حضرت موسیٰ کے خادم خاص تھے، ان کی وفات کے بعد بنی اسرائیل کے پیغمبر ہوئے اور بنی اسرائیل کو لیکر عاتقہ سے جہاد کیا، جس میں شہید ہوئے، اس کتاب میں ان کے واقعات ان کی وفات تک مرقوم ہیں، اس میں ۲۴ باب ہیں ۱۲

۱۸ اسے اردو میں بھی "قضاۃ" اور انگریزی میں Judges کہا گیا ہے، اس میں حضرت یوشع علیہ السلام کی وفات کے بعد بنی اسرائیل کی حالت زار کی تفصیل بیان کی گئی ہے، جس میں ان کا کوئی بادشاہ نہ تھا، ان کی بت پرستی اور بدکاریوں کی بناء پر بار بار اللہ تعالیٰ ان پر کوئی اجنبی بادشاہ مقرر کر دیتا جو ان پر ظلم کرتا، پھر جب وہ خدا سے توبہ و فریاد کرتے تو ان کے لئے کوئی قائد بھیجا جاتا، جو انہیں اس مصیبت سے نجات دلاتا، مگر وہ پھر بدکاریاں کرتے اور کوئی اور بادشاہ ان پر مسلط ہو جاتا، اور چونکہ اُس زمانہ میں جو قائد ہوتا اسے وہ قاضی کہتے تھے، اور اس زمانہ کو قاضیوں کا زمانہ کہتے ہیں، اس لئے اس کتاب کا نام "قضاۃ" ہے، اور اس میں ۲۱ باب ہیں ۱۲

۱۹ اس کا نام اردو میں "روت" اور انگریزی میں Ruth ہے، اس میں حضرت داؤد علیہ السلام کے دادا عوبید کی والدہ جناب راعوت کے احوال مذکور ہیں، جو ایک موآبی خاتون تھیں، پھر بیت اللحم میں آگئیں اور وہاں بوعز سے شادی کی، جن سے عوبید، ان کے بے اور ان سے حضرت داؤد پیدا ہوئے، اس میں ۴ باب ہیں ۱۲

۲۰ اس کا نام اردو میں "سموئیل" Samuel مذکور ہے، یہ حضرت سموئیل علیہ السلام کی طرف منسوب ہے جو حضرت کالب علیہ السلام کے بعد نبی ہوئے، اور بنی اسرائیل کے آخری قاضی تھے، انہی کے عہد میں طالوت بنی اسرائیل کا بادشاہ ہوا، کتاب سموئیل اول میں آپ کی نبوت، طالوت (جس کو بائبل میں ساؤا کہا گیا ہے) کی بادشاہی، حضرت داؤد کا جاہلیت کو قتل کرنا اور طالوت کی وفات تک کے واقعات مذکور ہیں، اس میں ۱۲ باب ہیں ۱۲

۲۱ اس کتاب میں طالوت کی وفات کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام کی حکومت اور طالوت کے بیٹوں سے ان کی لڑائی کے احوال مذکور ہیں اور اس میں ۲۴ باب ہیں ۱۲

۲۲ اسے اردو میں "سلاطین" اور انگریزی میں Kings کا نام دیا گیا ہے، اور اس میں حضرت داؤد علیہ السلام کے بڑھاپے، وفات، حضرت سلیمان علیہ السلام کی تخت نشینی، ان کے دور حکومت، ان کی وفات اور ان کے بعد ان کے بیٹوں کے احوال، شاہ اخیا اب کی وفات تک مذکور ہیں، حضرت الیاس علیہ السلام کا ذکر بھی اس میں آیا ہے، اس کے کل ۲۲ باب ہیں ۱۲

(۱۲) سفر الملوک الثانی (۱۳) السفر الاول من اخبار الایام (۱۴) السفر الثانی من اخبار الایام
(۱۵) السفر الاول لعزرا (۱۶) السفر الثانی لعزرا، اس کا دوسرا نام سفر نحمیا بھی ہے،

۱۷ اس میں انخی اب کی وفات سے صد قیام کی سلطنت تک کے احوال مرقوم ہیں، اس میں حضرت
ایکس علیہ السلام اور حضرت ایسح علیہ السلام کے احوال بھی آگئے ہیں، اس کے کُل ۲۵ باب ہیں ۱۲
۱۸ اس کو اردو میں "تواریخ" اور انگریزی میں Chronicles کہا جاتا ہے،

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت سلیمان علیہ السلام تک کا شجرۂ نسب، حضرت
تک اجمالی حالات اور حضرت داؤد علیہ السلام کی حکومت کے قدرے تفصیلی حالات
اس میں ۲۹ باب ہیں ۱۲ تقی

۱۹ اس میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور حکومت اور ان کے بعد مختلف بادشاہوں کے
احوال صد قیام تک مرقوم ہیں، اور بنو کد نصر کے یروشلم پر چڑھائی کرنے کا واقعہ آخر میں ذکر کیا گیا ہے
اس کے کُل ۳۶ باب ہیں ۱۲ تقی

۲۰ اس کا نام اردو میں عزرا اور انگریزی میں Ezra ہے، غالب یہ ہے کہ اس سے مراد
حضرت عزیر علیہ السلام ہیں، اس کتاب میں خسرو Cyrus شاہ قاسم رجبے تورات میں خور
کہا گیا ہے، کانیز کد نصر کے حملے کے بعد یروشلم کو دوبارہ تعمیر کرنا اور پھر حضرت عزیر علیہ السلام کا جلاوطن
یہودیوں کو اپنے وطن الینا اور ان کا اپنے گناہوں سے استغفار کرنا مذکور ہے، اسی ضمن میں حضرت زکریا اور حضرت
حجی علیہما السلام کا ذکر بھی آیا ہے، اس میں کُل ۱۰ باب ہیں ۱۲

۲۱ نحمیا Nehemiah شروع میں یہ آرتخششتا Artaxerxes

شاہ فارس کے خادم تھے، جب انھیں بنو کد نصر کے ہاتھوں بیت المقدس کے آجرٹنے کی خبر ملی تو یہ بادشاہ
سے اجازت لے کر یروشلم پہنچے، اور وہاں حضرت عزیر علیہ السلام کے ساتھ مل کر اس کی دوبارہ تعمیر
کی، اس کتاب میں یہ تمام واقعات مفصل ذکر کئے گئے ہیں، نیز اس میں جن لوگوں نے یروشلم کی تعمیر
میں حصہ لیا ان کے نام مذکور ہیں، یہ واقعات تقریباً ۴۴۵ ق م میں پیش آتے، اس کتاب کے کُل
۱۳ باب ہیں، محمد تقی

(۱) کتاب ایوب (۱۸) زبور (۱۹) امثال سلیمان (۲۰) کتاب الجامعہ (۲۱) کتاب
شید الانشاد،

✓ اسلحہ یہ کتاب حضرت ایوب علیہ السلام Job کی جانب منسوب ہے، جن کے صبر ضبط
کی تعریف قرآن نے بھی کی ہے، بحریت سے مشرق میں ایک شہر عوص کے نام سے تھا، آپ وہاں
پیدا ہوئے، اور وہیں آپ کے ساتھ آزمائشیں پیش آئیں، قرآن نے ان آزمائشوں کی تفصیل نہیں بتائی،
توراة میں کہا گیا ہے کہ آپ کو چلیدی امراض ہو گئے تھے، اس کتاب میں انہی آزمائشوں کی کہانی ہے،
اور اس کا زیادہ حصہ حضرت ایوب کے تین دوستوں تیمانی، الیفز، سوخی بلرد اور تعالیٰ صنوفر کے ساتھ
مکالموں پر مشتمل ہے، یہ تینوں دوست یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ حضرت ایوب پر یہ بلا تیں ان کی کسی
خطا کے سبب آئی ہیں، اور آپ انکار کرتے تھے، آخر میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ مذکور ہے، اس کتاب میں
۲۲ باب ہیں، اور یہ اپنی شاعری اور ادبیت کے اعتبار سے بہت بلند سمجھی جاتی ہے ۱۲

✓ ۱۵ اسے عربی میں "سفر مزامیر" بھی کہا جاتا ہے، اور انگریزی میں اس کا نام Psalms
ہے، یہ اسی کتاب کی محرف شکل ہے جس کے بارے میں قرآن نے فرمایا ہے کہ "ہم نے داؤد کو زبور عطا کی"
یہ زیادہ تر حمد و ثناء اور نصیحت کے نغمات پر مشتمل ہے، اس میں ۱۵۰ نغمے (مزامیر) ہیں ۱۲

✓ ۱۶ اسے اردو میں امثال اور انگریزی میں Broverbs کہتے ہیں، یہ امثال
اور حکمتوں کا مجموعہ ہے، اور نصرانی حضرات کا دعویٰ ہے کہ اسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے مرتب
فرمایا تھا، چنانچہ سلاطین اقل (۴-۳۲) میں ہے کہ "اس نے تین ہزار مثلیں کہی ہیں، اس میں ۳۱ باب ہیں"
✓ ۱۷ اسے آجکل اردو میں "واعظ" اور انگریزی Ecclesiastes کہا جاتا ہے،
کہتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام جامعہ یا داعظ تھا، اور اس کتاب میں اسی کی
نصیحتیں مذکور ہیں، اس کے کُل ۱۲ باب ہیں ۱۲

✓ ۱۸ اس کا نام اردو میں "غزل الغزلات" اور انگریزی میں Songs of Solomon
ہے، اور یہ بقول نصرانی ان گیتوں کا مجموعہ ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہے تھے، اور جن کا ذکر کتاب
سلاطین اقل میں ہے کہ "اور اس نے تین ہزار مثلیں کہیں اور اس کے ایک ہزار پانچ گیت تھے" (۴-۳۲) اس کے ۸ باب ہیں ۱۲

(۲۲) کتاب اشعیاہ (۲۳) کتاب ارمیاہ (۲۴) مراثی ارمیاہ.....

۱۔ اس کا نام اردو میں ”یسعیاہ“ اور انگریزی میں Isaiah ہے، یہ حضرت اشعیاہ بن آموص علیہ السلام کی طرف منسوب ہے، جو آٹھویں صدی قبل مسیح میں یہوداہ کے بادشاہ حزقیاہ کے خاص مشیر تھے، اور جب شاہ اسور سخریب نے یروشلم پر حملہ کیا تو حضرت اشعیاہ علیہ السلام نے حزقیاہ کی بہت مدد فرمائی، جس کا ذکر کتاب سلاطین دوم (باب ۲۸) اور کتاب تواریخ (باب ۳۲) میں موجود ہے۔ کتاب یسعیاہ میں ان الہامات کا ذکر ہے جو حضرت اشعیاہ کو آئندہ حالات کے بارے میں ہوئے۔ پیشگوئیاں (بقول نصاریٰ) آپ نے شاہ عزیاہ ایتام، آخر اور حزقیاہ کے زمانوں میں فرمائی ہیں، اس کے کل ۶۶ باب ہیں، اور یہ بھی اپنی ادبیت کے لحاظ سے بہت بلند سمجھی جاتی ہے ۱۲

۲۔ اس کا نام ”یرمیاہ“ اور انگریزی میں Jerimiah ہے، اور حضرت ارمیا علیہ السلام کی طرف منسوب ہے، جو حضرت اشعیاہ کے خلیفہ تھے، اور یوسیاہ اور صدقیاہ کے زمانہ میں بنی اسرائیل کی بد اعمالیوں کو روکنے کے لئے مبعوث ہوئے تھے، مگر جب وہ باز نہ آئے تو آپ کو بذریعہ وحی علم ہو گیا، کہ اس قوم پر بخت نصر کا عذاب آنے والا ہے، آپ نے اس بات کو ظاہر فرمادیا، اور توراۃ کے مطابق انہیں مشورہ دیا کہ وہ بابل کے بادشاہ کے آگے ہتھیار ڈال دیں، مگر قوم نے انہیں اذیتیں دیں تو بالآخر بنو کہ نصر جسے بخت نصر بھی کہا جاتا ہے نے یروشلم پر حملہ کر دیا، اور یہ شہر نیست و نابود ہو گیا، تو آپ مصر تشریف لیگے، قرآن کریم نے اذکار لہٰذا فی قرۃ الخ میں جو واقعہ ذکر فرمایا ہے، وہ ایک قول کے مطابق آپ ہی کا ہے، کتاب ارمیاہ میں مندرجہ بالا واقعات ہی کا ذکر ہے، اور بنی اسرائیل کو بد اعمالیوں سے روکا گیا ہے، اس کے کل ۵۶ باب ہیں ۱۳

Lamentations

۳۔ اسے اردو میں ”نوحہ“ اور انگریزی میں

کہا گیا ہے، بخت نصر کے حملہ کے بعد جب یروشلم تباہ ہو گیا اور بنی اسرائیل پر سخت عذاب آیا تو کسی نے یہ مرثیے اور نوحے کہے ہیں، جن کو نصاریٰ نے حضرت ارمیا علیہ السلام کی طرف منسوب کیا ہے، اس میں کل ۵ باب ہیں ۱۴ تقی

بنی اسرائیل کی توبہ

(۲۵) کتاب حزقیال (۲۶) کتاب دانیال (۲۷) کتاب ہوشع (۲۸) کتاب یوایل (۲۹) کتاب عاموس

۲۵۔ اس کا نام اردو میں "حزقی ایل" اور انگریزی میں Ezekiel ہے۔ یہ حضرت حزقیل علیہ السلام کی طرف منسوب ہے، (جن کا تعارف پچھے گزر چکا ہے) اور اس میں ان کی زبانی اللہ کا (مبینہ) کلام بیان کیا گیا ہے، جو پیشگوئیوں اور نصیحتوں پر مشتمل ہے ۱۲ ات

۲۶۔ اردو میں اس کا نام "دانی ایل" Daniel ہے۔ یہ حضرت دانیال علیہ السلام کی طرف منسوب ہے جن کے بارے میں تورات کی یہ روایت ہے کہ بنو کد نصر جن حکماء کو یہوداہ سے جلا وطن کر کے بابل لے گیا تھا ان میں یہ بھی تھے، اور بادشاہ کے بعض خوابوں کی صحیح تعبیر بتلنے پر انھیں صوبہ بابل کا حاکم بنا دیا گیا تھا، اس کتاب کے شروع میں بابل کے بادشاہوں کے خواب جو ان کے مستقبل سے متعلق ہیں، مذکور ہیں، پھر خود حضرت دانیال کے خواب ہیں، جو بنی اسرائیل کے مستقبل سے متعلق ہیں اور ان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہے، اس کے ۱۲ باب ہیں ۱۲

۲۷۔ اس کا نام اردو میں "ہوسیع" اور انگریزی میں Hosea ہے، تورات کی روایت کے مطابق یہ ہوسیع بن ہیری بنی ہیں (اسلامی کتب میں ان کا ذکر نہیں ملا) جو یہوداہ کے بادشاہ عزیاہ، یوتام، آخر، اور حزقیاہ کے زمانوں (نویں صدی قبل مسیح) میں رہے ہیں، اسی زمانہ میں یہ کلام ان پر نازل ہوا جس میں زیادہ تر بنی اسرائیل کی بد اعمالیوں پر تنبیہ و توبیخ، توبہ کی ترغیب اور نیکی کے اجر کا ذکر ہے، اور یہ ذکر زیادہ تر تمثیلات اور رموز میں بیان کیا گیا ہے، اس کے ۱۴ باب ہیں ۱۲

۲۸۔ کتاب یوایل، اردو میں بھی اس کا نام یوایل اور انگریزی Joel ہے، یہ بقول تورات بنی ہیں، اور اس میں بابوں پر مشتمل کتاب میں ان پر نازل شدہ کلام مذکور ہے، جس میں بد اعمالیوں سے باز آنے اور روزہ رکھنے کا حکم اور اس کے اچھے نتائج بتائے گئے ہیں ۱۲ ات

۲۹۔ اس کا نام اردو میں بھی "عاموس" Amos ہے، یہ بھی بقول تورات بنی تھے، شروع میں تقوٰۃ شہر Tekoa میں چر رہے تھے، پھر تقریباً ۸۲۵ ق م میں بنی ہوئے، اور عزیاہ کے زمانہ میں یہ ۹ بابوں کی کتاب ان پر نازل ہوئی، جس میں بنی اسرائیل کو بد کاریوں پر دھمکایا گیا ہے اور

ان کی سزائیں ان پر شاہ اسور Assyria کے اس حملہ کی پیشگوئی کی گئی جس کا

ذکر سلاطین دوم (۱۵: ۲۹) میں ہے ۱۲ تقی

(۳۰) کتاب عبدیہ (۳۱) کتاب یونان (۳۲) کتاب مینا (۳۳) کتاب ناحوم (۳۴) کتاب
حقوق (۳۵) صفونیا،
.....

۱۵ عبدیہ Obadiah یہ ۲۱ آیتوں پر مشتمل ایک چھوٹا سا صحیفہ ہے جس میں بقول
نصاری حضرت عبدیہ علیہ السلام کا ایک خواب لکھا ہے، اس خواب میں شہر آدم Adom کے متعلق
کچھ پیشگوئیاں کی گئی ہیں ۱۲ باب

۱۶ اس کا اردو نام "یوناہ" اور انگریزی Jonah ہے، یہ حضرت یونس علیہ السلام
کی جانب منسوب ہے جو مشہور سفیر ہیں، اس چار بابوں کے صحیفے میں ان کے یمنہا کی جانب مبعوث ہونے کا
واقعہ ذکر کیا گیا ہے جو مسلمانوں کے یہاں معروف قصہ قدسے مختلف ہے ۱۲

۱۷ اے اردو میں "میکہ" اور انگریزی میں Micah کہا گیا ہے، اور یہ حضرت میخا مورشی
علیہ السلام کی طرف منسوب ہے جو تقریباً نویں صدی ق م میں شاہ حزقیاہ کے زمانہ میں مبعوث ہوئے،
اور بنی اسرائیل کو ان کی بد اعمالیوں سے ڈرایا اور عذاب کی دھمکی دی، شاہ حزقیاہ نے اسے تسلیم کر کے
نیکی اختیار کی اور عذاب ٹل گیا، جیسا کہ سلاطین ۳۲ میں اور یرمیاہ ۲۶ میں مذکور ہے، اس کتاب میں
۱۲ باب ہیں اور وہ اسی دعوت و تبلیغ پر مشتمل ہیں ۱۲

۱۸ ناحوم Nahum بقول تورات یہ بھی نبی ہیں، ان کے زمانہ اور سوانح کا یہیں
سراغ نہیں لگا، اور ان کی کتاب میں جس کے تین باب ہیں ان کا ایک خواب مذکور ہے، جس میں
یمنہا کی تباہی کی پیشگوئیاں کی گئی ہیں ۱۲ باب

۱۹ حقوق Habakkuk یہ بھی بقول تورات نبی ہیں اور ان کا زمانہ بعثت مشکوک
ہے، تورات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ بنو کہ نصر کے حملہ پر دہشلم سے قبل تھے، کتاب حقوق میں ان کا ایک
خواب مذکور ہے، جس میں بنی اسرائیل کو ان کی کج ادائیگوں پر توبیخ اور حملہ بنو کہ نصر کی پیشگوئی ہے
اس کے ۳ باب ہیں ۱۲

۲۰ اے اردو میں صفیناہ اور انگریزی Zephaniah ہے، یہ بھی بقول تورات نبی ہیں، اور
یہوداہ کے بادشاہ یوسیاہ بن امون Josiah کے زمانہ میں مبعوث ہوئے اور اس صحیفہ کے ذریعہ
جو تین بابوں پر مشتمل ہے بنی اسرائیل کو عذاب بنو کہ نصر سے ڈرایا ۱۲ باب تقی

(۳۶) کتاب حجی (۳۷) کتاب زکریا (۳۸) کتاب ملاخیا، یہ ملاخیا پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً ۴۲۰ سال قبل گزرے ہیں،

یہ تمام ۳۸ کتابیں جمہور قدما مسیحین کے نزدیک معتد اور معتبر تسلیم شدہ تھیں، البتہ سامری فرقہ کے نزدیک صرف سات کتابیں مسلم ہیں، پانچ کتابیں وہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام

۱۵ حجی، الف مقصورہ کے ساتھ Haggai یہ حضرت حجی علیہ السلام کی طرف منسوب ہے، جو بخت نصر کے ہاتھوں یروشلم کی تباہی کے بعد شاہ فارس دارا Darius کے زمانہ و تفریقاً ۵۲۲ ق م میں مبعوث ہوئے تھے، اور انھوں نے یروشلم کی دوبارہ تعمیر کرنے پر قوم کو ابھارا، جیسا کہ کتاب عزراہ (۴) میں مذکور ہے، اس دو بابوں کے صحیفہ میں یروشلم کو دوبارہ تعمیر کرنے کی ترغیب اور اس میں رکاوٹ ڈالنے والوں کو توبیح ہے ۱۲ ات

۱۶ زکریا Zechariah یہ حضرت زکریا علیہ السلام کی طرف منسوب ہے، جو بقول تورات یروشلم کی تعمیر میں حضرت حجی علیہ السلام کے ساتھیوں میں سے تھے، اس کتاب میں زیادہ تر خواب مذکور ہیں، جن میں بنی اسرائیل کے مستقبل اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کی (ب و ب) پیشگوئیاں ہیں، اس میں ۱۴ باب ہیں ۱۲ (واضح ہو کہ یہ زکریا علیہ السلام نہیں ہیں جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے) ۱۷ اس کا تلامذہ اور دو میں ملاکی Malachi ہے، یہ حضرت ملاخیا علیہ السلام کی کتاب منسوب ہے، جو عہد قدیم سے آخری پیغمبر ہیں، اس کتاب میں بنی اسرائیل کی ناشکری اور حضرت عیسیٰ کی پیشگوئی (ب و ب) مذکور ہے، اس کے ۴ باب ہیں ۱۲ ات

۱۸ سامری "یہودیوں کا ایک فرقہ ہے، یہ فلسطین کے شہر سامرہ Somaria کی طرف منسوب ہے جو تباہ ہونے کے بعد دوبارہ نابلس کے نام سے مشہور ہوا، یہاں کے باشندے عام یہودیوں کی بنیادی طور پر دو امور میں اختلاف کرتے ہیں، ایک مسلمہ کتب کی تعداد، جیسا کہ مصنف نے بیان فرمایا ہے، دو سکر عبادت گاہ، یعنی وہ عام یہودیوں کے برخلاف یروشلم کے بجائے کوہ جریزیم پر عبادت کرتے ہیں جو نابلس کے جنوب میں ایک پہاڑ ہے، اور وہاں چوتھی صدی قبل مسیح میں منشی نے جس کا ذکر عزرا (۱۲) میں ہے، ایک ہیکل تعمیر کیا تھا ۱۲ تقی

کی طرف منسوب ہیں، اور کتاب یوشع بن نون اور کتاب القضاۃ، ان کی توریت کا نسخہ عام یہودیوں کی تورات کے نسخے کے خلاف ہے،

یعنی وہ کتابیں جن کی صحت میں اختلاف ہے،
عہد عتیق کی دوسری قسم
 یہ کل ۹ کتابیں ہیں:-

(۱) کتاب آستر (۲) کتاب باروخ (۳) کتاب دانیال کا ایک جزو (۴) کتاب طوبیا
 (۵) کتاب یہودیت (۶) کتاب دانش

۱۵ اسے اردو میں "آستر" Esther کہتے ہیں، یہ ایک یہودی عورت تھی، جو بخت نصر کے حملہ کے بعد بابل جلاوطن کئے جانے والوں میں شامل تھی، ایران کے بادشاہ اخویرس Ahasuerus نے اپنی پہلی بیوی سے ناراض ہو کر اس سے شادی کر لی، اس کے وزیر ماہان نے آستر کے باپ مرو کے سے ناراض ہو کر تمام جلاوطن یہودیوں پر ظلم ڈھانے کا ارادہ کیا، تو آستر نے بادشاہ کے ذریعہ اس کو روکا اور یہی واقعہ اس کتاب میں مذکور ہے جو ۱۰ بابوں پر مشتمل ہے ۱۲

۱۶ اس کا نام اردو میں "باروک" Baruch ہے، اور یہ حضرت باروخ علیہ السلام کی طرف منسوب ہے، جو حضرت ارمیا علیہ السلام کے شاگرد اور ان کے کاتب وحی تھے، ہر دو کھ دروین اُن کے ساتھ رہے، جیسا کہ کتاب (یرمیاہ ۳۲، ۱۶ تا ۳۶ اور ۴۰ تا ۴۳ اور ۴۷ تا ۵۱ اور ۵۴، ۱ تا ۳) سے معلوم ہوتا ہے، یہ کتاب فرقہ پروٹسٹنٹ کی بائبل میں (جو آجکل زیادہ رائج ہے) موجود نہیں، کیتھولک بائبل میں ہے ۱۷
 ۱۸ طوبیا Tobit نعتالی نسل کا ایک یہودی جو جلاوطنی کے ایام میں آشور چلا گیا تھا، اس کا لقب "البار" (نیک) ہے، کتاب طوبیا میں اس کے اور اس کے بیٹے کے ایک طویل اور پُرخطر سفر اور اس کی عشقیہ داستان کا تذکرہ ہے، اور توکل علی اللہ کی ترغیب دی گئی ہے، یہ کتاب ادبی اعتبار سے بہت بلند ہے، اور یہ بھی پروٹسٹنٹ بائبل میں موجود نہیں،

۱۹ "یہودیت" Judith یہ ایک یہودی عورت کی طرف منسوب ہے، جس نے اپنی بہادری سے اپنی قوم کو شاہ اسور کے مظالم سے رہائی دلوائی، اس کا ایک عشقیہ واقعہ اس کتاب میں مذکور ہے ۲۰
 ۲۱ اسے دانش سلیمان Wisdom of Solomon بھی کہتے ہیں
 یہ بالکل کتاب امثال کی طرح ہے ۱۲ تقی

(۷) کلیسائی پند و نصائح (۸) کتاب المقامین الاول (۹) کتاب المقامین الثانی

عہد جدید کی کتابیں یہ کل پیش ہیں

وہ کتابیں جن کی صحت پر اتفاق ہو | یہ کل ۲۰ کتابیں ہیں (۱) انجیل متی (۲) انجیل
مرقس (۳) انجیل لوقا

۱۱ کلیسائی پند و نصائح Ecclesiasticus یاد اعطا، یہ مستحق م کے

ایک شخص مسیح ابن مردوش کے پوتے کی طرف منسوب ہے، اور اس میں ابن مردوش کی کچھ حکمتیں درج ہیں،
اور ادنیٰ اعتبار سے اس کا پایہ بلند ہے ۱۲

۱۲ مکابیوں کی پہلی کتاب ہو، اور اس میں ان کی بغاوت کی سرگزشت ہے ۱۲

۱۳ مکابیوں کی دوسری کتاب میں چند سالوں کی تاریخ اور نہایت بیہودہ قسم کی روایات ہیں، ان
کتابوں کے علاوہ پہلا اور دوسرا ایسڈریس تین بچوں کا گیت، بعل اور ارژدہا اور منسی کی دعا پانچ کتابیں بھی
مختلف فیہ ہیں اور اپنی چودہ کتابوں کے مجموعہ کو آپا کرنا Apocrypha کہا جاتا ہے، اور فرقہ
پروٹسٹنٹ انھیں اہامی تسلیم نہیں کرتا ۱۲

۱۴ یہ متی حواری کی طرف منسوب (تعارف کے لئے دیکھئے ص ۲۷۲ کا حاشیہ) اور اس میں حضرت
عیسیٰ کے نسب نامہ سے لیکر عروج سار تک کے واقعات درج ہیں، منشا بہت سے احکام بھی آئے ہیں اس کے کل
باب ۲۸ ہیں ۱۲

۱۵ یہ مرقس ریم اور قات پر پیش ہے، یہ حضرت عیسیٰؑ کی حواری جناب پطرس (دیکھئے حاشیہ ص ۲۴۹)
کے شاگرد ہیں، عیسائی حضرات کہتے ہیں کہ اسکندر یہ کا کلیدہ ہوں نے ہی قائم کیا تھا، انھیں مشہد میں
قتل کیا گیا، ان کی انجیل سابقہ انبیاء کی بشارتوں سے شروع ہوتی ہے جو حضرت مسیحؑ کی تشریف آوری پر دیکھیں
اور حضرت عیسیٰ کے عروج آسمانی پر ختم ہو جاتی ہے، اس میں ۱۶ باب ہیں، انگریزی میں اسے Mark کہا جاتا ہے
۱۶ لوقا Luke اپنے زمانہ میں طبیعت بلیکس کے سفروں میں اس کے ساتھ ہے جیسا کہ رکلیدیوں

کے نام ۴: ۱۳ اور افعال ۱۶ سے معلوم ہوتا ہے، تقریباً مشہد میں انتقال ہوا، ان کی انجیل حضرت یحییٰ علیہ السلام
کی پیدائش کے واقعہ سے شروع ہوتی ہے، اور ۲۴ بابوں میں عروج آسمان تک کے واقعات و احکام درج ہیں ۱۲

(۴) انجیل یوحنا، ان چاروں کو اناجیل اربعہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اور لفظ انجیل انہی چاروں کے ساتھ مخصوص ہے، اور کبھی کبھی مجازاً تمام عہد جدید کی کتابوں کے لئے بھی یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے، یہ لفظ معرب ہے، اصل یونانی لفظ انجیلیون تھا، جس کے معنی بشارت اور تعلیم ہیں،

(۵) کتاب اعمال حواریین (۶) پولس کا خط رومیوں کی جانب (۷) پولس کا خط

۱۵ یوحنا دیکھئے حاشیہ ص ۵۶) ان کی انجیل میں حضرت یحییٰ علیہ السلام (جن کو بائبل میں یوحنا John کہا ہے) کی تشریف آوری کے بعد حالات سے حضرت عیسیٰ کے عروج آسمانی تک کے حالات درج ہیں اور اس کے ۲۱ باب ہیں ۱۲

۱۵ اردو میں اس کا نام رسولوں کے اعمال Acts of Apostles ہے اور کہتے ہیں کہ لوقا نے اپنے شاگرد تھیوفلس کو یہ صحیفہ لکھا تھا، جس میں حضرت عیسیٰ کے بعد حواریین کی کارگزاریاں، بالخصوص پولس کے تبلیغی سفروں کا حال اس کے روم پہنچنے تک (تقریباً ۲۲ء) مذکور ہے، اس میں ۲۸ باب ہیں ۱۲

۱۵ The Epistle of Paul to Romans پولس کے حالات (ص ۲۶) پر گزر چکے، اس خط میں اُس نے روم کے باشندوں کو خطاب کیا ہے جو آجکل اٹلی کا دارالسلطنت ہے اور دریائے ٹیبر Tiber کے مخمضی سپاس میل کے فاصلہ پر واقع ہے، یہاں یہودی بڑی تعداد میں آباد تھے (اعمال ۱۸: ۱) اس خط طرز لا تبشیر ہے، پھر کائنات کا مقصد تخلیق اور عیسائیوں کو ہدایات ہیں ۱۲

۱۵ Corinthians یہ کرنتھس (دیکھئے ص ۵۲ کا حاشیہ) باشندوں کے نام خط ہے اس میں اول تو انہیں متحد ہونے کی تلقین ہے، کیونکہ اس زمانہ میں وہ آپس کے جھگڑوں میں مبتلا تھے، پھر بائبل میں کچھ عائلی احکام دیئے گئے ہیں، باب سے بت پرستی کی برائیاں، اور بت پرست ماحول میں عیسائیوں کا طرز عمل متعین کیا گیا ہے، پھر باب سے انہیں خدا کی روحانی نعمتوں پر متوجہ کیا گیا ہے، باب میں سے آخرت اور مسئلہ کفارہ پر گفتگو ہے، اور باب میں خیرات اور عیسائیت کے لئے چندہ دینے پر ابھارا گیا ہے ۱۲

کورینٹھس کی جانب (۸)، دوسرا خط انہی کی طرف (۹) پولس کا خط اگلاطیہ والوں کی طرف
(۱۰) پولس کا خط افسس والوں کی طرف (۱۱) پولس کا خط فیلیپس والوں کی طرف (۱۲)
پولس کا خط قولا سانس والوں کی طرف (۱۳) اس کا پہلا خط تسالونیقی والوں کی جانب،

۱۵ شروع کے ۶ ابواب میں مختلف مذہبی ہدایات ہیں، پھر کلیسا کی تنظیم سے متعلق کچھ باتیں ہیں،
پھر باب ۷ سے آخر تک اپنے تبشیری سفر سے متعلق کچھ پیش بندیاں ہیں ۱۲ نفی

۱۵ Galatians "گالتیوں کے نام" یہ گلتیہ (Galatia)

کے باشندوں کے نام ایک خط ہے، جو شمالی ایشیائے کوچک میں ایک رومی صوبہ تھا، جس کا صدر مقام
القرہ تھا، یہاں کے کلیساؤں کے نام یہ خط تقریباً ۷۰ء میں لکھا گیا ہے، جبکہ پولس کو یہ خبر ملی تھی کہ یہاں
کے لوگ کسی اور مذہب کے متاثر ہو رہے ہیں، اس خط میں اس نے انہیں ارشاد دے روکنے اور اپنے
مذہب پر ثابت قدم رکھنے کی کوشش کی ہے ۱۲

۱۵ فرس Ephesus ایشیائے کوچک کا ایک اہم تجارتی شہر تھا، اور یہاں ڈیانا

Diana کے نام سے ایک عظیم عبادت گاہ تھی، پولس نے تین سال کی تبلیغ کے ذریعہ سے
اسے عیسائیت کا ایک اہم مرکز بنا دیا تھا، دیکھئے اعمال ۱۹، ۲۰، ۲۱ ان کے نام خط میں جو ۶ بابوں پر
مشتمل ہے، انہیں کچھ اخلاقی ہدایات دی گئی ہیں ۱۲

۱۵ یہ فلپی Philippi کے باشندوں کے نام خط ہے، جو صوبہ مقدونیہ کا

ایک شہر تھا، اور یہ یورپ کا پہلا شہر ہے۔ جہاں پولس نے انجیل کی تعلیم دی، اور گرفتار ہوا، اعمال ۱۶، ۱۷، ۱۸
اس خط میں اتحاد اور دوسری اخلاقی ہدایات ہیں اور اس میں ۴ باب ہیں ۱۲

۱۵ اس کا نام اردو میں "کولس" Colosae ہے، یہ بھی ایشیائے کوچک کا ایک شہر

تھا، اس خط میں سچیت پران کی ہمت افزائی اور بد اعمالیوں سے بچنے کی ترغیب ہے اور اس میں بھی ۴ باب ہیں ۱۲
۱۵ "تھسائیونیکا" Thessaionica مقدونیہ کا ایک شہر جو آج کل ترکی میں ہے

اس کے باشندوں کے نام پہلے خط میں اس نے خدا کی پسندیدہ زندگی اور دوسرے موضوعات پر گفتگو
کی ہے جو ۵ ابواب پر مشتمل ہے ۱۲

(۱۴) پولس کا دوسرا رسالہ ان کی جانب (۱۵) پولس کا پہلا رسالہ تیموتاؤس کی طرف (۱۶) اس کا دوسرا رسالہ اسی کی طرف (۱۷) پولس کا رسالہ تیطوس کی طرف (۱۸) پولس کا رسالہ فیلیپون کی جانب (۱۹) پطرس کا پہلا رسالہ (۲۰) یوحنا کا پہلا رسالہ، سوائے بعض جملوں کے،

یعنی جن کی صحت میں اختلاف ہے، یہ مکمل سات کتابیں عہدِ جدید کی دوسری قسم ہیں، اور بعض جملہ یوحنا کے رسالہ ادل کے۔

(۱) پولس کا رسالہ جو عبرانیوں کی جانب ہے۔

۱۔ اس خط میں کلمہ کی نیکیوں پر انکی بہت افزائی اور انکے طرزِ عمل سے متعلق مختلف ہدایتیں ہیں، اس کے کل ۳ باب ہیں ۱۲ تقی

۲۔ تیمتھیس کے نام Timothy یہ پولس کا شاگرد اور بعض سفروں میں اس کا ساتھی تھا

(اعمال ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹) پولس اس پر اعتماد کرتا اور لوگوں سے اس کی عزت کراتا تھا (۱ کرنتھیوں ۱۶، ۱۷)

(فلیپیوں ۲، ۱۹) اس میں عبادات و اخلاق سے متعلق ہدایات ہیں، ۵ باب ہیں ۱۲

۳۔ اس میں بعض لوگوں کے مرتد ہونے کا ذکر ہے، اور تیمتھیس کو تبلیغ سے متعلق ہدایات اور آخر

زمانہ سے متعلق پیشگوئیاں ہیں جو ۴ بابوں پر مشتمل ہے ۱۲

۴۔ ططس Titus یہ بھی پولس کے سفروں میں اس کے ساتھ رہا ہے، (گلییوں ۲، ۱)

پولس اس سے محبت کرتا تھا، (۲ کرنتھیوں ۳، ۱۳) پولس نے اسے کہتے شہر Crete میں چھوڑا تھا،

تاکہ وہ تبلیغ کرے (ططس ۱، ۵) اس خط میں تبلیغ کے طریقے اور بپتسموں کی صفات مذکور ہیں، ۳ باب ہیں ۱۲

۵۔ فلیمون Philemon پولس کا مسافر اور ساتھی تھا، انیسس کو پولس نے اس کے

پاس بھیجتے وقت یہ خط لکھا ہے ۱۲

۶۔ پطرس Peter تعارف کرایا جا چکا ہے (حاشیہ ص ۳۱) یہ ان کا عام خط ہے، اور

اس کے مخاطب نطس، کلنتیہ، کپدکیہ، آسیہ، اور تھنیہ کے لوگ ہیں اور اس میں مختلف مذہبی و اخلاقی

ہدایتیں ہیں، اس کے ۵ باب ہیں ۱۲

۷۔ اس میں مختلف مذہبی و اخلاقی ہدایات ہیں ۱۲ اس میں بھی مختلف اخلاقی و مذہبی

ہدایتیں ہیں، عبرانیوں کا تعارف گزر چکا (دیکھئے صفحہ ۲۷۱ کا حاشیہ)، ۱۲ تقی

(۲) پطرس کا دوسرا رسالہ (۳) یوحنا کا دوسرا رسالہ (۴) یوحنا کا تیسرا رسالہ (۵) یعقوب کا رسالہ (۶) یہود کا رسالہ (۷) مشاہدات یوحنا،

کتابوں کی تحقیق کے لئے اس کے بعد ناظرین کے لئے یہ جانتا ضروری ہے کہ مسیحؑ میں پادشاہ قسطنطین کے حکم سے عیسائی علماء کا ایک عظیم الشان اجتماع شہر فانیس میں ہوا، تاکہ مشکوک

۱۵ اس میں چھوٹے نبیوں اور استادوں سے متعلق ہدایات اور مستقبل کی کچھ پیشگوئیاں ہیں ۱۲ ات
۱۶ یہ خط ایک غاٹون کے نام پر جن کا نام معلوم نہیں ہو سکا، اور اس میں ۱۲ آیتیں ہیں ۱۲ تھی
۱۷ یہ خط گیس Gaius کے نام ہے، جو یوحنا کا شاگرد تھا، اس میں ۱۳ آیتیں ہیں، اور
زیادہ تر مخاطب کی تعریف اور ہمت افزائی ہے ۱۲ تھی

۱۸ یہ یعقوب James بن ایوسف نجاریں، جو بارہ حواریوں میں سے نہیں اور
اور کتاب اعمال میں آپ کا ذکر بکثرت آیا ہے، آپ کو شہید کیا گیا زیادہ ہو کہ حواریوں میں سے ایک یعقوب بن
زبدي یوحنا کے بھائی ہیں وہ یہاں مراد نہیں، انھیں یعقوب الاکبر کہتے ہیں، اس عام خط میں انھوں نے مختلف
احتمالات پر ہدایات دی ہیں ۱۲

۱۹ یہود اور تہادوس Jude Thaddaeus یعقوب کے بھائی اور بارہ حواریوں
میں سے ایک ہیں، ان کا ذکر یوحنا (۲۲: ۱۱۳) میں ہے، اس خط میں چھوٹے دعویٰ اردوں سے اجتناب اور
دوسری مذہبی ہدایتیں ہیں زیادہ ہو کہ وہ یہودا جس نے بقول نصاریٰ حضرت عیسیٰ کو گرفتار کر لیا تھا یہ نہیں
وہ یہودا اسکر بونی ہے ۱۲

۲۰ یہ ایک مکاشفہ ہے جو بقول نصاریٰ یوحنا کو ہوا تھا، اور اس میں کچھ پیشگوئیاں ہیں، اس کا
انگریزی نام Revelation ہے ۱۲ ات

۲۱ یہ قسطنطین اول Constantine I ہے، جس کے نام پر بیزنطیہ کو قسطنطنیہ
کہا گیا، کیونکہ اس نے اسے اپنا پایہ تخت بنایا تھا، وفات ۳۳۷ء میں ہوئی ۱۳ ات
۲۲ شہزائے نیکا، اس شہر کا مشہور نام نیکہ Nicaea ہے، اور یہاں جو عیسائیوں کی کونسل ہوئی تھی اسے نیکادی

کتابوں کے بارے میں مشورہ کے ذریعہ کوئی بات محقق ہو جاتی ہے، بڑی تحقیق اور مشورہ کے بعد ان علماء نے یہ فیصلہ کیا کہ کتاب یہودیت واجب التسلیم ہے، اس کے علاوہ باقی کتابوں کو بدستور مشکوک رکھا، یہ بات اس مقدمہ سے خوب واضح ہو جاتی ہے جو جیروم نے اس کتاب پر لکھا ہے،

اس کے بعد ایک دوسری مجلس ۳۶۴ منعقد ہوئی جو لوڈیشیا کی مجلس کے نام سے مشہور ہے، اس مجلس کے علماء نے بھی پہلی مجلس کے علماء کا فیصلہ کتاب یہودیت کی نسبت پرست اور رکھا، اور اس فیصلہ میں اس پرست دیگر کتابوں کا اضافہ کر کے اُن کی واجب التسلیم قرار دیا۔

(۱) کتاب استیر (۲) یعقوب کار سالہ (۳) پطرس کا دوسرا رسالہ (۴ و ۵) پطرس کا دوسرا اور تیسرا رسالہ (۶) یہوداہ کا رسالہ (۷) پولس کا رسالہ عبرانیوں کی جانب اس مجلس نے اپنے فیصلہ کو عام پیغام کے ذریعہ متوکد کر دیا، اور کتاب مشاہدات ان دونوں جلسوں میں بدستور فہرست مسئلہ سے خارج اور مشکوک ہی باقی رہی، اس کے بعد ۳۹۷ء میں ایک اور بڑی مجلس جو کاریج کی مجلس کے نام سے مشہور ہے، منعقد ہوئی، اس مجلس کے شرکار میں عیسائیوں کا مشہور فاضل آگسٹائن اور ایک سو پچیس دوسرے مشہور علماء تھے، اس مجلس کے اراکین نے پہلی دونوں مجالس کے فیصلہ کو

۵ St Jeremie عیسائیوں کا مشہور عالم اور فلاسفہ ۳۳۰ء میں پیدا ہوا
اسی نے بائبل کا لاطینی میں ترجمہ کیا، اور بائبل کے علوم میں معروف ہوا، اس سلسلہ میں اس کی بہت کتب تصانیف ہیں، ۳۲۲ء میں انتقال ہوا، لیکن یہاں پر وہ مراد نہیں ہو سکتا، اس بظاہر جاکس کا شاگرد جیروم متوفی ۳۹۶ء مراد ہے
۵ Cortina

بدستور برقرار رکھتے ہوئے اس پر مزید حسب ذیل کتابوں کا اضافہ کیا۔

(۱) کتاب دانش (۲) کتاب طوبیاء (۳) کتاب باروخ (۴) کتاب کلیسائی پند

نصائح (۵) مقابین کی دونوں کتابیں (۷) کتاب مشاہدات یوحنا،

مگر اس جلسہ کے شرکاء نے کتاب باروخ کو کتاب ارمیا کا تقریباً جزو و تفرع

دیا، اس لئے کہ باروخ علیہ السلام ارمیا علیہ السلام کے نائب اور خلیفہ تھے، اسی لئے

ان لوگوں نے اسماء کتب کی فہرست میں کتاب باروخ کا نام علیحدہ نہیں لکھا،

اس کے بعد تین مجالس منعقد ہوئیں، مجلس ٹرلو اور مجلس فلورنس اور مجلس ٹرنٹ،

ان تینوں مجالس کے علماء نے بھی پہلی کارپتیج کی مجلس کے فیصلہ کو قائم اور باقی رکھا،

صرف آخر کی دو مجلسوں نے کتاب باروخ کا نام ان کتابوں کی فہرست میں علیحدہ لکھ دیا،

ان مجالس کے منعقد ہونے کے بعد وہ تمام کتابیں جو مشکوک چلی آتی تھیں تمام

مسیحیوں کے نزدیک تسلیم شدہ قرار پائیں،

ان کتابوں کی یہ پوزیشن سلسلہ تک بدستور

قائم رہی، یہاں تک کہ فرقہ پروٹسٹنٹ نمودار

ہوا، جنہوں نے اپنے بزرگوں کے فیصلہ کے خلاف

ان اسلاف کے فیصلوں سے

فرقہ پروٹسٹنٹ کی بغاوت

کتاب باروخ، کتاب طوبیاء، کتاب یہودیت، کتاب دانش، کتاب کلیسا اور مقابین کی دونوں

کتابوں کے بارے میں یہ دعویٰ کیا کہ یہ سب واجب الرد اور غیر مسلم ہیں،

اسی طرح اس فرقہ نے کتاب استر کے بعض ابواب کی نسبت اسلاف کے

فیصلہ کو رد کیا، اور بعض ابواب کے سلسلہ میں ان کے فیصلہ کو تسلیم کیا، کیونکہ یہ کتاب

سولہ ابواب پر مشتمل ہے، جس کے شروع کے ۹ ابواب اور بائبل کی تین آیتوں کے متعلق

انھوں نے کہا کہ یہ واجب تسلیم ہیں، اور باقی چھ ابواب واجب الرد ہیں، اس انکار اور رد کے سلسلہ میں انھوں نے چھ دلائل پیش کئے۔

۱۔ یہ کتابیں اپنی اصل زبانوں عبرانی اور جالیدی میں جھوٹی ہیں، اور اس زمانہ میں ان زبانوں میں یہ کتابیں موجود بھی نہیں ہیں،

۲۔ یہودی ان کتابوں کو الہامی تسلیم نہیں کرتے،

۳۔ تمام عیسائیوں نے ان کتابوں کو تسلیم نہیں کیا،

۴۔ تیسرے کتبے کہ یہ کتابیں دینی مسائل کی تقریر و اثبات کے لئے کافی نہیں ہیں

۵۔ مکتوس نے تصریح کی ہے کہ یہ کتابیں پڑھی جاتی ہیں لیکن ہر مقام پر نہیں،

میں کہتا ہوں کہ اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ تمام عیسائیوں نے ان کو تسلیم نہیں کیا، یعنی اس کا اور دلیل نمبر ۳ کا مال ایک ہی ہوا،

۶۔ یوسی بیس نے کتاب الج کے باب میں تصریح کی ہے کہ یہ کتابیں محرف ہو چکی ہیں خصوصاً

مقابین کی دوسری کتاب۔

ملاحظہ کیجئے دلیل نمبر ۱ و ۲ کو کہ ان لوگوں نے کس طرح اپنے اسلاف اور

بزرگوں کی سب بددیانتی کا دعویٰ کیا کہ ہزاروں اشخاص کا ان کتابوں کے واجب تسلیم

ہونے پر اتفاق کرنا غلط تھا، جن کی اصل اور ماخذ تائید ہو چکی ہوں، ان کے صرف تراجم

باقی ہیں، اور جو یہودیوں کے نزدیک محرف ہو چکی ہیں، بالخصوص مقابین کی دوسری

کتاب، اب بتائیے کہ ایسی حالت میں اپنے کسی مخالف کے حق میں ان کے اجماع یا اتفاق

کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟ اس کے برعکس فرقہ کیٹھولک والے آج تک ان کتابوں کو اپنے

اسلاف کی اتباع میں تسلیم کرتے آئے ہیں۔

ان کتابوں میں سے کوئی مستند نہیں

کسی کتاب کے آسمانی اور واجب التسلیم ہونے کے لئے یہ بات نہایت ضروری ہے کہ پہلے تو ٹھوس اور سچتہ دلیل سے یہ بات ثابت ہو جائے کہ یہ کتاب فلاں پیغمبر کے واسطے سے لکھی گئی، اس کے بعد ہمارے پاس سند متصل کے ساتھ بغیر کمی بیشی اور تغیر و تبدل کے پہونچی ہے، اور کسی صاحب الہام کی جانب محض گمان و وہم کی بسند یا دیر نسبت کے اس بات کے لئے کافی نہیں کہ وہ منسوب الیہ کی تصنیف کر رہے ہے۔

اسی طرح اس سلسلہ میں کسی ایک یا چند فرقوں کا محض دعویٰ کر دینا ۲ و ۳ ہم نے ہو سکتا، دیکھئے کتاب المشاہدات اور تکوین کی سفر صغیر، کتاب المحراں بیان کرتے ہوئے کتاب ٹسٹنٹ اور کتاب الاقرار موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب در وہ نسخہ جو اس کے سفر راجع عزراء کا عزرائیل کی جانب منسوب ہے، اور کتاب معراج بھروسہ نہیں کیا جاسکتا مشاہدات اشعیاء ان کی جانب منسوب ہیں، اور ارمیاء علیہ السلام۔

علاوہ ایک دوسری کتاب ہے جو ان کی جانب منسوب ہے، اور اسلام اور حضرت صفیاء جو حقوق علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں، اور بہت سی زبور کی طرف منسوب ہیں، اور عہد جدید کی کتابوں میں سے علاوہ کترے ملنے کا واقعہ مذکور ہے جس میں جو شتر سے متجاوز ہیں، اور عیسیٰ و مریم اور حواریوں کی اور ۲۴ میں تصریح ہے کہ قاضیوان کے منسوب ہیں،

اس زمانہ کے عیسائی مدعی ہیں کہ یہ تمام کتابیں من گھڑت

دعویٰ پر گریک کنیسہ اور کیتھولک و پروٹسٹنٹ کے تمام کلیسا

عزراہ کی تیسری کتاب جو ان کی طرف منسوب ہے، گریک کے گرجے کے نزدیک، عہد عتیق کا جزو اور مقدس و واجب تسلیم ہے، اور کیتھولک و پروٹسٹنٹ گرجوں کے نزدیک من گھڑت جھوٹ ہے، جس کی تفصیل آپ کو انشاء اللہ باب میں ملے گی، اور پہلی فصل میں آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ کتاب باروخ اور کتاب طوبیا و کتاب یہودیت اور کتاب دالین و کتاب ہند کلیسا اور مقابین کی دونوں کتابیں اور ایک جزو کتاب استیر کا کیتھولک کے نزدیک واجب تسلیم ہے اور پروٹسٹنٹ کے نزدیک واجب الرد ہے،

۴۔ شب ایسی صورت ہے تو ہم محض کسی کتاب کی نسبت کسی حواری یا نبی کی

۵۔ کلو سے یہ کیونکر مان لیں کہ یہ کتاب الہامی اور واجب تسلیم ہو گئی؟ اسی طرح

ہیں کہتا ہوں جوئی بلا دلیل، کو کسی صورت میں تسلیم نہیں کر سکتے، اسی لئے ہم نے

نہیں کیا، یعنی اس سلسلے کے علماء سے سند متصل کا مطالبہ کیا، جس پر وہ قادر نہ ہو سکے، اور

۶۔ یوسی بیس میں مناظرہ میں جو میرا اور ان کے درمیان ہوا تھا، یہ عذر پیش کیا کہ ہمارے

مقابین کی دوسری کتب نے کا سبب وہ فتنے اور مصائب ہیں جن سے عیسائیوں کو تین سو تیرہ

ملاحظہ کیجئے دلیانسن لینا نصیب نہیں ہوا، ہم نے ان کی اسناد کی کتابوں میں

بزرگوں کی سب بددیانتی ارسوائے ظن و تخمینہ کے اور کچھ نہ مل سکا، جو کچھ بھی کہتے ہیں اس

ہوئے پر اتفاق کرنا غلط محض قرائن پر ہوتی ہے، حالانکہ ہم بتا چکے ہیں کہ اس سلسلہ میں

باقی ہیں، اور جو یہودیوں کے کہتے ہیں، اور نہ وہ کارآمد ہو سکتا ہے، لہذا جب تک وہ لوگ

کتاب، آپ بتائیے کہ ایسی سب پیش نہ کریں، تو ہمارے لئے محض انکار کرنا کافی ہو گا، دلیل

کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟ اس سب سے نہ کہ ہماری، مگر ہم تبرع کے درجہ میں گفتگو کرتے

اسلاف کی اتباع میں تسلیم کرنا چوں کہ موجب تطویل ہے۔ ہم صرف بعض کتابوں

کی سند پر کام کریں گے، ملاحظہ ہو:-

جس تورات کو موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اس کی نسبت کوئی ایسی سند موجود نہیں ہے کہ یہ اُن کی تصانیف میں سے ہے، جس کے چند دلائل ہمارے پاس موجود ہیں:-

موجودہ تورات حضرت موسیٰ کی کتاب نہیں

اس کے دلائل

باب ۲ مغالطہ نمبر ۴ کے جواب میں بسلسلہ بیان نمبر ۲ و ۳ ہم نے پہلی دلیل ان کتابوں میں تحریف کے مستبعد نہ ہونے کے دلائل بیان کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ یوشیا بن آمون سے پہلے تورات کا تواتر منقطع ہے، اور وہ نسخہ جو اس کے تحت نشین ہونے کے ۱۸ سال بعد ملا ہے، اس پر یقین کے ساتھ بھروسہ نہیں کیا جاسکتا پھر غیر معتبر ہونے کے علاوہ وہ نسخہ بھی غالباً

یہوداہ کا بادشاہ جو حضرت ارمیاہ علیہ السلام اور حضرت صفنیاہ علیہ السلام کے زمانہ میں ہوا ہے ۱۲ تقی Josiah
۵۷-۵۸ سال تک کے باب ۲۲ و ۲۳ میں پوری تفصیل سے اس نسخہ کے ملنے کا واقعہ مذکور ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یوشیاہ سے بہت پہلے سے تورات کا کوئی وجود نہ تھا، پھر ایک کاہن خلتیاہ کو ہیکل دہانہ کرتے وقت یہ کتاب مل گئی، اور بادشاہ نے اسے اپنا دستور العمل بنالیا، ۲۴ میں تصریح ہے کہ قاضیوں کے زمانہ کے بعد سے "مذہب" دیکھئے حاشیہ ص ۴۴۰ اس کتاب کے مطابق نہیں مٹائی گئی تھی، اس کتاب کے مٹانے پر مٹائی گئی، غور فرمائیے کہ صرف ایک کاہن کے قول کو ایک خدائی صحیفہ کی بنیاد قرار دیا جا رہا ہے، جس کا مانتے والا ساہا سال تک کوئی نہیں رہا ۱۲ تقی

بخت نصر کے حادثہ سے پہلے ضائع ہو چکا، اس حادثہ میں نہ صرف توریت معدوم ہو گئی بلکہ عہد عتیق کی تمام کتابیں صفحہ ہستی سے مٹ گئیں، اور پھر جب عزرائیل نے عیسائیوں کے نظریہ کے مطابق ان کتابوں کو لکھا تو وہ نسخہ بھی اور اس کی تمام نقول اینتوکس کے حادثہ میں ضائع ہو گئیں،

تمام اہل کتاب کا مسلک یہ ہے کہ تواریخ کی پہلی اور دوسری کتاب دوسری دلیل عزرا علیہ السلام نے حجی اور زکریا پیغمبروں کی اعانت لکھی ہے

۱۔ بخت نصر جسے بنو کہ نصر Nabuchodonosor بھی کہتے ہیں، (تورات میں یہی نام مذکور ہے)، بابل کا بادشاہ تھا جس نے یروشلم پر حملہ کر کے اسے بڑی طرح تاخت و تاراج کیا، یہ ایک عذاب تھا جو بنی اسرائیل کی بد اعمالیوں کی بنا پر بھیجا گیا تھا، اور جس کی پیشینگوئیاں کئی انبیاء علیہم السلام نے کی تھی ۱۲

۲۔ دیکھتے ۲۔ ایسڈریس ۱۹-۲۸ جس میں ان کتابوں کے نذر آتش ہونے کا واقعہ مذکور ہے، کیتھولک فرقہ اس کتاب کو اب بھی تسلیم کرتا ہے، اگرچہ پروٹسٹنٹ سرے سے اس واقعہ ہی کا منکر ہے، یہاں کتب مقدسہ (ص ۴۵) لیکن خمیہ کے باب میں جو واقعہ مذکور ہے وہ ایسڈریس کی تائید کرتا ہے، اس سے یوحنا حتم معلوم ہوتا ہے کہ کتاب توریت ضائع ہو گئی تھی، اور حضرت عزرا نے لکھ کر پھر سب لوگوں کے سامنے اسے پڑھا، عجیب بات ہے کہ کیتھولک بائبل Knox Version مطبوعہ ۱۹۶۳ء میں بھی ایسڈریس سے وہ باب ہی حذف کر دیا گیا ہے جس میں یہ واقعہ مذکور ہے، اس نسخہ میں ایسڈریس کی دوسری کتاب تیرھویں باب پر ختم ہو گئی ہے۔ ہمارے پاس اگرچہ ایسڈریس کا اس کے سوا کوئی نسخہ نہیں ہے جس سے وہ عبارت نقل کی جائے لیکن خود عیسائی حضرات کی کتابوں میں اس کا اعتراف کیا گیا ہے کہ ایسڈریس میں یہ واقعہ موجود ہے، چنانچہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں ہے: "یقینی طور پر ہم ۲۔ ایسڈریس ۱۳: ۲۰ تا ۲۱ میں یہ روایت پڑھتے ہیں کہ توریت چونکہ جل چکی تھی، اس لئے عزرا نے اسے دوبارہ لکھا" (ص ۱۵، ج ۳، مقالہ بائبل بحث عہد قدیم فہرست مسئلہ ۱) پادری جی ٹی مینلی نے بھی بائبل میڈنگ میں ایسڈریس کے حوالہ یہ روایت نقل کی ہے (ص ۱۱) ۱۳۔ اینتوکس چہارم اپی فیدس Antiochus ایشائے قریب کا شہر بادشاہ جس نے مسئلہ ۱۶م میں یروشلم پر قبضہ کر کے اس کو تباہ کر دیا تھا، اور ایک مرتبہ پھر بخت نصر کی یاد تازہ ہو گئی تھی۔ مکابیوں کی پہلی کتاب میں اسکے حوالہ کی داستان اور تورات کے جگہ جگہ کے واقعہ تفصیل سے موجود ہے (دیکھئے ۱۔ مکابیوں ۱: ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹،

مگر تینوں پیغمبروں کا کلام سفر اول کے باب ۷ و ۸ میں بنیامین کی اولاد بیان کرتے ہوئے ایک دوسرے کے خلاف اور متناقض ہے، نیز انھوں نے اس بیان میں اس مشہور توریت کی بھی دواعتبار سے مخالفت کی ہے، اول تو ناموں کے سلسلہ میں، دوسرے شمار اور گنتی میں، کیونکہ باب ۷ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ بنیامین کے تین بیٹے تھے، اور باب ۸ سے پتہ چلتا ہے کہ بیٹے پانچ ہیں، اور تورات سے ظاہر ہوتا ہے کہ دس ہیں، نیز علماء اہل کتاب کا متفقہ فیصلہ ہے کہ سفر اول کا بیان غلط ہے، اور غلطی میں پڑنے کا منشا یہ بیان کیا ہو کہ عزرائل نے بیٹوں اور پوتوں میں امتیاز نہیں کیا، اور نسب کے وہ اوراق جن سے انھوں نے نقل کیا ہے وہ ناقص تھے،

اور ظاہر یہ ہے کہ یہ تینوں پیغمبر توریت کے متبع تھے، اب اگر موسیٰ والی تورات یہی مشہور توریت مانی جائے تو یہ تینوں پیغمبر نہ تو اس کی مخالفت کرتے اور نہ غلطی میں مبتلا ہوتے، اور نہ عزرائل کے لئے یہ بات ممکن تھی کہ وہ توریت کو ترک کر کے ناقص اوراق پر بھروسہ کرتے،

اسی طرح اگر وہ توریت جس کو عزرائل نے دوبارہ الہام سے لکھا تھا عیسائیوں کے خیال کے مطابق یہی مشہور توریت ہوتی تو وہ اس کی مخالفت نہ کرتے، معلوم ہوا کہ مشہور

۱۔ بنی بنیامین یہ ہیں: بالع اور بکر اور یدیعین، یہ تینوں (۱۔ توبیت ۷: ۶)

۲۔ اور بنیامین سے اس کا پہلو ٹٹا بالع پیدا ہوا، دوسرا شبیل، تیسرا خرخ، چوتھا لوسہ اور پانچواں

رفا (۱: ۸)

۳۔ بنی بنیامین یہ ہیں: بالع اور بکر اور شبیل اور حیرا اور نعمان، اخی، اور روس، میثم اور حقیق،

اور ارد (پیدائش ۲۱: ۲۱) تقی

توریت وہ توریت ہرگز نہیں ہے جس کو موسیٰؑ نے تصنیف کیا تھا، اور نہ وہ تورات ہی جس کو عزرائیلؑ نے لکھا تھا، بلکہ سچی بات یہ ہے کہ وہ ان قصوں اور کہانیوں کا مجموعہ ہے جو یہودیوں میں مشہور تھیں، اور ان کے علماء نے ان کو اس مجموعہ میں روایات کی تنقید کے بغیر جمع کر دیا تھا، ان عینوں پیغمبروں کے غلطی میں مبتلا ہونے سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی ہے کہ اہل کتاب کے نزدیک پیغمبر جس طرح کبار کے صدور سے معصوم نہیں ہیں، اسی طرح تحریر و تبلیغ میں غلطی کرنے سے بھی پاک نہیں ہیں، مزید تفصیل آپ کو باب نمبر ۲ کے مقصد اول کے شاہد نمبر ۱۶ میں معلوم ہوگی،

تیسری دلیل | جو شخص بھی کتاب حزقیالؑ کے باب ۳۵ و ۳۶ کا مقابلہ کتاب گنتی کے باب ۲۸ و ۲۹ کے ساتھ کرے گا تو دونوں کو احکام میں ایک دوسرے کے مخالف پائے گا، اور یہ بات موٹی سی ہے کہ حزقیالؑ تورات کے تابع تھے اب اگر حزقیالؑ کے زمانہ میں یہی مشہور تورات تھی تو وہ اس کی احکام میں مخالفت کیونکر کر سکتے تھے؟

اسی طرح توریت کے اکثر مقامات پر یہ مضمون پایا جاتا ہے، کہ بیٹے اپنے بڑوں کے گناہوں میں عین پشتوں تک ماخوذ ہوں گے، اور کتاب حزقیالؑ کے باب ۱۸، آیت ۲۰ میں یوں کہا گیا ہے کہ ”جو جان گناہ کرتی ہے وہی مرے گی، بیٹا باپ کے گناہوں کا بوجھ نہ اٹھائے گا، اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ، صادق کی صداقت اپنے لئے ہوگی، اور شریر کی شرارت شریر کے لئے ہوگی۔“

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص کسی دوسرے کے جرم میں ماخوذ نہ ہوگا، اور

۱۵ ان دونوں مقامات پر قربانی کے احکام کا تذکرہ ہے، اور اس کی تفصیلات میں اختلاف ہے ۱۶ تلقی

یہی حقیقت ہے، چنانچہ قرآن نے کہا ہے:-

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ
 (نجم)

اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسری
 جان کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔

چوتھی دلیل جو شخص کتاب زبور اور کتاب نحمیا و کتاب ارمیاہ و کتاب حزقیال کا مطالعہ کرے گا اس کو اس امر کا یقین ہو جائے گا کہ گزشتہ دور میں تصنیف کا طریقہ وہی تھا جو آج مسلمانوں کے یہاں رائج ہے، کہ اگر مصنف خود اپنے ذاتی حالات اور اپنے چشم دید واقعات لکھتا تو دیکھنے والے کو پتہ چل جاتا تھا کہ وہ اپنی حالات یاد رکھے ہوئے واقعات بیان کر رہا ہے، اور یہ بات توریت کے کسی بھی مقام پر نظر نہیں آتی، بلکہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا لکھنے والا موسیٰؑ کے علاوہ کوئی دوسرا شخص ہے، جس نے یہودیوں میں پھیلے ہوئے قصے کہانیوں کو اس کتاب میں جمع کر کے ان اقوال میں یہ امتیاز قائم کر دیا کہ اس کے خیال میں جو خدا یا موسیٰؑ کا قول تھا، اس کو قال اللہ اور قال موسیٰؑ کے تحت میں درج کر دیا، اور موسیٰؑ کو تمام مقامات پر غائب کے صیغے تعبیر کرتا ہے،

اور اگر توریت موسیٰؑ کی تصنیف ہوتی تو موسیٰؑ علیہ السلام اپنی ذات کے لئے مشکل کا صیغہ استعمال کرتے، اور کچھ نہیں تو کم از کم کسی ایک ہی جگہ ایسا ہوتا، کیونکہ مشکل کے صیغہ سے تعبیر کرنا اس کتاب کا پایہ اعتبار بڑھا دیتا، اور جس بات کی شہادت ظاہر حال دیتا ہو اس کا اعتبار کرنے کے سوا چارہ نہیں، جب تک اس کے خلاف کوئی قوی دلیل موجود نہ ہو، اور جو شبہ استدلال کے خلاف دعویٰ کرے گا اس کے ثبوت کی ذمہ داری اور اہر ہوگی،

پانچویں دلیل

بعض جملوں اور بعض ابواب کی نسبت یہ دعویٰ کرنے کی مجال کسی شخص کو نہیں ہو سکتی کہ یہ موسیٰ کا کلام ہے، بلکہ بعض جملے تو بڑی وضاحت

سے اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اس کتاب کا مؤلف یقیناً اود علیہ السلام سے پہلے نہیں ہو سکتا، بلکہ یا ان کا معاصر ہو سکتا ہے، یا ان کے بعد میں ہونے والا، عنقریب آپ کے سامنے وہ جملے اور ابواب باب کے مقصد ۲ میں انشاء اللہ تفصیل کے آئندہ ہیں مسیحی علماء محض ظن و قیاس سے کہتے ہیں کہ یہ جملے بعد میں کسی پیغمبر نے بڑھائیے ہیں مگر یہ بات قطعی باطل ہے، کیونکہ ان کے پاس اس دعوے کی کوئی دلیل نہیں، کسی نبی نے بھی اپنی کتاب میں یہ نہیں لکھا کہ میں نے فلاں کتاب کے فلاں باب میں فلاں جملہ بڑھایا ہے، یا یہ کہ فلاں پیغمبر نے اضافہ کیا ہے، یہ بات کسی دوسری قطعی دلیل سے بھی ثابت نہیں ہے، اور صرف ظن و قیاس اس سلسلہ میں مفید اور کارآمد نہیں ہے اب جب تک ان جملوں اور ابواب کے الحاقی ہونے کی کوئی دلیل قطعی نہ ہو یہ اس بات کی دلیل ہیں کہ یہ کتاب موسیٰ کی تصنیف نہیں ہے،

خلاصہ سیف المسالین کے مصنف نے انسائیکلو پیڈیا بینی حبلہ چھٹی دلیل سے نقل کیا ہے۔

”ڈاکٹر سکندر گیدس نے جو معتبر عیسائی فاضل ہے، جدید بائبل کے دیباچہ میں کہتا ہے کہ۔“

تجھ کو مخفی دلائل کے ذریعہ تین باتیں قطعی طور پر معلوم ہوئی ہیں: (۱) موجودہ تورات موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف نہیں ہے (۲) یہ کتاب کے قصہ کا تسلیم میں بھی گئی ہو، یعنی عہد موسوی میں، جب کہ بنی اسرائیل کی تفصیلات تجھے نہیں

لکھی گئی، اس کی تالیف راؤ علیہ السلام سے پہلے اور عزتیاں کے بعد ثابت نہیں ہوتی، بلکہ اس کی تالیف کا زیادہ موزوں زمانہ سلیمان علیہ السلام کا دور ہے، یعنی ولادت مسیح سے ایک ہزار سال قبل یا اس کا قریبی زمانہ، یعنی وہ دور جس میں ہومر شاعر بھی موجود تھا، غرض اس کی تالیف موسیٰ علیہ السلام کی وفات سے ۵۰۰ سال بعد ہی ثابت ہوتی ہے۔

فاضل ٹورٹن جو ایک عیسائی عالم ہے کہتا ہے کہ :-

ساتویں دلیل

توریت کے محاورات میں اور عہد عتیق کی ان دوسری کتابوں کے محاورات میں جو اس زمانہ میں لکھی گئی ہیں جب کہ بنی اسرائیل بابل کی قید سے آزاد ہو چکے تھے، کوئی معتد بہ اور کافی مشرق اور تفاوت نظر نہیں آتا، حالانکہ دونوں کے زمانہ میں ۵۰۰ سال کا طویل فاصلہ ہے، اور تجربہ شہادت دیتا ہے کہ زمانہ کے اختلاف سے زبان میں تفاوت ہو جاتا ہے، مثلاً انگریزی زبان کو لیجئے، موجودہ زمانہ کی انگریزی کا موازنہ اگر آپ اس انگریزی سے کریں جو ۴۰۰ سال قبل رائج تھی تو بڑا زبردست فرق نظر آئے گا، ان کتابوں کے محاورات کے درمیان کوئی معتد بہ فرق نہ ہونے کی وجہ سے فاضل یوسلن نے جن کو عبرانی زبان میں مہارت تامہ ہے قیاس کیا ہے کہ یہ سب کتابیں ایک ہی دور میں لکھی گئی ہیں۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ زمانہ کے اختلاف سے زبان کا مختلف ہو جانا ایسا بدیہی اور ظاہر ہے کہ ٹورٹن اور یوسلن کے فیصلہ کی تائید کرنے کے سوا چارہ نہیں،

کتاب استثناء باب ۲، آیت ۵ میں ہے کہ :-

آٹھویں دلیل

اور وہیں خداوند اپنے خدا کے لئے پتھروں کا ایک مذبح بنانا

اور لوسے کا کوئی آذر اُن پر نہ لگانا۔

پھر آیت ۸ میں ہے:-

اور ان پتھروں پر اس شریعت کی سب باتیں صاف صاف لکھنا۔

یہ آٹھویں آیت فارسی تراجم نسخہ مطبوعہ ۱۸۳۵ء میں یوں ہے کہ:-

وہر آں سنگہا تمامی کلمات این توراۃ

بحسن وضاحت تحریر نما۔

”اور ان پتھروں پر اس تورات کے تمام کلمات

اور ۱۸۳۵ء کے فارسی ترجمہ کے الفاظ یہ ہیں:-

وہراں سنگہا تمامی کلمات این توراۃ

را بخط روشن بنویس،

اور ان پتھروں پر اس تورات کے تمام

اور کتاب یوشع کے آٹھویں باب میں مذکور ہے کہ:-

”اس نے حضرت موسیٰ کے حکم کے مطابق ایک مذبح بنایا، اور اس پر توراۃ لکھی

چنانچہ اسی باب کی بتیسویں آیت فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۹ء میں اس طرح ہے:-

در اینجا تورات را براں سنگہا نقل

نمود کہ آن را پیش روی بنی اسرائیل

بہ تحریر آورد۔

”اس جگہ موسیٰ کی تورات کو ان پتھروں پر

نقل کیا، تاکہ اس کو بنی اسرائیل کے سامنے

تحریر میں لائے۔“

اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۵ء میں یہ الفاظ ہیں:-

در اینجا براں سنگہا نسخہ تورات موسیٰ

را کہ در حضور بنی اسرائیل نوشتہ بود

نوشت،

”اس جگہ ان پتھروں پر موسیٰ کی تورات

کے نسخہ کو جو بنی اسرائیل کی موجودگی میں

لکھا گیا تھا، لکھا۔“

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ توریت کا حجم ایسا تھا کہ اگر اس کو شرابان گاہ کے پتھر پر لکھا جاتا تو اس کے لئے شرابان گاہ کافی ہوتی، اب اگر توریت کا مصداق یہ پانچوں کتابیں ہیں تو ایسا ممکن نہیں ہو سکتا تھا، اس لئے بظاہر وہی بات جو جوہم نمبر ۴ میں بیان کر چکے ہیں پادری ٹورٹن کہتا ہے کہ:-

نویں دلیل

”موسیٰ کے زمانہ میں کتابت اور لکھنے کا رواج نہیں تھا۔“

اس دلیل سے اس کا مقصد یہ ہے کہ جب اس عہد میں لکھنے کا رواج نہیں تھا، تو موسیٰ ان پانچوں کتابوں کے کاتب نہ ہوتے، اگر تاریخ کی معتبر کتابیں اس کی موافقت کریں تو اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ دلیل بڑی وزن دار اور قوی ہے، اس کی تائید وہ مضمون کرتا ہے جو تاریخ انگریزی مطبوعہ ۱۸۵۰ء مطبع چارلس ڈالین لندن میں اس طرح ہے کہ:-

”گذشتہ زمانہ میں لوگ لوسے یا پیتل یا ہڈی کی سلائی سے تانبے یا لکڑی یا

موم پر نقش کیا کرتے تھے، پھر مصریوں نے ان تختیوں کے عوض درخت پیرس کے پتے استعمال کرنے شروع کئے، پھر شہر بکس میں و صلی ایجاد کی گئی اور آٹھویں

صدی میں ردنی اور ریشم سے کاغذ تیار کیا گیا، پھر تیرھویں صدی عیسوی میں

کپڑے سے کاغذ بنا، اور قلم کی ایجاد ساتویں صدی کی ہے۔“

اس مورخ کی تحقیق اگر عیسائیوں کے نزدیک صحیح ہو تو ٹورٹن کی کلام کی تائید میں کوئی بھی شک نہیں رہتا،

اس میں بکثرت اغلاط موجود ہیں، اور موسیٰ علیہ السلام کا کلام اس

دسویں دلیل

عجیب سے بلند و بالا ہونا چاہئے، جیسا کہ پیدائش باب ۱، آیت ۱۵

میں ہے کہ:-

پس یہ لپٹا کے وہ بیٹے ہیں جو اس کے پیٹ سے نہر سورہ کے درمیان پیدا ہوئے
اور دینا اس کی بیٹی بھی، لہذا اس کے کل بیٹا بیٹی ملا کر ۳۳ نفوس تھے۔
اس میں ۳۳ کا بیان غلط ہے، صبح ۳۴ ہے، اس کے غلط ہونے کا اعتراف ان کے مشہور
مفسر ہارسے نے بھی کیا ہے، وہ کہتا ہے کہ :-

”اگر تم ناموں کو شمار کرو اور دینا کو شامل کرو تو ۳۴ ہو جائیں گے، اور اس کا
شامل کرنا ضروری ہے، جیسا کہ زلفا کی اولاد کی تعداد سے معلوم ہوتا ہے، کیونکہ
سارا بنت آشیر منجلہ ۶ کے ایک ہے۔“

اسی طرح کتاب استثناء کے باب ۲۳ آیت ۲ میں یوں کہا گیا ہے کہ :-

”کوئی حرام زادہ خداوند کی جماعت میں داخل نہ ہو، دسویں پشت تک اس
کی نسل میں سے کوئی خداوند کی جماعت میں آنے نہ پائے،“

یہ بھی غلط ہے، ورنہ لازم آئے گا کہ داؤد علیہ السلام اور ان کے تمام آباء و اجداد فارض تک

۱۷ یہ اصل عربی نسخہ کا ترجمہ ہے، موجودہ اردو اور انگریزی نسخوں میں اس طرح ہے، ”یہ سب یعقوب کے

ان بیٹوں کی اولاد ہیں جو فدان آرام میں لپٹے پیدا ہوئے، اسی کے بعد اس کی بیٹی نہ تھی، یہاں تک تو اس
کے سب بیٹے بیٹیوں کا شمار ۳۳ ہوا (پیدائش ۳۶)۔“

۱۸ یعنی لپٹا کی اولاد بیان کرنے کے بعد اگلی آیت میں زلفہ جو حضرت یعقوب کی باندی تھیں، کی اولاد کو

ذکر ہو جن کی تعداد ۱۲ بیان کی گئی ہے۔ یہ سولہ کی تعداد اسی وقت پوری ہوتی ہے جب کہ لڑکوں کے ساتھ ایک

لڑکی سارا کو شمار کیا جائے، اور جب یہاں لڑکی کو شمار کیا گیا تو لپٹا کی اولاد میں بھی شمار کیا جانا چاہئے۔ اس کے

علاوہ خود قرینت کے الفاظ یہ ہیں :- ”اس کے سب بیٹے بیٹیوں کا شمار ۳۳ ہوا“ اس میں تصریح ہے کہ بیٹوں کو

شامل کیا گیا ہے ۱۲

۱۹ فارض حضرت داؤد کے نویں باب (۱- تواریخ ۲: ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱

خدا کی جماعت میں داخل نہ ہوں، اس لئے کہ فارض ولد الزنا ہے، جس کی تصریح پیدائش کے باب ۳۸ میں موجود ہے، اور داؤد علیہ السلام اس کی دسویں پشت میں ہیں، جیسا کہ انجیل متی و یوحنا میں مسیح کے نسب نامہ میں مذکور ہے، حالانکہ داؤد علیہ السلام اپنی جماعت کے رئیس اور زبور کے مطابق خدا کے نوجوان بیٹے ہیں،

اسی طرح جو کچھ سفر خروج باب ۱۲ آیت ۲۰ میں مذکور ہے، باب ۲ مقصد ۳ شاہد نمبر ۱ میں آپ کو معلوم ہو گا کہ یہ بھی یقیناً غلط ہے،

بنی اسرائیل کی مردم شماری میں غلطی،

گنتی کے باب میں ہے کہ:-

”سو بنی اسرائیل میں سے جتنے آدمی بیس برس یا اس سے اوپر کی عمر کے اور جنگ کرنے کے قابل تھے وہ سب گنے گئے، اور ان سپہوں کا شمار چھ لاکھ تین ہزار پچاس تھا، پر لاوسی اپنے قبیلہ کے مطابق ان کے ساتھ نہیں گئے گئے، (۱: ۲۵ تا ۴۷)“

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ کے لائق لوگوں کی تعداد چھ لاکھ سے زیادہ تھی اور وہی کی اولاد مطلق مرد ہوں یا عورت، اسی طرح باقی تمام خاندانوں کی عورتیں اور وہ مرد بن کی عمریں بیس سال سے کم تھیں وہ اس شمار سے خارج ہیں، اگر ہم شریک نہ کئے جائیں تو مردوں عورتوں کو شریک ہونے والوں کے ساتھ ملا لیں تو مجموعی تعداد پچاس لاکھ سے

لے آیات ۱۹ تا ۲۷ اور ۲۹ تا ۳۷

لے تمام نسخوں میں ایسا ہی ہے، مگر یہ بظاہر مصنف کا تسامح ہے، صحیح یہ ہے کہ آپ اس کی نویں پشت میں ہیں، جیسا کہ متی (۱: ۱) اور یوحنا (۳: ۳) اور ا. تو ایچ (۲: ۱) سے معلوم ہوتا ہے ۱۲ تھی

کم نہ ہوگی، حالانکہ یہ چند وجوہ سے غلط ہے،

پہلی وجہ | بنی اسرائیل کے مردوں عورتوں کی مجموعی تعداد مصر میں آنے کے وقت
کُل ۱۰ تھی، جس کی تصریح کتاب پیدائش باب ۲۶ آیت ۲۷ میں

اور سفر خروج باب آیت ۵ میں، اور سفر استثنا باب ۱۰ آیت ۲۲ میں موجود ہے، اور
عنقریب آپ کو باب ۲ مقصد ۳ شاید میں یہ بات معلوم ہو جائے گی، کہ بنی اسرائیل کے
مصر کے قیام کی مدت کُل ۲۱۵ سال ہیں، اس سے زیادہ قطعی نہیں ہے، اور سفر خروج
باب میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ اُن کے مصر سے نکلنے سے ۸۰ سال قبل اُن کے بیٹے قتل
کئے جاتے تھے، اور لڑکیاں چھوڑ دی جاتی تھیں،

ان تین باتوں کے جان لینے کے بعد یعنی داخلہ مصر کے وقت کی تعداد، اُن کی مدت
قیام مصر، اور اُن کے بیٹوں کا قتل کیا جانا، اب سنئے کہ اگر قتل کے واقعہ سے قطع نظر بھی
جائے، اور یہ بات فرض کر لی جائے کہ وہ ہر پچیس برس میں دو گئے ہو جاتے تھے تب بھی

لے چنانچہ بعض لوگوں نے اس کی غلطی کو تسلیم کیا ہے، ویئر Wiener کہتا ہے کہ شاید جب
مکاتبتوں اور فقہوں نے ان اعداد کو نقل کیا تو کچھ غلط واقع ہو گئی۔ جی ٹی مینلی نے اس قول کو زیادہ قابل قبول
قرار دیا ہے، مگر پھر مذہبی تعصب میں آکر یہ بھی لکھا ہے کہ یہاں بنی اسرائیل کے ساتھ کچھ فوق الفطرت عناصر
معجزانہ طور سے شامل ہو گئے تھے، اس لئے یہ تعداد کچھ بعید نہیں۔ (بائبل ہیسنڈیکس کتاب استثناء) لیکن
مصنف نے آگے جو دلائل دیئے ہیں اُن کے (یا مخصوص یا مجموعی وجہ کے) پیش نظر اس تاویل کی کوئی گنجائش
پھر یہ بتا سمجھ سے باہر ہے کہ اگر معجزانہ طور سے بنی اسرائیل کی تعداد بڑھنا تھی تو اس کی ضرورت قیام مصر کے
دوران زیادہ تھی، اُس وقت تو تعداد بڑھانی نہ گئی، اور مصر سے نکلنے کے بعد جب کوئی دشمن سامنے نہ تھا اس
بڑھانی گئی، جبکہ کثرت تعداد ایک ناقابل برداشت لوجھ بننے کے سوا کچھ فائدہ مند نہ تھی ۱۲ تھی

۱۲ کتاب ہذا ص ۶۹۷ و ۶۹۸ ، ۱۳ آیت ۱۶

اس عرصہ میں چھتیس ہزار تک نہیں پہنچ سکتے، چہ جائے کہ پچیس لاکھ بن جائیں اور اگر قتل کے واقعہ کا بھی لحاظ کیا جلتے تب تو اس کا عقلاً ممتنع ہونا نہایت واضح ہے،

یہ بات قطعی بعید تر ہے کہ اُن کی تعداد ۷۰ سے بڑھ کر اتنی زیادہ ہو جائے دوسری وجہ اور ان کے مقابل قطعی لوگ باوجود اپنے راحت و آرام و بے فکری کے ان کی طرح نہ بڑھیں، یہاں تک کہ مصر کا بادشاہ اُن پر بدترین ظلم کرتا ہے، حالانکہ وہ سب یکجا گروہ کی صورت میں موجود ہیں، نہ ان کی جانب سے بغاوت واقع ہوتی ہے، اور نہ وہ جلا وطنی اختیار کرتے ہیں، جب کہ چوپائے بھی اپنی اولاد کی حمایت کے لئے تیار اور مستعد ہو جاتے ہیں،

تیسری وجہ سفر خرچ باب ۱۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کے ہمراہ بے شمار جانور گاتے، روزی بھی تھے، اس کے باوجود اسی کتاب میں تصریح کی گئی ہے کہ انھوں نے ایک شب میں دریا کو پار کر لیا تھا، اور یہ لوگ روزانہ سفر کرتے تھے، اور کوچ کرنے کے لئے اُن کو موسیٰ علیہ السلام کا زبانی حکم کافی ہوتا تھا،

چوتھی وجہ یہ بات ضروری ہے کہ ان کی قیام گاہ کافی بڑی اور کشادہ ہو جو اُن کی اور اُن کے چہ اردوں کی کثرت کے لحاظ سے کافی ہو، حالانکہ طور سینا کا کہ ارد گرد کا علاقہ، اسی طرح الیم میں بارہ چشموں کا مقام اس قدر وسیع نہیں ہے، پھر یہ دونوں تنگ مقامات اُن کی کثرت کے لئے کیونکر کافی ہو گئے؟

۱۵ آیت ۳۹ ۵۲ ۱۹ ۵۳ ۳۱ ۵۴ ۱۳

۵۵ الیم Elim بحرا حمر کے کنارے ایک مقام جہاں پانی کے ۱۲ چشمے اور کھجور کے ستر

درخت تھے اور بقول تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے نجات پا کر پڑاؤ ڈالا تھا (خرچ ۵۴، ۵۵، ۵۶)

پانچویں وجہ

کتاب استثناء باب ۲۲ میں ہے کہ:-

”اور خداوند تیرا خدا ان قوموں کو تیرے آگے سے تھوڑا تھوڑا کر کے دفع

کرے گا، تو ایک ہی دم اُن کو ہلاک نہ کرنا، ایسا نہ ہو کہ جنگلی درندے بڑھ کر تجھ پر

حملہ کرنے لگیں۔“

ادھر یہ ثابت ہے کہ فلسطین کا طول تخمیناً دو سو میل اور چوڑائی تقریباً نوے میل تھی

جس کی تصریح مرشد الطالبین کے مصنف نے اپنی کتاب کی فصل ۱۰ ص ۱۵ مطبوعہ ۱۸۲۰ء

شہر قائلہ میں کی ہے، اب اگر واقعی بنی اسرائیل کی تعداد پچیس لاکھ تھی، اور یہ لوگ وہاں کے

باشندوں کی ہلاکت کے بعد ایک دم فلسطین پر مسلط اور قابض ابھی ہو گئے تھے، تو سمجھ میں

نہیں آتا کہ جانوروں کی تعداد پھر کیونکر بڑھ سکتی ہے، کیونکہ اگر قلمیں لاکھ سے بھی کم آبادی ہو

تو وہ اتنے چھوٹے حصہ کو آباد کرنے کے لئے جس کی پیمائش مذکورہ چکی کافی ہو سکتی ہے،

چنانچہ ابن خلدون نے بھی اپنے مقدمہ تاریخ میں اس تعداد کا انکار کیا ہے، اور یہ بھی

۱۵ عربی اور انگریزی ترجموں میں مذکورہ عبارت کے اندر ”جنگلی درندے بڑھ کر تجھ پر حملہ کرنے لگیں“ کے

بجائے جنگلی درندے تجھ پر زیادہ ہو جائیں (لئلا یكثر عليك دواب البر) اور انگریزی ”Lest the beasts

of the field increase upon thee“ کے الفاظ ہیں، جس سے عہدیت مذکورہ کا مطلب یہ نکلتا ہے

کہ اگر تمام لوگوں کو یکدم ہلاک کر دیا گیا، تو فلسطین کی آبادی تھوڑی رہ جائے گی، اور درندوں کی کثرت سے اُن کو

نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوگا، مصنف فرماتے ہیں کہ اگر یہ پچیس لاکھ انسان ایک دم فلسطین پر قابض ہو گئے تھے

تو درندوں سے اُن کو کیسے خطرہ پیش آ سکتا ہے؟ ۱۲ تفسیر

۱۵ صفحہ ۱۳ بیروت ذکر مغالط المورخین و علامہ ابن خلدون نے اس پر اور بھی دلائل دیے ہیں جن

میں سے ایک اور اہم یہ ہے کہ اس قدر زبردست لشکر (قدیم طریق جنگ کے مطابق) جنگ کرنے پر قادر نہیں ہو سکتا، کیونکہ

ایک صفت کو دوسری صفت کا علم نہ رہیگا، ایرانیوں کی سلطنت بنی اسرائیل سے زیادہ عظیم تھی، جیسے کہ اُن پر بنت نصر

کے حملہ کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے اُن کے علاقے بھی وسیع تھے، مگر کبھی ایرانیوں کا لشکر اس تعداد کو نہیں پہنچا

ہے کہ محققین کے قول کے مطابق موسیٰ اور اسرائیل میں صرف تین پشت کا واسطہ ہے،
یہ بات بعید ہے کہ صرف چار پشتوں میں ان کی نسل اس قدر پھیل جائے کہ اُس تعداد
پہنچ جائے،

لہذا سچی بات یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی تعداد اُسی قدر تھی جس قدر ۲۱ سال کی
ت میں بڑھ سکتی ہے، بالخصوص اس حالت میں کہ شاہ مصر اُن پر بے پناہ مظالم کر رہا تھا
موسیٰ علیہ السلام کا زبانی حکم روزانہ ان کی روانگی کے لئے کافی ہوتا تھا، اور طور سینا
پر آکر گرد کا علاقہ اور ایلیم کا علاقہ اُن کے اور ان کے جانوروں کے قیام کے لئے کافی اور
بیح تھا، اور اگر ان کا تسلط اور قبضہ فلسطین پر یکدم تسلیم کر لیا جائے تو ان کی تعداد
سُطین کی آبادی کے لئے نا کافی ماننا پڑے گی۔

ان مذکورہ دلائل سے روز روشن کی طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اہل کتاب کے پاس
اس بات کی کوئی سند نہیں ہے کہ پانچوں کتابیں موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف کردہ ہیں
مگر جب تک اُن کی طرف سے کوئی سند پیش نہیں کی جاتی ہم پر اُن کتابوں کو تسلیم کرنا واجب
نہیں، بلکہ ہمارے لئے انکار اور رد کر دینے کی پوری گنجائش ہے،

کتاب یوشع کی حیثیت

توریت جو اسرائیلی مذہب کی اصل اور جڑ ہے، جب اُس کا یہ حال ہے تو کتاب
یوشع جو توریت کے بعد دوسرے نمبر پر شمار ہوتی ہے، اب اس کا حال سنئے کہ آج تک

اسے سب نسخوں میں "ثلاثہ" کا لفظ ہی، مگر مقدمہ ابن خلدون میں چار پشتوں کا ذکر ہے، موسیٰ بن عمران
بن یعقوب بن قاہٹ بن لادی بن یعقوب، اور چار ہی صحیح ہے، ۱۰ تقی

یقین کے ساتھ اس کے مصنف ہی کا پتہ نہیں چلتا، نہ تصنیف کا زمانہ معلوم ہوتا ہے، اس سلسلہ میں عیسائیوں کے پانچ قول ہیں، جرہارڈ اور ڈیڈی ہیڈ پیٹرک اور ٹاملاسن اور ڈاکٹر کمری کی رائے یہ ہے کہ یہ یوشع علیہ السلام کی تصنیف ہے،

ڈاکٹر لائٹ فٹ کہتا ہے کہ یہ فیخاس کی تصنیف ہے،

کالون کا یہ خیال ہے کہ یہ عازار کی تصنیف کردہ ہے،

وانٹل کہتا ہے کہ یہ سمویل علیہ السلام کی تصنیف ہے،

ہنری کا بیان ہے کہ یہ ارمیا علیہ السلام کی تصنیف ہے،

ملاحظہ کیجئے، کس قدر شدید اختلاف ہے، حالانکہ یوشع علیہ السلام اور ارمیا کے درمیان تخمیناً ۸۵۰ سال کا فصل ہے، اس سنگین اختلاف کا پایا جانا اس امر کی بین دلیل ہے کہ یہ کتاب اُن کے نزدیک مستند نہیں ہے، اور ہر کہنے والا اس کے سلسلہ میں اسکل بحجہ اور محض قیاسی باتیں کرتا ہے، جس کی بنیاد اس خیال پر ہوتی ہے کہ بعض قرآن اس کے پاس لیے جمع ہو گئے جن سے پتہ چلا کہ اس کا مصنف فلاں شخص ہو سکتا ہے، بس اتنی چیز اُن کے نزدیک سند بن جاتی ہے،

اور اگر ہم اسی کتاب کے باب ۱۵، آیت ۶۳ کے ساتھ سفر صومیل ثانی کے باب

۱۵ انسائیکلو پیڈیا میں ہے اس کتاب کا مصنف کوئی ایسا شخص ہے جو اس کتاب میں بیان کردہ واقعات کا عینی شاہد ہرادرہ شہر اڈیتلی Edessa کا باشندہ ہے اور اس زمانہ میں زندہ ہونا چاہئے، جبکہ اس شخص کو ایرانی جنگ سے سابقہ پڑا (برٹانیکا، ص ۱۵۴، ج ۱۳)

۵۲ فیخاس Phinehas حضرت ہارون علیہ السلام کے پوتے ہیں، جن کا ذکر گنتی ۲۵ د ۳۴، زبور ۱۳۴، یسوع ۲۲، قضاۃ ۲۲ میں آیا ہے ۱۲ تھی

آیت ۶، ۷، ۸ پر غور کریں، تو یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ یہ کتاب داؤد علیہ السلام کی تخت نشینی کے ساتویں سال سے قبل لکھی گئی ہے، اسی لئے تفسیر مہزی واسکاٹ کے جامعین نے آیت ۶۳ مذکورہ کی شرح میں یہ کہا ہے کہ ”اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب یوشع جلوس داؤد علیہ السلام کے ساتویں سال سے قبل لکھی گئی ہے“

اس کے علاوہ اسی کتاب کے باب کی آیت ۱۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کا مصنف بعض واقعات ایسی کتاب سے نقل کرتا ہے جس کے نام کے بارہ میں ترجمہ میں اختلاف ہے، بعض ترجموں میں اس کا نام کتاب الیسیر اور بعض میں کتاب یاعسا راوہ کسی میں کتاب یاشر، اور عربی ترجموں مطبوعہ ۱۸۴۲ء میں سفر الابرار اور عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۱ء میں سفر المستقیم بتایا گیا ہے، پھر اس منقول عنہ کتاب کا بھی کوئی حال

۱۵ اس لئے کہ سموئیل ۱۵ میں مذکور ہے کہ ”یہودیوں کو جویر و شلیم کے باشندے تھے، بنی یہوداہ نکال دئے گئے، سو یہودی بنی یہوداہ کے ساتھ آج کے دن تک یروشلیم میں بسے ہوئے ہیں“ اور کتاب سموئیل ۱۵: ۶۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی تخت نشینی کے ساتویں سال تک یہودی یروشلیم میں بسے ہوئے تھے، کتاب یوشع کا مصنف اسے آج کے دن تک قرار دیتا ہے، تو معلوم ہوا کہ وہ اس زمانہ کا ہے۔ ۱۲

۱۵ اس کے علاوہ اسی کتاب کے ۱۶ میں مذکور ہے کہ کنعانی ”آج تک“ جزر میں بسے ہوئے ہیں، اور اسلاطین ۹ میں ہے کہ فرعون نے حضرت سلیمان کے زمانہ میں کنعانیوں کو جزر سے نکال دیا تھا، تو معلوم ہوا کہ کتاب یوشع حضرت سلیمان سے پہلے لکھی گئی ہے، چنانچہ جی، بی، میٹلی اس کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ”۱۵ کا ۲ سموئیل ۱۵ اور ۱۶ کا ۱ اسلاطین ۹ سے مقابلہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب رجحام کے زمانہ سے پیشتر لکھی جا چکی تھی“ (ہماری کتب مقدسہ، ص ۱۷۶)

۱۵ ایک واقعہ ذکر کر کے لکھا ہے: ”کیا یہ آشر کی کتاب میں نہیں لکھا ہے؟“ اس کتاب کا نام یہاں تو آشر مذکور ہے، اور ۲ سموئیل ۸ میں یاشر ہے، اور انگریزی میں Jasher ۱۲ تقی

معلوم نہیں، نہ اس کے مصنف کا پتہ نشان ملتا ہے، نہ تصنیف کا زمانہ ہی کچھ معلوم ہوتا ہے سوائے اس کے کہ سفر سموئیل ثانی، باب آیت ۸^۱ سے یہ ضرور پتہ چلتا ہے کہ اس کا مصنف داؤد علیہ السلام کا ہمصر ہے، یا اُن کے بعد ہوا ہے، اس بناء پر غالب قیاس یہی ہے کہ کتاب یوشع کا مؤلف داؤد علیہ السلام کے بعد ہوا ہے، اور چونکہ اکثریت کا قول یہ ہوتا ہے، اور وہ بلا دلیل یہ دعویٰ کرتی ہے کہ یہ یوشع علیہ السلام کی تصنیف ہے، اس لئے ہم دوسرے لوگوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اکثریت کی جانب متوجہ ہوتے ہیں، کہتے ہیں کہ یہ دعویٰ چند وجہ سے باطل ہے،

پہلی اور دوسری وجہ پہلی وجہ تو یہی ہے جو پہلی دلیل کے تحت توریت کے حال میں بیان ہو چکی ہے، اور دوسری وجہ وہ جو چوتھی دلیل کے تحت توریت کے حالات میں مذکور ہوئی،

تیسری وجہ اس میں بکثرت ایسی آیتیں موجود ہیں جو یقینی طور پر یوشع علیہ السلام کا کلام نہیں ہو سکتا، بلکہ بعینہ جملے اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ مؤلف یا تو داؤد علیہ السلام کا ہمصر ہے یا پھر اُن کے بعد ہوا ہے، پہلے بھی معلوم ہوا ہے اور آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ ناظرین کو باب ۳ مقصد ۲ میں یہ آیات نظر پڑیں گی، عیسائی علماء محض تخمینہ اور اندازہ کی بناء پر کہتے ہیں کہ یہ کسی نبی کے لمحات میں سے ہے، یہی

۱۔ اس میں بھی کتاب یا شجر کا حوالہ دے کر ایک مرتبہ ذکر کیا گیا ہے، جو حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف منسوب ہے۔ ۱۲ تفسیر

۲۔ یعنی اکثریت کا دعویٰ کہ یہ حضرت یوشع علیہ السلام کی طرف منسوب ہے ۱۲

۳۔ یعنی اصل کتاب تو یوشع علیہ السلام کی تھی، بعد میں ایک دو آیتیں کسی نبی نے بڑھا دیں ۱۲

قطعی غلط اور بلا دلیل ہے، اس کے لئے جب تک کوئی دلیل الحاق کی موجود نہ ہو قابلِ عمت نہیں ہو سکتا، بلکہ یہ جملے اس امر کی کافی اور پوری دلیل ہوں گے کہ یہ پوشیح کی تصنیف نہیں ہے،

اس کتاب کے باب ۱۳ آیت ۲۴ و ۲۵ میں یوں کہا گیا ہے :-
چوتھی وجہ ”اور موسیٰ علیہ السلام نے جد کے قبیلہ یعنی بنی جاد کو ان کے گھروں

کے مطابق میراث دی، اور ان کی سرحد یہ تھی، یجزیر اور جلعاد کے سب شہر اور بنی عمون کا آدھا ملک عروعر تک جو ربیعہ کے سامنے ہے“

اور استثناء باب میں ہے کہ:

”خداوند نے مجھ سے کہا... اور جب تو بنی عمون کے قریب جا پہنچے تو ان کو مست سنانا، اور نہ ان کو چھیڑنا، کیونکہ میں بنی عمون کی زمین کا کوئی حصہ تجھے میراث کے طور پر نہیں دوں گا اس لئے کہ میں نے اے بنی لوط کو میراث میں دیا ہے“

پھر اسی باب میں ہے کہ:

”خداوند ہمارے خدا نے سب کو ہمارے قبضہ میں کر دیا، لیکن بنی عمون کے ملک کے نزدیک“
 غور کیجئے دونوں کتابوں کے بیان میں کس قدر تناقض اور اختلاف پایا جا رہا ہے؟

اگر یہ مشہور توریت موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف ہے جیسا کہ ان کا دعویٰ ہے تو یہ امر کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ پوشیح اس کی مخالفت کریں، اور ایسے معاملہ میں غلط بیانی کریں جو ان کی موجودگی میں پیش آیا تھا، بلکہ یہ بات کسی دوسرے الہامی پیغمبر کی جانب سے بھی ممکن نہیں ہے،

لہٰذا کیونکہ پہلی کتاب میں تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی عمون کا آدھا ملک تقسیم کر دیا، جس کا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ملک حضرت موسیٰ کے پاس تھا، اور دوسری کتاب میں معلوم ہوتا ہے کہ یہ آپ کو حوالہ ہی نہ کیا گیا تھا ۱۲ تفرقی

کتاب القضاۃ کی حیثیت

اب کتاب القضاۃ جو تیسرے درجہ کی کتاب شمار ہوتی ہے اس کا حال سنئے، کہ اس میں بڑا زبردست

اختلاف موجود ہے، نہ تو اس کے مصنف کا کوئی پتہ نشان ملتا ہے، نہ اس کی تصنیف کا زمانہ ہی معلوم ہوتا ہے، کچھ عیسائیوں کا خیال تو یہ ہے کہ وہ فینخاس کی تصنیف ہے، بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ حزقیہ کی تصنیف ہے، ان دونوں صورتوں میں یہ کتاب الہامی نہیں ہو سکتی، کچھ لوگوں کا دعویٰ ہے کہ یہ ارمیا کی تصنیف ہے، کچھ کی رائے یہ ہے کہ عزرائیل کی تصنیف ہے، اور عزرا اور فینخاس کے درمیان ۷۰۰ سال سے بھی زیادہ فصل پایا جاتا ہے،

اس لئے اگر عیسائیوں کے پاس اس کی کوئی سند موجود ہوتی تو اس قدر شدید اختلاف پیدا نہ ہوتا، یہودیوں کے نزدیک یہ سب اقوال غلط ہیں، مگر وہ بھی انکل بچ محض قیاس کی بنیاد پر اس کو سموتیل علیہ السلام کی جانب منسوب کرتے ہیں، اس طریقہ سے اُس کے بارے میں پھر انہیں پیدا ہو گئیں،

اس کے بعد کتاب راعوت جو چوتھے درجہ کی کتاب کتاب راعوت کا حال ہے اس میں بھی سخت اختلاف پایا جاتا ہے، بعض کا

خیال ہے کہ وہ حزقیہ کی تصنیف ہے، اس صورت میں الہامی نہ ہوگی، بعض کے نزدیک عزرائیل کی تصنیف ہے، یہودی اور تمام مسیحی کہتے ہیں کہ یہ سموتیل کی تصنیف ہے،

۱۔ کیونکہ فینخاس اور حزقیہ میں سے کوئی نبی نہیں، مؤخر الذکر یہوداہ کا بادشاہ تھا، اسی کے زمانہ میں حضرت شعبا علیہ السلام ہوئے ہیں (۲۔ سلاطین، باب ۱۸ و تواریخ باب ۳۲) ۱۲

۳۔ ہماری کتب مقدسہ از میٹلی، ص ۱۷۹،

۴۔ ہماری کتب مقدسہ، ص ۱۸۴، ۱۲

کتاب کی تصویب ہیرلڈ مطبوعہ ۱۸۴۷ء جلد ۷ صفحہ ۲۰۵ میں ہے کہ :-

بائبل کے مقدمہ میں جو ۱۹۱۹ء میں اسٹار برگ میں طبع ہوا ہے لکھا ہے کہ کتاب

راعوت گھریلو قصے اور لغو کہانیاں ہیں، اور کتاب یونس قصوں کی کتاب ہے ۔

یعنی ایک غیر معتبر قصہ ہے اور غیر صحیح کہانی ہے،

اس کے بعد کتاب نحمیا کو لیجئے، کہ اس میں بھی اسی قسم کا
کتاب نحمیا کا حال

اختلاف پایا جاتا ہے، اکثر لوگوں کا پسندیدہ قول یہ ہے کہ نحمیا

کی تصنیف ہے، اہٹھائی شیش اور اپنی فائیس ہریریز اسٹم وغیرہ کی رائے ہے کہ یہ عزرا کی

تصنیف ہے، پہلی صورت میں یہ کتاب الہامی نہیں ہو سکتی، اسی طرح باب ۱ کی

بتدائی ۲۶ آیات نحمیا کی تصنیف کی طرح نہیں ہو سکتیں، اور نہ آیات کا کوئی بہترین

رابط اس مقام کے قصے پایا جاتا ہے،

نیز اس کتاب کی آیت ۲۴ میں دارا شاہ ایران کا بھی ذکر کیا گیا ہے، حالانکہ وہ

نحمیا کی وفات سے ایک سو سال بعد گذرا ہے، مقصد ۲ میں آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ

عیسائیوں کے مفسرین مجبور ہو کر اس کے الحاقی ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں، عربی مترجم

نے تو اس کو ساقط ہی کر دیا ہے،

اس کے بعد کتاب ایوب کا حال سینہ کے لائق ہے، اس کی حالت

کتاب ایوب تو دوسری تمام کتابوں کی بہ نسبت بہت بدتر ہے، اس میں ۲۷

آیتیں

(پ ۳۱۵ء م ۲۰۲ء) مشہور پیشپ ہر، اور اسے

St. Epiphanius

۱۵

بائبل کا بڑا عالم مانا جاتا ہے، اس کی کچھ تصانیف تا حال پائی جاتی ہیں ۱۲ تقی

۱۵ کیونکہ پہلے گیارہ بابوں میں تو مکمل کا صیغہ تھا اس میں نحمیا کیلئے غائب کا صیغہ ہے، اور نحمیا حاکم اور عزرا کا ہن کے دونوں

اعتبار سے اختلاف پایا جاتا ہے، اور رب تعالیٰ ویز جو علماء یہودی میں زبردست شخصیت کا مالک ہے، اور میکائلس و لیکرک اور سنلر و استناک وغیرہ عیسائی علماء کا تو یہ اصرار ہے کہ ایوب ایک فرضی نام ہے، اور اس کی کتاب باطل کہانی اور جھوٹے قصہ سے لبریز ہے، تھیوڈور نے بھی اس کی بڑی مذمت کی ہے، فرقہ پروٹسٹنٹ کا مقتدی لو تھر کہتا ہے کہ ”یہ کتاب خالص افسانہ اور کہانی ہے“

یہ اقوال تو موافقین کے تھے، مخالفین کا کہنا ہے کہ اس کا مصنف متعین نہیں ہے مختلف اشخاص کی جانب برسنار قیاس منسوب کی جاتی ہے، اور اگر ہم یہ فرض بھی کر لیں کہ یہ الیہو کی یا کسی بچہل الاسم شخص کی تصنیف ہے، جو منسا کا معاصر تھا، تب بھی اس کا الہامی ہونا ثابت نہیں ہوتا، یہ کافی اور کامل دلیل ہے اس امر کی کہ اہل کتاب کے پاس کوئی سند متصل اپنی کسی کتاب کی موجود نہیں ہے، غرض کہ دیکھنے کی تمام تر بنیاد محض تخمینہ اور قیاس ہے،

اب زبور کا حال سنئے، تو اس کی کیفیت بھی کتاب ایوب کی کتاب زبور ہے، کسی مکمل سند سے یہ امر ثابت نہیں ہوتا کہ اس کا مصنف فلاں شخص ہے، اور نہ تمام زبوروں کے یکجا کئے جانے کا زمانہ معلوم ہوتا ہے اور

۱۔ رب اور ربی Ribbi یہودی علماء کہتے ہیں ۱۲
۲۔ سب نسخوں میں یہ عہود ہی مذکور ہے، مگر جی ٹی میٹلی لکھتا ہے ”لو تھر کا خیال ہے کہ یہ حقیقی تاریخ ہے“ (ہماری کتب مقدسہ ص ۱۲) بلکہ فرقہ پروٹسٹنٹ اس کتاب کو بائبل میں شمار کرتا ہے اس کا بھی یہی ہوتا ہے کہ اس کے نزدیک کتاب درست ہے۔ یہیں مصنف حمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد کی بنیاد معلوم نہیں ہو سکتی
۳۔ الیہو Elihu ابن بر اکیل بوزی ان لوگوں میں سے ہے جن کا مکالمہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اس کتاب میں مذکور ہے ملاحظہ ہو حاشیہ ص ۹۱، اس کا ذکر اسموئیل ۱ میں بھی ہے ۱۲

یہ تحقیق ہوتی ہے کہ اس کے نام الہامی ہیں یا غیر الہامی، قدامت مسیحین نے اس کے مصنف کے بارہ میں اختلاف کیا ہے، آریجن، کریزاسٹم، اگسٹائن، انبروس اور یوہن مکیس وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ یہ پوری کی پوری داؤد علیہ السلام کی تصنیف ہے، پلیری، اہتانی شین جیروم، یوسی بیس وغیرہ نے اس کا سختی سے انکار کیا ہے، اور تردید کی ہے، ہورن کہتا ہے کہ پہلا قول قطعاً غلط ہے، بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ بعض زبوریں مقابین کے زمانہ میں تصنیف کی گئی ہیں،

مگر یہ قول بھی کمزور ہے، دوسرے فریق کی رائے کی بناء پر ہمیں زبوروں سے زیادہ ایسی ہیں جن کے مصنف کا نام معلوم نہیں ہے، اور وہ زبوریں ۹۰۰ لغاتیہ ۹۹ موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف کردہ ہیں، اور ۱۷ زبوریں داؤد علیہ السلام کی تصنیف ہیں اور زبور نمبر ۸۸ ہیمان کی تصنیف ہے، اور زبور نمبر ۸۹ اہتان کی مصنفہ ہیں، اور زبور نمبر ۷۲ اور نمبر ۷۱ سلیمان کی تصنیف ہے، اور تین زبوریں جدوہن کی تصنیف ہیں ۱۲۰۰ زبوریں اساف کی تصنیف کردہ ہیں، مگر بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ زبور نمبر ۷۳ ۷۴ ۷۵ اس کی تصنیف

۱۷ Enschius فلسطین کا بشپ تھا سلسلہ میں پیدا ہوا، اور اپنی تاریخ کلیسا

History of the Christian Church کی وجہ سے مشہور ہے، سلسلہ میں انتقال ہوا ۱۲

۱۸ ہیمان ازراخی Heman the Ezrahite اپنے زمانہ میں مشہور حکیم تھا

جیسا کہ ۱ سلاطین ۳۳ سے معلوم ہوتا ہے ۱۲

۱۹ ایان ازراخی، یہ بھی ہیمان کی طرح حکیم تھا ۱۰ سلاطین ۳۳ ۱۲

۲۰ اس کا نام اردو میں یثوتون Jeduthun مذکور ہے اور کہتے ہیں کہ یہ حضرت داؤد کا مشہور مغنی تھا

اس کا ذکر ۱ تواریخ ۱۶ و ۲۵ میں آیا ہے، زبور نمبر ۳۹ ۶۲ ۷۳، ان کی طوط نسبت ہے ۱۲

۲۱ اس کا نام اردو میں آصف Asaph بن برکیاہ ہے، ۱ تواریخ ۱۶ کی روایت ہے کہ انہیں

نہیں ہیں، اور ازبوریں قوج کے تین بیٹوں کی تصنیف ہیں، بعض کا خیال ہے کہ ان کا مصنف ایک دوسرا ہی شخص تھا، جس نے ان زبوروں کو ان کی جانب منسوب کر دیا، اور بعض نے زبوریں دوسرے شخص کی تصنیف کی ہوتی ہیں،

کامتہ کہتا ہے کہ وہ زبوریں جو داؤد علیہ السلام کی تصنیف ہیں وہ صرف ۴۵ ہیں، باقی زبوریں دوسروں کی تصانیف ہیں،

متقدمین علماء یہود کا بیان یہ ہے کہ یہ زبوریں مندرجہ ذیل اشخاص کی تصنیف ہیں۔ آدم، ابراہیم، موسیٰ، آصف، ہیمان، جدوتہن، قوج کے تینوں بیٹے، داؤد نے صرف ان کو ایک جگہ جمع کر دیا، گویا ان کے نزدیک داؤد کی حیثیت صرف جامع کی ہے، وہ کسی زبور کے مصنف نہیں ہیں،

ہورن کہتا ہے کہ متاخرین علماء یہود اور جلمہ عیسائی مفسرین کا فتویٰ یہ ہے کہ یہ کتب مندرجہ ذیل اشخاص کی تصنیف ہے، موسیٰ، داؤد، سلیمان، آصف، ہیمان، اتھسان، جدوتہن، قوج کے تین بیٹے۔

یہی اختلاف زبوروں کے یک جا جمع کئے جانے میں پایا جاتا ہے، بعض کا خیال ہے کہ داؤد کے عہد میں جمع کی گئیں، اور کچھ لوگوں کی رائے یہ ہے کہ حزقیاہ کے زمانہ میں ان کے احباب نے جمع کیا تھا، بعض کی رائے یہ ہے کہ مختلف زمانوں میں جمع کی گئی ہیں۔ اسی طرح زبوروں کے ناموں میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے، بعض کے نزدیک الہامی ہیں، بعض کا قول ہے کہ کسی شخص نے جو نبی نہیں تھا اس کو ان ناموں کے ساتھ موسوم کیا،

تنبیہ زبور نمبر ۲، آیت نمبر ۴۰ ترجمہ فارسی مطبوعہ ۱۸۲۵ء میں یوں ہے کہ داؤد بن سبی کی دعائیں تمام ہوتیں۔ اور یہ زبور عربی تراجم میں زبور نمبر ۱، ہے، جس کی وجہ مقدمہ میں معلوم ہو چکی ہے، اور یہ آیت اس میں حذف کر دی گئی ہے، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مترجمین نے اس کو قصداً ساقط کر دیا ہے، تاکہ معلوم ہو سکے کہ کتاب زبور پوری کی پوری داؤد علیہ السلام کی تصنیف ہے، جیسا کہ پہلے فرقہ کی رائے ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ یہ آیت دوسرے فرقہ کی جانب الحاق کی گئی ہو، بہر صورت تحریف ضرور کی گئی ہے، خواہ کمی کر کے یا اضافہ کی صورت میں،

امثال سلیمان کتاب امثال سلیمان کی حالت بھی بڑی سقیم ہے، کچھ لوگوں نے تو دعویٰ کیا ہے کہ تمام کتاب سلیمان علیہ السلام کی تصنیف ہے، مگر یہ دعویٰ اس لئے باطل ہے کہ مختلف محاورات کا موجود ہونا اور جملوں کا تکرار اس کی تردید کر رہا ہے، اسی طرح باب ۳۰ دا کی آیت ۱ بھی اس کا انکار کرتی ہے، اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اس کا کچھ حصہ سلیمان علیہ السلام کا تصنیف کردہ ہے، تو بظاہر صرف ۲۹ باب انکی تصنیف شمار کئے جاسکتے ہیں، اور یہ ابواب بھی اُن کے زمانہ میں جمع نہیں کئے گئے، اس لئے کہ اُن میں سے پانچ باب یعنی نمبر ۲۵ لغایہ ۲۹ حزقیاء کے دستوں نے جمع کئے تھے، جیسا کہ باب نمبر ۲۵ کی آیت نمبر ۱ اس پر دلالت کرتی ہے، اور یہ تدوین سلیمان علیہ السلام کی وفات سے ۲۷۰ سال بعد ہوئی ہے،

۱ صفحہ ۱۱ ج ۱ لے عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۶۵ء میں یہ عبارت زبور نمبر ۲، ہی میں موجود ہے ۱۲
 ۲ باب کا عنوان ہو "یاقہ کے بیٹے آجور کے پیغام کی باتیں" اور باب ۳۱ کا عنوان ہے "لمّا امل بادشاہ کے پیغام کی باتیں جو اس کی ماں نے اسے سکھائیں" ۱۲
 ۳ عنوان یہ بھی سلیمان کی امثال ہیں جن کی شاہ یہوداہ حزقیاء کے لوگوں نے نقل کی تھی ۱۲

بعض کی رائے یہ ہے کہ اس کتاب کے ابتدائی ۹ باب سلیمان علیہ السلام کی تصنیف نہیں ہیں، جیسا کہ عنقریب آپ کو مخالطہ نمبر ۲ کے جواب میں مفسر آدم کلارک کے حوالہ سے معلوم ہو جائے گا، اور باب ۳۰ آجور کی تصنیف ہے، اور باب ۳۱ لموتیل کا تصنیف کردہ ہے لیکن مفسرین کو آج تک یہ تحقیق نہ ہو سکا کہ یہ دونوں کون تھے، کب تھے؟ نہ ان دونوں کی نبوت متحقق ہے، مگر یہ لوگ اپنی عادت کے مطابق محض قیاساً کہتے ہیں کہ وہ نبی تھے، مگر محض ان کا قیاس مخالف کے لئے حجت نہیں ہو سکتا،

بعض کا خیال یہ ہے کہ لموتیل، سلیمان علیہ السلام ہی کا نام ہے، مگر یہ غلط ہے، اس لئے کہ ہنری داسکاٹ کی تفسیر کے جامعین نے یوں کہا ہے کہ :-

”ہولڈن نے اس قیاس کی تردید کی ہے کہ لموتیل سلیمان علیہ السلام کا نام تھا اور ثابت کیا ہے کہ یہ کوئی دوسرا شخص ہے، شاید ان کو کوئی ایسی کافی دلیل مل گئی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ کتاب لموتیل اور کتاب آجور الہامی ہیں، ورنہ وہ قانونی کتابوں میں کیسے داخل ہو سکتی ہیں۔“

اس میں یہ کہنا کہ شاید ان کو کوئی کافی دلیل مل گئی ہو، مردود و باطل ہے، کیوں کہ ان کے متقدمین نے بہت سی ایسی کتابوں کو قانونی کتابوں میں داخل کیا ہے جو ان کے نزدیک مردود و باطل ہیں، اس لئے ان کا کوئی فعل حجت نہیں ہو سکتا، جیسا کہ اس فصل کے آخر میں آپ کو معلوم ہو گا،

آدم کلارک اپنی تفسیر جلد ۳، صفحہ ۱۲ و ۲۵ میں کہتا ہے کہ :-

”لہ پادری مینلی لکھتے ہیں کہ آجور اور لموتیل کے بارے میں جنہوں نے ان کی تدوین کی کچھ بھی معلوم

نہیں“ (دہاری کتب مقدسہ، ص ۲۱۸) ۱۲

”اس دعویٰ پر کوئی دلیل قائم نہیں ہے کہ موسیٰ سے مراد سلیمان علیہ السلام ہی ہیں اور یہ باب اُن کے زمانہ کے عرصہ دراز بعد لاحق کیا گیا، اور اکثر چالڈی زبان کے محاورات جو اس کے شروع میں پائے جاتے ہیں، وہ اس دعویٰ کی دلیل نہیں ہو سکتے، نیز باب ۱۳ کی نسبت یوں کہتا ہے،

”یہ باب یقینی طور پر سلیمان کی تصنیف نہیں ہو سکتا۔“

باب ۲۵ کی آیت یوں ہے کہ:-

”یہ بھی سلیمان علیہ السلام کی امثال ہیں جن کی شاہ یہوداہ حزقیاہ کے لوگوں نے نقل کی تھی“

باب ۳ آیت ۱۰ تراجم فارسی نسخہ مطبوعہ ۱۸۳۸ء میں یوں ہے کہ:-

”این ست کلمات آجور بن یا قہ یعنی مقالات کہ از برائے ایشیل بلک برائے ایشیل داو کاں بر زبان آورد“

نسخہ مطبوعہ ۱۸۲۵ء میں یہ الفاظ ہیں:-

”کلمات اکور پریا قہ یعنی دجی کہ آن مزد بہ ایشیل داو قال بیان کرد“

اور اکثر ترجمے مختلف زبانوں کے اُس کے موافق پائے جاتے ہیں، عربی ترجمے اس سلسلہ میں مختلف ہیں، ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۱۱ء کے مترجم نے اس کو حذف کر دیا ہے اور ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۳۱ء و ۱۸۴۴ء کے دونوں مترجموں نے یوں ترجمہ کیا ہے:-

”فلنہ اقوال الجامع بن القای الرویا التي تكلم بها الرجل الذي الله معه واذا كان الله معه ايده“

Chaldee کلدستان کے باشندے جو زبان بولتے تھے، اردو بائبل میں اسے ”کسڈی“ زبان کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

م اردو میں کلدانی کے نام سے مشہور ہے،

ترجمہ یہ جامع کے اقوال ہیں جو آقاؐ کا بیٹا ہے، وہ خواب جو اس شخص نے بیان کیا جس کے ساتھ اللہ ہے اور جب اس کے ساتھ اللہ ہے تو اس نے اس کی مدد کی ہے۔
ملاحظہ کیجئے عربی تراجم کس قدر مختلف ہیں،

نیز باب ۳۱ آیت امیں یوں ہے کہ۔

”مُوئیل کے خواب کے وہ کلمات جن کے ذریعہ اس کی ماں نے اس کو تعلیم دی“

ہمارے بیان کو سمجھ لینے کے بعد یہ بات آپ کے ذہن نشین ہو گئی ہوگی کہ کتاب امثال سلیمان کی نسبت یہ دعویٰ کرنا کیسی طرح بھی ممکن نہیں کہ یہ پوری کتاب سلیمان علیہ السلام کی تصنیف ہے، اور نہ یہ کہ وہ اس کے جامع تھے، اس لئے جمہور نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ بہت سے اشخاص نے جیسے حزقیاء، اشعیاء اور شاید عزرائل نے بھی اس کو جمع کیا ہے،

جہاں تک کتاب واعظ کا تعلق ہے اس میں بھی شدید ترین اختلاف پایا جاتا ہے، کچھ لوگوں کی رائے یہ ہے کہ یہ سلیمان علیہ السلام کی تصنیف ہے اور رب قحی جو بڑا مشہور یہودی عالم ہے اس کا قول یہ ہے کہ یہ اشعیاء علیہ السلام کی

کتاب واعظ

لہ یہ عبارت اپنی نشست کے اعتبار سے عجیب م کی ہے، اندازہ سے ترجمہ کیا گیا ہے جس اختلاف بہر حال ظاہر ہو جاتا ہے ۱۲

۱۵ ہمارے عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۶۵ء کے الفاظ عام ترجموں کے کچھ مطابق ہیں کہ ”کلام اجور بن متقیہ مسا، وگن ہذا الرجل الی ایشیل الی ایشیل واکال“ اس میں ”متقیہ“ کا لفظ عام ترجموں کے خلاف اور ”مسا“ کا لفظ ان سے زیادہ ہے ۱۲

۱۵ یہ عربی عبارت ترجمہ ہی، مطبوعہ اردو ترجمہ کی عبارت ہم بلکہ چپے ہیں ۱۲ تقی

صنیف کردہ ہے، تائیمود کے علماء کہتے ہیں کہ یہ حزقیاہ کی تصنیف ہے، کرڈٹیس کہتا ہے
 کہ ایک شخص زردیابل نے یہ کتاب اپنے بیٹے کے لئے جس کا نام ابلی ہود ہے تصنیف کی
 تھی، مسیحی عالم جہان اور بعض جرمنی علماء کہتے ہیں کہ یہ کتاب یہودیوں کی بابل کی قید سے
 آزاد ہونے کے بعد تصنیف کی گئی ہے،

زرقیل کا دعویٰ ہے کہ یہ انٹیوکس ایسی فینس کے عہد میں لکھی گئی ہے، اور یہودیوں نے
 بابل کی قید سے رہا ہونے کے بعد اس کو ابہامی کتابوں سے خارج کر دیا تھا، مگر بعد میں وہ پھر
 ان کتابوں میں شامل کر لی گئی،

اس کی حالت تو بہت ہی ابتر ہے، بعض کا خیال اس کی نسبت
 ہے کہ سلیمان علیہ السلام کی تصنیف یا نکلے کسی معاہدہ کی ڈاکٹر کنی کاٹا اور بعض متاخرین کی

یہ کہ یہ دعویٰ کرنا کہ یہ سلیمان علیہ السلام کی تصنیف ہے قطعی اور طمان کیونکہ یہ انکی ذات سے عرصہ دراز بعد لکھی گئی ہے پادری تھیوڈور جو
 پچیسویں صدی میں گذرا ہے، وہ اس کتاب کی اور کتاب ابوب کی شدید مذمت کرتا ہے، سین اور لیٹرک اس
 کی سچائی کو تسلیم نہیں کرتے تھے، وشتن کہتا ہے کہ یہ ناجائز گانا، بجانا ہے، کتب مقدسہ
 سے اس کا خارج کیا جانا ضروری ہے، بعض متاخرین نے بھی یہی فیصلہ کیا ہے، سملر کا
 قول ہے کہ یہ کتاب جعلی ہے، وارڈ کیٹھولک کہتا ہے کہ کاسلی یور نے فیصلہ کیا ہے کہ اس کتاب
 کو عہد عتیق کی کتابوں سے خارج کر دیا جائے، کیونکہ یہ ناپاک گانا ہے،

تھیوڈوشن کے یونانی ترجمہ، اسی طرح لاطینی ترجمہ اور ردمن کیٹھولک
 کتاب انی ایل کے تمام ترجموں میں تیسرے باب کے اندر تین بچوں کا گانا ہے، اور

۱۲ تائیمود Taimud یہودیوں کی مشہور کتاب ہے جس میں عہد نامہ قدیم سے مستنبط احکام و قوانین ہیں

۱۳ دیکھئے حاشیہ نمبر ۳۲۶، ۱۴ تھیوڈوشن Theodotion ایک مشہور عبرانی مسیحی

عالم جس نے دوسری صدی عیسوی میں ایک یونانی ترجمہ تیار کیا تھا، ہماری کتب مقدسہ

باب ۱۳ ادب ۱۴ بھی موجود ہے، اور فرقہ کیتھولک اس گانے اور دونوں مذکورہ ابواب کو تسلیم کرتا ہے، مگر فرقہ پروٹسٹنٹ اس کی تردید و تکذیب کرتا ہے،

اس کے مصنف کا کوئی حال معلوم نہیں ہوتا، اور نہ تصنیف کے زمانہ کا کتاب آستر پتہ چلتا ہے، بعض عیسائیوں کا خیال ہے کہ یہ اُن علماء کی تصنیف ہے جو

عزرائہ کے عہد سے سین کے زمانہ تک ہوئے ہیں،

فلو یہودی کا قول یہ ہو کہ یہ یہو یا کین کی تصنیف کردہ ہے، جو یسوع کا بیٹا تھا، اور بابل کی قید سے آزاد ہو کر آیا تھا،

اگسٹائن کہتا ہے کہ یہ عزرائہ کی تصنیف ہے، بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ مرد کے اور استیر کی مصنفہ ہے، اس کے بقیہ حالات باب مقصد شاہد میں انشاء اللہ معلوم ہونگے،

اس کتاب کا باب ۵۲ یقینی طور پر ارمیا علیہ السلام کی تصنیف نہیں ہو سکتا، اسی طرح باب ۱۰ کی آیت ۱۱ اُن کی نہیں ہو سکتی، پہلی تو

اس لئے کہ باب ۵۱ کی آیت ۶۴ ترجمہ فارسی مطبوعہ ۱۸۳۵ء میں یوں کہا گیا ہے: ”کلمات یرمیاہ تابدیں جا اتمام پذیرفت“

اور ترجمہ فارسی مطبوعہ ۱۸۴۵ء کے الفاظ یہ ہیں: ”کلمات یرمیاہ تابدینجا بست“ ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۴۴ء میں ہے کہ ”یہاں تک ارمیاہ کا کلام تھا“

۱۔ چنانچہ پروٹسٹنٹ بائبل میں یہ کتاب صرف ۱۲ ابواب پر مشتمل ہے ۲۔ یہ یہودی علماء میں سے ہو پ ۲۰ ق م ۳۰ م سن ۷۰۰ء اور پ ۱۰۰۰ء کا عصر ہے (بائبل ہینڈ بک) ۳۔ تمام نسخوں میں ایسا ہی ہے، لیکن یہ درست نہیں کیونکہ یہو یا کین، یہو یقیم کا بیٹا تھا، یسوع کا نہیں یہ بابل کی جلاد طنی کے وقت بادشاہ ہوا تھا، اور تین مہینے سلطنت کر کے، (دیکھئے ۲ سلاطین ۲۴ و ۲۵) ۴۔ مطبوعہ اردو ترجمہ کا لفظ ”یرمیاہ“ کی باتیں یہاں تک ہیں: چنانچہ باب ۵ کی پہلی آیت میں ہے ”اسکی ما

دوسری یعنی باب ۱۰ کی آیت ۱۱ اس لئے کہ یہ آیت خصوصیت کے ساتھ کسدی زبان میں ہے اور اسی تمام کتاب عبرانی زبان میں ہے، یہ پتہ نہیں چلتا کہ کس شخص نے ان دونوں کو لاحق کیا ہے؟ مسیحی مفسرین محض ظن و قیاس کی بنیاد پر دعویٰ کرتے ہیں کہ شاید فلاں فلاں اشخاص نے لاحق کیا ہوگا، ہنری واسکاٹ کی تفسیر کے جامعین اس باب کی نسبت کہتے ہیں کہ:-
 معلوم ہوتا ہے کہ عزرائیل کسی دوسرے شخص نے اس باب کو ان پیش آنے والے واقعات کی پیشگوئیوں کی توضیح کے لئے جو گزشتہ باب میں بیان ہوئی ہیں اور ان کے مرتبہ کی وضاحت کے لئے لاحق کیا ہے۔

ہورن جلد ۴ صفحہ ۱۹۵ پر کہتا ہے کہ:-

”یہ باب ارمیہ کی وفات کے بعد اور بابل کی قید سے آزادی کے بعد لاحق کیا گیا، جس کا ذکر تھوڑا سا اس باب میں بھی موجود ہے“

پھر اسی جلد میں کہتا ہے کہ:-

”اس رسول کے تمام ملفوظات سوائے باب کی آیت ۷ عبرانی زبان میں ہیں، اور یہ آیت کسدیوں کی زبان میں ہے۔“

پادری ڈنکا کہتا ہے کہ:- ”یہ آیت الحاقی ہے۔“

فرقہ کیتھولک کے پیشوا کارکرن اور علماء پروٹسٹنٹ میں سے وارن
کتاب اشعیاء کے درمیان مناظرہ ہوا، یہ مناظرہ ۱۸۵۲ء میں آگرہ میں طبع بھی ہو چکا

ہے، کارکرن اپنے تیسرے خط میں لکھتا ہے:-

”مشہور فاضل جرمنی اسٹاہلن کہتا ہے کہ کتاب اشعیاء کے باب ۴۰ اور اس کے بعد

۱۲ کسدرستان کے رہنے والوں کو کسدی کہا جاتا ہے اور انہی کی طرف یہ زبان منسوب ہے، بخت نصر اس قوم کا تھا۔“

ابواب نمبر ۶۹ تک ان کی تصنیف نہیں ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ ۲۷ ابواب اُن کی تصنیف نہیں ہیں،

اناجیل اربعہ کی اصلیت

انجیل متی لو قمارقس

آپ کو عنقریب مقصود، شاہد ۸ میں معلوم ہوگا کہ فتوہ مارقس
یسوعی سب کے سب اور بے شمار متاخرین اتفاق رائے

کے ساتھ کہتے ہیں کہ انجیل متی عبرانی زبان میں تھی، مگر عیسائی فرقوں کی تحریف و جہ سے وہ ناپید
ہو گئی، موجودہ انجیل صرف اس کا ترجمہ ہے، مگر اس ترجمہ کی اسناد بھی اُن کے پاس
موجود نہیں، یہاں تک کہ یقینی طور پر اس کے مترجم کا نام بھی آج تک نہیں معلوم ہو سکا
صرف اندازہ اور قیاس سے کہتے ہیں، کہ شاید فلاں فلاں اشخاص نے اس کا ترجمہ کیا ہے،
جو مخالف کے لئے حجت نہیں ہو سکتا، اور اس قسم کے قیاس سے مصنف تک اس کی سند
ثابت نہیں کی جاسکتی، مقدمہ کے نمبر ۷ میں آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ میزان الحق کا مصنف

۱۷ یہاں اس بات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، کہ عہد قدیم کی کتابیں پر وٹسٹنٹ فرقہ کے نزدیک ۳۸

ہیں، اور مشہور مورخ یوسیفس تقریباً سنہ ۱۰۰ء میں لکھتا ہے ”ہمارے پاس صرف ۲۲ کتابیں ہیں جن میں زمانہ
ماضی کے تمام حالات مندرج ہیں اور الہامی تسلیم کی جاتی ہیں“ (بحوالہ ہماری کتب مقدسہ از پادری مینیلی
ص ۴۷) عیسائی حضرات تین کو ایک تو قرار دیتے ہی تھے، اب ۳۸ کو ۲۲ بھی قرار دینے لگے، اور اُن انیس
کو بائیس ثابت کرنے کے لئے عجیب تاویلات کرتے ہیں کہ ”انبیاء صغیر کی بارہ کتب کو ایک، عزرا اور
نحیہ کو ملا کر ایک، روت اور قضاہ کو ملا کر ایک، اور یرمیاہ اور نوحہ کو ملا کر ایک شمار کیا جائے تو ۲۲ ہو جاتے
ہیں، اس مضحکہ خیز حرکت کو دیکھ کر ہم اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں کہ اللہ انھیں ہدایت فرماتے،

بھی باوجود اپنے پورے تعصب کے اس انجیل کی نسبت کسی سند کے بیان کرنے پر قادر نہ ہو سکا،
بلکہ محض قیاس سے یہ کہا کہ غالباً ہی ہے کہ متی نے اس کو یونانی زبان میں لکھا تھا، مگر بغیر دلیل
اس کا ظن و قیاس مردود ہے، اس لئے یہ ترجمہ واجب التسلیم نہیں ہے، بلکہ قابل رد ہے،
انسائیکلو پیڈیا میں انجیل متی کے بارہ میں یوں کہا گیا ہے کہ:-

یہ انجیل مسیح میں عبرانی زبان میں اور اس زبان میں جو کلدانی اور سریانی کے
درمیان تھی لکھی گئی، لیکن موجودہ صرف یونانی ترجمہ اور عبرانی زبان میں جو آج نسخہ
موجود ہے، وہ اسی یونانی کا ترجمہ ہے؟

وارڈ کیٹھولک اپنی کتاب میں کہتا ہے کہ:-

پیر ورم نے اپنے خط میں صاف صاف لکھا ہے کہ بعض علماء متقدمین انجیل مرقس
کے آخری باب میں شک کرتے تھے، اور بعض متقدمین کو انجیل لوقا باب ۲۴ کی بعض آیات میں
شک تھا اور بعض متقدمین اس انجیل کے پہلے بابوں میں شک کرتے تھے، یہ دونوں ابواب فرقہ مارسیونی کے نسخہ
محقق نورٹن اپنی کتاب مطبوعہ بوسٹن ۱۸۳۷ء کے صفحہ پر انجیل مرقس کی نسبت کہتا ہے:-
”اس انجیل میں ایک عبارت قابل تحقیق ہے، جو آیت ۹ سے آخری باب کے ختم تک
پائی جاتی ہے، اور کریساخ سے بڑا تعجب ہوتا ہے کہ اس نے اس متن میں عبارت

۱۵ عیسائیوں کا ایک فرقہ ہے جو عہد نامہ قدیم کی کتابوں کو واجب التسلیم قرار نہیں دیتا اور دو خداؤں کا
قائل ہے، ایک خالق خیر اور خالق شر اور عہد قدیم کی کتابیں دوسرے خدا کی بھیجی ہوئی ہیں، عہد جدید کے جن ابواب
میں عہد قدیم کا تذکرہ ہوا ہے یا تو رد کر دیتا تھا، یا اس میں تحریف کرتا تھا، اس فرقہ کا بانی مارسیون تھا، اس
کی نسبت سے اسے مارسیونی کہتے ہیں، (ملخص از ادالۃ الشکوک صفحہ ۱۹۲ و ۱۹۳ بحوالہ لارڈز وغیرہ)
عرب میں اسے مرقیون بھی کہا جاتا ہے

پر شک و تردد کا کوئی علامتی نشان بھی نہیں لگایا، حالانکہ اس کی شرح میں اس کے الحاقی ہونے کے بے شمار دلائل پیش کرتے ہیں۔
اس کے بعد دلائل نقل کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

اس سے ثابت ہوا کہ یہ عبارت مشتبہ ہے، بالخصوص جب کہ ہم کاتبوں کی فطری عادت کو بھی پیش نظر رکھیں کہ وہ عبارت کو خراج کرنے کے مقابلہ میں داخل کرنے کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔

اور کریباخ فرقہ پروٹسٹنٹ کے معتبر علماء میں سے ہے، اگرچہ نورٹن ان کے نزدیک اس پایہ کا شخص نہیں ہے، مگر کریباخ کا قول تو ان پر یقیناً حجت ہے،

اسی طرح پوری طرح سند سے یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ انجیلی یوحنا کی جانب منسوب ہے، وہ اسی کی تصنیف ہے، بلکہ بعض چیزیں ایسی موجود ہیں جو اس کی تردید کرتی ہیں۔

انجیل یوحنا مستند نہیں
اس کے دلائل

پہلی دلیل | گزشتہ دور میں یعنی مسیح علیہ السلام سے قبل اور ان کے بعد تصنیف

طریقہ وہی تھا جو آج مسلمانوں کے یہاں رائج ہے۔ جیسا کہ آپ کو توریت کے احوال میں

کے اندر معلوم ہو چکا ہے۔ اور مزید باب مقصد شائع میں معلوم ہو گا۔ اسی انجیل

قطعی یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ یوحنا اپنا آنکھوں دیکھا حال بیان کر رہے ہیں، اور جس چیز کی شہادت

ظاہر دیتا ہو اس کے خلاف کوئی بات نہیں مانی جا سکتی، تاوقتیکہ اس پر کوئی مضبوط

قوی دلیل نہ ہو،

دوسری دلیل | اس انجیل کے باب ۲۱ آیت ۲۴ میں اسی طرح ہے کہ:-

یہ وہی شاعر ہے جو ان باتوں کی گواہی دیتا ہے اور جس نے

ان کو لکھا ہے، اور ہم جانتے ہیں کہ اس کی گواہی سچی ہے ؟

یہاں لکھنے والا یوحنا کے حق میں یہ الفاظ کہتا ہے : کہ ”یہ وہ شاگرد ہے جو یہ شہادت دے رہا ہے، اور اس کی شہادت“ (ضمیر غائب کے ساتھ) اور اس کے حق میں نعلم رہم جانتے ہیں، کے الفاظ صیغہ مشکلم کے ساتھ استعمال بتاتا ہے کہ اس کا کاتب یوحنا نہیں ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس دوسرے شخص کو یوحنا کی لکھی ہوئی کچھ چیزیں مل گئی ہیں، جن کو اپنی طرف سے اس نے کچھ حذف و اضافہ کے ساتھ نقل کیا ہے، واللہ اعلم،

تیسری دلیل | دوسری صدی عیسوی میں جب اس انجیل کا انکار کیا گیا، کہ یہ یوحنا کی تصنیف نہیں ہے، اس زمانہ میں اریئوس جو یوحنا کے شاگرد پولیکارپ

کا شاگرد ہو موجود تھا، اس نے منکرین کے جواب میں قطعی یہ نہیں کہا کہ میں نے پولیکارپ سے سنا ہے کہ یہ انجیل یوحنا حواری کی تصنیف ہے، اب اگر یہ انجیل یوحنا کی تصنیف ہوتی

تو پولیکارپ کو اس کا علم ضرور ہوتا، اور یہ بات بہت ہی بعید ہے کہ اریئوس پولیکارپ سے مخفی باتیں اور راز کی چیزیں سنتا ہے اور نقل کرتا ہے، اور اس عظیم الشان اور اہم معاملہ

میں ایک لفظ بھی اپنے استاد سے نہیں سنتا، اور یہ احتمال تو اور بھی زیادہ بعید تر ہے

کہ اس نے سنا ہو مگر بھول گیا ہو، کیونکہ اس کی نسبت یہ معلوم ہے کہ اس کے یہاں

۱۱۰ اریئوس Irenaeus لیون کا مشہور بپ اور عیسائیت کا مسلم الثبوت عالم جو ۱۸۰ء

میں پیدا ہوا اور تقریباً ۱۸۰ء میں وفات پائی، بدعتیوں کے خلاف اس کی کتابیں مشہور ہیں، جن کا لاطینی ترجمہ

تاحال پایا جاتا ہے، (برٹانیکا، ۱۲)

۱۱۰ پولیکارپ Polycarp سمرنے کا مشہور بپ جس نے حواریوں کا زمانہ پایا ہے

تقریباً ۶۹ء میں پیدا ہوا، اور ۱۵۵ء میں وفات پائی، بدعتیوں کے خلاف اس کے کارنامے بھی

معروف ہیں ۱۲ ات

زبانی روایت کا بڑا اعتبار تھا، اور وہ ایسی روایتوں کو بہت محفوظ اور یاد رکھتا تھا، مایوسی پر
اپنی تاریخ مطبوعہ ۱۸۴۷ء کی کتاب ۵ باب ۲۰ صفحہ ۲۱۹ میں آریئوس کا قول زبانی روایتوں کی
نسبت یوں نقل کرتا ہے :-

”میں نے یہ اقوال خدا کے فضل سے بڑے غور سے سنے، اور اپنے سینہ میں لکھے، نہ صرف
کاغذوں پر، اور عصہ دراز سے میری پڑائی عادت ہے کہ میں ہمیشہ ان کو پڑھتا
رہتا ہوں۔“

اور یہ بات اور بھی زیادہ مستبعد ہوگی کہ اس کو یاد تو تھا لیکن مخالفین کے مقابلہ میں
بیان نہیں کیا، اس دلیل سے یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ دوسری صدی عیسوی میں جب
مخالفین نے اس انجیل کو یوحنا کی تصنیف ماننے سے انکار کیا، اور ان کے مقابلہ میں متقدمین
اس کو ثابت نہیں کر سکے، تو یہ انکار ہمارے ساتھ مخصوص نہیں ہے،

نیز آپ کو عنقریب مغالطہ ملے کے جواب میں معلوم ہوگا کہ سلسلے جو بت پرست
مشرک علماء میں سے تھا اس نے دوسری صدی میں ڈنکے کی چوٹ یہ اعلان کیا تھا کہ
عیسائیوں نے اپنی انجیلوں میں تین یا چار مرتبہ تحریف کر ڈالی ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ
اور ایسی تحریف کی کہ مضامین قطعی بدل گئے،

اسی طرح فاسٹس جو فرقہ مانی کیسرکان کا عالم ہے چوتھی صدی میں پکار کر کہتا ہے:

”اے عیسائیوں کا ایک فرقہ، جس کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ خدا جس نے موسیٰ کو توریت اور عبرانی پیغمبروں سے
ہمکلام ہوا معاذ اللہ سچا خدا نہیں بلکہ شیاطین میں سے ایک شیطان ہے، یہ فرقہ عہد جدید کی کتابوں کو مانتا ہے، مگر انہیں
الحاق و تحریف کا قائل ہے، اور ان میں سے جو پسند آتا ہے اسے لے لیتا ہے، باقی کو چھوڑ دیتا ہے، مانی کیسر اس فرقہ کا
بانی ہے (خلاصہ ماخوذ از ازالۃ الشکوک صفحہ ۱۹۴ بحوالہ کتاب الاسناد از لارڈ نور) ۱۲ تقی

یہ بات محقق ہے کہ اس عہد جدید کو نہ تو مسیحؑ نے تصنیف کیا ہے اور نہ حواریوں نے بلکہ ایک گنہگار شخص نے تصنیف کر کے حواریوں اور ان کے ساتھیوں کی جا منسوب کر دیا۔ تاکہ لوگ اس کو معتبر سمجھ لیں، اور عیسیٰؑ کے ماننے والوں کو سخت ایذا میں پہنچائیں تاکہ ایسی کتابیں تصنیف کر ڈالیں جن میں بے شمار اغلاط اور تناقض پائے جاتے ہیں،

کیتھولک ہیرلڈ مطبوعہ ۱۸۴۲ء جلد ۶ صفحہ ۲۰۵ میں یوں لکھا ہے :-

چوتھی دلیل ”اسٹاؤٹن نے اپنی کتاب میں کہا ہے کہ بلا شک و شبہ پوری انجیل یوحنا

اسکندریہ کے مدرسہ کی ایک طالب علم کی تصنیف ہے۔“

ملاحظہ کیجئے ہاسٹاؤٹن کس دلیری کے ساتھ اس انجیل کے یوحنا کے تصنیف نہ ہونے کا اعلان کر رہا ہے، اور کس طرح بڑا گمراہ رہا ہے کہ وہ اسکندریہ کے ایک طالب علم کا کارنامہ ہے،

پانچویں دلیل ”محقق برٹشیندر کہتا ہے کہ :-“

”یہ ساری انجیل، اسی طرح یوحنا کے تمام رسالے اس کی تصنیف قطعی نہیں ہیں، بلکہ کسی شخص نے ان کو دوسری صدی عیسوی میں لکھا ہے۔“

چھٹی دلیل ”مشہور محقق کرڈیش کہتا ہے کہ :-“

”اس انجیل میں ۲۰ ابواب تھے، افسانہ کے گرجے نے اکیسواں باب، یوحنا کی وفات کے بعد شامل کیا ہے۔“

۱۷ ٹکسٹس کا یہ قول مصنف نے اذالۃ الشکوک میں کتاب الاسناد از لارڈز کے حوالہ

سے نقل فرمایا ہے ۱۲ تقی

مراد ہے ۱۲ تقی

Ephesus

۱۷ غالباً افسس

ساتویں دلیل

دوسری صدی عیسوی کے فرقہ وچین اس انجیل کے منکر تھے، اسی طرح یوحنا کی تمام تصانیف کا بھی انکار کرتے تھے،

آٹھویں دلیل

باب مقصد میں آپ کو معلوم ہوگا کہ باب کی ابتدائی آیات کا انکار جہور علماء نے کیا ہے، اور عنقریب آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ آیات سریانی

ترجمہ میں موجود نہیں ہیں، اب اگر اس انجیل کی کوئی سند موجود ہوتی تو ان کے محقق علماء اور بعض فرقے وہ بات نہ کہتے جو انھوں نے کہی ہے، لہذا یہی بات وہی ہے جو فاضل اسٹادلن اور برٹشینڈ کہتے ہیں،

نویں دلیل

اناجیل اربعہ کی تالیف کے زمانہ میں کمزور اور واہیات بلا سند روایات کا رواج تھا، اس سے بھی اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ ان کے پاس ان کتابوں کی کوئی سند نہیں ہے،

ہورن اپنی تفسیر مطبوعہ ۱۸۲۲ء جلد ۴ قسم ۲ کے باب میں کہتا ہے کہ:-

”ہم کو مؤرخین کینسہ کی معرفت اناجیل کی تالیف کے زمانہ کے جو حالات پہنچے ہیں وہ ناقص اور غیر معین ہیں، جن سے کسی معین چیز تک رسائی نہیں ہو سکتی، اور مشائخ متقدمین واہیات روایتوں کی تصدیق کی، اور ان کو قلمبند کر ڈالا، بعد کے آئندہ لوگوں نے ان کی لکھی ہوئی چیزوں کو ان کی تعظیم کی وجہ سے قبول کر لیا، اور یہی چھوٹی روایتیں ایک کاتب سے دوسرے تک پہنچتی رہیں، مدت مدید گزر جانے کی وجہ سے اب ان کی تنقید اور کھرا کھوٹا معلوم کرنا بھی دشوار ہو گیا۔“

پھر اسی جلد میں کہتا ہے کہ

”پہلی انجیل ۳۰۰ء یا ۳۵۰ء یا ۳۷۵ء یا ۳۸۵ء یا ۳۹۵ء یا ۴۰۰ء

میں تالیف کی گئی۔ دوسری انجیل ۵۶ء اور اس کے بعد ۶۵ء تک کسی وقت میں اور غالب یہ ہے کہ ۶۳ء یا ۶۴ء میں تالیف ہوئی، تیسری انجیل ۵۲ء یا ۶۳ء یا ۶۴ء میں تالیف کی گئی، چوتھی انجیل ۶۸ء یا ۶۹ء یا ۷۰ء یا ۷۱ء یا ۷۲ء میں تالیف ہوئی۔

خطوط و مشاہدات

اور رسالہ عبرانیہ اور پطرس کا دوسرا رسالہ، اور یوحنا کا دوسرا تیسرا رسالہ، یعقوب کار سالہ، یہودا کا رسالہ، مشاہدات یوحنا، اور یوحنا کا رسالہ نمبر (۲) کے بعض جملوں کی نسبت حواریں کی جانب بلا دلیل ہے، اور یہ ۳۶۳ء تک مشکوک رہے، اور بعض مذکورہ جملے مردود، اور آج تک جمہور محققین کے نزدیک غلط ہیں، جیسا کہ آپ کو بات ۱ کے مقصد میں معلوم ہو جائے گا، یہ جملے سریانی ترجمہ میں قطعاً موجود نہیں ہیں، نیز عرب کے تمام گرجوں نے پطرس کے دوسرے رسالہ اور یوحنا کے دونوں رسالوں اور یہودا کے رسالہ اور مشاہدات یوحنا کو رد کیا ہے، اسی طرح ان کو سریانی گرجے ابتداء سے آج تک رد کرتے آئے ہیں جیسا کہ غریب آئندہ اقوال میں آپ کو معلوم ہو جائے گا۔

ہورن اپنی تفسیر مطبوعہ ۱۸۲۲ء جلد ۲ صفحہ ۶۲۶ و ۲۰۷ میں کہتا ہے۔

سریانی ترجمہ میں پطرس کا دوسرا رسالہ دیودا کا رسالہ، یوحنا کا دوسرا تیسرا رسالہ۔

اور مشاہدات یوحنا، انجیل یوحنا کے باب ۱ آیت ۲ لغایت ۱۱ اور یوحنا کے رسالہ نمبر

باب ۱ آیت ۷ بھی زبرد نہیں ہیں۔

پھر سریانی ترجمہ کے مترجم نے ان چیزوں کو اس لئے حذف کیا کہ وہ اس کے نزدیک

ثابت اور معتبر نہ تھیں، چنانچہ وارڈ کیفولک اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۴۱ء کے صفحہ ۳۷ میں کہتا ہے کہ۔

”فرقہ پر وٹسٹنٹ کے بہت بڑے عالم راجس نے اپنے فرقہ کے ان بہت سے علماء کا

ذکر کیا ہے جنہوں نے مندرجہ ذیل کتابوں کو تہوٹی سمجھ کر کتب مقدسہ سے خارج کر دیا۔

رسالہ عبرانیہ، یعقوب کا رسالہ، یوحنا کا دوسرا تیسرا رسالہ، یہود کا رسالہ، مشاہدات یوحنا

ڈاکٹر پلیس فرقہ پر وٹسٹنٹ کا زبردست عالم کہتا ہے کہ۔

”تمام کتابیں یوسی یوس کے عہد تک واجب تسلیم نہیں ہیں“

اور اس امر پر اصرار کرتا ہے کہ۔

”یعقوب کا رسالہ، پطرس کا دوسرا رسالہ، یوحنا کا رسالہ نمبر ۲ و ۳ حواریوں کی تصنیفات

نہیں ہیں، نیز عبرانی رسالہ عرصہ دراز تک مردود رہا، اسی طرح سریانی گرجوں نے پطرس

کے رسالہ نمبر ۲، یوحنا کے رسالہ نمبر ۲ و ۳ اور یہود کے رسالہ اور کتاب المشاہدات کو

واجب تسلیم نہیں مانا، یہی کچھ حالت عجب کے گرجوں کی تھی، مگر ہم تسلیم کرتے ہیں۔“

لارڈنرا اپنی تفسیر کی جلد ۴ صفحہ ۵۷۵ میں کہتا ہے کہ۔

”سریل اور اسی طرح اورشلیم کے گرجے اپنے زمانہ میں کتاب المشاہدات کو تسلیم نہیں

کرتے تھے، اس کے علاوہ اس کتاب کا نام بھی اس قانونی فہرست میں نہیں پایا جاتا

جو اُس نے بھی تھی“

پھر صفحہ ۳۲۳ میں کہتا ہے۔

”مشاہدات یوحنا قدیم سریانی ترجمہ میں موجود نہیں تھی، نہ اُس پر باری برلوس نے

یا یعقوب نے کوئی مشرح لکھی، ایبڈ جسوف نے بھی اپنی فہرست میں پطرس کے

رسالہ نمبر ۲ اور یوحنا کے رسالہ نمبر ۲ و ۳ اور رسالہ یہود اور مشاہدات یوحنا کو چھوڑ دیا

ہے، یہی راستے دوسرے شریانیوں کی بھی ہے“

کیٹھولک تھیرلڈ مطبوعہ ۱۸۲۲ء جلد ۶ صفحہ ۲۰۶ میں ہے کہ :-

”وہ نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۶۱ میں لکھا ہے کہ بہت سے پرڈسٹنٹ محققین، کتاب المشاہدات کو واجب تسلیم نہیں مانتے، اور پرڈ براؤوالڈ نے مضبوط اور قوی شہادت سے ثابت کیا ہے کہ یوحنا کی انجیل اور اس کے رسالے اور کتاب المشاہدات ایک مصنف کی تصانیف ہرگز نہیں ہو سکتیں۔“

یوسی ہیوس اپنی تاریخ کی کتاب نمبر ۱ باب ۲۵ میں لکھتا ہے :-

”دیونیشس کہتا ہے کہ بعض متقدمین نے کتاب المشاہدات کو کتب مقدسہ سے خارج کر دیا ہے، اور اس کے رد میں مبالغہ کیا ہے، اور کہا ہے کہ یہ سب بے معنی اور جہالت کا بہت بڑا پردہ ہے، اور اس کی نسبت یوحنا حواری کی جانب غلط فہمی، اس کا مصنف نہ تو کوئی حواری ہو سکتا ہے، نہ کوئی نیک شخص، اور نہ کوئی عیسائی اس کی نسبت یوحنا کی جانب درحقیقت ایک بددین اور ملحد شخص سرن تھسن نے کی ہے، مگر میں اس کو کتب مقدسہ سے خارج کرنے کی طاقت نہیں رکھتا، کیونکہ بہت سے بھائی اس کی تعظیم کرتے ہیں، جہاں تک میری اپنی ذات کا تعلق ہے میں یہ تو تسلیم کرتا ہوں کہ یہ کسی الہامی شخص کی تصنیف ہے، مگر یہ بات آسانی سے نہیں مان سکتا کہ یہ شخص حواری تھا، اور زبدی کا بیٹا، یعقوب کا بھائی، اور انجیل کا مصنف تھا، بلکہ اس کے برعکس محاورات و خیرہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حواری ہرگز نہیں ہو سکتا نہ اس کا مصنف، وہ یوحنا ہو سکتا ہے جس کا ذکر کتاب الاعمال میں کیا گیا ہے، کیونکہ اس کا ایشیا میں آنا ثابت نہیں ہے، بلکہ یہ یوحنا کوئی دوسری شخصیت ہے جو ایشیا کا باشندہ ہے، شہر آفسوس میں دو قبریں موجود ہیں جن پر یوحنا کا نام لکھا ہوا

عبارت اور مضمون سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ انجیل والا یوحنا اس کتاب کا مصنف نہیں ہے، کیونکہ انجیل اور اس کے رسالہ کی عبارت یونانیوں کے اسلوب کے مطابق بڑی پاکیزہ ہے، اس میں کچھ مشکل الفاظ کی بھرمار نہیں ہے، اس کے برعکس مشاہدات کی عبارت یونانی محاورات کے قطعی خلاف ہے، اس میں تمانوس اسلوب استعمال کے گویا ہیں، نیز حواری اپنا نام کہیں بھی ظاہر نہیں کرتا، نہ انجیل میں اور نہ رسالہ عامہ میں، بلکہ اپنے کو متکلم یا نائب کے صیغہ سے تعبیر کرتا ہے، اور مقصود کو بغیر کسی تہید کے شروع کرتا ہے، اس کے برعکس اس شخص نے باب میں یسوع مسیح کا وہ مکاشفہ لکھا ہے جو اللہ نے اس کو اس لئے عطا کیا تھا تاکہ اپنے بندوں کو وہ چیزیں جن کا عفرتب ہونا ضروری ہے ظاہر کرے، اور اس نے اپنے فرشتہ کو بھیج کر اس کی معرفت اپنے بندے یوحنا پر ظاہر کی۔

اور چونکہ آیت میں ہے کہ ”یوحنا کی جانب سے ان سات کلیساؤں کے نام“ آیت نمبر ۹ میں ہے ”میں یوحنا جو تمہارا بھائی اور یسوع کی مصیبت اور بادشاہی اور صبر میں تمہارا شریک ہوں“

باب نمبر ۲۲ آیت نمبر ۸ میں لکھا ہے کہ ”میں وہی یوحنا ہوں جو ان باتوں کو سنتا اور دیکھتا تھا“ ان آیتوں میں لکھنے والے نے حواریوں کے طریقے کے خلاف اپنے نام کو ظاہر کیا ہے۔

۱۵ یہ کتاب مکاشفہ باب اول آیت کی عبارت ہے ۱۲ تعنی

۱۵ یعنی یوحنا حواری کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے نام کو ظاہر نہیں کرتے جیسا کہ انجیل یوحنا اور عام خط میں ہے

مگر یہ شخص ظاہر کر رہا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ یوحنا صاحب انجیل نہیں کوئی اور ہے ۱۲ تعنی

یہ جواب تو کسی طرح بھی قابل قبول نہیں، کہ اس موقع پر حواری نے اپنے نام کا اظہار
اپنی عادت کے خلاف اس لئے کیا ہوتا کہ اپنا تعارف کرائیں، کیونکہ اگر تعارف
مقصود ہوتا تو اپنے نام کے ہمراہ کوئی ایسی خصوصیت ذکر کرتا جو اس کو شخص اور
متعین کرتی، مثلاً یہ کہتا کہ ”یوحنا بن زبدي“ یا ”یعقوب کا بھائی“ یا ”یوحنا اپنے رب کا
محبوب مرید“ وغیرہ وغیرہ، بجائے کسی خصوصی وصف ذکر کرنے کے ایک عام صفت
”تمھارا بھائی“ یا ”تمھارا شریک غم“ اور ”شریک صبر“ ذکر کرتا ہے، ہم یہ بات مذاق
کے طور پر نہیں کہہ رہے ہیں، بلکہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم دونوں شخصوں کی عبارت
اور طرز کلام میں جو زبردست تفاوت پایا جاتا ہے اس کو واضح کریں۔
نیز یوسی بیوس نے اپنی تاریخ کتاب ۳، ۳ میں تصریح کی ہے:-

”پطرس کا رسالہ ۱۷ سچا ہے، البتہ دوسرا رسالہ کسی زمانہ میں بھی کتب مقدسہ میں
داخل نہیں ہو سکا، مگر پولس کے ۱۴ رسالے ضرور پڑھے جاتے ہیں، اور کچھ لوگوں نے
رسالہ عبرانیہ کو خراج کر دیا ہے۔“

پھر کتاب مذکور کے باب ۲۵ میں تصریح کرتا ہے کہ:-

”اس امر میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ رسالہ یعقوب، رسالہ یہودا اور پطرس کا رسالہ ۱۷
اور یوحنا کا رسالہ نمبر ۲۳ بحیل الون لکھے ہوئے ہیں، یا کسی دوسرے اشخاص کے جو اپنی ناموں
سے موسوم تھے، اور یہ بات سمجھ لی جانی چاہئے کہ اعمال پولس اور بائبل اور مشاہدات
پطرس اور رسالہ برنیا اور ردہ کتاب جس کا نام السٹیڈیشن حواریں ہے یہ سب جعلی
اور منترعی کتابیں ہیں، اور اگر ثابت ہو جائے تو مشاہدات یوحنا کو بھی ایسا ہی شمار
کرنا چاہئے۔“

نیز اپنی تاریخ کی کتاب باب ۲۵ میں آریجن کا قول رسالہ عبرانیہ کے حق میں یوں نقل کیا ہے :-

”وہ حال جو لوگوں کی زبانوں پر مشہور ہے یہ ہے کہ بعض کے نزدیک اس رسالہ کو روم کے پشپ کلیمنٹ نے لکھا ہے، اور کچھ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ اس کو لوقا نے ترجمہ کیا ہے۔“

ارنیس پشپ لیس جو ۸۷ء میں گذرا ہے، اور پشپ پولیس جو ۲۲۷ء میں گذرا ہے، اور روم کا بڑا پادری نو تیس جو ۲۵۷ء میں گذرا، انھوں نے اس کا اصل سے انکار کیا ہے، ٹرولین، کارتھیج کا بڑا پادری متوفی سنہ ۲۷۷ء کہتا ہے کہ یہ برنیا کا رسالہ ہے، روم کے پادری کیس متوفی ۳۱۲ء نے پولس کے رسالوں کو ۱۳ شمار کیا ہے اور اس رسالہ کو شمار نہیں کیا، سائی پرین، کارتھیج کا لاٹھ پادری متوفی ۳۷۸ء بھی اس رسالہ کا ذکر نہیں کرتا، اور سیرانی گرجا آج تک پطرس کے رسالہ نمبر ۲ اور یوحنا کے رسالہ نمبر ۲ و ۳ کو تسلیم کرنے سے منکر ہے، اسکا لچر کہتا ہے کہ جس شخص نے پطرس کا رسالہ نمبر ۲ لکھا، اس نے اپنا وقت ضائع کیا،

یوسی بوس اپنی تاریخ کی کتاب ۲ باب ۲۳ میں یعقوب کے رسالہ کی نسبت یوں کہتا خیال یہ ہے کہ یہ رسالہ جعلی اور منسخری ہے، مگر بہت سے متقدمین نے اس کا ذکر کیا

۱۲ ۱۵۷ء تا ۲۲۷ء

CLEMENT OF ROME

۱۵ Tertullian یہ پہلا شخص تھا جس نے مسیحی نوشتوں کو عہد جدید کے نام سے

موسوم کیا اور اسے عہد عین کی کتابوں کی طرح الہامی سطح پر رکھا (بائبل بینڈیکٹ،

۱۵ شرح کے لئے دیکھئے حاشیہ ص ۲۷۴،

ہے، اور یہی خیال ہمارا یہود کے رسالہ کی نسبت بھی ہے، مگر بہت سے گرجوں میں اس پر بھی عمل درآمد ہوتا ہے۔

بیخ بائبل مطبوعہ ۱۸۵۷ء میں کہا گیا ہے کہ:-

”کردتیں کہتا ہے کہ یہ رسالہ یعنی یہود کا رسالہ اس پادری کا ہے جو ایڈرین کے دور سلطنت میں اور شلیم کا پندہ ہواں پادری تھا۔“

در یوسی یوس اپنی تاریخ کی کتاب نمبر ۱ باب ۲۵ میں کہتا ہے کہ:-

”آریجن نے انجیل یوحنا کی شرح کی جلد ۵ میں کہا ہے کہ پولس نے تمام گرجوں کو کچھ نہیں لکھا، اور اگر کسی گرجے کو لکھا ہے تو صرف دو یا چار سطریں لکھی ہیں۔“

آریجن کے قول کے مطابق وہ تمام رسالے جو پولس کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں وہ اس کی تصنیف نہیں ہیں، بلکہ جعلی اور مندرجہ ذیل ہیں، جن کی نسبت اُس کی جانب کر دی گئی ہے، اور شاید دو چار سطروں کی مستداران رسالوں میں بھی پولس کے کلام کی موجود ہوگی، ان اقوال میں غور کرنے کے بعد آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ فاسٹس کا یہ قول کہ:-

”اس عہد جدید کو نہ مسیح علیہ السلام نے تصنیف کیا ہے اور نہ حواریوں نے بلکہ ایک مجہول نام شخص نے تصنیف کر کے حواریوں اور ان کے ساتھیوں کی جانب منسوب کر دیا ہے۔“

بالکل سچا اور درست ہے، جس میں ذرا بھی شبہ کی گنجائش نہیں ہے، اور اس سلسلہ میں اس کی رائے قطعی صحیح ہے، ادھر آپ کو فصل اول میں یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ یہ چھ رسالے اور کتاب مشاہدات ۱۸۳۳ء تک شکوک اور مردود چلے آتے تھے، اور

اور جن کو نائٹس کی اس بڑی مجلس نے بھی جو شہ ۳۲۵ء میں منعقد ہوئی تھی تسلیم نہیں کیا تھا۔ پھر یہ چھ رسالے لوڈیشیا کی مجلس منعقدہ ۳۶۲ء نے قبول کی سند دیدی، مگر کتاب مشاہدات اس مجلس میں بھی مردود و مشکوک ہی رہی، جو کار تھج کی مجلس منعقدہ ۳۹۷ء میں تسلیم کر لگی۔ ان دونوں مجلسوں کا ان کتابوں کو تسلیم کر لینا حجت نہیں ہو سکتا، اول تو اس لئے کہ ہر مجلس کے علماء نے کتاب یہودیت کو تسلیم کیا تھا، اور لوڈیشیا کی مجلس نے کتاب استنباط کے باب ۱۰ کی ۱۰ آیات کو، اور باٹ کے بعد کے چھ بابوں کو تسلیم کیا تھا، اور کار تھج کی مجلس کے علماء نے کتاب دانش و کتاب طبویا اور کتاب باروخ اور کتاب پند کلیسا اور کتاب المقائین کو تسلیم کیا تھا، اور بعد کی ہونے والی تینوں مجلسوں نے ان کتابوں کی نسبت ان کے فیصلہ کو تسلیم کیا تھا،

اب اگر ان کا فیصلہ دلیل و برہن کی بنیاد پر ہوتا تب تو ان سب کو تسلیم کرنا ضروری تھا، اور اگر بلا دلیل تھا جیسا کہ حقیقت ہے تو سب کا رد کرنا ضروری تھا، پھر تعجب ہے کہ فرقہ پر دسٹنٹ ان کا فیصلہ ان ۶ رسائل اور کتاب المشاہدات کی نسبت تسلیم کرتا ہے، اور دوسری کتابوں کے متعلق ان کے فیصلہ کو رد کر دیتا ہے، خصوصاً کتاب یہودیت کی نسبت، جس کے تسلیم کرنے پر تمام مجلسوں کا کامل اتفاق رہا، کتاب استنباط کے علاوہ دوسری مردود کتابوں کی نسبت ان کا یہ عذر لنگ کسی طرح مفید نہیں ہو سکتا کہ ان کی اصل معدوم ہو گئی تھی، کیونکہ جیسرو کہتا ہے کہ اس کو یہودیت کا اصل نسخہ، اور طبویا کا اصل مسودہ ڈیک زبان میں اور مقابلاً کی پہلی کتاب کا اصل نسخہ، اور کتاب پند کلیسا کی اصل عبرانی زبان میں ملی ہیں، اور ان کتابوں کا ترجمہ ان اصلی کتب سے کیا گیا ہے، اس لئے ان کے لئے لازم ہے کہ ان کتابوں

کو تسلیم کر لیں جن کے اصل نسخے حیر دم کو دستیاب ہوئے، اسی طرح اُن کے لئے ضروری ہے کہ وہ انجیل متی کو بھی تسلیم نہ کریں، کیونکہ اس کی اصل بھی گم ہو چکی تھی، دوسرے اس لئے کہ ہورن کے استرار سے ثابت ہو چکا ہے کہ اُن کے متقدمین کے یہاں روایات کی چھان بین اور تنقید نہیں کی جاتی تھی، اور وہ بے اصل اور وہیات روایتوں کو بھی مانتے اور تسلیم کر لیتے تھے اور لکھ لیتے تھے، بعد میں آنے والے انکی پیروی کرتے جاتے، تو غالب یہی ہے کہ ان مجالس کے علماء تک بھی ان کتابوں کی بعض روایات ضرور پہونچی ہوں گی، اور انھوں نے صدیوں تک اُن کے مردود رہنے کے بعد اُن کو تسلیم کر لیا،

تیسرے اس لئے کہ کتب مقدسہ کی پوزیشن عیسائیوں کی نگاہ میں قوانین انتظامی ملک کی طرح ہے، ملاحظہ فرمائیے،

۱۔ یونانی ترجمہ ان کے بزرگوں کے یہاں حواریوں کے زمانہ سے پندرہویں صدی تک معتبر چلا آ رہا تھا، اور عبرانی نسخوں کی نسبت اُن کا عقیدہ تھا کہ وہ تحریف شدہ ہیں

کتب مقدسہ کی حیثیت
قوانین انتظامات کی سی ہے

اور صحیح بھی یونانی ہے، اس کے بعد پوزیشن بالکل برعکس ہو جاتی ہے، اور جو محرف تھا وہ صحیح اور جو صحیح تھا وہ محرف اور غلط قرار دیا جاتا ہے، جس سے اُن کے سارے بزرگوں کی جہالت پر روشنی پڑتی ہے،

۲۔ کتاب دانیال ان کے اسلاف کے نزدیک یونانی ترجمہ کے موافق معتبر تھی مگر جب آرجین نے اس کے غلط ہونے کا فیصلہ کر دیا تو سب نے اس کو چھوڑ کر تھیوڈوش

تھیوڈوش Theodotion ایک عبرانی عالم تھا، جس نے دوسری صدی عیسوی میں

مروجہ عبرانی متن سے ایک ترجمہ تیار کیا تھا، یہ ترجمہ ہفتادی ترجمہ کے بعد پہلا ترجمہ ہے ۱۲ ت

کا ترجمہ قبول کر لیا،

۳۔ اسی تیس سالہ سو اسی صدی تک تسلیم شدہ چلا آ رہا تھا، جس پر سترھویں صدی میں اعتراضات کئے گئے، اور تمام علماء پروٹسٹنٹ کے نزدیک وہ جھوٹا قرار پا گیا۔
۴۔ لاطینی ترجمہ کیتھولک کے نزدیک معتبر اور پروٹسٹنٹ کے یہاں غیر معتبر اور محرف ہے،

۵۔ پیدائش کی کتاب سنیر پندرہویں صدی تک معتبر اور صحیح شمار کی جاتی تھی پھر وہی سو اسی صدی عیسوی میں غلط اور جعلی قرار دیدی گئی،
۶۔ عزرائیل کی کتاب کو گریک گرجا آج تک تسلیم کئے جا رہا ہے، اور فرقہ پروٹسٹنٹ اور کیتھولک دونوں نے اس کو مردود بنا رکھا ہے، سلیمان علیہ السلام کی زبور کو ان کے اسلام تسلیم کرتے رہے، اور ان کی کتب مقدسہ میں وہ لکھی جاتی رہی، بلکہ آج تک کوڈکس اسکندریانوس میں موجود ہے، مگر اس زمانہ میں اس کو جعلی شمار کیا جاتا ہے۔ امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ عیسائی لوگ اپنی تمام کتابوں کے جعلی اور فرضی ہونے کا اہم آہستہ اعتراف کر لیں گے،

اس پورے بیان سے آپ کو واضح ہو گیا ہو گا کہ عیسائیوں کے پاس نہ تو عہد عتیق کی کتابوں کی کوئی سند متصل موجود ہے، اور نہ عہد جدید کی کتابوں کی، اور جب کبھی اس سلسلہ میں ان پر مضبوط گرفت کی جاتی ہے تو یہ بہانہ بناتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام نے عہد عتیق کی کتابوں کے سچا ہونے کی شہادت دی تھی، اس شہادت کی صحیح پوزیشن اور پوری حقیقت انشاء اللہ تفصیل سے آپ کو باب ۲ کے مغالطہ کے جواب میں معلوم ہو جائیگی

۱۔ کوڈکس C A D E X انگریزی میں نسخہ کو کہتے ہیں، اسکندریانوس کی روایت سے یہ نسخہ کوڈکس کے

دوسری فصل

بائبل اختلافات اور غلطیوں سے لبریز ہے

اختلافات

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لَوُجِدَ وَافِيَةً اخْتِلَافًا كَثِيرًا

پہلا اختلاف جو شخص کتاب حزقیال کے باب ۲۵ و ۲۶ کا مقابلہ کتاب گنتی کے باب ۲۸ و ۲۹ سے کرے گا وہ احکام میں صاف و صریح اختلاف پائے گا،

دوسرا اختلاف کتاب یوشع کے باب ۱۳ اور کتاب استثناء کے باب ۲ میں جو بنی جان کی میراث کے بیان میں ہے صریح اختلاف موجود ہے، ان میں سے

ایک بیان یقینی طور پر غلط ہے، جیسا کہ آپ کو کتاب یوشع کے احوال میں فصل ۲ کے اندر معلوم ہو چکا ہے،

۱۵ اس قسم میں مصنف نے ۱۲۴ واضح اختلافات بیان فرمائے ہیں جو یکے بعد دیگرے آپ کے سامنے آرہے ہیں،

۱۶ ان دونوں مقامات پر قربانی کے احکام کا تذکرہ ہر اور اس کی تفصیلات میں اختلاف ہے،

۱۷ دیکھئے صفحہ ۳۲۳ ج ۱ مع حاشیہ،

تیسرا اختلاف

کتاب تواریخ اول کے باب ۷ و ۸ میں بنیامین کی اولاد کی نسبت، اور سفر پیدائش کے باب ۴۶ کے درمیان اختلاف موجود ہے، یہودی نصاریٰ کے علماء نے اصرار کیا ہے کہ پہلی کتاب کا بیان اس سلسلہ میں غلط ہے، جیسا کہ باب ۲ کے مقصد میں معلوم ہوگا،

کتاب تواریخ اول کے باب کی آیات ۲۹ تا ۳۵ میں اور باب ۹ کی آیات ۳۵ تا ۴۴ کے درمیان

چوتھا اختلاف اور آدم کلارک کا اعتراف

ناموں کے اختلاف پایا جاتا ہے، آدم کلارک اپنی تفسیر کی جلد ۲ میں کہتا ہے:-
 علماء یہود کا دعویٰ ہے کہ عزرا کو دو کتابیں دستیاب ہوئی تھیں جن میں یہ جملے
 ناموں کے اختلاف کے ساتھ موجود تھے، مگر وہ یہ شناخت نہ کر سکا کہ ان دونوں
 میں کون بہتر ہے، اس لئے اس نے دونوں کو نقل کر دیا۔

سفر سموئیل ثانی کے باب ۲۴ آیت ۹ میں یوں ہے:-

پانچواں اختلاف

”یوآب نے مردم شماری کی تعداد بادشاہ کو دی، سو اسرائیل میں
 آٹھ لاکھ بہادر مرد نکلے، ہوشیشیر زن تھے، اور یہودا کے مرد پانچ لاکھ نکلے۔“

۱۵ اس کا کچھ حصہ صفحہ ۱۰۹ اور اس کے حاشیہ میں گزر چکا ہے،

۱۵ اختلاف کے لئے یہ تفصیل ملاحظہ فرمائیے، متضاد الفاظ پر خط کھینچ دیا گیا ہے:- باب اور جدور اور
 انیو اور زکر (۲۱) اور مقلوت سے سماہ پیدا ہوا (۳۲) اور ساؤل سے یہوتن (۲۳) بن میکاہ فیتون اور ملک اور
 تاریخ (۳۶)۔ باب اور جدور اور انیو اور زکر (۳۷) مقلوت سے سمحام پیدا ہوا (۳۸) اور ساؤل سے یوشن
 (۳۹) میکاہ کے بیٹے فیتون اور ملک اور تاریخ (۴۲)۔
 باب اور آخر سے یوعدہ پیدا ہوا (۳۹) نبیہ کا بیٹا رافہ (۳۷)
 باب اور آخر سے یویرہ پیدا ہوا (۴۲) نبیہ کا بیٹا رافہ (۴۳) ۱۵ یوآب حضرت داؤد علیہ السلام کا سپہ سالار تھا

اس کے خلاف کتاب تواریخ اول کے باب ۲۱ آیت ۵ میں ہے کہ :-

یوآب نے لوگوں کے شمار کی میزان داؤد کو بتائی، اور سب اسرائیلی ۱۱ لاکھ شمشیر زن مرد، اور یہودا کے چار لاکھ ستر ہزار شمشیر زن مرد تھے۔

دونوں عبارتیں بنی اسرائیل اور یہودا کی اولاد کی تعداد میں بڑا اختلاف ظاہر کرتی ہیں، بنی اسرائیل کی شمار میں تین لاکھ، اور یہودا کے لوگوں کی تعداد میں تیس ہزار کا تفاوت پایا جاتا ہے،

سفر سموئیل ثانی باب ۲۴ آیت ۱۳ اس طرح ہے کہ :-

چھٹا اختلاف سو جاد نے داؤد کے پاس جا کر اس کو یہ بتایا، اور اس سے پوچھا، کیا

تیرے ملک میں سات برس قحط رہے؟

اور کتاب تواریخ اول کے باب ۲۱ آیت ۱۲ میں یوں ہے کہ :-

”یا تو قحط کے تین برس“

دیکھتے پہلی عبارت میں سات سال اور دوسری میں تین سال کی مدت بتائی گئی ہے، اور ان کے مفسرین نے پہلے قول کو غلط قرار دیا ہے،

کتاب سلاطین ثانی باب ۸ آیت ۲۶ میں کہا گیا ہے کہ :-

”اخر یاہ بائیس برس کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا“

کتاب تواریخ ثانی کے باب ۲۲ آیت ۲۰ میں یوں ہے کہ :-

”اخر یاہ بیالیس برس کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا“

۱۲ جاد علیہ السلام بقول توراۃ بنی تھے جنہیں غیب بین کے نام سے یاد کیا گیا ہے ۱۲

۱۳ یعنی تین بلاؤں میں سے کوئی ایک تو ہوگی، یا قحط، یا دشمنوں کا تسلط، یا وبا، اس میں سے کسی ایک کو

اختیار کر لو، تو کیا آپ کو یہ منظور رہے کہ ملک ستا سال قحط میں مبتلا ہے یا کچھ اور؟ ۱۳

دیکھئے دونوں میں کس قدر سخت اختلاف ہے، دوسرا قول یقینی طور پر غلط ہے چنانچہ ان کے مفسرین نے اس کا اعتراف کیا ہے، اور غلط کیونکر نہ ہو، جب اُس کے باپ یہورام کی عمر بوقت وفات کل چالیس سال تھی، اور اتریاہ اپنی باپ کی وفات کے بعد فوراً تخت نشین ہو گیا تھا، جیسا کہ گذشتہ باب سے معلوم ہوتا ہے، ایسی صورت میں اگر دوسرے قول کو غلط نہ مانا جائے تو بیٹے کا اپنے باپ سے دو سال بڑا ہونا لازم آتا ہے،

آٹھ یا آٹھارہ؟ آٹھواں اختلاف

کتاب سلاطین ثانی باب ۲۴ آیت ۸ میں کہا گیا ہے:-

”یہو یا کین جب سلطنت کرنے لگا تو آٹھارہ برس کا تھا۔“

اور کتاب تواریخ ثانی کے باب ۳۶ آیت ۹ میں ہے کہ:-

”یہو یا کین آٹھ برس کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا۔“

دونوں عبارتوں میں کس قدر شدید اختلاف ہے، اور دوسری یقیناً غلط ہے، چنانچہ اس کا اقرار ان کے مفسرین نے کیا ہے، اور عنقریب آپ کو باب ۲ مقصد میں معلوم ہو جائے گا،

کتاب سموئیل ثانی باب ۲۳ آیت اور کتاب ملوک

من اخبار الایام کے باب ۱۱ آیت ۱۱ کے درمیان بہت

بڑا اختلاف ہے، آدم کلارک سموئیل کی عبارت کی

نواں اختلاف اور عیسائی

علماء کا اعتراف تحریف

۱۱ میں ہے ”وہ تیس برس کا تھا جب سلطنت کرنے لگا، اور اس نے آٹھ برس یروشلیم میں سلطنت کی“

بلکہ سب نسخوں میں ایسا ہی ہے، مگر یہ غلط ہے، صحیح یہ ہے ”کتاب تواریخ اول باب آیت ۱۱“ کیونکہ یہ عبارت اسی جگہ ہے

۳ سموئیل ۲۳ میں یہ ہے ”اور داؤد کے بہادروں کے نام یہ ہیں، یعنی عموئی یوشیب، بشیت جو سپہ سالاروں

کا سردار تھا، وہی ایزئی ادینو تھا جس سے آٹھ سو ایک ہی وقت میں مقتول ہوئے۔ اور تواریخ ۱۱ اس طرح ہے:-

”اور داؤد کے سرداروں کا شمار یہ ہے یسوعام بن کھبئی جو تیسوں کا سردار تھا۔ اس نے تین سو پانچ بھالا چلایا اور ان کو ایک

شرح کے ذیل میں کہتا ہے کہ۔

”ڈاکٹر کنی کاٹ کا بیان ہے کہ اس آیت میں تین زبردست تخریفیں کی گئی ہیں“

پس اس ایک ہی آیت میں تین اعتلاط موجود ہیں،

سفر سمویل ثانی باب ۵ و ۶ میں تصریح کی گئی ہے کہ ”واؤد“

دسواں اختلاف

علیہ السلام فلسطیوں سے جہاد کرنے کے بعد خدا کا ثبوت

لے کر آتے ”اور کتاب تو ایخ اول کے باب ۱۳ اور ۱۴ میں یہ تصریح موجود ہے کہ

”واؤد علیہ السلام اُن سے جہاد کرنے کے قبل لاتے تھے“ حالانکہ واقعہ ایک ہی ہے

چنانچہ ابواب مذکورہ کے ناظرین پر یہ مٹتی نہیں، لہذا ایک ضرور اُن میں غلط ہے،

کتاب پیدائش باب ۶ کی آیت ۱۹ و ۲۰ اور باب ۷

گیارہواں اختلاف

کی آیات ۸ و ۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

نوح علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ ہر پرندے اور چوپائے اور حشرات الارض میں سے

ایک ایک جوڑا یعنی ایک مرد و سہرا مادہ لے کر کشتی میں رکھ لیں،

مگر باب ۷، آیت ۲ و ۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ ہر حلال

چوپائے اور پرندے سے سات سات جوڑے لیں، چاہے وہ حلال ہو یا حرام، اور

غیر حلال چوپاؤں میں سے دو دو ”غور کیجئے کس قدر شدید اختلاف ہے،

۱۔ باب میں فلسطیوں سے جہاد کا تذکرہ ہے، اور باب ۶ میں صندوق لانے کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے،

۲۔ کتاب سمویل کے بالکل برعکس، اس میں صندوق لانے کا بیعینہ وہی واقعہ باب ۱ میں ذکر کیا گیا ہے، پھر باب ۱۳

میں جہاد کا ذکر ہے،

۳۔ درد و نرا اور مادہ کشتی میں نوح کے پاس گئے جیسا خدا نے نوح کو حکم دیا تھا (۹: ۱)

(۱۰: ۱)

۴۔ کل پاک جانوروں میں سات سات نرا اور انکی مادہ اور انہیں سے جو پاک نہیں ہیں درد و نرا اور انکی مادہ اپنے ساتھ

بارہواں اختلاف کتاب گنتی کے باب اکتیس سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل نے

مدین والوں کو موسیٰ علیہ السلام ہی کی حیات میں ختم کر دیا تھا۔

اور ان میں کا کوئی مرد بالغ یا نابالغ، یہاں تک کہ شیرخوار بچہ بھی باقی نہیں چھوڑا تھا، اور

نہ کسی بالغ عورت کو بقید حیات رکھا، البتہ کنواری لڑکیوں کو اپنی باندھی بنا لیا تھا، اس

کے برعکس کتاب قضاۃ کے باب سے پتہ چلتا ہے کہ مدین کے باشندے قاضیوں کے زمانہ

میں بڑی قوت اور طاقت کے مالک تھے، یہاں تک کہ بنی اسرائیل ان کے سامنے

عاجز اور مغلوب تھے، حالانکہ دونوں زمانوں میں ایک سو سال سے زیادہ کا فصل نہیں

اب غور فرمائیے کہ جب باشندگان مدین عہد موسیٰ میں فنا کر دیئے گئے تھے، پھر

اس قدر قلیل عرصہ میں وہ اتنے زبردست طاقتور کیونکر ہو گئے، کہ بنی اسرائیل پر بھاری

اور غالب ہو گئے، اور سات سال تک ان کو عاجز اور مغلوب رکھا۔

کتاب خروج باب میں ہے۔

اور خداوند نے دوسرے دن ایسا ہی

کیا، اور مصریوں کے سب چوپائے مر گئے

کیا مصریوں کے سب چوپائے

مر گئے تھے؟ تیرہواں اختلاف

لیکن بنی اسرائیل کے چوپایوں میں سے ایک بھی نہ مرا

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصریوں کے تمام جانور مر گئے تھے، پھر اسی باب میں اس کے

لے اور جیسا خداوند نے موسیٰ کو حکم دیا تھا اس کے مطابق انھوں نے مدیانیوں سے جنگ کی

اور سب مردوں کو قتل کیا۔ (۳۱)

۳۲ ان بچوں میں جتنے لڑکے ہیں سب کو مار ڈالو اور جتنی عورتیں مرد کا منہ دیکھ چکی ہیں انکو قتل کر ڈالو (۳۱)

۳۳ اور مدیانیوں کا ہاتھ اسرائیلیوں پر غالب ہوا (۳۲)؛ سو اسرائیلی مدیانیوں کے سبب سے نہایت خستہ حال ہو گئے،

۳۴ آیت ۲۰ تا ۲۱

۳۵ آیت ۶

خلاف یہ بھی کہا گیا ہے کہ:

”سو شرعون کے خادموں میں جو خداوند کے کلام سے ڈرتا تھا وہ اپنے نوکروں اور
چوچاپیوں کو گھر میں بھگالے آیا اور جھفوں نے خداوند کے کلام کا لحاظ نہ کیا، انھوں
نے اپنے نوکروں اور چوچاپیوں کو میدان میں رہنے دیا“

ملاحظہ کیجئے! کتنا زبردست اختلاف ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی
کب ٹھہری؟ چودھواں اختلاف

کتاب پیدائش باب ۸ آیت ۴ میں ہے کہ ۱۔
ساتویں مہینہ کی ستائیسویں تاریخ کو کشتی
آرمینیا کے پہاڑوں پر ٹھہر گئی، اور پانی دسویں

مہینہ تک گھٹتا رہا، اور دسویں مہینہ کی پہلی تاریخ کو پہاڑوں کی چوٹیاں نظر آئیں
ان دونوں آیتوں میں کیسا سنگین اختلاف پایا جاتا ہے، کیونکہ جب پہاڑوں کی چوٹیاں
دسویں مہینہ میں نظر آنا شروع ہوئیں تو پھر ساتویں مہینہ میں آرمینیا کے پہاڑوں پر
کشتی کا ٹھہر جانا کیونکر درست ہو سکتا ہے؟

اختلاف نمبر ۱۵ تا ۲۶
سفر سموئیل ثانی کے باب ۱۸ اور کتاب تواریخ اول
کے باب ۱۸ کے درمیان اصل عبرانی میں بے شمار

اختلافات ہیں، اگرچہ مترجموں نے بعض مقامات پر اصلاح کی ہے، ہم ان کو آدم
کلاک کی تشریح بلذریعہ ذیل عبارت سموئیل سے نقل کرتے ہیں۔

۱۔ سب نسخوں میں یہی الفاظ ہیں، مگر ہم اسے پاس اردو اور انگریزی ترجموں میں الفاظ یہ ہیں۔

”اور ساتویں مہینہ کی سترھویں تاریخ کو کشتی اراراط کے پہاڑوں پر ٹک گئی“ (۱۵)

آیت نمبر	الفاظ کتاب سموئیل ثانی باب ۸	آیت نمبر	الفاظ کتاب تواریخ اول باب ۱۸
۱	داود نے جزیہ کی عنان فلسطیوں کے ہاتھ سے پھین لی،	۱	جات کو اس کے قصبوں سمیت فلسطیوں کے ہاتھ سے لے لیا،
۳	ہدد عسزر	۳	ہدد عسزر
۴	ایک ہزار سات سو سوار	۴	ایک ہزار رتھ اور سات ہزار سوار
۸	اور داود بادشاہ بطاہ اور بیروتی سے جو ہدد عسزر کے شہر تھے بہت سیاتیل لے آیا،	۸	اور ہدد عسزر کے شہروں بلخت اور کونجے داود بہت سا پیتل لایا،
۱۰	یورام	۱۰	ہدد رام
۱۳	ارامیوں	۱۱	ادوم
۱۴	ارامیوں	۱۲	ادومیوں
۱۷	ابی یا ترکا بیٹا ایملک کاہن تھے، اور شرایا ^{۱۷} منشی تھا،	۱۷	اور ایملک بن ابیا ترکاہن تھے اور شوشا ^{۱۷} منشی تھا،

غرض ان دونوں بابوں میں ۱۲ اختلافات موجود ہیں۔

کتاب سموئیل ثانی کے باب ۱۰ میں اور کتاب تواریخ اول اختلاف ۲۷ تا ۳۴ کے درمیان جو اختلاف پایا جاتا ہے عیسائیوں کے مفسرین نے

اس کو بیان کیا ہے :-

۱۔ الطہار الحق کے سب نسخوں میں "جزیہ" کا لفظ ہے، مگر ہمارے پاس سب ترجموں میں "دار الحکومت" کا لفظ مذکور ہے ۱۷
 ۲۔ الطہار الحق میں منقول الفاظ یہ ہیں "ایملک ہرایا الکتاب" جس کا مطلب ہو کہ ایملک اور شرایا دونوں منشی تھے، مگر ہمارے پاس سب ترجموں میں وہ الفاظ ہیں جو ہم نے متن میں ذکر کیے ۱۷

آیت نمبر	الفاظ کتاب سموتیل ثانی باب ۱۰	آیت نمبر	الفاظ کتاب توایخ اول باب ۱۹
۱۶	اور ہدر عزری کی فوج کا سپہ سالار سو بک	۱۶	اور ہدر عزری کا سپہ سالار سو فک
۱۷	سلام میں آیا	۱۷	ان کے قریب پہنچا
۱۸	سات سو رتھوں کے آدمی اور چالیس	۱۸	سات ہزار رتھوں کے سواروں اور چالیس
	ہزار سوار (قتل کر ڈالے)		ہزار پیادوں کو مارا،
۱۸	اور ان کی فوج کے سردار سو بک کو ایسا مارا	۱۸	اور شکر کے سردار سو فک کو قتل کیا

ان دونوں ابواب میں کچھ اختلافات موجود ہیں،

۳۰ ہزار یا ۳۴ ہزار؟
 کتاب سلاطین اول باب ۴۴ آیت ۲۶ میں اس طرح ہے کہ:-
 ”اور سلیمان کے ہاں اس کی رتھوں کے لئے چالیس ہزار تھان
 اور بارہ ہزار سوار تھے“
 اختلاف نمبر ۳۳

اور کتاب توایخ ثانی کے باب ۹ آیت ۲۵ میں یوں ہے کہ:-

”اور سلیمان کے پاس گھوڑوں اور رتھوں کے لئے چار ہزار تھان اور بارہ ہزار سوار تھے“

فارسی اور اردو ترجموں میں بھی اسی طرح ہے، البتہ عربی ترجمہ کے مترجم نے کتاب توایخ کی عبارت کو بدل ڈالا، یعنی ۴ کے لفظ کو ۳۰ سے تبدیل کر لیا،

آدم کلارک مفسر نے کتاب سلاطین کی عبارت کے ذیل میں تراجم اور شرح کا

پہلے اختلاف نقل کیا ہے، پھر کہتا ہے:-

”بہتر یہی ہے کہ ہم ان اختلافات کے پیش نظر تعداد کے بیان میں تحریف واقع ہونے کا

لے ہمارے پاس عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۶۵ء میں ۳ ہزار ہی کا لفظ ہے، ”وكان سليمان اربعة آلاف مذود“ انگریزی ترجمہ

میں بھی ایسا ہی ہے ۱۲

اعتراف کر لیں۔

لٹو، بیل یا ککڑیاں؟ کتاب سلاطین اول کے باب ۷، آیت ۲۴ میں اور کتاب تواریخ
ثانی کے باب ۴، آیت ۳ کے درمیان اختلاف موجود ہے،
آدم کلارک اپنی تفسیر جلد ۲ کتاب تواریخ کی عبارت کی شرح

اختلاف نمبر ۳۴

کے ذیل میں کہتا ہے:-

”بڑے بڑے محققین کی رائے یہ ہے کہ اس موقع پر کتاب سلاطین کی عبارت کو
تسلیم کر لیا جائے، اور یہ ممکن ہے کہ لفظ بقریم بقریم کی جگہ استعمال ہو گیا ہو۔“
حالانکہ ”بقریم“ کے معنی بیل کے ہیں، اور ”بقریم“ کے معنی لٹو ہیں، بہر حال اس مفسر نے
کتاب تواریخ میں تحریف واقع ہونے کا اعتراف کر لیا ہے، اس لئے اس کے نزدیک
کتاب تواریخ کی عبارت غلط ہوتی، ہنرمی واسکاٹ کی تفسیر کے جامعین کہتے ہیں،
”یہاں پر حروف بدل جانے کی وجہ سے سرق پیدا ہو گیا۔“

گیارہ سال کی عمر میں بیٹا کتاب سلاطین ثانی، باب ۱۶ آیت میں یوں ہے کہ:-
”اور جب وہ (یعنی آخر) سلطنت کرنے لگا تو بیس
برس کا تھا، اور اس نے ۱۶ برس یروشلم میں بادشاہی کی۔“

اختلاف نمبر ۳۵

۱۷ ان دونوں مقامات پر حضرت سلیمان علیہ السلام کے بنائے ہوئے ایک حوض کا تذکرہ ہے، اور اس کی کیفیت
بیان کرتے ہوئے کتاب سلاطین میں ہے ”اور اس کے کنارے کے نیچے گرداگرد سوں ہاتھ تک لٹو تھے جو اُسے یعنی بڑے
حوض کو گھیرے ہوئے تھے، یہ لٹو در قطاروں میں تھے، اور جب ڈھالا گیا تب ہی یہ بھی ڈھالے گئے“ (۲۴)
اور کتاب تواریخ میں ہے ”اور اس کے نیچے بیلوں کی صورتیں اس کے گرداگرد تھیں ہاتھ تک تھیں، اور اس بڑے حوض کے
چاروں طرف گھیرے ہوئے تھیں یہ بیل دو قطاروں میں تھے اور اسی کے ساتھ ڈھالے گئے تھے“ (۲۵)
یہ الفاظ اردو اور انگریزی ترجمے کے ہیں، عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۶۵ء میں کتاب تواریخ کے اندر بیلوں کی بجائے

اور کتاب مذکور کے باب ۱۸ آیت ۲ میں اس کے بیٹے حزقیاہ کے حال میں یوں لکھا ہے۔
 ”جب وہ سلطنت کرنے لگا تو پچیس برس کا تھا“

جس سے لازم آتا ہے کہ اس کا بیٹا گیارہ سال کی عمر میں اس سے پیدا ہو گیا، جو عادت کے خلاف ہے۔ اس لئے بظاہر ایک عبارت بالکل غلط ہے، مفسرین نے پہلی عبارت کے غلط ہونے کا اقرار کیا ہے، ہنری واسکاٹ کی تفسیر کے جامعین نے باب ۱ کی شرح کے ذیل میں کہا ہے:-

”غالب یہ ہے کہ بجائے تیس کے بیس لکھا گیا ہے، اس کتاب کے باب ۱ آیت ۲ ملاحظہ کیجئے“

ایضاً، اختلاف نمبر ۳۶ | اسی طرح کتاب تواریخ ثانی کے باب ۲۸ کی آیت ۱ میں اس طرح ہے کہ:-

”آخر میں برس کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا، اور اس نے سولہ برس یرد شلم میں سلطنت کی۔“

اور باب ۲۹ میں ہے:-

”حزقیاہ پچیس برس کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا۔“

یہاں پر بھی ایک عبارت یقیناً غلط ہے، اور بظاہر پہلی عبارت ہی غلط معلوم ہوتی ہوگی۔
 اختلاف نمبر ۳۷، تحریف کا مشورہ | سفر سموئیل ثانی باب ۱۲ آیت ۳ میں، اور کتاب تواریخ اول کے باب ۲۰ آیت ۳ کے

لے کیونکہ پہلی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر چھتیس سال کی عمر میں مرا، اور دوسری عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا بیٹا جو اپنے باپ کی وفات کے فوراً بعد بادشاہ بن گیا تھا، اُس وقت پچیس سال کا تھا، چھتیس میں سے پچیس کو تھنرین کر دیجئے، تو گیارہ بچتے ہیں،

درمیان بہت سا اختلاف پایا جاتا ہے، ہورن نے اپنی تفسیر کی جلد اول میں کہا ہے:-

”کتاب سموئیل کی عبارت صحیح ہے، اس لئے کتاب تواریخ کی عبارت کو بھی اس طرح

بنادیا جائے۔“

معلوم ہوا کہ اس کے نزدیک کتاب تواریخ کی عبارت غلط ہے، غور کیجئے کہ کس بیباکی سے اصلاح اور تحریف کا ارشاد ہو رہا ہے، اور حیرت و تعجب اس پر ہے کہ عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۴ء کے مترجم نے اس کے برعکس کتاب سموئیل کی عبارت کو کتاب تواریخ کی طرح بنا ڈالا، اور انصاف کی بات تو یہ ہے کہ اس میں کوئی بھی تعجب کی بات نہیں ہے، کیونکہ یہ تو ان حضرات کی عادت ثانیہ ہے،

کتاب سلاطین اول باب ۱۵ آیت ۳۳ میں ہے:-

”شاہ یہوداہ تھسا کے تیسرے سال سے اخیاہ کا بیٹا بعشا ترضہ میں

سائے اسرائیل پر بادشاہی کرنے لگا، اور اس نے چوبیس برس

بعشا کا یہوداہ پر حملہ

اڑتیسواں اختلاف

سلطنت کی

اور کتاب تواریخ ثانی باب ۱۶ آیت ۱ میں یوں ہے کہ:-

”اسا کی سلطنت کے چھتیسویں برس اسرائیل کا بادشاہ بعشا یہوداہ پر چڑھا آیا۔“

ان دونوں عبارتوں میں اختلاف ہے، ان میں سے ایک یقینی طور پر غلط ہے، کیونکہ پہلی

لے چنانچہ اس ارشاد پر بعد میں عمل بھی کر لیا گیا، اس وقت جتنے ترجیحے ہمارے پاس موجود ہیں ان سب میں دونوں جگہوں

کا مفہوم بالکل ایک ہے، کتاب سموئیل کے الفاظ یہ ہیں:- ”اور اس نے اُن لوگوں کو جو اس میں تھے باہر نکال کر ان کو اردوں اور

لوہر کے ٹینگوں اور لوہے کے کلہاڑوں کے نیچے کر دیا، اور ان کو اینٹوں کے پرارہ میں چلایا الخ۔“ بالکل یہی مفہوم

کتاب تواریخ میں بھی ہے، صرف آخری جملہ خط کشیدہ، اس میں موجود نہیں۔

بارت کے بموجب بعتاً، آسا کے چھبیسویں سال میں دفات پاچکا، اور آسا کی سلطنت
 کے چھبیسویں سال میں اس کی دفات کو دس سال گزر چکے ہیں، تو پھر اس سال اس کا بیڑا
 حملہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے؟ ہنری واسکاٹ کی تفسیر کے جامعین نے کتاب تواریخ کے
 بابت کے ذیل میں کہا ہے: "ظاہر یہ ہے کہ یہ تاریخ غلط ہے۔"

آشر جو ایک بڑے پائے کا سچی عالم ہے، کہتا ہے کہ:-

یہ سال، یعنی چھبیسوا سال آسا کی سلطنت کا سال نہیں ہے، بلکہ بادشاہت کی تقسیم کا
 سال ہے، جو پوربعام کے عہد میں ہوتی تھی۔"

بہر حال ان علماء نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ کتاب تواریخ کی عبارت غلط ہے یا تو ۶۲ کی
 جگہ ۳۶ کا لفظ لکھا گیا، یا لفظ تقسیم بادشاہت کے بجائے آسا کی بادشاہت لکھا گیا۔
 کتاب تواریخ ثانی کے باب ۱۵ آیت ۱۹ میں ہے کہ:-

تالیسواں ختلاف

اور آسا کی سلطنت کے پینتیسویں سال تک کوئی جنگ نہ ہوئی

بھی سلاطین اول باب ۱۵ آیت ۳۳ کے مخالف ہر جیسا کہ گذشتہ اختلاف میں آپ کو معلوم ہو چکا
 ہے۔ سلاطین اول کے باب ۵ آیت ۱۶ میں نگرانوں
 کی تعداد تین ہزار تین سو اور تواریخ ثانی
 کے باب ۲ آیت ۲ میں ۳۶۰۰ بیان

حضرت سلیمان علیہ السلام کے کتنے
 منصب دار تھے؟ چالیسواں اختلاف

لے کیونکہ اس نے ۲۳ برس سلطنت کی، اور آسا کے بادشاہ ہونے کے دو سال بعد وہ بیٹھا تھا، اس طرح ۲۶
 سال ہوئے، اور سلاطین اول ہی میں ہو کہ بعتاً اپنے باپ دادا کے ساتھ سو گیا۔ (۱۶)، اور شاہ یہود آسا
 کے چھبیسویں سال سے بعتاً کا بیٹا ایلہ، ترصہ میں بنی اسرائیل پر سلطنت کرنے لگا۔ (۱۶)،
 تعارف کے لئے دیکھئے حاشیہ صفحہ ۲۵۳، سلیمان کے تین ہزار تین سو خاص منصب دار تھے، اور تواریخ
 میں ہر تین ہزار چھ سو آدمی ان کی نگرانی کے لئے ٹھہرا دیئے۔ ۱۲

کی گئی ہے، یونانی ترجموں کے مترجموں نے کتاب سلاطین میں تحریف کی، اور تین ہزار چھ سو لکھ ڈالا،

سلاطین اول کے باب، آیت ۲۶ میں ہے:-
”دو ہزار مشکوں کی گنجائش رکھتا تھا“

دو ہزار بت یا تین ہزار مشکے
اختلاف نمبر ۳۱

اور تواریخ ثانی کے باب ۴ آیت میں ہے کہ:-

تین ہزار مشکوں کی گنجائش رکھتا تھا“

اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۸ء میں ہے کہ:-

دو ہزار بت دران گنجند“

اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۵ء میں ہے کہ:-

دو ہزار چشم آب می گرفت“

اور دوسرا جملہ فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۸ء میں ہے کہ:-

سہ ہزار بت دران گنجید“

اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۵ء میں اس طرح ہے کہ:- ”سہ ہزار چشم آب گرفته نگاہ میداشت

ان دونوں عبارتوں میں ایک ہزار کا فرق ہے،

جو شخص کتاب عزراء کے باب کا مقابلہ کتاب
نحمیا کے باب سے کرے گا اکثر مقامات پر دونوں
میں بڑا سخت اختلاف پائے گا، اور اگر ہم اختلاف

بابل کی قیسہ در ہا ہونیوالوں
کی تعداد؟ اختلاف ۴۲

۱۔ یہ عربی سے ترجمہ ہے، مطبوعہ اردو ترجمہ کے الفاظ یہ ہیں اس میں دو ہزار بت کی ساتی تھی ”در۔ سلاطین ۲۶

”اس میں تین ہزار بت کی ساتی تھی“ (۲۔ تواریخ ۴)۔

سے قطع نظر بھی کر لیں تب بھی ایک دوسری غلطی دونوں میں پائی جاتی ہے، وہ یہ کہ دونوں حاصل جمع میں متفق ہیں، اور کہتے ہیں کہ جو لوگ بابل کی قید سے رہائی پانے کے بعد وہاں سے یردشلیم آئے ہیں ان کی تعداد بیالیس ہزار تین سو ساٹھ افسراد تھی، لیکن اگر ہم جمع کریں تو یہ تعداد حاصل نہیں ہوتی، نہ تو عزرا کے کلام میں، اور نہ نحمیا کے کلام میں بلکہ پہلی میں حاصل جمع انتیس ہزار آٹھ سو اٹھارہ اور دوسری میں اکتیس ہزار نو اسی ہوتی ہے اور تعجب یہ ہے کہ یہ متفقہ میزان مورخین کی تصریح کے مطابق غلط ہے، یوسفس اپنی تاریخ کی کتاب نمبر ۱۱ باب میں کہتا ہے:-

”جو لوگ بابل سے یردشلیم آئے ان کا شمار بیالیس ہزار چار سو باٹھ افسراد تھا“
ہنری واسکاٹ کی تفسیر کے جامعین عزرا کی عبارت کی شرح کے ذیل میں کہتے ہیں کہ:-

”اس مقام پر دونوں بابوں میں ناموں کے اختلافات کو چھوڑ کر صرف گنتی کے ہیں اختلافات موجود ہیں، جن میں سے بعض ہم نمونہ کے طور پر ذیل کے نقشہ میں پیش کرتے ہیں، اس میں بابل کی قید سے رہائی پانے والوں کی مردم شماری کی گئی ہے:-“

آیت نمبر	الفاظ کتاب عزرا باب	آیت نمبر	الفاظ کتاب نحمیاہ باب
۶	بنی پخت دو ہزار آٹھ سو بارہ	۱۱	بنی پختوآب دو ہزار آٹھ سو اٹھارہ
۸	بنی زتو، نو سو پینتالیس	۱۳	بنی زتو آٹھ سو پینتالیس
۱۲	بنی عزجاد، ایک ہزار دو سو بائیس	۱۷	بنی عزجاد، دو ہزار تین سو بائیس
۱۵	بنی عدین، چار سو چوٹن	۲۰	بنی عدین، چھ سو پچپن
۱۹	بنی حاشوم، دو سو تینتیس	۲۲	بنی حاشوم، تین سو اٹھائیس
۲۸	بیت ایل اورعی کے لوگ، دو سو تینتیس	۳۲	بیت ایل اورعی کے لوگ، ایک سو تینتیس

”یہ ایک یہودی کاہن تھا اور اپنے عہد کے بادشاہوں کا منظر نظر، اس نے یونانی زبان میں اپنی قوم کی تاریخ لکھی ہے ۱۲“

اس باب میں اور کتاب نمبر ۱ کے باب میں کاتبوں کی غلطی سے بہت بڑا فرق پیدا ہو گیا ہے، اور جب انگریزی ترجمہ کی تالیف کی تصحیح ہوئی، اس کے بہت سے حصوں کی دوسرے نسخوں سے مقابلہ کرنے کے بعد تصحیح کر دی گئی، اور باقی میں یونانی ترجمہ عبرانی متن کی شرح میں متعین ہو گیا۔

اب آپ حضرات غور فرمائیں اُن کی مقدس کتابوں کی یہ حالت ہے، یہ لوگ تصحیح کے پردہ میں ایسی زبردست تحریف کرتے ہیں کہ صدیوں سے تسلیم شدہ چیز ان دلوں میں خس و خاشاک کی طرح بہہ جاتی ہے، اس کے باوجود اغلاط موجود ہیں۔ انصاف کی بات تو یہ ہے کہ یہ کتابیں اصل ہی سے غلط ہیں، تصحیح کرنے والوں کا اس کے سوا کوئی تصور نہیں ہے کہ وہ بچا لے جب عاجز ہو گئے تو انھوں نے ان بے گناہ کاتبوں کے سر ڈال دیا، جن کو اس سازش کی خبر بھی نہیں، اب بھی جو صاحبان دو بابوں میں غور کریں گے تو اعتراضات اور اختلافات کی تعداد بین سے بھی زیادہ ان کو دستیاب ہوگی، آئندہ کا حال خدا جانے کہ وہ کس طرح تحریف کریں گے؟

ابسیاہ کی ماں کون تھی؟
اختلاف ۴۳

اس کی ماں کا نام میکایاہ تھا جو اورمی ایل جبعی کی بیٹی تھی۔

اور باب ۱۱ آیت ۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ماں مغنی ایل سلوم کی لڑکی تھی، اس کے

۱۵ اس وقت بھی انگریزی ترجمہ میں تفسیر یہاں اختلافات موجود ہیں، غور فرمائیے کہ بہت سے حصہ کی تصحیح کے بعد یہ حال ہے تو نہ جانے پہلے کیا عالم ہوگا۔

۱۶ نیز اس سلاطین ۱۵ سے، اس میں ہو کہ اس کی ماں کا نام معکہ تھا جو ابی سلول کی بیٹی تھی ۱۲ ات

برعکس کتاب سموئیل ثانی باب ۱۴ آیت ۲۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابی سلوم کے صرف ایک ہی بیٹی تھی جس کا نام تمر تھا،

اختلاف ۴۴ کتاب یوشع باب ۱۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل جب یروشلیم کے بادشاہ کو قتل کر چکے تو اس کے ملک پر قابض ہو گئے

اور اسی کتاب کے باب ۱۵ آیت ۶۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کا قبضہ اور تسلط یروشلیم پر نہیں ہوا

اللہ یا شیطان؟ اختلاف ۴۵ کتاب سموئیل ثانی باب ۲۴ آیت میں یوں ہے کہ:-
”اس کے بعد خداوند کا غصہ اسرائیل پر بھڑکا

اور اس نے داؤد کے دل کو اُن کے خلاف یہ کہہ کر ابھارا کہ جا کر اسرائیل اور یہوداہ کو گنہ اور تواریخ اول کے باب ۲۱ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خیال ڈالنے والا شیطان تھا، اور چونکہ عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق خدا خالق شر نہیں ہے، اس لئے بڑا سخت اختلاف لازم آگیا،

اختلاف ۴۶ تا ۵۱ جو شخص حضرت مسیح علیہ السلام کے اُس نسب نامہ کا مقابلہ جو انجیل مٹی میں ہے اس بیان سے کرے گا جو لوقا کی انجیل

میں ہے تو بہت اختلاف پائے گا:-

۱۔ ”اور ابی سلوم سے تین بیٹے پیدا ہوئے اور ایک بیٹی جس کا نام تمر تھا“
۲۔ ”اور یہودیوں کو جو یروشلیم کے باشندے تھے، بنی یہوداہ نکال نہ سکے، سو یہوسی بنی یہود کے ساتھ آج کے دن تک یروشلیم میں بسے ہوئے ہیں“

۳۔ اور شیطان نے اسرائیل کے خلاف اُٹھ کر اور داؤد کو ابھارا کہ اسرائیل کا شمار کرے:-

مسیح علیہ السلام کے نسب میں شدید اختلاف

پہلا اختلاف | متی سے معلوم ہوتا ہے کہ یوسف بن یعقوب، اور لوقا سے معلوم ہوتا ہے یوسف بن ہالی،

دوسرا اختلاف | متی سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام سلیمان بن داؤد کی اولاد میں سے ہیں، اور لوقا سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ناتن بن داؤد کی نسل سے ہیں۔

تیسرا اختلاف | متی سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کے تمام آباء و احباب داؤد علیہ السلام سے ... بابل کی چلا وطنی تک سب کے سب مشہور سلاطین اور بادشاہ تھے اس کے برعکس لوقا سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سوائے داؤد اور ناتن کے نہ کوئی بادشاہ تھا اور نہ مشہور معروف شخص،

چوتھا اختلاف | متی سے معلوم ہوتا ہے کہ شائستیل یکنیاہ کا بیٹا ہے، اور لوقا سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نیری کا بیٹا ہے،

پانچواں اختلاف | متی سے معلوم ہوتا ہے کہ زربابل کے بیٹے کا نام ابیہود ہے، اور لوقا سے

۱۔ یوسف سے مراد یہاں وہ شخص ہیں جنہیں انجیل میں حضرت مریم کا شوہر کہا گیا ہے "اور یعقوب سے یوسف پیدا ہوا" (متی ۱۳)، "یوسف کا بیٹا تھا، اور وہ عیسیٰ کا" (لوقا ۳)، عربی ترجموں میں "عیسیٰ" کے بجائے "ہالی" ہے۔
۲۔ متی ۱۳
۳۔ لوقا ۳

۴۔ چنانچہ متی میں سب مشہور بادشاہوں کے نام مذکور ہیں، اور لوقا میں ان کی جگہ بالکل غیر معروف اشخاص ہیں۔

۵۔ متی ۱۳۔ لوقا ۳۲

معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نام ریسّا تھا، اور مزید دلچسپ اور تعجب انگیز بات یہ ہے کہ زور باہل کے بیٹوں کے نام کتاب تواریخ اول کے باب ۳ میں لکھے ہوئے ہیں، جن میں نہ ریسّا کا نام ہے نہ ابی ہوزکا، لہذا سچی بات تو یہ ہے کہ دونوں ہی غلط ہیں،

مسیح علیہ السلام سے داؤد علیہ السلام تک | متی کے بیان کے مطابق داؤد علیہ السلام سے
کتنی پشتیں تھیں؟ چھٹا اختلاف | مسیح علیہ السلام تک ۲۶ پشتیں ہوتی ہیں،

اس کے برعکس لوقا کا بیان یہ ہے کہ ۳۱ پشتیں ہیں، اور چونکہ داؤد اور مسیح علیہما السلام کے درمیان ایک ہزار سال کا فصل ہے، اس لئے پہلے قول کے مطابق ہر پشت اور نسل کے بالمقابل ۴۰ سال ہوتے ہیں، اور دوسرے قول کے مطابق ۲۵ سال اور چونکہ دونوں بیانات میں ایسا کھلا اور واضح اختلاف ہے کہ معمولی غور سے معلوم ہو سکتا ہے، اس لئے مسیحی علماء دونوں انجیلوں کی شہرت کے زمانہ سے آج تک انگشت بدندان اور حیران ہیں، اور کمزور توجیہات کرتے رہتے ہیں، اس لئے محققین کی بڑی جماعت جیسے اکھارن، کیسروینین اور ڈیوٹ اور دیز اور فرش وغیرہ نے اعتراف کیا ہے کہ ان دونوں میں واقعی معنوی اختلاف موجود ہے، اور یہ بات حق اور عین انصاف ہے، کیونکہ جس طرح دونوں انجیلوں سے دوسرے مقامات اور غلطیاں اور اختلافات صادر ہوئے اسی طرح یہاں پر یہ اختلاف صادر ہوا، ہاں بیشک اگر ان کا کلام اس مقام کے سوا اغلاط و اختلاف سے پاک ہوتا تو بیشک تاویل کرنا مناسب تھا، اگرچہ پھر بھی وہ تاویل بعید ہی ہوتی۔

۱۵ دیکھئے صفحہ ۲۸۹ جلد ہذا، غلطی نمبر ۴۸،

۱۵ متی ۱۴ لوقا ۳

جرمنی کا مشہور پبلیکیشنٹ عالم ۱۲ ت

Eichhorn

۱۵ ایکھارن

قوم کلارک نے انجیل لوقا کے باب ۳ کی شرح کے ذیل میں ان توجہات کو ناپسندیدگی کے ساتھ نقل تو کیا ہے مگر حیرت کا اظہار بھی کیا ہے، پھر ایک ناقابل سماعت عذر مسٹر ہارمرسی کا جلد ۵ صفحہ ۴۰۸ پر یوں نقل کرتا ہے کہ :-

نسب کے اوراق یہودیوں کے پاس بہترین طریقہ پر محفوظ تھے، اور ہر سمجھدار شخص جانتا ہے کہ متی اور لوقا نے خدا کے نسب بیان کرنے میں ایسا شدید اختلاف کیا ہے جس میں متقدمین اور متاخرین سب ہی حیران ہیں اور غلطان و بچاؤ ہیں لیکن جس طرح مولف کے حق میں دوسرے مقامات پر بہت سے اعتراضات ہوئے مگر کچھ عرصہ بعد ہی اعتراضات اس کی حمایت پر کمربستہ ہو گئے، اسی طرح یہ اعتراض بھی جب بادل چھٹ جائے گا تو مصنف کے حق میں حامی اور ناصر بنے گا، اور زمانہ ایسا ضرور کرے گا۔

بہر حال انھوں نے یہ تو اعتراف کر لیا کہ یہ اختلاف اتنا شدید اختلاف ہے کہ جس میں اگلے پچھلے بڑے بڑے محقق حضرات حیران ہیں، مگر ان کی یہ بات کہ نسب کے اوراق یہودیوں کے یہاں بڑی حفاظت کے ساتھ رکھے جاتے تھے قطعی باطل اور مردود ہے، کیونکہ یہ اوراق حوادث کی آندھیوں نے ہر آگندہ اور منتشر کر دیئے تھے، یہ وجہ تھی جس کی بناء پر عزرا علیہ السلام اور دونوں رسولوں سے نسب کے بیان میں غلطی سرزد ہوئی، جس کا اعتراف مفسر مذکور بھی کرنے پر مجبور ہو گیا، جیسا کہ آپ کو باب ۲ کے مقصد شاہد ۱۶ میں معلوم ہو جائے گا، پھر جب عزرا کے زمانہ میں یہ کیفیت تھی تو اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حواریوں کے عہد میں کیا کچھ نہ ہوگا، اور جب کاہنوں

اور دوسرے نسب ناموں کے اوراق محفوظ نہیں رہ سکے، تو غریب یوسف بخار کے نسب کے اوراق کا کیا اعتساب اور وزن تو ہو سکتا ہے؟

اور جب تین معتبر پیغمبر کے نسب کے بیان میں ایسی فاش غلطی کر سکتے ہیں، اور ان کے غلط صحیح میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا تو انجیل متی کے مترجم کی نسبت کیا خیال کیا جائے جس کا آج تک نام بھی معلوم نہ ہو سکا، چہ جائے کہ اس کے معتبر و محترم ہونے کا یا صاحب الہام ہونے کا علم ہو سکے؟ اسی طرح لوقا کی نسبت کیا راستے قائم کی جاسکے جو یقیناً حواریوں میں داخل نہیں ہے، نہ اس کا صاحب الہام ہونا معلوم ہے۔ اس لئے غالب گمان یہی ہے کہ ان دونوں کو دو مختلف اوراق یوسف بخار کے نسب کے سلسلہ میں میل گئے ہوں گے، اور چونکہ صحیح اور غلط کے درمیان امتیاز نہیں کر سکے لہذا ایک نے اپنی صواب دید کے مطابق ایک ورق پر اعتماد کر لیا، اور دوسرے نے دوسرے ورق کو پسند کر لیا،

مفسر مذکور کی یہ توقع کہ زمانہ ضرور ایسا کرے گا ایسا خواب ہے کہ انشاء اللہ شرمندہ تعبیر نہ ہوگا۔ اس لئے کہ جب اٹھارہ سو سال کے طویل عرصہ میں یہ الزام صاف نہ ہو سکا بالخصوص آخری تین صدیوں میں جب کہ یورپی ممالک میں علوم عقلیہ و نقلیہ کی ترقی اپنی انتہا کو پہنچ گئی ہے، اور تحقیقات کا دائرہ وسیع ہو چکا ہے کہ جس نے مذہبی تحقیقات کو بھی اپنے دامن میں سمیٹ لیا ہے، چنانچہ ان تحقیقات کے نتیجے میں پہلے انھوں نے مذہب میں کچھ اصلاح کی، اور مذہب عمومی کو پہلے ہی واریں باطل و شرار دیدیا،

۱۰ یوسف بخار انجیل کے بیان کے مطابق حضرت مریم علیہا السلام کے منگیتر تھے، اور شہر ناصر میں بڑھتی کا کام کرتے تھے، دنیوی اعتبار سے آپ کی کوئی شہرت نہ تھی، ۱۱

اسی طرح پاپا کے متعلق جو ملت عیسوی کا مقتدا ہے عظیم شمار کیا جاتا ہے فیصلہ کر دیا کہ وہ مکار و غدار ہے، پھر اصلاح کے باب میں ان کے اندر اختلاف رونما ہو گیا، اور چند فرقے بن گئے، اور دن بہ دن مذہبی بدعتوائیوں کی اصلاح کرتے رہے، یہاں تک کہ ان کے بے شمار محققین و علماء کی تحقیقات کے نتیجہ میں اصلاح کے بام عروج پر پہنچ گئے اور مذہب عیسوی کو بالآخر انھوں نے باطل اور بے بنیاد قصہ کہا نیوں، اور دہشیات توہم پرستیوں کا مجموعہ قرار دیا، اب کسی دوسرے دور میں اس الزام و اعتراض کی صفائی کی توقع محض عبث ہے۔

عیسائیوں کی طرف سے اس اختلاف [آجکل جو مشہور توجیہ چل رہی ہے وہ یہ ہو کہ ممکن ہو کی توجیہ، اور اس کا جواب] متی نے یوسف کا نسب اور یوحنا نے مریم کا نسب لکھا ہو، اور یوسف ہالی کا داماد ہو، ادوہالی کے کوئی بیٹا نہ ہو، اس لئے یوسف کی نسبت اس کی جانب کر دی گئی ہو، اس طرح وہ نسب کے سلسلہ میں شمار کر لیا گیا ہو، لیکن یہ توجیہ چند وجوہ سے مردود و باطل ہے۔

اول تو اس لئے کہ مسیح علیہ السلام اس صورت میں ناتق کی اولاد میں سے قرار پائیں گے، نہ کہ سلیمان علیہ السلام کی اولاد میں سے، اس لئے کہ اُن کا حقیقی نسب ماں کی جانب سے ہوگا، یوسف بنجار کے نسب کا اس میں کوئی لحاظ نہیں ہوتا جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ مسیح مسیح نہیں ہو سکتے، اس لئے فرقہ پروٹسٹنٹ کے پیشوا کالوین نے اس توجیہ کو رد کرتے ہوئے کہا ہے کہ۔

لہٰذا کیونکہ مسیح علیہ السلام کی بشارتیں دی جا رہی تھیں اُن کے بالے میں یہ تصریح تھی کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوں گے ۱۲

جو شخص مسیح کے نسبت سلیمان کو خارج کرتا ہے وہ مسیح کو مسیح ہونے سے غائب کرتا ہے۔
 دوسرے یہ کہ یہ توجیہ اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتی جب تک معتبر تاریخ
 سے یہ ثابت نہ ہو جائے کہ مریم ہالی کی بیٹی تھیں، اور نائق کی اولاد میں سے تھیں،
 اور محض احتمال کافی نہیں ہے، خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ آدم کلارک وغیرہ
 جیسے محققین اس کی تردید کرتے ہوں، اور ان کا مقتدا کالوین بھی اس کا رد کر رہا ہو،
 یہ دونوں باتیں کسی کمزور دلیل سے بھی ثابت نہیں ہو سکیں، چہ جائے کہ کسی مطبوعہ
 دلیل سے انھیں ثابت کیا جائے۔

بلکہ دونوں باتوں کے برعکس ثبوت موجود ہے، کیونکہ یعقوب کی انجیل میں تصریح
 ہے کہ مریم کے والدین کا نام یہوذا تھا اور عانا ہے، اور یہ انجیل اگرچہ ہمارے معیار
 عیسائیوں کے نزدیک الہامی اور یعقوب حواری کی انجیل نہ بھی ہو، مگر اس میں تو
 کوئی بھی شبہ نہیں کہ ان کے اسلاف ہی کی گھڑی ہوئی اور بہت ہی قدیم ہے،
 اور اس کا مؤلف تہر دن اودی کے لوگوں میں سے ہے، اس لئے اس کا مرتبہ کم از کم
 معتبر تاریخ کے درجہ سے کسی طرح گھٹا ہوا نہیں ہو سکتا، اور ایک غیر مستند احتمال اس کا
 مقابلہ نہیں کر سکتا۔

آگسٹائن کہتا ہے کہ کسی کتاب میں جو اس کے عہد میں موجود تھی یہ تصریح
 پائی جاتی ہے کہ :-

”مریم علیہا السلام لادی کی قوم سے تھیں“

یہ چیز ان کے نائق کی اولاد ہونے کے منافی ہے، اس کے علاوہ تورات کی کتاب گیتی
 میں ہے :-

اور اگر بنی اسرائیل کے کسی قبیلہ میں کوئی لڑکی ہو جو میراث کی مالک ہو تو وہ اپنے باپ کے قبیلہ کے کسی خاندان میں بیاہ کرے، تاکہ ہر اسرائیلی اپنے باپ دادا کی میراث پر قائم رہے، یوں کسی کی میراث ایک قبیلہ سے دوسرے قبیلہ میں نہیں جانے پائے گی، (گنتی ۳۶/۱۸)

اور انجیل لوقا میں ہے :-

”ذکر یا نام کا ایک کاہن تھا، اور اس کی بیوی ہارون کی اولاد میں سے تھی“

اور یہ بھی اناجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مریم حضرت زکریا کی بیوی کی قریبی رشتہ دار تھیں، تو معلوم ہوا کہ حضرت مریم بھی ہارون کی اولاد میں سے تھیں، اور چونکہ تورات کا حکم یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی عورت اپنے ہی خاندان میں شادی کرے، اس لئے حضرت مریم کے مزعومہ شوہر (یعنی یوسف نجار) بھی ہارون کی اولاد میں ہی ہوں گے، اور دونوں انجیلوں میں اُن کے جو نسب نامے مذکور ہیں وہ غلط قرار پائیں گے اور غالباً یہ اہل تثلیث نے اس لئے گھڑے ہوں گے، تاکہ حضرت مسیح علیہ السلام کو حضرت داؤد علیہ السلام کی اولاد میں سے ثابت کیا جاسکے، اور یہودی لوگ اُن کے مسیح موعود ہونے میں محض اس لئے طعن نہ کر سکیں کہ یہ تو ہارون کی اولاد میں سے ہیں، اور مسیح موعود کو داؤد علیہ السلام کی اولاد میں سے ہونا چاہئے،

اس خطرہ سے بچنے کے لئے دو مختلف لوگوں نے الگ الگ نسب نامہ گھڑ لئے، اور چونکہ یہ انجیلین دوسری صدی کے آخر تک مشہور نہ ہو سکیں، اس لئے ایک گھڑنیزہ دوسرے کی جعل سازی سے واقف نہ ہو سکا، جس کے نتیجہ میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ مریم ہالی کی بیٹی ہوئیں تو یہ امر متقرین سے کہے جاسکتا تھا

اور اگر ان کو اس کا ذرا بھی علم ہوتا تو وہ ایسی رکبیک تو جہیات نہ کرتے، جن کو متاخرین نے
رکبیا اور ان پر لعنت ملامت کی ہے۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ متی کے الفاظ یہ ہیں کہ:-

”يعقوب اكينسي تون يوسف“

اور لوقا کے الفاظ یہ ہیں:- ”ديوس يوسف توبابي“

ان دونوں عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ متی اور لوقا دونوں یوسف کا نسب لکھتے ہیں،
پانچویں وجہ یہ ہے کہ اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ مریم ہالی کی بیٹی تھیں تو اوتسا کی
عبارت اُس وقت تک صحیح نہیں ہوگی جب تک یہ ثابت نہ ہو جاتے کہ واقعی یہودیوں
کے یہاں رواج تھا کہ جب داماد کی بیوی کا کوئی بھائی موجود نہ ہو تو اسے نسبی سلسلہ میں
داخل کر لیا جاتا تھا اور ایسے بیٹے کی جگہ لکھا جاتا مگر یہ بات آج تک کسی معتبر ذریعہ سے ثابت نہیں ہو سکی ہے
اور پرنسٹنٹ فرقہ کے بعض علماء کی بے دلیل خواہشات اور کمزور دواطل استنباط
ہمارے خلا حجت نہیں ہو سکتا،

ہم بھی کسی شخص کے دوسری جانب منسوب ہونے کے قطعی طور پر منکر نہیں ہیں،
بلکہ ہمارے نزدیک یہ ممکن ہے کہ جب ایک شخص دوسرے نسبی یا سببی رشتہ داروں
میں سے ہو یا اس کا استاد یا مرشد ہو اور دینی یا دنیوی اعتبار سے مشہور ہو تو اس
شخص کی نسبت اس کی جانب ہو سکتی ہے، اور یوں کہا جاسکتا ہے کہ وہ فلاں امیر
یا بادشاہ کا بھتیجا یا بھانجا یا داماد ہے، یا فلاں کاشاگر دیا فلاں صاحب کامرید ہے

۱۔ یہ غالباً عبرانی الفاظ ہیں اردو ترجمہ کے الفاظ: ”يعقوب سے يوسف پیدا ہوا (متی ۱۶)“ ”يوسف
کا بیٹا تھا اور وہ عیسیٰ کا“ (لوقا ۳۳)

مگر یہ نسبت دوسری چیز ہے، اور سلسلہ نسب میں کسی کو داخل کر لینا بالکل دوسری بات ہے، مثلاً یہ کہنا کہ وہ اپنے خسر کا بیٹا ہے، اور یہ کہنا کہ یہ یہودیوں کا رواج تھا، ایک دوسری بات ہے، جس کا ہم انکار نہیں کرتے، لیکن اس کو ثابت کیا جائے کہ ان کے یہاں ایسا رواج تھا۔

انجیل متی لوقا کے زمانہ میں | انجیل متی لوقا کے زمانہ میں نہ مشہور تھی نہ معتبر، ورنہ یہ کیسے ہو سکتا مشہور یا معتبر نہ تھی | ہر کہ لوقا مسیح کے بیان میں متی کے بیان کی مخالفت کرنے کی جرأت کرتا، اور مخالفت بھی اتنی شدید کہ جس نے تمام اگلے پچھلوں کو حیران بنا رکھا ہو، اور ایک دو حرف بھی توضیح کے لئے اس میں اس قسم کے نہیں بڑھاتا جس سے اختلاف دور ہو سکے۔

اختلاف ۵۲ و ۵۳ | جو شخص انجیل متی کے باب کا مقابلہ لوقا کی انجیل سے کرے گا تو زبردست اختلاف پائے گا جس سے یقین ہوتا ہے کہ دونوں میں سے ایک بھی الہامی کتاب نہیں ہو سکتی، تاہم اس موقع پر صرف دو اختلافات کے بیان پر اکتفا کرتے ہیں۔

ولادت مسیح کے بعد | متی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح کے والدین مسیح کی حضرت مریم کہاں رہیں؟ پیدائش کے بعد بیت اللحم ہی میں رہتے تھے، اور اس کے ایک کلام سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ بیت اللحم کے قیام کی مدت تقریباً دو سال تھی، اور چونکہ وہاں آتش پرستوں کا تسلط ہو گیا تھا تو ان کے والدین مصر چلے گئے، اور ہیرودیس

۱۵ پسن وہ اٹھا اور بچہ اور اس کی ماں کو لیکر اسرائیل کے ملک میں آ گیا (متی ۲۱)

۱۵ ہیرودیس Herod the great یہوداہ کا گورنر، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی

کی زندگی تک مصر ہی میں رہتے تھے، اس کے مرنے کے بعد واپس لوٹے تو ناصرہ میں قیام کیا، اس کے برعکس لوقا کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کے والدین ان کی پیدائش کے بعد زحلی کے دن پورے کرتے ہی یروشلم چلے گئے تھے، اور سترہائی کی رسم ادا کر کے ناصرہ چلے آئے تھے، اور وہاں پر دونوں کا مستقل قیام رہا، السہبتہ سال بھر میں صرف عید کے موقع پر یروشلم چلے جاتے تھے، ہاں مسیح علیہ السلام نے ضرور ماں باپ کی اجازت و اطلاع کے بغیر عمر کے بارہویں سال میں یروشلم میں تین روز قیام کیا، اس کے بیان کے مطابق آتش پرستوں کے بیت لحم میں آنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، بلکہ اگر ان کے آمد کو تسلیم ہی کیا جائے تو وہ ناصرہ میں ہو سکتی ہے، کیونکہ راستہ میں ان کی آمد بہت ہی بعید ہے۔ یہ بھی ممکن نہیں کہ ان کے والدین مصر آگئے ہوں اور وہیں ان کا قیام رہا ہو، کیونکہ اس کلام میں تصریح موجود ہے کہ یوسف نے یہود کے علاقے سے کبھی باہر قدم ہی نہیں نکالا، نہ مصر کی جانب کسی دوسری طرف۔

کیا ہیرودیس حضرت مسیح کا دشمن تھا؟ متی کے کلام سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یروشلم والوں اور ہیرودیس کو آتش پرستوں کے بتلانے سے قبل مسیح علیہ السلام کی ولادت کا علم نہیں ہوا تھا، اور یہ مسیح علیہ السلام کے سخت دشمن تھے،

۱۰۔ تھیریب موسیٰ کی شریعت کے موافق ان کے پاک ہونے کے دن پورے ہر گئے تو وہ اس کو یروشلم میں لائے تاکہ خداوند کے آگے حاضر کریں (دوتا ۲۲)۔

اور جب وہ خداوند کی شریعت کے مطابق سب کچھ کر چکے تو گلیل میں اپنے شہر ناصرہ کو بھگتو (۲۳)۔ اُس کے ماں باپ ہر برس عید فصح پر یروشلم جایا کرتے تھے (۲۴) ۵۲ لوقا ۲: ۴۲ تا ۵۱،

۵۲ باب ۲، آیت ۱۲،

۱۰۔ ہیرودیس اس بچہ کو تلاش کرنے کو جو تاکہ اسے ہلاک کرے (۲۵)۔

اس کے برعکس لوقا کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کے والدین زہی سے فراغت کے بعد جب قربانی کی رسم ادا کرنے پر دشلیم گئے تھے، تو شمعون نے جو ایک نیک صالح شخص اور روح القدس سے لبریز تھا، اور جس کو وحی کے ذریعہ یہ بتایا گیا تھا کہ تیری موت مسیح کی زیارت سے پہلے نہ ہوگی، مسیح کے دونوں بازو پکڑ کر سیکل میں نمایاں کر کے اُن کے اوصاف لوگوں کے سامنے بیان کئے۔

اسی طرح حناہ نبیہ اس وقت رب کی پاکی بیان کرتے ہوئے کھڑی ہوئی، اور ان لوگوں کو جو یروشلیم میں مسیح کے اشتیاق انتظار میں تھے اس نے اطلاع دی، اب اگر یروشلیم کے باشندوں اور ہیرودیس کو مسیح کا دشمن مانا جائے تو ایسی حالت میں یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ نیک بخت جو روح القدس سے لبریز تھا، سیکل جیسے مقام پر مسیح کی خبر دیتا، جہاں دشمنوں کا ہر وقت مجمع تھا، اور نہ حناہ پیغمبر یروشلیم جیسے مقام پر لوگوں کو اس واقعہ کی اطلاع دیتی، فاضل ٹورٹن اگرچہ انجیل کی حمایت کرتا ہے مگر اس موقع پر اُس نے دونوں بیانات میں حقیقی اختلاف پائے جانے کا اقرار کیا، اور یہ فیصلہ کیا کہ متی کا بیان غلط اور لوقا کا بیان درست ہے۔

انجیل مرقس باب ۴ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مسیح نے جماعت اختلاف ۵۶ کو ”دعظ تمثیلات“ کے بعد چلے جانے کا حکم دیا تھا، جب کہ دریا

۵۲ ۳۸۲۳۶

۵۳ ۳۲۳۲۵

۱۔ ”دعظ تمثیلات“ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اُس دعظ کا نام ہے جو بقول انجیل آپ نے ایک جھیل کے کنارے دیا تھا، اور اس میں حقائق کو تمثیلات کے پیرایہ میں بیان فرمایا تھا، اور ”پہاڑی دعظ“ سے مراد وہ دعظ ہے جو آپ نے ایک پہاڑ پر چڑھ کر دیا تھا، یہ دعظ متی ۵ و ۶ میں موجود ہے، تقی

میں طغیانی تھی، اور انجیل متی باب سے پتہ چلتا ہے کہ یہ دونوں واقعے پہاڑی دعوے کے بعد پیش آئے ہیں، چنانچہ متی نے تمثیلات والا دعوے باب میں لکھا ہے، لہذا یہ دعوے دونوں واقعات کے کافی عرصہ بعد ثابت ہوا، کیونکہ دونوں مواعظ کے درمیان کافی مدت کا فاصلہ ہے، اس لئے ایک بیان یقینی طور پر غلط ہے، کیونکہ جو لوگ اپنے کلام کو الہامی قرار دیتے ہوں یا لوگوں کا ان کے بارے میں خیال ہو اگر وہ واقعات کو آگے پیچھے بیان کریں تو اسے ظاہر ہے کہ تناقض ہی قرار دیا جائے گا۔

اختلاف ۵۵ مرقس باب میں لکھتا ہے کہ مسیح اور یہودیوں کے درمیان مشہور مباحثہ اور مناظرہ یروشلم پہنچنے کے تین دن بعد پیش آیا تھا،

اس کے برعکس متی نے باب میں لکھا ہے کہ یہ مناظرہ دوسرے دن ہوا، اس لئے یقیناً ایک بیان غلط ہے، ہورن ان دونوں اختلافات کی نسبت جن کا ذکر اس اختلاف میں اور گزشتہ اختلافات میں ہوا ہے اپنی تفسیر کی جگہ مطبوعہ ۱۸۲۲ء کے صفحہ ۲۴۵ و ۲۴۶ پر کہتا ہے:-

”ان واقعات میں تطبیق کی کوئی صورت نظر نہیں آتی“

اختلاف ۵۶ متی باب میں پہاڑی دعوے کے بعد پہلے کوڑھوں کو صحتیاب کرنے کا واقعہ لکھتا ہے، پھر حضرت عیسیٰ کے کفر ناحوم پہنچنے کے بعد صوبیدار کے غلام کو شفاء دینا، پھر لپٹرس کے حامیوں کو شفاء دینا بیان کرتا ہے،

۱۵ باب ۸ آیت ۲۳ تا ۲۴

۱۵ یروشلم پہنچنے کے بعد ہر دن کے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے آیت ۲۴ میں یہ مناظرہ تیسرے دن کے واقعات میں مذکور ہے اور متی نے دوسرے دن کے واقعات میں ذکر کیا ہے ۱۵ آیت ۳، ۱۵ آیت ۱۳ ۱۵ آیت ۱۶

اس کے برعکس، لو قاسب سے پہلے پطرس کے حامیوں کو شفاء دینا بیان کرتا ہے، پھر باب میں کوڑھی کو شفاء دینا، پھر باب میں صوبیدار کے غلام کو شفاء دینا بیان کر رہا ہے، اور یقیناً دونوں بیانیوں میں سے ایک غلط ہے،

ایلیا کون تھا؟ یہودیوں نے کاہنوں اور لاوی کی اولاد کو یحییٰ کے پاس یہ دریافت کرنے کے لئے بھیجا کہ ”تو کون ہے؟ چنانچہ انھوں نے پوچھا اور کہا کہ ”کیا تو ایلیا ہے؟“ یحییٰ نے جواب دیا کہ ”میں ایلیا نہیں ہوں“

جس کی تصریح انجیل یوحنا باب میں موجود ہے،

اور اس کے برعکس انجیل متی باب ۱۱ آیت ۱۴ میں حضرت عیسیٰ کا قول حضرت یحییٰ کے حق میں یوں بیان کیا گیا ہے:-

”اور چاہو تو مانو، ایلیا جو آنے والا تھا یہ ہی ہے“

اور انجیل متی باب ۱۷ آیت ۱۰ میں ہے کہ:-

”شاگردوں نے اس سے پوچھا کہ پھر فقہ کیوں کہتے ہیں کہ ایلیا کا پہلے آنا ضرور ہے

اس نے جواب میں کہا کہ ایلیا البتہ آئے گا، اور سب کچھ بحال کرے گا، لیکن میں

تم سے کہتا ہوں کہ ایلیا تو آچکا، اور انھوں نے اُسے نہیں پہچانا، بلکہ جو چاہا اس کے

ساتھ کیا، اسی طرح ابن آدم بھی اُن کے ہاتھ سے دکھ اٹھائے گا، تب شاگرد

مجھ گئے کہ اس نے ان سے یوحنا بپتسمہ دینے والے کی بابت کہا ہے“ (آیات ۱۰ تا ۱۳)

۱۷ (۳۸) یاد رہے کہ یہاں پطرس کا نام شمعون مذکور ہے ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ یہ دونوں ایک ہی شخص کے دو نام ہیں ۱۲

۱۷ آیت ۱۳ ، ۱۷ آیت ۱۰ ، ۱۷ آیت ۱۹ تا ۲۱

۱۷ ”فقہ“ اور ”کاتب“ سے مراد انجیل میں یہودی علماء ہوتے ہیں ۱۲

۱۷ انجیل میں حضرت یحییٰ کا نام ”یوحنا المعمد“ مذکور ہے ۱۲

ان دونوں عبارتوں سے یہ بات معلوم ہوتی کہ یحییٰؑ ہی موعود ایلیاہ ہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ یحییٰؑ اور عیسیٰؑ کے اقوال میں تناقض پیدا ہو گیا۔

نصاری کی کتابوں کی رُو سے حضرت عیسیٰؑ اگر کوئی شخص عیسائیوں کی کتابوں میں غور کرے تو مسیح موعود ثابت نہیں ہوتے اس کے لئے یہ یقین کرنا ممکن نہیں ہے کہ عیسیٰ مسیح

موعود ہیں، اس بات کو ثابت کرنے کے لئے ہم چار باتیں تمہید کے طور پر عرض کرتے ہیں۔

پہلی بات یہ کہ جس وقت یہو یقیم بن یوسیاہ نے وہ صحیفہ جس کو باروخ علیہ السلام نے ارمیا علیہ السلام کی زبانی لکھا تھا جلاڈالا، تو ارمیا علیہ السلام کی جانب یہ وحی آئی: ”اے شاہ یوہاہ یہو یقیم کی بات خداوند یوہاہ کی کہ اس کی نسل میں کوئی نہ رہے گا جو داؤد کے تخت پر بیٹھے۔“

جس کی تصریح کتاب یرمیاہ باب ۲۳ میں کی گئی ہے، حالانکہ مسیح کیلئے داؤد کے تخت پر بیٹھنا ضروری ہے، جیسا کہ لوقا نے حضرت جبریلؑ کی گفتگو نقل کرتے ہوئے اُن کا قول نقل کیا کہ: ”اور خداوند خدا اس کے باپ داؤد کا تخت اُسے دے گا۔“ دوسری بات یہ کہ مسیح علیہ السلام کی آمد اُن سے پہلے ایلیاہ کے آنے پر مشروط تھی، چنانچہ یہودیوں کے عیسیٰؑ کو نہ ماننے کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ ایلیاہ نہیں آیا، حالانکہ پہلے اس کا آنا ضروری ہے، خود حضرت مسیحؑ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ پہلے ایلیاہ کی آمد ضروری ہے، مگر وہ کہتے ہیں کہ ایلیاہ آچکا ہے، لیکن لوگوں نے اس کو نہیں پہچانا، اور ایلیاہ خود اپنے ایلیاہ ہونے کا انکار کرتا ہے۔

تیسری بات یہ کہ عیسائیوں کے نزدیک معجزات اور خوارق عادات امور کا طالع

۱۔ حضرت ارمیا علیہ السلام نے اپنی وحی کو ایک صحیفہ میں لکھ کر اپنے نائب حضرت باروخ علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ اُسے جا بجا سنائیں، اس صحیفہ میں بنی اسرائیل کی بد اعمالیوں کی بناء پر بخت نصر کے عذاب کی پیشگوئی تھی، بادشاہ دقت یہو یقیم نے جب اُسے جلاڈالا، یہی واقعہ باب ۳۶ میں مذکور ہے ۱۲

ہونا ایمان کی دلیل بھی نہیں، چہ جائے کہ نبوت کی دلیل ہو، اور اس سے بھی بڑھ کر معبود ہونے کی دلیل ہو سکے، جیسا کہ انجیل متی باب ۲۴ آیت ۲۴ میں حضرت عیسیٰ کا قول یوں نقل کیا ہے:-

”کیونکہ جھوٹے مسیح اور جھوٹے نبی اُٹھ کھڑے ہوں گے، اور ایسے بڑے نشان

اور عجیب کام دکھائیں گے کہ اگر ممکن ہو تو ہرگز پردوں کو بھی گمراہ کر لیں“

اور تھسلیونکے والوں کے نام دوسرے خط کے باب آیت ۹ میں پولس کا قول رجال کے حق میں مذکور ہے کہ:-

”جس کی آمد شیطان کی تاثیر کے موافق ہر طرح کی جھوٹی قدرت اور نشانوں اور

عجیب کاموں کے ساتھ“

چوتھی بات یہ ہے کہ جو شخص غیر اللہ کی پرستش کا داعی ہو تو ریت کے حکم کے

بموجب وہ واجب القتل ہے، خواہ کتنے ہی بڑے معجزات والا ہو، اور خدائی کا دعوے

تو اس سے بھی زیادہ قبیح ہے، اس لئے کہ وہ بھی غیر اللہ کی دعوت دینے والا ہے، کیونکہ

یقینی طور پر وہ خود غیر اللہ ہے، جیسا کہ باب ۴ میں مدلل و مفصل معلوم ہونے والا ہے

اور اپنی عبادت کی بھی دعوت دے رہا ہے۔

ان چاروں معتمدات کے معلوم ہونے کے بعد اب ہم کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ

انجیل متی کے بیان کردہ نسب کے مطابق یہ یقین کے بیٹے ہیں، اس لئے وہ پہلے مقدم

کے بموجب داؤد علیہ السلام کی کرسی پر بیٹھنے کے لائق نہیں ہیں، اور ان کے

ایلیا بھی نہیں آتے، جیسا کہ یحییٰ کا اعتراف ہے کہ میں ایلیا نہیں ہوں، اس کے

خلافت جو بھی بات کہی جائے گی وہ مانتے کے قابل ہرگز نہیں ہو سکتی، اور یہ بات غی

ماتہ

حال ہے کہ ایلیا خدا کا پیغمبر اور صاحب الہام ہو، اور خوراپنے کو نہ پہچانتا ہو، اس کو دوسری
مقدمہ کی بنا پر عیسیٰ علیہ السلام مسیح موعود نہیں ہو سکتے، اور عیسائیوں کے عقیدہ
کے مطابق عیسیٰ نے خود خدائی کا دعویٰ کیا تھا اس لئے چوتھے مقدمہ کے مطابق وہ
واجب القتل ہوتے۔

اور جو معجزات انجیلوں میں نقل کئے گئے ہیں اول تو مخالفین کے نزدیک صحیح
نہیں ہیں، اور بالفرض اگر ان کو صحیح مان بھی لیا جائے تو وہ بھی ایمان کی دلیل نہیں
ہو سکتے، چہ جائے کہ ان کو دلیل نبوت مانا جائے، لہذا یہودی نعوذ باللہ ان کو قتل
کرنے میں ذرا بھی قصور وار نہیں قرار دیتے جاسکتے۔

پھر اس مسیح میں جس کے عیسائی معتقد ہیں اور اس مسیح میں جو یہودیوں کے خیال میں
مسیح تھا کیا فرق ہوگا، اور یہ کیسے پتہ چلے کہ پہلا مسیح تو سچا اور دوسرا جھوٹا ہی، جبکہ
دونوں میں سے ایک اپنی سچائی کا مدعی ہے، اور دونوں مسلمہ طور پر صاحب معجزات
بھی ہیں، اس لئے ایسی کوئی امتیازی علامت ضروری ہے جو مخالف پر حجت
ہو سکے۔

اللہ کا ہزاراں ہزار شکر ہے کہ اس نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے
ذریعہ اس ہلاکت اور خطرہ سے نجات بخشی۔ چنانچہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ عیسیٰ بن مریم خدا
کے سچے نبی اور مسیح موعود تھے، جو خدائی کے دعوئے سے قطعاً پاک اور بری تھے۔
اس سلسلہ میں عیسائیوں نے ان پر کھلا بہتان رکھا اور تہمت لگائی ہے۔

انجیل متی باب ۱۱ اور انجیل مرقس باب ۱۱ اور انجیل لوقا باب ۱۱
اختلاف ۵۸ تا ۶۱ اس طرح کہا گیا ہے۔

”دیکھ میں اپنا پیغمبر تیرے آگے بھیجتا ہوں جو تیری راہ تیرے آگے تیار کرے گا۔“

تینوں انجیل والوں نے عیسائی مفسرین کے دعویٰ کے بموجب اس قول کو کتاب ملاکی باب آیت ۱ سے نقل کیا ہے اور وہ حسب ذیل ہے :-

”دیکھو میں اپنے رسول کو بھیجوں گا اور وہ میرے آگے راہ درست کرے گا۔“

دیکھئے اصل اور نقل میں دو لحاظ سے شدید اختلاف ہے، اول تو لفظ ”تیرے آگے“ تینوں انجیلوں میں زائد ہے، جو ملاخیا علیہ السلام کے کلام میں موجود نہیں ہے، دوسرے ملاخیا کا کلام دوسرے جملہ میں ضمیر متکلم کے ساتھ ہے، اور تینوں انجیل والوں نے ضمیر خطاب سے نقل کیا ہے،

ہورن اپنی تفسیر حبلہ میں ڈاکٹر ریڈلف کا قول نقل کرتے ہوئے کہتا ہے کہ :-

”مخالفت کا سبب آسانی سے بیان کرنا ممکن نہیں ہے، سوائے اس کے کہ قدیم نسخوں میں کچھ تحریف کی گئی ہے۔“

یہ چھ اختلاف ہیں جو تینوں انجیلوں کے درمیان پائے جاتے ہیں،

انجیل متی باب کی آیت ۱، کتاب میکاہ کے باب آیت کی مخالفت
اختلاف ۶ تا ۷
اور کتاب اعمال الحواریین کے باب کی ۴ آیات نمبر ۲۵ تا

۲۸، عربی ترجمہ بائبل کے بموجب زبور نمبر ۱۰۱ کی ۴ آیات، اور دوسرے تراجم کے اعتبار سے زبور نمبر ۱۰۱ کی آیت ۸ تا ۱۱ کے مخالفت ہیں۔۔۔۔۔ اور عبرانیوں کے نام خط

۱۰ مگر مرقس نے تصریح کی ہے کہ یہ قول یسعیہ نبی کی کتاب سے ماخوذ ہے (۱۰)، باقی دو میں کوئی حوالہ نہیں ۱۲

۱۱ اس اختلاف کو دیکھنے کے لئے ملاحظہ فرمائیے کتاب ہذا صفحہ ۲۵۹ اور اس کا حاشیہ،

۱۲ کتاب اعمال میں ہوا میں خداوند کو ہمیشہ اپنے سامنے دیکھتا رہا، کیونکہ وہ میری داہنی طرف ہوتا کہ مجھے جنبش نہ ہو اسی سبب میرا دل خوش ہوا، اور میری زبان شاد، بلکہ میرا جسم بھی امید میں بسا رہے گا۔۔۔۔۔ تو نے مجھے زندگی کی راہیں بتائیں (۲۸: ۲۵: ۲۸) اور زبور میں ہوا میں خداوند کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھتا ہے، (باقی صفحہ آئندہ)

باب کی تین آیات نمبر ۵ تا ۷ (عربی تراجم کی رو سے) زیور نمبر ۳۹ یا دوسرے تراجم کے اعتبار سے) زیور نمبر ۴ کی تین آیتوں کے خلاف ہیں،

اور کتاب اعمال الحواریین کے باب ۵ کی آیات نمبر ۱۱، ۱۲، ۱۳، کتاب عاموس کے باب ۹ کی آیات نمبر ۱۱ و ۱۲ کے مخالف ہیں، عیسائیوں کے مفسرین نے ان مقامات کے اختلاف کو تسلیم کیا ہے، اور یہ اعتراف کیا ہے کہ عبرانی نسخہ میں تحریف ہوئی ہے اور اختلافات اگرچہ بہت ہیں مگر میرے مختصر کرنے پر وہ ۴ رہتے ہیں،

اختلاف ۶۸ | کرنتھیوں کے نام پہلے خط کے باب کی آیت ۹ میں ہے کہ:-

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) چونکہ وہ میرا دہنا ہاتھ ہر اس لئے مجھے جنبش نہ ہوگی، اسی سبب میرا دل خوش اور میری شج شاہاں ہو، میرا جسم بھی امن و امان میں رہیگا.... تو مجھے زندگی کی راہ دکھائے گا۔ (۱: ۱۱ تا ۱۱) خط کشیدہ الفاظ میں اختلاف ظاہر ہے ۱۲

۱۳ عبرانیوں کے نام: ”تو نے قربانی اور نذر کو پسند نہ کیا، بلکہ میرے لئے ایک بدن تیار کیا، پوری سوختنی قربانیوں اور گناہ کی قربانیوں سے تو خوش نہ ہوا، تاکہ اے خدا تیری مرضی پوری کروں“ (۵: ۱۰ تا ۱۰) اور زیور ۱۳ ہر قربانی اور نذر کو تو پسند نہیں کرتا، تو نے میرے کان کھول دیے ہیں، سوختنی قربانی اور خطا کی قربانی تو نے طلب نہیں کی..... اے میرے خدا میری خوشی تیری مرضی پوری کرنے میں ہو، بلکہ تیری شریعت میرے دل میں ہے“ (۴۰: ۶ تا ۸)

۱۴ کتاب اعمال: ”میں پھر آکر داذد کے گریے ہوئے خیمہ کو اٹھاؤں گا اور اس کے پھٹے ٹوٹے کی مرمت کر کے اُسے کھڑا کر دوں گا، تاکہ باقی آدمی یعنی سب قومیں جو میرے نام کی کہلاتی ہیں خداوند کو تلاش کریں“ اور عاموس: ”میں اس روز داذد کے گریے ہوئے مسکن کو کھڑا کر کے اس کے رخنوں کو بند کر دوں گا، اور اس کے کھنڈر کی مرمت کر کے اس کو پہلے کی طرح تعمیر کر دوں گا، تاکہ وہ آدم کے بقیہ اور ان سب قوموں پر جو میرے نام سے کہلاتی ہیں قابض ہوں“ (۹: ۱۱ تا ۱۲) اختلاف ظاہر ہے،

”بلکہ جیسا کہ لکھا ہے ویسا ہی ہوا کہ جو چیزیں نہ آنکھوں نے دیکھیں نہ کانوں نے سنیں نہ آدمی کے دل میں آئیں، وہ سب خدا نے اپنی محبت رکھنے والوں کیلئے تیار کر دیں“
عیسائی مفسرین کی تحقیق کے مطابق یہ کتاب یسعیاہ کے باب ۶۴ آیت ۴ سے منقول ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں:-

”کیونکہ ابتداء ہی سے نہ کسی نے سنا نہ کسی کے کان تک پہنچا، اور نہ آنکھوں نے تیرے سوا ایسے خدا کو دیکھا جو اپنے انتظار کرنے والے کے لئے کچھ کر دکھائے“

ان دونوں عبارتوں میں فرق ہے، عیسائی مفسرین اس اختلاف کو تسلیم کرتے ہیں اور تحریف کی نسبت کتاب یسعیاہ کی جانب کرتے ہیں،

اختلاف ۶۹ | متی نے اپنی انجیل کے باب میں لکھا ہے کہ:-

”عیسیٰ علیہ السلام جب یریحو سے نکلے تو راہ میں دو اندھوں کو بیٹھا

ہوا دیکھا اور ان کو اندھے پن سے شفاء دی“

اس کے برعکس مرقس نے اپنی انجیل کے باب میں یوں لکھا ہے:-

”تو تہائی کا بیٹا برتائی اندھا فقیر راہ کے کنارے بیٹھا ہوا تھا“

پھر اُسے شفاء دینے کا واقعہ مذکور ہے،

اختلاف ۷۰ | متی نے باب میں لکھا ہے کہ:-

”عیسیٰ علیہ السلام جب گدرینیوں کی بستی کی طرف آئے تو انکی

ملاقات دو دیوانوں سے ہوئی جو قبروں سے نکل رہے تھے، پھر مسیح نے ان دونوں

کو شفاء دی“

س کے خلاف مرقس نے باب ۵ میں اور لوقا نے باب ۸ میں لکھا ہے کہ :-

”اُن سے ایک دیوانہ ملا جو قبروں سے نکل رہا تھا، پھر انھوں نے اس کو شفا دی“

متی نے باب ۲۱ میں لکھا ہے کہ :-

اختلاف ۱ء

”عیسیٰ علیہ السلام نے دوست گردوں کو گدھی اور اس کا بچہ

لانے کے لئے گاؤں کی طرف بھیجا اور ان دونوں پر سوار ہوئے“

اور باقی ان تینوں انجیل والوں نے لکھا ہے کہ :-

”صرف گدھی کا بچہ لانے کے لئے کہا، اور جب وہ لے آئے تو آپ اس پر سوار ہوئے“

مرقس نے باب اول میں لکھا ہے کہ :-

اختلاف ۲ء

”یحییٰ مٹڑیاں اور خشکی کا شہد کھایا کرتے تھے“

اور متی باب ۱۱ میں لکھا ہے کہ :-

”وہ نہ کھاتے تھے اور نہ پیتے تھے“

جو شخص انجیل مرقس کے باب اور انجیل متی کے باب ۱۱ اور

اختلاف ۳ء تا ۵ء

انجیل یوحنا کے باب کا مقابلہ کرے گا اس کو حواریوں کے

اسلام لانے کی کیفیت میں حسب ذیل اختلافات نظر آئیں گے :-

متی اور مرقس کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ :-

۱۔ مرقس ۵: ۲ و لوقا ۸: ۲۷، یاد رہے کہ اردو ترجموں میں ”دیوانہ“ کی بجائے ”جس میں بدردعیں تھیں“ کے

الفاظ ہیں ۱۲ ۱۔ آیت ۲، ۳۔ مرقس ۱۱: ۱۰ و لوقا ۱۹: ۲۹ تا ۳۸ و یوحنا ۱۲: ۱۳،

۴۔ آیت ۶، ۵۔ آیت ۱۸ و ۱۹، ۶۔ آیات ۱۸ تا ۲۲، ۷۔ آیت ۲۶ تا ۳۰،

۸۔ یہاں سے اختلاف نمبر ۸ تک کسی جگہ اناجیل کی عبارتیں بعینہ نقل نہیں کی گئی ہیں، بلکہ مفہوم کے بیان

”عیسیٰ علیہ السلام کی ملاقات پطرس اور اندراوس و یعقوب اور یوحنا سے گلیل کی جھیل کے کنارے ہوئی، مسیح نے ان کو اسلام کی دعوت دی اور انھوں نے مسیح کی اتباع کی“

اور یوحنا کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ:-

”یعقوب کے سوا دوسروں سے دریائے اردن کے پار ملاقات ہوئی“

(۳) مہتی اور مرقس کہتے ہیں کہ:-

”پہلے پطرس اور اندراوس سے گلیل کی جھیل پر ملاقات ہوئی، پھر کچھ دیر کے بعد یعقوب اور یوحنا اسی جھیل پر ملے“

اور یوحنا لکھتا ہے کہ:-

”پہلے یوحنا اور اندراوس سے اردن کے پار ملاقات ہوئی، پھر پطرس اپنے بھائی...

اندراوس کی ہدایت پر حاضر ہوا، پھر اگلے روز جب مسیح نے گلیل کی جانب جانے کا ارادہ کیا تو فیلیپس آکر ملا، پھر اس کی ہدایت پر مہتی ایل حاضر ہوا“

یوحنا کے اس بیان میں یعقوب کا ذکر نہیں،

رس مہتی اور مرقس دونوں کہتے ہیں کہ:-

”مسیح جب اُن سے ملے ہیں تو ہم لوگ جال ڈالنے اور اس کی درستی میں مشغول تھے،

اور یوحنا جال کا قطعی ذکر نہیں کرتا، بلکہ یہ بیان کرتا ہے کہ:-

”یوحنا اور اندراوس نے یحییٰ سے عیسیٰ کی تعریف سنی اور دونوں خود مسیح کی خدمت

لے آیت ۴۰ تا ۴۲، کیونکہ یوحنا نے ان حضرات سے ملاقات کا واقعہ گلیل جانے سے پہلے اردن کے پار موجود

رہنے کے وقت بیان کیا ہے، ۵ آیت ۴۲ تا ۵۱،

میں حاضر ہوئے، پھر پطرس اپنے بھائی کی ہدایت پر حاضر ہوا»

لڑکی کو زندہ کیا یا شفا دی
جو شخص انجیل متی کے باب ۹ کا مقابلہ انجیل مرقس کے
باب ۵ سے کرے گا جس میں رئیس کی بیٹی کا واقعہ مذکور ہے
تو بڑا اختلاف پائے گا، پہلی انجیل کا بیان یہ ہے کہ:-

”رئیس مسیح کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میری بیٹی مر گئی“

دوسری انجیل کہتی ہے:-

”وہ آیا اور کہا کہ میری بیٹی مرنے کے قریب ہے، پھر عیسیٰ اس کے ہمراہ گئے، پھر
جب یہ لوگ راستہ میں تھے تو رئیس کے لوگ پیچھے اور انھوں نے اس کے مرنے
کی خبر دی“

پچھلے محققین اس موقع پر معنوی اختلاف تسلیم کرتے ہیں، کچھ لوگوں نے پہلی انجیل
کے بیان کو ترجیح دی، اور بعض نے دوسری کے بیان کو، اور بعض لوگوں نے اس سے اس
بات پر استدلال کیا ہے کہ متی انجیل کا کاتب نہیں ہو سکتا، ورنہ وہ منجمل حال نہ لکھتا،
لوقا کا بیان قصہ کے سلسلہ میں مرقس کے موافق ہے، مگر وہ کہتا ہے کہ رئیس کے گھر سے
آکر موت کی اطلاع دینے والا ایک شخص تھا

مسیحی علماء میں اس لڑکی کی موت آج تک معمرہ بنی ہوئی ہے، اور ان کا اس بات
میں بھی اختلاف ہے کہ وہ لڑکی حقیقت میں مر گئی تھی یا نہیں؟ فاضل نیندر اس کی موت
کا قائل نہیں ہے، بلکہ اس کا غالب گمان یہ ہے کہ وہ صرف دیکھنے میں مردہ نظر آتی تھی

۱۵ متی، ۱۸: ۹ ، ۱۵ مرقس ۵: ۲۳ ، ۱۵ آیت ۳۵ ،

۱۵ لوقا ۸: ۴۹ ، حالانکہ مرقس کا بیان یہ ہے کہ اطلاع دینے والے کئی آدمی تھے ۱۲ تھی

واقع میں مری نہیں تھی،

بالش اور شیلی میٹر اور شاشن کہتے ہیں کہ وہ مری نہیں تھی، بلکہ ہیوشی کی حالت میں تھی، ان کے قول کی تائید مسیح کا یہ ظاہری قول کرتا ہے کہ بچی مری نہیں ہے بلکہ سو رہی ہے۔ ان لوگوں کی رائے کے بموجب پھر اس واقعہ سے مردے کو زندہ کرنے کا معجزہ ثابت نہیں ہوتا۔

لاٹھی ساتھ لینے کی ممانعت
اختلاف نمبر ۷

انجیل متی کے باب ۱۰ آیت ۱۰ اور انجیل لوقا کے باب ۱۰ آیت ۳ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مسیح نے جب حواریوں کو روانہ کیا تو ان کو اپنے ساتھ لاٹھی رکھنے سے منع کیا، انجیل مرقس باب ۱۰ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح نے ان کو لاٹھی لینے کی اجازت دی تھی،

حضرت یحییٰ نے حضرت عیسیٰ کو
کب پہچانا؟ اختلاف ۸

انجیل متی کے باب ۳ میں کہا گیا ہے کہ :-
”جب عیسیٰ یحییٰ کے پاس اصطباغ کے لئے آئے
تو یحییٰ نے ان کو یہ کہہ کر منع کیا کہ میں خود آپ سے پیٹھ

لینے کا محتاج ہوں اور آپ میرے پاس آتے ہیں؟ پھر عیسیٰ نے ان سے اصطباغ لیا، اور

لوقا ۸: ۵۳ مرقس ۱۰: ۳۹

لوقا ۸: ۵۳ مرقس ۱۰: ۳۹

لوقا ۸: ۵۳ مرقس ۱۰: ۳۹

اصطباغ Baptism

عیسائیوں کی ایک رسم ہے کہ وقت کا بزرگترین شخص لوگوں کو پانی میں

یا کسی رنگ میں نہلاتا ہے، عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ اس طرح گناہ دھلتے ہیں، کوئی شخص نیا نیا عیسائی ہوتا ہے

کو سب سے پہلے اصطباغ کیا جاتا ہے، اردو بائبل میں اس کو ”بپتسمہ“ کے نام سے یاد کیا گیا ہے، اس رسم کی

پوری تفصیل راقم الحروف نے مقدمہ میں بیان کر دی ہے ۱۲ تقی

پانی میں چلے، پھر آپ پر کبوتر کی شکل میں خدا کی رُوح نازل ہوئی۔

اور انجیل یوحنا کے باب میں یوں ہے کہ:-

”یوحنا نے یہ گواہی دی کہ میں نے رُوح کو کبوتر کی طرح آسمان سے اُترتے دیکھا ہے،

اور وہ اُس پر ٹھہر گیا، اور میں تو اُسے پہچانتا نہ تھا، مگر جس نے مجھے پانی سے بپتسمہ دینے

کو بھیجا اسی نے مجھ سے کہا کہ جس پر تو رُوح کو اُترتے ٹھہرتے دیکھے وہی رُوح القدس

سے بپتسمہ دینے والا ہے۔“

اور انجیل متی کے باب الیں یوں ہے:-

”اور یوحنا نے قید خانہ میں مسیح کے کاموں کا حال سُنا اپنے شاگردوں کی معرفت

پُچھا: بھیجا کہ آنے والا تو یہی ہے، یا ہم دوسرے کی راہ دیکھیں۔“

پہلی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یحییٰ عیسیٰ کو نزولِ رُوح کے پہلے سے جانتے

تھے، اس کے برعکس دوسری عبارت یہ کہتی ہے کہ نزولِ رُوح سے پہلے بالکل واقف نہ

تھے، بعد میں پہچانا، تیسری عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ نزولِ رُوح کے بعد بھی اُن کو

نہیں پہچانا،

مصنف میزان الحق نے اپنی کتاب حل الاشکال کے صفحہ ۱۳۳ پر پہلی دونوں عبارتوں

کی ایسی توجیہ کی ہے جس کی تردید استبشار کے مصنف نے کامل طور پر کر دی ہے۔

۱۵ آیت ۳۲ و ۳۳،

۱۶ یعنی حضرت یحییٰ علیہ السلام ۱۲

۱۷ کیونکہ آپ نے بپتسمہ دینے سے اسی بنا پر انکار کیا ۱۲

۱۸ اسی لئے شاگردوں کو بھیجا ۱۲

اور یہ تردید مجھ تک پہنچی، اسی طرح میں نے بھی اس کی تردید اپنی کتاب ازالۃ الشک میں کی ہے، چونکہ توجیہ مذکور کمزور تھی، اور اس سے متی کی دونوں عبارات کا اختلاف دور نہیں ہوتا تھا اس لئے میں نے تطویل کے اندیشہ سے اسے یہاں ترک کر دیا،

اختلاف ۷۹ | انجیل یوحنا باب ۵ آیت ۳۱ میں مسیح کا قول اس طرح مذکور ہے:۔
”میں خود اپنی گواہی دوں تو میری گواہی سچی نہیں“

اور اسی انجیل کے باب ۸ آیت ۱۴ میں یوں ہے کہ:۔

”اگرچہ میں اپنی گواہی آپ دیتا ہوں تو بھی میری گواہی سچی ہے“

اختلاف ۸۰ | انجیل متی باب ۵ اسے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی بیٹی کی شفاء کے لئے فریاد کرنے والی عورت کنعان کی رہنے والی تھی،

اس کے برعکس انجیل مرقس کے باب ۵ ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قومیت کے لحاظ سے یونانی اور خاندانی اعتبار سے سورینیسی تھی،

مرقس باب ۷ میں لکھا ہے:۔

”عیسیٰ علیہ السلام نے صرف ایک شخص کو اچھا کیا

تھا جو بہرا اور گونگا تھا“

حضرت عیسیٰ نے کتنوں کو

شفاردی؟ اختلاف ۸۱

اس کے برخلاف متی نے باب ۵ میں اس ایک کو بڑی جماعت کے ساتھ تعبیر کیا ہے، اور کہتا ہے کہ:۔

ص ۳۸۳ ج اول، اس موقع پر مصنف نے بڑی قیمتی بحث فرمائی ہے، شائقین ضرور مطالعہ کریں،

۷۹ ”اور دیکھو ایک کنعانی عورت ان سرحدوں سے نکلی الخ“ (۲۲: ۱۵) ۷۹ آیت ۲۶

۷۹ آیات ۳۲، ۳۵، ۷۹ آیت ۳۰، حالانکہ واقعہ ایک ہی ہے ۱۲

”ایک بڑی بھڑکنگڑوں، اندھوں، گونگوں، ٹنڈوں اور بہت سے اور بیاروں
کو اپنے ساتھ لے کر اس کے پاس آئی اور اُن کو اس کے پاؤں میں ڈال دیا، اور اس نے
انہیں اچھا کر دیا۔“

انجیل کی غیر معمولی مبالغہ آرائی | یہ مبالغہ ایسا ہی ہے جس قسم کا مبالغہ چوتھی انجیل داے نے
اپنی انجیل کے آخر میں کیا ہے کہ:-

”اور بھی بہت سے کام ہیں جو مسیح نے کئے اگر وہ جدا جدا لکھے جاتے تو میں سمجھتا ہوں
کہ جو کتابیں لکھی جاتیں اُن کے لئے دنیا میں گنجائش نہ ہوتی۔“

ملاحظہ کیجئے ان صاحب کی خیال آرائی اور بلند پروازی کو، ہمارا خیال تو اس کے برعکس یہ
ہو کہ یہ ساری کتابیں ایک چھوٹی ٹیسی کو ٹھہری کے ایک گوشہ میں سما سکتی ہیں، مگر چونکہ یوگ
عیسائیوں کے نزدیک صاحب الہام ہیں، اور ان کی ہر بات الہامی ہوتی ہے، اس لئے
اس کے سامنے کوئی کیا بول سکتا ہے؟

انجیل متی باب ۲۶ میں ہے کہ مسیحؑ نے حواریوں سے خطاب کرتے
اختلاف نمبر ۸۲ ہوتے کہا:-

”تم میں سے ایک مجھے پکڑ دے گا، وہ بہت دل گیر ہوئے، اور ہر ایک اس کا کہہ لگا
اے خداوند کیا میں ہوں؟ اس نے جواب میں کہا، جس نے میرے ساتھ طباق میں ہاتھ
ڈالے، وہی مجھے پکڑ دے گا..... یہوداہ نے جواب میں کہا اے ربی: کیا میں ہوں؟
اس نے اس سے کہا تو نے خود کہا دیا۔“

اس کے برعکس انجیل یوحنا باب ۱۳ میں یہ واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ،

۱۵ یوحنا ۲۱: ۲۵،

”میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ تم میں سے ایک شخص مجھے پکڑوائے گا، شاگرد شبہ کر کے کہ وہ کس کی نسبت کہتا ہے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے، اس کے شاگردوں میں سے ایک شخص جس سے یسوع محبت رکھتا تھا یسوع کے سینے کی طرف جھمکا ہوا کھانا کھانے بیٹھا تھا، پس شمعون پطرس نے اس سے اشارہ کر کے کہا کہ بتا تو وہ کس کی نسبت کہتا ہے؟ اس نے اسی طرح یسوع کی چھاتی کا سہارا لے کر کہا کہ اے خداوند! وہ کون ہے؟ یسوع نے جواب دیا کہ جسے میں نوالہ ڈبو کر دیدوں گا وہی ہے، پھر اس نے نوالہ ڈبویا، اور لے کر شمعون اسکرپتی کے بیٹے یہوداہ کو دیدیا۔“

اختلاف نمبر ۸۳ | متی نے یہوداہ کے عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرنے کا حال لکھا ہوتا ہے باب ۲۶ میں ذکر کیا ہے کہ:-

”یہوداہ نے یہودیوں کو یہ علامت بتائی تھی کہ جس کو میں بوسہ دوں، اس کو تم گرفتار کر لینا، پھر ان کے ہمراہ آیا، اور عیسیٰ علیہ السلام کے آگے آکر کہا کہ اے میرے آقا، اور ان کو بوسہ دیا، پھر یہودیوں نے مسیح کو گرفتار کر لیا۔“

اس کے خلاف انجیل یوحنا باب ۱۸ میں اس طرح ہے کہ:-

”پس یہوداہ سپاہیوں کی پلٹن اور سردار کاہنوں اور فریسیوں سے پیادے لے کر مشعلوں اور چسراغوں اور ہتھیاروں کے ساتھ وہاں آیا، یسوع ان سب باتوں کو جو اُس کے ساتھ ہونے والی تھیں جان کر باہر نکلا اور اُن سے کہنے لگا کہ کسے ڈھونڈتے ہو؟ انھوں نے اُسے جواب دیا، یسوع ناصری کو، یسوع نے اُن سے کہا میں ہی ہوں اور اس کا پکڑوانے والا یہوداہ بھی اُن کے ساتھ کھڑا تھا، اُس کے یہ کہتے ہی کہ میں ہی

۱۵ یہ آیت ۸: ۵ کا مفہوم ہے ۱۲ ۱۵ آیات ۱۳، ۱۴

ہی ہوں، وہ پیچھے ہٹ کر زمین پر گر پڑے، پس اس نے اُن سے پھر پوچھا کہ تم
کسے ڈھونڈتے ہو؟ انھوں نے کہا یسوع ناصری کو، یسوع نے جواب دیا کہ میں
تم سے کہہ تو چکا۔۔۔ کہ میں ہی ہوں، پس اگر مجھے ڈھونڈتے ہو تو انھیں جاؤ
..... تب سپاہیوں اور ان کے صوبیدار اور یہودیوں کے پیادوں نے یسوع

کو پکڑ کر باندھ لیا۔

چاروں اناجیل والے پطرس کے انکار کے سلسلہ میں آٹھ لحاظ
سے اختلاف کر رہے ہیں۔

پطرس کا انکار
اختلاف نمبر ۸۴

① متی اور مرقس کی روایت کے مطابق پطرس کو حضرت عیسیٰ

کا شاگرد قرار دینے والی دو لڑکیاں تھیں اور کچھ پاس کھڑے ہوتے مرد، اور لوقا کی
روایت کے مطابق ایک باندی اور دو مرد تھے،

۱۔ حضرت عیسیٰ السلام نے درودایت انجیل، گرفتار ہونے سے ایک روز پہلے پطرس سے کہا تھا
کہ تم مرغ کی اذان دینے سے پہلے تین مرتبہ مجھے پہچاننے سے انکار کر دو گے، چنانچہ جب یہودیوں نے حضرت
عیسیٰ کو گرفتار کر لیا تو پطرس ان کے پیچھے پیچھے گئے، اور تین یہودیوں نے انھیں باری باری آگ کی روشنی
میں دیکھ کر کہا کہ یہ بھی ان کا ساتھی ہی، مگر پطرس نے ہر بار حضرت عیسیٰ کا ساتھی ہونے اور آپ کو پہچاننے
سے انکار کیا، اتنے میں مرغ بول پڑا تو انھیں حضرت عیسیٰ کی کہی ہوئی بات یاد آئی، مصنف یہاں اسی واقعہ
کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں ۱۲ تقی

۵۲: ۵ تا ۷،

۵۳ مرقس ۱۴: ۲۷ تا ۲۹، میں مذکور ہو کہ ایک لونڈی نے دو مرتبہ یہ بات کہی، پھر تیسری بار پاس کھڑے

ہونے والوں نے بھی اس کی تصدیق کی ۱۲

۵۴ لوقا ۲۲: ۵۶ تا ۶۰،

② پہلی باندی کے سوال کرتے وقت متی کی روایت کے مطابق پطرس کے مکان کے صحن میں تھے، اور لوقا کی روایت کے بموجب مکان کے درمیان تھے، اور مرقس کے بیان کے موافق مکان کے نیچے کے حصہ میں، اور یوحنا کے قول کے مطابق اندر،

③ پطرس سے کیا سوال کیا گیا؟ اس میں چاروں انجیلوں کا اختلاف پایا جاتا ہے

④ مرغ کا بولنا متی اور لوقا اور یوحنا کے روایت کے مطابق صرف ایک مرتبہ

یعنی جبکہ پطرس تین مرتبہ انکار کر چکا، اور مرقس کے بیان کے مطابق تین مرتبہ، ایک دفعہ پہلے انکار کے بعد اور دو مرتبہ دوبارہ انکار کے بعد،

⑤ متی اور لوقا کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پطرس سے کہا تھا کہ تو مرغ کے بانگ دینے سے پہلے تین بار میرا انکار کرے گا، اور مرقس کہتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا کہ تو مرغ کے دو مرتبہ بولنے سے پہلے تین مرتبہ میرا انکار کرے گا،

⑥ پطرس کا جواب اس باندی کو جس نے پہلے سوال کیا تھا متی کی روایت کے مطابق یہ ہے کہ ”میں نہیں جانتا کہ تو کیا کہتی ہے“ اور یوحنا کی روایت کے مطابق صرف ”میں نہیں ہوں“ تھا، اور مرقس کی روایت کے بموجب ”میں تو نہ جانتا اور نہ سمجھتا ہوں کہ تو کیا کہتی ہے“ اور لوقا کے بیان کے موافق ”اے عورت میں اس کو نہیں جانتا

۱۵ آیت ۶۹، ۱۵ آیت ۵۵، ۱۵ آیت ۶۶، ۱۵ یوحنا ۱۸: ۱۷، ۱۷، ۱۸

۱۵ یوحنا میں ہو کہ ”کیا تو بھی اس شخص کے شاگردوں میں سے ہے؟“ (۱۸: ۱۷) لوقا میں ہے کہ لونڈی نے سوال نہیں کیا، اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ ”یہ بھی اس کے ساتھ تھا“ مرقس اور متی کا بیان ہے کہ خود پطرس سے خطاب کر کے کہا ”تو بھی یسوع گیلی کے ساتھ تھا“ ۱۲

۱۵ متی ۲۶: ۳۵، لوقا ۲۲: ۳۲،

۱۵ مرقس ۱۴: ۳۰،

۷) متی کی روایت کے مطابق پطرس نے دوسرے سوال کا جواب قسم کھا کر اس طرح دیا ”میں اس آدمی کو نہیں جانتا“ اور یوحنا کی روایت کے مطابق اس کا قول یہ تھا کہ ”میں نہیں ہوں“ اور مرقس کی روایت کے مطابق فقط انکار اور لوقا کی روایت کے مطابق ”میاں میں نہیں ہوں“

۸) کھڑے ہوئے لوگ مرقس کے بیان کے مطابق سوال کے وقت گھر سے باہر تھے، اور لوقا کے کہنے کے موافق وہ صحن کے درمیان میں تھے۔

انجیل لوقا باب ۲۳ میں ہے کہ:-

اختلاف نمبر ۸۵

”اور جب اس کو (یعنی حضرت مسیح کو) لئے جاتے تھے تو انہوں

نے شمعون نام ایک کرینی کو جو دیہات سے آتا تھا پکڑ کر صلیب اس پر رکھ دی کہ

یسوع کے پیچھے پیچھے چلے“

اور انجیل یوحنا باب ۱۹ میں اس کے برعکس یوں ہے کہ:-

”پس وہ یسوع کو لے گئے، اور وہ اپنی صلیب آپ اٹھائے ہوئے اس جگہ تک

باہر گیا جو کوٹھری کی جگہ کہلاتی ہے۔“

پہلی تینوں انجیلوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام بجے

اختلاف نمبر ۸۶

کے قریب صلیب پر تھے،

۱۵ آیت ۲۶ نیز متی ۲۷: ۳۲، مرقس ۱۵: ۲۱ میں یہ تصریح بھی ہو کہ شمعون صلیب اٹھائے کو ٹھہری

کی جگہ تک گیا ۱۲ ۱۵ قیروان شہر کی جانب منسوب ہے۔

۱۶ متی ۲۷: ۳۵، مرقس ۱۵: ۳۳، لوقا ۲۳: ۴۴ کے عربی اور انگریزی ترجموں میں مذکور ہے کہ حضرت

مسیح کو صلیب پر چڑھانے کے بعد چھ بجے سے اندھیرا چھایا رہا، اور اردو ترجموں میں ان سب مقامات پر

”چھ بجے“ کے بجائے ”دوپہر کے قریب“ کے الفاظ مذکور ہیں ۱۲ تقی

اور انجیل یوحنا سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ٹھیک اُس وقت پیلاطس نے بھٹی کے دربار میں تھے،

اختلاف نمبر ۸۷ متی اور مرقس ان دو چوروں کے بارے میں جن کو حضرت مسیح کے ہمراہ سولی دی گئی، کہتے ہیں کہ:-

”وہ ڈاکو بھی جو اس کے ساتھ مصلوب ہوتے تھے اس پر لعن طعن کرتے تھے“

لیکن لوقا کا بیان یہ ہے کہ ایک نے مسیح کو بے شرم کہا اور دوسرے نے ان سے چلا کر کہا اے یسوع! جب تو اپنی بادشاہی میں آئے تو مجھے یاد کرنا! پھر مسیح نے اس کو جواب دیا کہ:-

”آج ہی تو میرے ساتھ مسردوس میں ہوگا“

اردو تراجم مطبوعہ ۱۸۳۹ء و ۱۸۴۰ء و ۱۸۴۱ء و ۱۸۴۲ء کے مترجموں نے متی اور مرقس کی عبارت میں تحریف کر ڈالی، اور اختلاف رفع کرنے کے لئے تشبیہ کو مفرد سے بدل دیا، یہ بات اُن کی طبیعت ثانیہ بن چکی ہے، جس کے چھوٹنے کی امید نہیں ہے۔

۱۵ یوحنا ۱۹: ۱۳ کے اردو ترجمہ میں بھی ”چھٹ گھنٹے“ کے الفاظ ہیں ۱۲

۱۶ پیلاطس Pilate یہوداہ کا گورنر جو حضرت عیسیٰ کے آخری دور میں حکمران تھا ۱۲

۱۷ متی ۲۴: ۲۴، مرقس ۱۵: ۲۲،

۱۸ ۲۳، ۲۲، ۲۳

۱۹ صرف یہی نہیں، اس سے پہلے یہ بھی ہے کہ جب پہلے نے آپ کو لعن طعن کیا تو دوسرے نے اُسے جھڑک کر جواب دیا کہ ”کیا تو خدا سے بھی نہیں ڈرتا؟ حالانکہ اسی سزا میں گرفتار ہے الخ“ (۲۰: ۲۳)

۲۰ مگر موجودہ اردو ترجموں میں تشبیہ ہی کا صیغہ ہے،

اختلاف نمبر ۸۸

انجیل متی کے باب ۲۰ و ۲۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام
اریکا سے روانہ ہو کر یردشلیم پہنچے، اور انجیل یوحنا باب ۱۲

سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ افرائیم سے چل کر بیت عین پہنچے جہاں پر رات گزاری، پھر
یردشلیم آئے،

حضرت عیسیٰ کا مُردوں کو

ان اناجیل سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام
نے آسمان پر چڑھنے سے قبل تین مُردوں کو زندہ کیا،

زندہ کرنا، اختلاف نمبر ۸۹

ادل رئیس کی بیٹی کو، جیسا کہ پہلی تینوں انجیلوں

والے نقل کرتے ہیں، دوسرے وہ مُردہ جس کو فقط لوقا اپنی انجیل کے باب ۷ میں نقل کرتا ہے
تیسرا لھرز جس کو صرف یوحنا اپنی انجیل کے باب ۱۱ میں نقل کرتا ہے،
مگر کتاب الاعمال باب ۲۶ میں کہا گیا ہے کہ:-

”مسیح کو دیکھا اٹھانا ضرور ہے، اور سب پہلے وہی مُردوں میں سے زندہ ہو کر اس

امت کو اور غیر قوموں کو بھی نور کا اشتہار دے گا۔“

اور کرنتھیوں کے نام پہلے خط کے باب ۱، آیت ۲۰ میں یوں ہے کہ:-

”مسیح مُردوں میں سے جی اٹھا ہے اور جو سو گئے ہیں ان میں پہلا پہل ہوا۔“

اور آیت ۲۲ میں ہے کہ:-

”مسیح میں سب زندہ کئے جائیں گے، لیکن ہر ایک اپنی اپنی باری سے، پہلے پہل

مسیح، پھر مسیح کے آنے پر اس کے لوگ۔“

۱۵ آیات ۱ تا ۱۵،

۱۵ آیت ۵۴،

۱۵ آیت ۲۳،

۱۵ آیات ۲۱ تا ۲۴،

اور کلتیوں کے نام پولس کے خطا کے باب میں حضرت مسیح کے اوصاف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

”مردوں میں سے جی اٹھنے والوں میں پہلو ٹھا، تاکہ سب مردوں میں اس کا اول درجہ“
 یہ تمام اقوال مسیح سے پہلے کسی مرنے والے کے اٹھنے کی نفی کر رہے ہیں، ورنہ مسیح سب سے پہلے اٹھنے والے نہیں ہو سکتے اور اس معاملہ میں سب مقدم نہیں ہو سکتے، ورنہ پولس کے یہ اقوال کیونکر صادق ہو سکتے ہیں؟ (۱) وہ مردوں میں سب سے پہلے کھڑا ہوگا، (۲) سونے والوں میں پہلو ٹھا ہوگا، (۳) مسیح پہلو ٹھا ہے اور مردوں میں پہلا ہے، اور وہ قول کیسے صادق ہوگا جو مشاہدات کے باب آیت ۵ میں اس طرح ہے:
 ”اور یسوع مسیح کی طرف سے جو سچا گواہ اور مردوں میں سے جی اٹھنے والوں میں پہلو ٹھا“
 اس کے علاوہ قول جو کتاب ایوب کے باب آیت ۹ میں اس طرح واقع ہے:
 ”جیسے بادل پھٹ کر فانی ہو جاتا ہے، ویسے ہی وہ جو قبر میں اترتا ہے پھر کبھی اوپر نہیں آتا،“ اپنے گھر کو پھر نہ لوٹے گا، نہ اس کی جگہ اس کو پہچانے گی (آیات ۹ تا ۱۰)
 اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۸۵ء کے الفاظ یہ ہیں:

”آبر پر آگندہ شدہ نابود می شود بہ ہمیں طور کسیکہ بقبر می رود بر نمی آید، بخاندان دیگر بر نخواهد گردید و مکانش دیگر دیرا نخواهد شناخت“

ترجمہ ”بادل پر آگندہ ہو کر نابود ہو جاتا ہے، اسی طرح جو شخص قبر میں جاتا ہے، پھر باہر نہیں آتا، اس کے گھر میں کوئی دوسرا نہیں آئے گا، اور اس کی جگہ اس کے سوا کسی اور کو نہ پہچانے گی“

اور اسی کتاب کے باب آیت ۱۳ میں ہے کہ:-

و لیے آدمی لیٹ جاتا ہے اور اٹھتا نہیں، جب تک آسمان ٹل نہ جائے وہ بیدار نہ ہوں گے، اور نہ اپنی نیند سے جگائے جائیں گے۔

پھر آیت ۳ میں ہے:

اگر آدمی مر جائے تو کیا وہ پھر جئے گا؟

اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۳۸۸ء میں ہے:

انسان میخوابد و نخواهد برخاست تا دمیکہ آسمان محو نشود بیدار نخواهد شد و او

از خواب برخوابد برخاست۔

ترجمہ: انسان سو جاتا ہے، اور نہیں اٹھے گا تا وقتیکہ آسمان نہ مٹ جائے بیدار نہ ہوگا،

اور نیند سے نہیں اٹھے گا۔

اور چودھویں آیت میں ہے:

آدمی ہر گاہ بگیرد آیا زندہ می شود؟ جب آدمی مر جاتا ہو تو کیا وہ زندہ ہوتا ہو؟

ان اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح سے کبھی بھی مردوں کو زندہ کرنے والا معجزہ صادر نہیں

ہوا، اور رئیس کی بیٹی کو زندہ کرنے کے سلسلہ میں عیسائی علماء کا اختلاف آپ کو نمبر ۷

میں معلوم ہی ہو چکا ہے،

نیز ایوب کے اقوال سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ مسیح کا مردوں کے درمیان

اٹھ کھڑا ہونا محض باطل ہے، اور ان کے مرنے اور سولی دیئے جانے کا واقعہ ان

۱۔ کتاب ہذا، ص ۱۹۳ جلد ہذا

۲۔ یہ بات قدیمے کمزور معلوم ہوتی ہے، اس لئے کہ کتاب ایوب میں ایک عمومی دستور بیان کیا گیا
ہو، معجزے کی کوئی خاص صورت اس سے مستثنیٰ ہو سکتی ہو، اور اس سے تعارض لازم نہیں آتا، تعقی

مصنوعی انجیلوں میں عیسائیوں کی من گھڑت کہانی ہے،

لیکن یہ یاد رہے کہ ہم نے مسیح کے احیاء موتی کے معجزہ کے انکار کے سلسلہ میں جو کچھ بھی کہا ہے وہ محض الزامی طور پر کہا ہے، جیسا کہ کتاب کے شروع میں آپ کو بتایا جا چکا ہے۔

حضرت عیسیٰ کا دوبارہ

زندہ ہونا، اختلاف ۹۔

مسیح کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مریم مگدالینی اور دوسری مریم جب قبر کے پاس پہنچیں تو خدا کا فرشتہ نازل ہوا اور پتھر قبر سے لڑھک گیا، اور وہ اُس پر بیٹھ گیا، اور کہنے لگا کہ تم ڈر مت اور جلدی چلی جاؤ،

اور مرقس کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دونوں اور سلومی جب قبر کے پاس پہنچیں تو دیکھا کہ پتھر لڑھکا ہوا ہے، اور جب قبر میں داخل ہوئیں تو ایک سفید پوش جوان کو قبر میں داہنی جانب بیٹھا ہوا دیکھا،

اور لوقا کا بیان ہے کہ یہ جب پہنچیں تو پتھر کو لڑھکا ہوا پایا، پھر وہ قبر میں داخل ہو گئیں، مگر مسیح کا جسم نہ پایا تو حیران ہو گئیں، اچانک اپنے پاس دو شخصوں کو دیکھا کہ سفید کپڑے پہنے ہوئے کھڑے ہیں،

۱۵ یہ دونوں انجیلوں کی روایت کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیر و تھیں، (اور بزرگ نصاریٰ آپ کی قبر پر زیارت کے لئے آتی تھیں)۔

۱۶ انہیں متی ۵۶:۲۷ میں یوسیمس کی ماں کہا گیا ہے، اور لوقا ۱۱:۱۶ میں یعقوب کی ماں ۱۲

۱۷ پورے الفاظ ۱۷:۲۸ میں جانتا ہوں کہ تم یسوع کو ڈھونڈتی ہو جو مصلوب ہوا تھا، وہ یہاں نہیں ہے، کیونکہ اپنے کہنے کے مطابق جی اٹھا ہے، آؤ یہ جگہ دیکھو جہاں خداوند پڑا تھا، اور جلد جا کر اس کے شاگردوں سے کہو کہ وہ مردوں میں سے جی اٹھا ہے“ (۲۸: ۵ تا ۷)۔

۱۸ ۵۶:۱۶:۲۷، پھر اُس نے وہی بات کہی جو متی ۵۶:۲۸ سے ہم نے نقل کی ۱۲:۱۷ لوقا ۲۲:۲۲:۲۳،

اختلاف نمبر ۹۱

متی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتہ نے جب دونوں عورتوں کو خبر دی کہ مسیح زندہ ہو گیا ہے تو وہ دونوں واپس ہوئیں، اور راستہ میں اُن سے مسیح کی ملاقات ہوئی، مسیح نے اُن کو سلام کیا، اور کہا کہ تم جاؤ اور میرے بھائیوں کو کہدو کہ وہ گلیل چلے جائیں، وہاں مجھ کو دیکھ سکیں گے،

اور لوقا کہتا ہے کہ ان عورتوں نے جب در شخصوں سے سنا تو واپس ہوئیں اور گیارہ اشخاص اور تمام شاگردوں کو اس واقعہ کی اطلاع دی، مگر انھوں نے ان عورتوں کے بیان کو سچا نہیں مانا۔

اور یوحنا سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ کی ملاقات مریم سے قبر کے پاس ہوئی،

انجیل لوقا کے باب ۱۱ میں لکھا ہے کہ:-

ہابیل کے خون سے لے کر اس زکریا کے خون تک

جو ترسان گاہ اور مفت دین کے بیچ میں ہلاک ہوا

ایک شخص دوسرے کا گناہ اٹھائے گا؟ اختلاف ۹۲

میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اسی زمانہ کے لوگوں سے بائیس کی جائے گی»

اور کتاب حزقیال کے باب ۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کے گناہ کے عوض ماخوذ نہ ہوگا،

اسی طرح تورات کے اکثر مقامات میں لکھا ہے کہ اولاد تین یا چار پشتوں تک باپ دادا کے گناہوں کے عوض ماخوذ ہوگی۔

۱۵: ۲۸، ۱۰: ۲۳، ۱۵: ۲۳، یعنی گدالین، ۱۵: ۲۰، یوحنا ۱۳: ۱۵،

۱۵: ۱۵، ۱۵: ۱۵، جو جان گناہ کرتی ہے وہی مرے گی، بیٹا باپ کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا

اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ (متی ۲۰: ۱۲۸)

اختلاف نمبر ۹۳

تیمتھیس کے نام پہلے خط کے باب آیت ۳ و ۴ میں ہے کہ :-

”یہ ہمارے مہنجی خدا کے نزدیک عمدہ اور پسندیدہ ہے، وہ چاہتا

ہے کہ سب آدمی نجات پائیں، اور سچائی کی پہچان تک پہنچیں“

اور تھسلنیکیوں کے نام دوسرے خط کے باب آیت ۱۱ و ۱۲ میں ہے کہ :-

”اسی سبب خدا ان کے پاس گمراہ کرنے والی تاثیر بھیجے گا تاکہ وہ جھوٹ کو سچ جانیں

اور جتنے لوگ حق کا یقین نہیں کرتے بلکہ ناراستی کو پسند کرتے ہیں، وہ سب ناپائیں“

ملاحظہ کیجئے پہلی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا مقصد یہ ہے کہ تمام

انسان نجات پائیں اور حق کی پہچان تک رسائی حاصل کریں، اور دوسری عبارت بتاتی

ہے کہ خدا اُن پر گمراہی کی تاثیر بھیجتا ہے، پھر وہ جھوٹ کو سچ ماننے لگتے ہیں، پھر وہ اس

اُن کو سزا دے گا، حالانکہ پروٹسٹنٹ کے علماء بعینہ یہی عیب دوسرے مذاہب میں

نکالتے ہیں، اب ان محترضین کو اس کے سوا کیا کہا جاتے کہ کیا خدا کا لوگوں کو پہلے

گمراہ کرنا، پھر اُن کو سزا دینا تمھارے نزدیک نجات اور معرفت حق حاصل کرنے کی

کوئی قسم ہے؟

پولس کے عیسائی ہونیکا واقعہ

اختلاف نمبر ۹۳ تا ۹۶

کتاب الاعمال کے باب ۹ و باب ۲۲ و باب ۲۶ میں

پولس کے ایمان لانے کا حال لکھا ہے، اور تینوں

ابواب میں کئی لحاظ سے اختلاف ہے۔ ہم اس

۱۔ یعنی انسانوں کو سنجیدگی اور دینداری کے ساتھ زندگی گزارنا (آیت ۱)

۲۔ یہاں مصنف خاص طور سے علماء پروٹسٹنٹ کو اس لئے الزام دے رہے ہیں کہ وہ خدا کو خالق شر نہیں مانتے اور

رومن کیتھولک فرقہ پر، نیز مسلمانوں پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ تمھارے مذہب پر یہ لازم آتا ہے کہ خدا ہدایت دینے

کے بجائے گمراہ کیا کرتا ہے۔ ۳۔ اس اختلاف کو بخوبی سمجھنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ بائبل کے مطابق پولس

۴۔ جب یہودی تھا تو عیسائیوں کو تکلیف پہنچانے کے لئے دمشق جا رہا تھا، راستہ میں ایک نور اس پر چمکا، اور اسے حضرت

کتاب میں صرف تین وجوہ نقل کرتے ہیں، البتہ اپنی کتاب ازالۃ الشکوک میں ہم نے دس وجوہ لکھی ہیں:-

۱۔ باب ۹ میں ہے کہ:-

”جو آدمی اس کے ہمراہ تھے وہ خاموش کھڑے رہ گئے، کیونکہ آواز تو سنتے تھے مگر کسی کو دیکھتے نہ تھے“

اور باب ۲۲ میں یوں ہے کہ:-

”اور میرے ساتھیوں نے نور تو دیکھا، لیکن جو مجھ سے بولتا تھا اس کی آواز نہ سنی۔“
دیکھتے پہلی عبارت میں ”آواز تو سنتے تھے“ اور دوسری میں ”آواز نہ سنی۔“ دونوں کس قدر مختلف ہیں؟

۲۔ دوسرے باب ۹ میں اس طرح کہا گیا ہے کہ اس سے خدا نے کہا کہ:-

”اٹھ اور شہر میں جا اور جو تجھے کرنا چاہئے وہ تجھ سے کہا جائے گا۔“

اور باب ۲۲ میں بھی ہے کہ:-

”خداوند نے مجھ سے کہا اٹھ کر دمشق میں جا، جو کچھ تیرے کرنے کے لئے معتمد ہو اور

وہاں تجھ سے سب کہا جائے گا۔“

لیکن باب ۲۶ میں اس طرح ہے کہ:-

”اٹھ، اپنے پاؤں پر کھڑا ہو، کیونکہ میں اس لئے تجھ پر ظاہر ہوا ہوں کہ تجھے ان چیزوں

کا بھی خادم اور گواہ معتمد کر دوں جن کی گواہی کے لئے میں تجھے اس اُمت اور غیر

قوموں سے بچاتا رہوں گا جن کے پاس تجھے اس لئے بھیجتا ہوں کہ تو ان کی آنکھیں

کھول دے تاکہ اندھیرے سے روشنی کی طرف اور شیطان کے اختیار سے خدا کی طرف رجوع
لائیں، اور مجھ پر ایمان لانے کے باعث گناہوں کی معافی اور مدت رسوں میں شریک
ہو کر میراث پاتیں۔

دیکھتے! پہلے دونوں بابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ پولس کے ذمہ جو کام تھا اس کی
تفصیل و توضیح کو شہر میں پہنچنے پر موقوف رکھا گیا تھا، اور تیسری عبارت سے معلوم
ہوتا ہے کہ آواز سننے کے مقام پر ہی اس کو بیان کر دیا گیا،

۳۔ پہلی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ اس کے ساتھ تھے وہ خاموش کھڑے رہ گئے
اور تیسری سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زمین پر گر پڑے، اور دوسری عبارت کھڑے رہنے
اور گرنے کے معاملہ میں خاموش ہے،

تیسری ہزار یا چوبیس ہزار؟
اختلاف نمبر ۹،
اگر تخیروں کے نام پہلے خط کے باب آیت ۸ میں
اس طرح کہا گیا ہے کہ:-
”اور ہم حرام کاری نہ کریں جس طرح ان میں سے

بعض نے کی، اور ایک ہی دن میں تیسری ہزار مارے گئے۔“

اور کتاب گنتی کے باب ۲۵ آیت ۹ میں اس طرح ہے کہ:-

”تجتنے اس دبا سے مرے اُن کا شمار چوبیس ہزار تھا۔“

۱۴ جب ہم سب گر پڑے تو میں نے عبرانی زبان میں یہ آواز سنی الخ (اعمال ۲۶: ۱۴)

۱۵ بائبل کے مفسرین متفقہ طور پر کہتے ہیں کہ اس سے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو گنتی ۲۵: ۹ میں مذکور
ہو اور جس میں کہا گیا ہے کہ بنی اسرائیل شطیم میں رہنے کے دوران موآبی عورتوں سے زنا کرنے لگے، جس سے
ان میں سے چوبیس ہزار افراد کو ہلاک کر دیا گیا ۱۲ تقی

دونوں میں ایک، زار کا تفاوت ہے، اس لئے ان میں سے ایک یقینی طور پر غلط ہے،
 حضرت یوسفؑ کے خاندان
 کی تعداد، اختلاف نمبر ۹۸
 ”پھر یوسفؑ نے اپنے باپ یعقوبؑ اور سارے
 کنبہ کو جو پچھتر جانیں تھیں بلا بھیجا“

یہ عبارت اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ یوسفؑ اور ان کے بیٹے جو اُس بلا بھیجنے سے
 قبل مصر میں موجود تھے وہ اس تعداد میں شریک نہیں ہیں، بلکہ یہ تعداد علاوہ یوسفؑ اور
 ان کی اولاد کے باقی خاندان یعقوبؑ کی ہے،

مگر کتاب پیدائش کے باب ۴۶ کی آیت ۲۷ میں ہے کہ:-

”سو یعقوب کے گھرانے کے جو لوگ مصر میں آئے وہ سب مل کر ستر ہوتے“

اور یوسفؑ اور ان کے بیٹے ڈیڑھ آٹلی اور رچرڈ منٹ کی تفسیر کے مطابق اس ستر کے عدد
 میں داخل ہیں، لہذا کی اولاد ۳۲ اشخاص اور زلفا کی ۱۶، اور راحیل کی ۱۱، بلہا کی ۷ اولاد
 یہ کل ۶۶ افراد تھے، پھر جب ان کے ساتھ یعقوبؑ اور یوسفؑ اور ان کے دونوں بیٹوں
 کو شامل کر لیا جائے تو ستر ہو جاتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ انجیل کی عبارت غلط ہے۔

امن سلامتی یا جنگ پیکار؟
 ”مبارک ہیں وہ جو صلح کراتے ہیں، کیونکہ وہ خدا
 کے بیٹے کہلائیں گے“

اس کے برعکس انجیل متی کے باب ۱۰ میں حضرت مسیحؑ کا ارشاد اس طرح مذکور ہے کہ:-

”اے عربی ترجمہ میں ”طوبی اہم“ کے الفاظ ہیں، جس کے معنی مبارک ہیں“ کے علاوہ یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ
 انھیں جنت ملے گی“

”یہ نہ سمجھو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا ہوں، صلح کرانے نہیں، تلوار چلانے آیا ہوں“

ملاحظہ کیجئے دونوں کلاموں میں کس قدر تضاد موجود ہے؟ اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ عیسیٰؑ ان لوگوں میں شامل نہ ہوں جن کے حق میں جنت کی بشارت دی گئی ہے، معاذ اللہ اور نہ اُن کو ابن اللہ کہا جاتے،

یہود اسکریوتی کی موت
متی نے یہود اسکریوتی کی موت کا واقعہ اپنی انجیل کے باب ۲۷ میں نقل کیا ہے، اور یوحنا نے اس واقعہ کو کتاب اعمال باب میں پطرس کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔
اختلاف نمبر ۱۰۰

دونوں بیانوں میں دو لحاظ سے سخت اختلاف ہے،

اول تو یہ کہ پہلے میں تصریح کی گئی ہے کہ ”اس نے جا کر اپنے آپ کو پھانسی دی“ دوسرے میں یہ بات صاف طور پر کہی گئی ہے کہ ”وہ سر کے بل گرا اور اس کا پیٹ پھٹ گیا اور اس کی سب انتڑیاں نکل پڑیں۔“

دوسرے اس لئے کہ پہلے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہوداہ نے کاہنوں اور سرداروں کو جو تیس درہم واپس کئے تھے اس کے عوض کاہنوں نے کھیت خریدا تھا،

۱۰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ حواریوں میں سے ایک، جن نے (بقول انجیل) آجسریں غداری کر کے تیس روپے کے لالچ میں حضرت عیسیٰؑ کو پکڑ دیا تھا، اور بعد میں اپنے اس فعل پر نادم ہو کر دہ تیس روپے سرداروں کو واپس کر دیئے تھے، (تفصیل کے لئے دیکھئے ص ۴۱۶ و ۴۱۷ جلد ہذا) ۱۱ متی ۲۷: ۵۰ ۱۲ اعمال ۱: ۱۸

۱۳ سردار کاہنوں نے روپیہ لیکر کہا ان کو میکل کے خزانہ میں ڈالنا وہاں نہیں، کیونکہ یہ خون کی قیمت ہے پس انجیلوں نے مشورہ کر کے ان روپیوں سے کھار کا کھیت پر دیسیوں کے دفن کرنے کے لئے خریدا (متی ۲۷: ۶-۷)

اور دوسرے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود اہ نے خود اپنے لئے اُن دراہم کے عوض کمیت خرید لیا تھا، مگر پطرس کے کلام میں یہ بھی موجود ہے کہ:

اور یہ یروشلیم کے سب رہنے والوں کو معلوم ہوا۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ متی کا بیان غلط اور لوقا کا درست ہے، اور اس کے غلط ہونے کے پانچ قرائن اور بھی موجود ہیں:-

① اس میں تصریح کی گئی ہے کہ یہود اموت سے پہلے اس بات پر ناوم ہوا کہ اس نے کیوں حضرت مسیح کو مجرم ٹھہرایا، اور ان کو سزا دی گئی، حالانکہ یہ غلط ہے، کیونکہ جس وقت کا یہ واقعہ ہے اس وقت تک حضرت عیسیٰ کو سزا نہیں دی گئی تھی، اور وہ پیلطس کے دربار میں تھے۔

② اس میں تصریح کی گئی ہے کہ یہود اہ نے تیس دراہم کا ہنوں کے سرداروں اور بوڑھوں کو واپس کر دیتے تھے، حالانکہ یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ کاہن اور بوڑھے اس وقت سب کے سب پیلطس کے پاس تھے، یہ لوگ پیلطس کے عبادت خانہ

لے اُس نے بدکاری کی کمائی سے ایک کمیت حاصل کیا۔ (اعمال ۱۸: ۱)

۱۸: ۱ عیسائیوں کے ممتاز عالم لے۔ لیوکن ولیمز A. Lukyn Williains نے یہود اہ

اسکریپتی کے سلسلہ میں ان دونوں اختلافات کا تذکرہ کیا ہے، جہاں تک اُن تیس روپیوں کے بارہ میں متی اور اعمال کے اختلاف کا تعلق ہے اس میں تو اس نے اعمال کے بیان کو رائج قرار دیا۔ دوسرے اختلافات

کے بارہ میں اس نے صاف لکھا ہے کہ "متی ۲۵: ۵ اور اعمال ۱۸: ۱ کے بیانات میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ ایک میں یہود اہ کا پھانسی کے ذریعہ مرنا بیان کیا گیا ہے، اور دوسرے میں سر کے بل گر کر، ان دونوں بیانات میں ہم آہنگی پیدا کرنا مشکل ہی نہیں بہت مشکل ہے۔"

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا صفحہ ۱۶۸ جلد ۱۱، مقالہ Judas Iscariot

پر کیا اطمینان کیا جاسکتا ہے! اگر کسی مدرسہ کا ایک طالب علم بھی ایک بار اس کو دیکھ لیتا تو وہ بھی نہیں بھول سکتا تھا،

حضرت یحییٰ کی گرفتاری کا سبب
اختلاف نمبر ۱۰۵

انجیل مرقس باب ۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہیرودیس یحییٰ علیہ السلام کی نیکی کا معتقد اور ان سے بہت خوش تھا، ان کا وعظ بھی سنتا تھا، اس نے

ان پر جو کچھ بھی ظلم کیا وہ محض ہیرودیس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے۔

لیکن اس کے برعکس لوقا کی انجیل باب ۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے صرف ہیرودیس کی رضا جوئی کی خاطر یحییٰ پر ظلم نہیں کیا، بلکہ اپنی خوشنودی بھی اس میں شامل تھی، کیونکہ وہ یحییٰ سے اپنی بدکاریوں کی بناء پر نالاں اور ناراض تھا،

متی و مرقس اور لوقا، تینوں ان گیارہ حواریوں کے ناموں میں بارہ حواریوں کے نام
اختلاف نمبر ۱۰۶

اتفاق رائے رکھتے ہیں۔ یعنی پطرس، اندریاس، یعقوب بن زبدي، یوحنا، فیلیپ، برتلمائی، توما، متی، یعقوب بن حلفی

شمعون قنانی، یہوداہسکریوتی، لیکن بارہویں حواری کے نام میں سب کا اختلاف ہے،

۱۵ ہیرودیس یوحنا کو راست باز اور مقدس آدمی جان کر اس سے ڈرتا، اور اسے بچائے رکھتا تھا، اور اس کی باتیں سن کر بہت حیران ہو جاتا تھا، مگر سنتا خوشی سے تھا“ (۶: ۲۰)

۱۶ ہیرودیس کی بیوی جو پہلے اس کی بھابی تھی اور اس سے شادی کرنے پر حضرت یحییٰ علیہ السلام نے ہیرودیس کو منع کیا تھا جس پر ہیرودیس نے آپ کو گرفتار کرادیا (دیکھئے مرقس ۱۶: ۱۴)

۱۷ اپنے بھائی فلپس کی بیوی ہیرودیس کے سبب سے اور ان سب بُرائیوں کے باعث جو ہیرودیس کی تھیں الخ“ (۳: ۱۹)

متی کا بیان ہے کہ اس کا نام لبادس ہے، اور نقب تداوس تھا، مرقس، تداوس بیان کرتا ہے، لوقا کہتا ہے کہ وہ یہودا ہے، یعقوب کا بھائی،

پہلے تینوں انجیل والوں نے اس شخص کا حال ذکر کیا ہے جو محصول
اختلاف نمبر ۱۰۷ کی چوکی پر بیٹھا ہوا تھا، اور حضرت عیسیٰ نے اس سے کہا:-

”میرے پیچھے ہو لے، وہ اٹھ کر اس کے پیچھے ہو لیا۔“

لیکن اس شخص کے نام کے بارے میں ناقلین کا سخت اختلاف ہے، چنانچہ پہلی انجیل باب ۹ میں کہتی ہے کہ اس کا نام متی ہے، دوسری انجیل باب ۲ میں کہتی ہے کہ اس کا نام لاوی بن حلفی ہے، تیسری انجیل باب ۵ میں صرف لاوی بغیر ولدیت کے مذکور ہے، اور ان سے لگے ابواب میں جہاں انھوں نے بارہ حواریوں کے نام ذکر کئے ہیں وہاں سب متی کا نام ذکر کیا ہے، اور ابن حلفی کا نام یعقوب ذکر کیا ہے،

عظم الحواریین یا شیطان؟ متی نے اپنی انجیل کے باب ۱۶ میں نقل کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ نے پطرس کو عظم الحواریین قرار دیا، اس طرح
اختلاف نمبر ۱۰۸ کہ اس سے فرمایا۔

۱۔ عربی اور انگریزی ترجموں میں ایسا ہی ہے، مگر اردو ترجمہ میں صرف ”متی“ مذکور ہے (متی ۱۰: ۴)۔
۲۔ اردو ترجمہ میں ”متی“ مذکور ہے (مرقس ۱۸: ۱۳)، عربی اور انگریزی ترجموں میں ایسا ہی مذکور ہے، مگر
اردو ترجمہ میں یعقوب کا بیٹا لکھا ہوا ہے، (لوقا ۶: ۱۶)، اعمال ۱۳: ۱ میں بھی یہ نام بیان کئے گئے ہیں اور اس
میں بارہویں حواری کا نام لوقا کے مطابق ہے، ۹: ۹، ۹: ۱۳، ۱۳: ۲، ۱۳: ۵، لوقا ۵: ۲۷،
۵: ۲۷ یاد رہے کہ یہ شخص جو محصول کی چوکی پر بیٹھا تھا، بعد میں حواریین میں شامل ہوا، چنانچہ متی ۱۰: ۳ میں ہے:-
اور متی محصول لینے والا“ اور اس کا نام سب انجیلوں میں متی ہی مذکور ہے ۱۲: ۱۷ آیت ۱۸ اور ۱۹،
۹: ۱۷ چنانچہ: ”ومن کیتھولک فرقہ پطرس کو تمام حواریوں میں افضل قرار دیتا ہے، اور پروٹسٹنٹ اُسے
تسلیم نہیں کرتا ۱۲: ۱۷“

”میں بھی تجھ سے کہتا ہوں کہ تو پطرس ہے اور میں اس پتھر پر اپنا کلیسا بناؤں گا، اور علم ارواح کے دروازے اس پر غالب نہ آئیں گے، میں آسمان کی بادشاہی کی کنجیاں تجھے دوں گا، اور جو کچھ تو زمین پر باندھے گا وہ آسمان پر بندھے گا اور جو کچھ تو زمین پر کھولے گا وہ آسمان پر کھلے گا“

پھر آگے اسی باب میں پطرس ہی کے حق میں حضرت عیسیٰ کا قول اس طرح نقل کیا ہے: ”اے شیطان! میرے سامنے سے دور ہو، تو میرے لئے ٹھوکر کا باعث ہے، کیونکہ تو خدا کی باتوں کا نہیں بلکہ آدمیوں کی باتوں کا خیال رکھتا ہے۔“

علماء و پروفیسر ٹسٹنٹ نے اپنے رسالوں میں قدیم عیسائیوں کے جو اقوال پطرس کی مذمت میں نقل لئے ہیں منجملہ ان کے یوحنا نے اپنی تفسیر متی میں تصریح کی ہے کہ پطرس میں تکبر کی بیماری تھی، اور اس کی شدید مخالفت کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ بہت کم عقل انسان تھا، آگسٹائن کہتا ہے کہ:-

”یہ شخص ثابت قدم اور سچہ نہیں تھا، کبھی تصدیق کرتا تھا اور کبھی شک کرنے لگتا۔“

غور کیجئے جو شخص ان صفات کے ساتھ موصوف ہو کیا وہ آسمانوں کی کنجیوں کا مالک ہو سکتا اور کیا کوئی شیطان ایسا بھی ممکن ہو جس پر جہنم کے دروازے قابو نہ پاسکیں؟

لوقا نے اپنی انجیل کے باب ۹ میں نقل کیا ہے کہ یعقوب اختلاف نمبر ۱۰۹ یوحنا نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ:-

”اے خداوند! تو کیا تو چاہتا ہے کہ ہم حکم دیں کہ آسمان سے آگ نازل ہو کر انھیں جہنم کر دے“

اس پر حضرت عیسیٰ نے جواب دیا کہ:-

۱۵ آیت ۲۳، ۱۵ آیت ۵۴ تا ۵۶، ۱۵ یعنی سامرہ کے بارشندوں کو ۱۲

”تم نہیں جانتے کہ تم کیسی رُوح کے ہو؟ کیونکہ ابن آدم لوگوں کی جان برباد کرتے نہیں بلکہ بچانے آیا۔“

لیکن پھر باب ۱۲ میں آپ کا ارشاد یوں نقل کرتا ہے:-

”میں زمین پر آگ لگانے آیا ہوں اور اگر لگ چکی ہوتی تو میں کیا ہی خوش ہوتا۔“

متی و مرقس اور لوقا نے اس آسمانی آواز کو نقل کیا ہے جو عیسیٰؑ پر
اختلاف نمبر ۱۱ روح القدس کے نازل ہونے کے وقت سُنی گئی تھی، مگر اس کے الفاظ

بیان کرنے میں تینوں کا اختلاف ہے،

پہلا کہتا ہے کہ:- ”یہ میرا پیارا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں۔“

دوسرا کہتا ہے کہ:- ”تو میرا پیارا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں۔“

تیسرا کہتا ہے کہ:- ”تو میرا پیارا بیٹا ہے، تجھ سے میں خوش ہوں۔“

متی نے باب ۲۰ میں نقل کیا ہے کہ زبدی کے بیٹوں کی ماں نے درخواست
اختلاف نمبر ۱۱ کی تھی کہ:-

”میرے ان دونوں بیٹوں میں سے ایک کو اپنی داہنی جانب اور دوسرے کو بائیں جانب

اپنی بادشاہت میں جگہ دیں۔“

آیت ۳۹ ، لکھ اس واقعہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے صفحہ ۴۴۴، جلد ہزا، اختلاف ۱۱۹

لکھ متی ۳: ۱۷ ، لکھ مرقس ۱: ۱۱ ،

لکھ یہ عربی ترجمہ کے الفاظ ہیں، موجودہ اردو ترجمہ کی عبارت لوقا کی عبارت کے بالکل موافق ہے ۲

لکھ لوقا ۳: ۲۲

لکھ زبدی کے بیٹوں کی ماں نے اپنے بیٹوں کے ساتھ آنحضرتؐ (متی ۲۰: ۲۰)

اور مرقس نے باب میں نقل کیا ہے کہ یہ درخواست خود زبدی کے بیٹوں نے کی تھی،

انجیر کے سوکھنے کا واقعہ
اختلاف نمبر ۱۱۲،

متی نے باب ۲۱ میں حضرت عیسیٰ کے متعلق لکھا ہے کہ۔

”اور راہ کے کنارے انجیر کا ایک درخت دیکھ کر اس کے پاس گیا، اور پتوں کے سوا اس میں کچھ نہ پا کر اس سے کہا کہ آئندہ

تجھ میں کبھی پھل نہ لگے، اور انجیر کا درخت اسی دم سوکھ گیا، شاگردوں نے یہ دیکھ کر تعجب

کیا اور کہا یہ انجیر کا درخت کیونکر ایک دم میں سوکھ گیا۔“

پھر حضرت مسیح نے اس کا جواب دیا، اس کے برخلاف انجیل مرقس باب ۱۱ میں یہ واقعہ اس طرح مذکور ہے۔

”اور وہ دور سے انجیر کا ایک درخت جس میں پتے تھے دیکھ کر گیا، کہ شاید اس میں کچھ پاؤں

مگر جب اُس کے پاس پہنچا تو پتوں کے سوا کچھ نہ پایا، کیونکہ انجیر کا موسم نہ تھا، اس نے اس

سے کہا آئندہ کوئی تجھ سے کبھی پھل نہ کھائے اور اس کے شاگردوں نے سنا۔“

اس کے بعد مذکور ہے کہ آپ یروشلم تشریف لے گئے، اور جب شام ہوتی تو شہر سے

باہر تشریف لے گئے، پھر صبح کے وقت جب آپ کا گزر دوبارہ اس درخت پر سے ہوا تو۔

”اُس انجیر کے درخت کو جڑ تک سوکھا ہوا دیکھا، پطرس کو وہ بات یاد آئی، اور اس سے

کہنے لگا اے ربی! دیکھ یہ انجیر کا درخت جس پر تو نے لعنت کی تھی سوکھ گیا ہے۔“

اُس پر حضرت مسیح نے جواب دیا، غور فرمائی دو دنوں عبارتوں میں کتنا شدید اختلاف ہے، پھر اختلاف کے علاوہ

ایک چیز اور بھی ہے وہ یہ کہ شرعی حیثیت سے عیسیٰ کو یہ حق کب حاصل تھا کہ اس درخت

کا پھل بغیر اس کے مالک کی اجازت کے کھا سکیں؟ اور درخت کو بددعا دینا، جس سے ہم

لے زبدی کے دو بیٹوں یعقوب اور یوحنا نے اس کے پاس آ کر کہا ”انجیر (مرقس ۱۱: ۴۵)“

۱۵ آیات ۲۰ تا ۲۱، ۱۳ آیات ۱۲، ۱۳ آیات ۲۰ تا ۲۱، ۱۳ آیات ۲۰ تا ۲۱

مالک کو نقصان دینا متصور ہی، یقیناً عقل کے خلاف ہے، اور یہ بات بھی بعید از عقل ہے کہ غیر موسم میں درخت سے اس کے پھل کی توقع کی جاتے، اور نہ ہونے پر اس غریب پر غصہ کیا جاتے، بلکہ شانِ اعجاز کا مقتضی تو اس موقع پر یہ تھا کہ درخت کے حق میں ایسی دعا کی جاتی کہ وہ فوراً پھل دار ہو جاتا، اور پھر مالک کی اجازت سے آپ بھی اس کو کھا کر منتفع ہوتے اور مالک کا بھی فائدہ ہوتا۔

اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ مسیح خدا نہ تھے، اس لئے کہ اگر خدا ہوتے تو ان کو معلوم ہوتا کہ درخت پر پھل نہیں ہے، اور نہ یہ اس پھل کا موسم ہے، اور نہ آپ اس پر غضبناک ہوتے،

انجیل متی باب ۲۱ میں انگور لگانے والے کی مثال بیان کرنے کے بعد یوں کہا گیا ہے کہ:-

انگور والے کی مثال
اختلاف نمبر ۱۱۳

پس جب تاجکستان کا مالک آجاتے گا تو ان باغبانوں کے ساتھ

کیا کرے گا؟ انھوں نے اس سے کہا ان بدکاروں کو بڑی طرح ہلاک کرے گا، اور

تاجکستان کا ٹھیکہ دوسرے باغبانوں کو دے گا جو موسم پر اس کو پھل دیں۔

اس کے برعکس انجیل لوقا کے باب ۲۰ میں مثال بیان کرنے کے بعد اس طرح کہا گیا ہے کہ:-

یہ مثال حضرت عیسیٰ نے اپنے حواریوں کو دی تھی، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک انگور کا باغ تاجکستان لگایا اور اسے باغبانوں کو ٹھیکہ پر دے کر چلا گیا، پھل کا موسم آنے پر اس نے دو مرتبہ اپنے نوکر پھل لینے کے لئے باغبانوں کے پاس بھیجے، مگر باغبانوں نے ہر مرتبہ انھیں مار پیٹ کر بھگا دیا، تیسری بار اس نے اپنے بیٹے کو بھیجا، باغبانوں نے اُسے قتل کر دیا (متی ۲۱: ۳۳-۳۹)

آیت ۳۰ د ۳۱، ۵ (۲۰: ۱۶)

اب تانستان کا مالک اُن کے ساتھ کیا کرے گا؟ وہ آکر ان باغبانوں کو ہلاک کرے گا۔

اور تانستان اوروں کو دیدے گا، انھوں نے یہ بات سنا کر کہا، خدا نہ کرے یہ

ان دونوں عبارتوں میں واضح طور پر اختلاف نظر آ رہا ہے، اس لئے کہ پہلی عبارت صاف بتاتی ہے کہ انھوں نے کہا کہ مالک ان کو بدترین طریقہ پر ہلاک کرے گا، اور دوسری عبارت میں صاف کہا گیا ہے کہ انھوں نے انکار کیا،

جس شخص نے بھی اس عورت کا واقعہ جس نے مسیح پر خوشبو کی شیشی اُلٹ دی تھی انجیل متی کے باب ۲۶ میں اور انجیل مرقس کے باب ۱۴ میں اور انجیل یوحنا کے

حضرت مسیح کے سر پر عطر ڈالنے کا واقعہ، اختلاف ۱۱۴

باب ۱۲ میں پڑھا ہوگا اس کو چھ قسم کے اختلافات نظر آئیں گے۔

① مرقس نے تصریح کی ہے کہ یہ واقعہ عید فصح سے.....

۱۔ عربی ترجمہ کے الفاظ یہ ہیں: "قالوا حاشا"

۲۔ واقعہ انجیل متی کی رو سے مختصر آیه ہے کہ عید سے دو روز قبل حضرت عیسیٰ بیت عنیاہ میں کھانا کھا رہے تھے کہ ایک عورت نے ایک نہایت قیمتی عطر لا کر آپ کے سر پر ڈال دیا، جس پر حواری خفا ہوئے کہ خواہ مخواہ ایک قیمتی عطر ضائع کیا گیا اور نہ غریبوں کے کام آسکتا تھا، حضرت مسیحؑ نے سنکر انھیں تنبیہ کی کہ غریب تو ہمیشہ تمھارے پاس ہیں۔ میں ہمیشہ تمھارے پاس نہ رہوں گا" (متی ۲۶: ۱۳ تا ۱۴)

۳۔ نیز متی (آیت ۲)

۴۔ عید فصح Passover یہودیوں کا ایک مذہبی تہوار ہے، جو ماہ نیسان (اپریل) کی چودھویں

تاریخ کو منایا جاتا تھا، اور درحقیقت یہ بنی اسرائیل کے مصریوں سے نجات پانے کی یادگار تھی، کیونکہ اسی تاریخ میں حضرت موسیٰؑ مصر سے نکلے تھے، "فصح" دُنبے کو کہتے ہیں، اور چونکہ اس دن میں ایک دُنبہ ذبح کیا جاتا تھا اس لئے اسے "عید فصح" کہتے ہیں، اس عید کو منانے کے تفصیلی احکام خروج ۲۳: ۱۵، احبار ۲۳: ۵، ۸ اور گنتی

۲۸: ۱۶، ۲۵ میں دیکھے جاسکتے ہیں ۱۲ تقی

دور در قبل کا ہے، یوحنا کا بیان ہے کہ چھ روز قبل کا ہے، متی عید سے قبل کی مدت بیان کرنے سے تھاموش ہے،

① مرقس اور متی دونوں اس واقعہ کا محل وقوع شمعون ابرہن کا گھر بیان کرتے ہیں، اور یوحنا اس کی جگہ مریم کا مکان ذکر کرتا ہے،

② متی اور مرقس خوشبو کا مسیح کے سر پر ڈالنا ذکر کرتے ہیں، اور یوحنا پاؤں کا ذکر کرتا ہے،

③ مرقس کا بیان ہے کہ معترضین حاضرین میں سے کچھ لوگ تھے، اور متی کہتا ہے کہ اعتراض کرنے والے خود مسیح کے شاگرد تھے، اور یوحنا کے نزدیک معترض یہود تھے،

④ یوحنا خوشبو کی قیمت ۳۰۰ دینار بتاتا ہے، اور مرقس نے مبالغہ کرتے ہوئے تین سے زیادہ مقدار بیان کی ہے، متی قیمت کو گول بول کرتا ہے اور کہتا ہے بیش قیمت تھا،

⑤ تینوں راوی عیسیٰ کا قول مختلف نقل کرتے ہیں،

۱۱:۱۲ مرقس،

۱۱:۱۲ مرقس،

۱۱:۱۲ مرقس،

۱۱:۱۲ مرقس،

۱۱:۱۲ مرقس،

۱۱:۱۲ مرقس،

۱۱:۱۲ مرقس،

۱۱:۱۲ مرقس،

متعدد قصوں پر اس کو مجبور کرنا نہایت بعید ہے، کیونکہ یہ بات بہت ہی عجیب ہو کہ ہر مرتبہ خوشبو لگانے والی عورت ہی ہو، اور ہر واقعہ میں کھانے کے وقت ہی یہ صورت پیش آئے، اور ہر قصہ میں دعوت طعام ہی کی شکل ہو، اور ہر موقع پر معترضین نے بالخصوص شاگردوں نے دوبارہ اعتراض کیا ہو، حالانکہ یہ لوگ پہلی مرتبہ تھوڑے دن قبل عیسیٰ سے اس عورت کے فعل کی درستی اور اچھائی سن چکے تھے، اور یہ کہ ہر واقعہ میں اس خوشبو کی قیمت تین سو دینار یا اس سے کچھ زیادہ ہی ہو،

اس کے علاوہ عیسیٰ کا دو مرتبہ عورت کے فعل اسراف کی تصویر کرنا گویا چھ سو دینار سے زیادہ کی فضول خرچی کو صحیح کہنا، خود اسراف ہے، سچی بات یہ ہے کہ واقعہ ایک ہی ہے، اور یہ اختلاف انجیل کے ناقلوں کی عادت کے مطابق ہے،

جو شخص لوقا کی انجیل کے باب ۲۲ کا مقابلہ متی کی انجیل کے باب ۲۶ سے اور مرقس کی انجیل کے باب ۱۴ سے عشاء ربانی کے حال کے بیان میں کرے گا تو اس کو دو اختلاف

عشاء ربانی کا واقعہ
اختلاف نمبر ۱۱،

یعنی اس اختلاف کو دور کرنے کے لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ عطر ڈالنے کا واقعہ کئی مرتبہ پیش آیا ہے، اور ہر انجیل میں مختلف واقعہ مذکور ہے ۱۲

عشاء ربانی (Lord's supper) یا (Eucharist) عیسائیوں کی مشہور رسم ہے جس کی اصل بقول اناجیل یہ ہے کہ گرفتاری سے ایک رات پہلے حضرت عیسیٰ اپنے حواریوں کے ساتھ رات کا کھانا کھا رہے تھے کہ اپنے پیالہ لیکر برکت کی دعا کی، یا شکر ادا کیا اور فرمایا کہ اسے لیکر آپس میں بانٹ لو، پھر روٹی لیکر اس پر بھی برکت کی دعا فرمائی اور یہ کہہ کر انھیں دی کہ یہ میرا بدن ہے جو تمھارے واسطے دیا جاتا ہے، میری یادگار رکھو۔ اس کے بعد عیسائیوں میں یہ رسم چل پڑی کہ وہ ایک پیالہ میں انگور کا رس لیکر پیتے ہیں اور شکر کرتے ہیں، اور روٹی توڑ کر شکر کرتے ہیں، (باقی بر صفحہ آئندہ)

نظر آئیں گے۔

① لوقا دو پیالے ذکر کرتا ہے، ایک کھانے کے وقت، دوسرا اس کے بعد اور متی و

مرقس صرف ایک کا ذکر کرتے ہیں،

غالباً متی اور مرقس کا بیان درست اور لوقا کا قول غلط ہے، ورنہ کیتھولک والوں پر جسوت کے ساتھ بڑا اشکال پڑے گا، اس لئے کہ ان کو اس بات کا اقرار ہے کہ روٹی اور شراب پورے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) پھر پرڈسٹنٹ تو بات اسی حد تک رکھتا ہے اور کہتا ہے کہ اس عمل سے یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ لینے والا مسیح کے کفارہ میں شریک ہو اور اس پر پورا ایمان رکھتا ہے کہ مسیح سے نجات مل سکتی ہے، اس عمل سے ان کے نزدیک عقیدہ کفارہ پر ایمان رکھنے کا تعلق یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے بارے میں یہ کہا ہے کہ میں ہوں وہ زندگی کی روٹی جو آسمان سے اترے، اگر کوئی اس روٹی میں سے کھائے تو ابد تک زندہ رہیگا (یوحنا ۶: ۵۱) اس کا مطلب یہی سمجھا گیا کہ جس طرح ایک انسان روٹی کو قربان کر کے کھا جاتا ہے اور اس سے زندگی حاصل کرتا ہے اسی طرح حضرت عیسیٰ (معاذ اللہ) پوری قوم کے لئے قربان ہو جائیں گے، اور اس سے پوری قوم کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا، اب یہ روٹی کھانے کی رسم اسی عقیدہ کو تازہ کرتی ہے،

اور کیتھولک فرقہ اس پر یہ اضافہ کرتا ہے کہ اس عمل سے اس کھانے پینے کی ماہیت تبدیل ہو جاتی ہے جب کوئی پادری "عشاءے ربانی" دیتے وقت لاطینی زبان میں کہے کہ "ہاکیست کارپس مٹیم" یعنی "یہ میرا بدن ہے" تو فوراً روٹی مسیح کا گوشت بن جاتی ہے، اور انگور کا رس مسیح کا خون بن جاتا ہے، اگرچہ وہ کھانے پینے کو محسوس نہیں ہوتا۔ اس عمل کو "عشاءے ربانی" کا نام پوس نے دیا ہے، جیسا کہ ۱۔ کرنتھیوں ۱۰ سے معلوم

ہوتا ہے، (یہ تفصیل انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا مقالہ Eucharist اور پادری ایچ، ایس

نزیٹ کی کتاب "حقائق بائبل و بدعات روم" صفحہ ۸۷ اور ۸۸ سے لی گئی ہے، آگے اس کتاب کے صفحہ ۸۸ سے صفحہ ۸۸۹ تک آپ اس عقیدہ کا باطل ہونا تفصیل سے پڑھیں گے ۱۲

۵۔ کھانے کے بعد پیالہ یہ کہہ کر دیا کہ یہ پیالہ میرے اس خون میں نیا عہد ہے الخ (۲۲: ۲۰)

منہ بنہ بنہ بنہ بنہ بنہ بنہ بنہ

مسیح کی ذات میں منتقل ہو جاتی ہیں، اب اگر لوقا کا بیان درست مان لیا جائے تو لازم آتا ہے کہ ہر پیالہ کامل مسیح کی جانب منتقل ہو جاتا ہے تو تثلیث کے عدد کے مطابق روٹی اور شراب سے تین کامل مسیحوں کا موجود ہو جانا لازم آئے گا، لہذا پہلے مسیح کے ساتھ مل کر کل چار مسیح ہو جائیں گے،

اس کے علاوہ عیسائیوں کے خلاف یہ جرم عائد ہوتا ہے کہ انھوں نے اس رسم کو کیوں ترک کر دیا؟ اور ایک ہی پر کیوں اکتفا کر لیا؟

② لوقا کی عبارت بتاتی ہے کہ عیسیٰ کا جسم شاگردوں کی جانب سے قربان ہو گیا مرقس کی روایت واضح کرتی ہے کہ عیسیٰ کا خون بہت سوں کی جانب سے بہایا گیا، اور متی کی روایت کا مقتضی یہ ہے کہ عیسیٰ کا جسد نہ کسی کی طرف سے قربان ہوا ہے، اور نہ ان کا خون کسی کی طرف سے بہایا جاتا ہے، بلکہ جو چیز بہائی جاتی ہے وہ عہد جدید ہو، حالانکہ عہد نہ بہانے کی چیز ہے نہ بہائے جانے کی۔

اور بڑا تعجب اس بات پر ہے کہ یوحنا جو خوشبو لگانے اور گدھے پر سوار ہونے اور دوسرے معمولی واقعات ذکر کرتا ہے، لیکن جو چیز دین مسیحی کے اہم ارکان میں سے ہے اسے قطعی ذکر نہیں کرتا،

اختلاف نمبر ۱۱۶ | انجیل متی باب ۷ آیت ۱۳ میں اس طرح کہا گیا ہے کہ ۱۔

وہ دروازہ تنگ ہے اور وہ راستہ سکر ہوا ہے جو زندگی کو پہنچاتا ہے۔

۱۔ یعنی صرف ایک پیالہ سے ”عشاء ربانی“ کیوں مناتے ہیں، دوسرے کیوں نہیں مناتے؟

۲۔ یہ میرا بدن ہے جو تمھارے واسطے دیا جاتا ہے۔ (لوقا ۲۲: ۱۹)

۳۔ یہ میرا وہ عہد کا خون ہے جو بہتیروں کے لئے بہایا جاتا ہے۔ (مرقس ۱۳: ۶۴)

۴۔ لیکن ہمارے پاس سب ترجموں میں ”عہد کا خون ہے“ کے الفاظ ہیں، مصنف کے نسخہ میں صرف ”عہد“

اسی انجیل کے باب میں یوں ہے کہ

میرا جوا اپنے اوپر اٹھا لو، اور مجھ سے سیکھو، کیونکہ میرا جوا ملا تم ہے، اور میرا بوجھ ہلکا

ان دونوں اقوال کے ملانے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عیسیٰ کی پیروی کرنا ایسی راہ نہیں ہے جو زندگی تک پہنچانے والی ہو۔

انجیل متی باب میں لکھا ہے کہ انیس حضرت عیسیٰ علیہ السلام اختلاف نمبر ۱۱ کو پہلے مفت میں شہر میں لے گیا، اور انجیل میں ہیکل کے کنگرے پر

کھڑا کیا، پھر ایک اونچے پہاڑ پر لایا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام گلیل تشریف لے گئے اور ناصرہ کو چھوڑ کر کفرناحوم میں رہنے لگے، جو جھیل کے پاس تھا،

اور اس کے برخلاف لوقا کے باب میں بیان کیا گیا ہے کہ پہلے شیطان آپ کو پہاڑ پر لے گیا، پھر یروشلیم لایا اور ہیکل کے کنگرے پر کھڑا کیا، اور حضرت عیسیٰ

گلیل لوٹ آئے، اور وہاں کی مجلسوں میں تعلیم دینے لگے، پھر ناصرہ گئے جہاں آپ نے پرورش پائی تھی،

۱۱ آیت ۲۹ و ۳۰، یہ حضرت عیسیٰ کا قول ہے ۱۲

۱۲ کیونکہ یہ راہ تو بہت تنگ ہی، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے بوجھ کو آسان فرما رہے ہیں، لیکن یہ بات اعتراض سے خالی نہیں، اس لئے کہ دونوں اقوال میں تطبیق کے طور پر کہا جاسکتا ہے کہ پہلے

قول میں جس دروازہ کو تنگ کہا گیا ہے اس سے مراد دنیوی تنگی ہے، اور حضرت عیسیٰ آخر دی طور سے آسانی کو سن رہے ہیں ۱۲ تقی

۱۳ آیت ۵، ۱۴ آیت ۸، ۱۵ آیت ۱۲، ۱۶ آیت ۵، ۱۷ آیت ۱۴، ۱۸ آیت ۱۵، ۱۹ آیت ۱۶

میں آپ کے ہمراہ جانا چاہتا ہوں، پھر ایک دوسرے شخص کا یہ کہنا کہ میں پہلے اپنے باپ کو دفن کر آؤں، پھر آپ کے ساتھ چلوں گا،

اور بہت سے حالات اور واقعات ذکر کرنے کے بعد تجلی کا واقعہ اپنی انجیل کے باب میں بیان کیا ہے، اور لوقا نے درخواست اور اجازت طلبی اپنی انجیل کے باب میں تجلی کے واقعہ کے بعد ذکر کی ہے، اس لئے یقیناً ایک بیان غلط ہے،

متی نے باب میں ایک پاگل گونگے کا واقعہ ذکر کیا ہے۔ پھر باب میں مسیح کا اپنے حواریوں کو شیاطین کے نکلنے اور بیادوں کو شفا دینے کی قدرت عطا کرنا، اور ان کو اپنا رسول بنانا، پھر

پاگل گونگے کا واقعہ
اختلاف نمبر ۱۲۰

دوسرے ابواب میں متعدد واقعات ذکر کرنے کے بعد تجلی کا واقعہ باب میں بیان کیا ہے، اور لوقا پہلے باب میں حواریوں کو قدرت دینے کا واقعہ پھر تجلی کا قصہ، پھر اس باب میں اور باب میں اور باب کے شروع میں دوسرے واقعات کو ذکر کرنے کے بعد پاگل گونگے کا قصہ بیان کرتا ہے،

۱۵ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب حضرت مسیح گدرینیوں کے ملک میں تشریف لیا ہے تھے ۱۲
۱۶ تجلی کا واقعہ اندرونی انجیل مختصر ایہ ہو کہ حضرت عیسیٰ، پطرس، یعقوب، اور یوحنا کو ساتھ لے کر ایک اونچی پہاڑ پر تشریف لیگے وہاں حواریوں کے سامنے آپ کی صورت بدل گئی، اور چہرہ چمکنے لگا، حضرت موسیٰ و ایساں آپ سے باتیں کرتے ہوئے نظر آئے، پھر چانک ایک نورانی بادل نے ان پر سایہ کیا، اور اس میں سے آواز سنائی دی: ”یہ میرا پیارا بیٹا ہے، اور میں اس سے خوش ہوں“ کچھ عرصہ بعد نزول روح القدس کے بعد کرتے ہیں
۱۷ آیت ۶، ۱۵، ۲۸، ۳۲، ۱۵ کہ حضرت مسیح نے اُسے اچھا کر دیا،

۱۸ آیت ۱، ۱۵ آیت ۲۸، ۱۵ آیت ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵

اختلاف نمبر ۱۲۱

مرقس نے باب ۵ کی آیت ۲۵ میں لکھا ہے کہ یہودیوں نے مسیح کو تین بجے سولی دی تھی، اور یوحنا اس کے برعکس

اپنی انجیل کے باب ۳ آیت ۱۴ میں صاف کہتا ہے کہ :-

حضرت مسیح ۶ بجے تک سیلاطس کے پاس تھے،

مصلوب ہوتے وقت حضرت عیسیٰ کی پکار،
اختلاف نمبر ۱۲۲

متی نے باب ۲۷ میں لکھا ہے،

”تیسرے پہر کے

قریب یسوع نے بڑی

آواز سے چلا کر کہا ”ایلی، ایلی، لما شبتنی“ یعنی اے میرے خدا! اے میرے خدا!

تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟

اور انجیل مرقس باب ۵ آیت ۳۱ ہے کہ :-

”الوہی الوہی لما شبتنی، جن کا ترجمہ ہے اے میرے خدا! اے میرے خدا!

تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟

اس کے برخلاف انجیل لوقا باب ۲۲ آیت ۳۶ میں یہ الفاظ ہیں :-

”اے باپ میں اپنی روح تیرے ہاتھوں میں سونپتا ہوں“

۱۱۔ عربی اور انگریزی ترجموں میں ایسا ہی ہے، اردو میں ”پہر دن چڑھا تھا“ کا لفظ ہے ۱۲

۱۳۔ اس اختلاف کی مزید تفصیل ۱۹۳۲ء اور اس کے حاشیہ پر گزر چکی ہے ۱۴

۱۵۔ آیت ۴۶، ۱۶۔ آیت ۳۳، ۱۷۔ آیت ۴۶

۱۸۔ یہ اختلاف اعتراض سے خالی نہیں، اس لئے کہ متی اور مرقس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح نے دوبار

دوبارے آواز لگائی، پھر متی اور مرقس نے صرف پہلی آواز کا ذکر کیا ہے، اور دوسری آواز کو محل چھوڑ کر

کہا، کہ اس کے بعد ”دم دیدیا“ اور لوقا نے پہلی آواز کا ذکر نہیں کیا، صرف دوسری آواز راقی پروردگار

اختلاف نمبر ۱۲۳ | متی اور مرقس کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے مسیح کا مذاق اڑایا تھا، اور ان کو چوغہ پہنا یا تھا، وہ پیلاطس کے سپاہی

تھے، نہ کہ ہیرودیس کے، اور لوقا کے کلام سے اس کے برعکس معلوم ہوتا ہے،

اختلاف نمبر ۱۲۴ | مرقس کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے عیسیٰ کو ایسی شراب دیدی جس میں پت ملا ہوا تھا، مگر آپ نے اُسے نہیں

چکھا، اس کے برخلاف تینوں انجیلوں کا بیان یہ ہے کہ انھوں نے عیسیٰ کو سرکہ دیا تھا، اور متی د یوحنا کہتے ہیں کہ عیسیٰ نے وہ سرکہ نوش فرمایا،

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ کے الفاظ بیان کر کے کہا ہے کہ اس کے بعد دم دیدیا اس لئے انصاف کی بات یہ ہو کہ اس معاملہ میں کوئی تضاد نہیں ہے، غالباً مصنف کی نظر متی اور مرقس میں دوسری آواز کے بیان سے چوک گئی ہے، واللہ اعلم ۱۲ تقی

۱۔ متی ۲۷: ۲۷، مرقس ۱۵: ۱۶،

۲۔ مگر ہائے پاس سب ترجموں میں مطلق "سپاہیوں" کا لفظ ہے، ہیرودیس یا پیلاطس کا ذکر نہیں (لوقا ۲۳: ۱۱)

۳۔ ۱۵: ۲۲، اردو ترجمہ میں مرملی ہوئی شراب کا لفظ ہے،

۴۔ متی ۲۷: ۳۴، لوقا ۲۳: ۳۶، یوحنا ۱۹: ۳۰،

۵۔ یہ عربی ترجمہ کی رود سے، اب متی ۲۷: ۳۴ کے اردو ترجمہ میں سرکہ کی بجائے پت ملی ہوئی شراب کا

ذکر ہے، البتہ یوحنا میں اس واقعہ کا ذکر ہی نہیں کیا گیا، اس میں جو سرکہ پلانے کا ذکر ہے وہ دوسرا واقعہ

ہو جس میں اناجیل اربعہ متفق ہیں ۱۲ تقی

————— بن بن بن بن بن بن بن بن بن بن —————

تیسری فصل

دوسری قسم

غلطیاں

وَلْيَعْرِفْهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ ط

اس قسم میں ہم صرف اُن غلطیوں کا ذکر کریں گے جو اختلافات کے ضمن میں آتی ہوئی غلطیوں کے علاوہ ہیں۔

پہلی غلطی | کتاب فروج باب ۱۲ آیت ۴۰ میں کہا گیا ہے کہ مصر میں بنی اسرائیل کے قیام کا زمانہ ۴۳۰ سال ہے، جو قطعی غلط ہے، کیونکہ صحیح مدت ۲۱۵

سال ہے، چنانچہ عیسائیوں کے مفسرین اور مورخین نے بھی اس کا غلط ہونا تسلیم کیا جیسا کہ عنقریب آپ کو باب ۱ کے مقصد کے شاہد نمبر میں معلوم ہوگا،

دوسری غلطی | کتاب گنتی کے باب میں کہا گیا ہے کہ بنی اسرائیل کے بیس سالہ تک کے افراد کی تعداد بنی لاوی کے علاوہ ۶ لاکھ تھی، اور بنی لاوی

۱۰ چار سو بیس برسوں کے گزر جانے پر ٹھیک اسی روز خداوند کا لشکر ملک مصر سے نکل گیا (۱۳: ۲۰)

۱۰ دیکھئے صفحہ ۶۹۶ و ۶۹۷ ،

کے جملہ مرد و عورت اسی طرح دوسرے تمام باقی قبائل کی عورتیں اور مرد جن کی عمریں ۲۰ سال سے کم تھیں، وہ اس تعداد میں شامل نہیں ہیں، جو قطعی غلط ہے، جیسا کہ آپ کو فصل ۲ میں توریت کے حالات کے دوران نمبر ۱۰ میں معلوم ہو چکا ہے،

تیسری غلطی کتاب الاستثناء کے باب ۲۳ کی آیت ۲ غلط ہے،

چوتھی غلطی کتاب پیدائش کے باب ۲۶ کی آیت ۱۵ میں لفظ ۳۳ الفاظ بالکل غلط ہے، صحیح ۳۴ اشخاص ہے،

پانچویں غلطی کتاب سموئیل اول باب آیت ۱۹ میں لفظ "پچاس ہزار مرد" واقع ہوا ہے جو غلط ہے، عنقریب باب کے مقصد ۲ میں آپ کو معلوم ہو جائے گا۔

چھٹی ساتویں غلطی کتاب سموئیل ثانی باب ۱۵ آیت ۷ میں لفظ "چالیس" واقع ہوا ہے، اور آیت ۸ میں لفظ "آرام" آیا ہے، جو دونوں غلط ہیں صحیح بجائے ۴۰ کے ۴ اور بجائے لفظ آرام کے اودم ہے، جیسا کہ باب کے مقصد ۱۱ میں معلوم ہوگا، عربی مترجمین نے اس کو بدل کر چار بنایا ہے،

خدا کے گھر کے سامنے کوٹھری کی اونچائی، آٹھویں غلطی کتاب تواریخ ثانی باب آیت ۴ میں یوں کہا گیا ہے کہ "اور گھر کے سامنے کے اس کے کی لمبائی گھر کی چوڑائی کے مطابق ہیں ہاتھ اور اونچائی ایک ہے۔"

۱۵ دیکھئے صفحہ ۳۳۵ تا ۳۳۹ جلد ۱ اس کی تفصیل ۳۳۵، ۳۳۶ پر گزر چکی ہے ۱۲

۱۳ اس کی تفصیل بھی ۳۳۲، ۳۳۳ پر ملاحظہ کی جاسکتی ہے ۱۳

۱۴ دیکھئے صفحہ ۶۳۲ جلد دوم، شاہد نمبر ۱۳ و ۱۴،

۱۵ اس سے مراد وہ ہیکل جس کی تعمیر حضرت سلیمان علیہ السلام نے شروع کی تھی ۱۴

اس میں ایک سو بیس کی مقدار بالکل غلط ہے، کیونکہ کوٹھڑی کی اونچائی صرف ۳۰ ہاتھ تھی جیسا کہ سلاطین اول باب آیت میں اس کی تصریح موجود ہے، پھر چھت کی بلندی ۱۲۰ ہاتھ کیونکہ ہو سکتی ہے؟ آدم کلارک نے اپنی تفسیر کی جلد میں صاف لکھا ہے کہ یہ غلط ہے، اور سریانی اور عربی مترجمین نے تحریف کی اور لفظ ایک سواڑا دیا، اور کہا کہ اس کی اونچائی بیس ہاتھ ہے۔

بنی بنیامین کی سرحدیں نویں غلطی | کتاب یوشع کے باب آیت ۱۲ میں بنی بنیامین کی سرحد بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ:-

”اور دریا کے سامنے سے جھکتی اور مڑ جاتی ہے۔“

اس میں دریا کے سامنے کا لفظ غلط ہے، کیونکہ ان کی حد میں دریا کا کنارہ نہیں تھا، اور نہ اُس کے اُس پاس ہی تھا، مفسر ڈی آئی لی اور رچرڈ مینٹ نے اس کے غلط ہونے کا اعتراف کیا ہے، اور دونوں نے کہا ہے کہ:-

”وہ عبرانی لفظ جس کا ترجمہ دریا کیا گیا ہے، اس کے معنی دراصل مغرب کے ہیں۔“

لیکن یہ معنی ہم نے کسی ترجمہ میں نہیں دیکھے، غالباً اصلاح کی غرض سے یہ دونوں صاحبوں کی ایجاد ہے،

یہوداہ کی حد، دسویں غلطی | کتاب یوشع کے باب آیت ۳۲ میں بنو نفتالی کی

لہ اور اونچائی تیس ہاتھ تھی، (۲:۶)

لہ یہ عربی سے ترجمہ ہے، موجودہ انگریزی ترجمہ کا مفہوم بھی یہی ہے، مگر شاید اردو مترجم کو مفسر ڈی آئی لی

اور رچرڈ مینٹ کی تاویل کی خبر ہو گئی ہوگی، چنانچہ موجودہ اردو ترجمہ میں ”دریا“ کے بجائے ”مغرب“ کا لفظ

مذکور ہے، ”مغرب کی طرف سے مڑ کر جنوب کو جھکی“ اور انگریزی ترجمہ میں اب بھی Sea کا لفظ موجود

ہے، جو شاید آئندہ ایڈیشنوں میں West سے بدل جائے ۱۲ تقی

حد کے بیان میں یوں آیا ہے کہ:-

”مشرق میں یہوداہ کے حصہ کے یردن تک۔“

یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ یہوداہ کی حد جنوب کی جانب بہت دُور تک تھی، آدم کلارک نے اس کا غلط ہونا تسلیم کیا ہے، جیسا کہ باب میں آپ کو معلوم ہوگا،

گیارہویں غلطی | مفسر ہارسلے کہتا ہے کہ کتاب یوشع کے باب ۱۳ کی آیت ۸ و ۹ دونوں غلط ہیں،

کتاب القضاۃ کے باب آیت ۱۱ میں ہے کہ:-

بارہویں غلطی | ”اور بیت لحم، یہوداہ میں یہوداہ کے گھرانے کا ایک جوان تھا، جو

لاوی تھا، یہ دیں لٹکا ہوا تھا۔“

اس میں لفظ ”جو لاوی تھا“ بالکل غلط ہے، کیونکہ جو شخص یہوداہ کے خاندان سے ہے، وہ لاوی کیسے ہو سکتا ہے؟ چنانچہ مفسر ہارسلے نے اس کے غلط ہونے کا اعتراف کیا ہے، اور ہیروبی کینٹ نے تو اس کو متن سے خارج کر دیا ہے،

کتاب تواریخ ثانی باب ۱۳ آیت ۳ میں یوں ہے کہ:-

تیرہویں غلطی | ”اور ابیہاہ جنگی سورماؤں کا لشکر یعنی چار لاکھ چنے ہوئے مرد لے کر

لڑائی میں گیا، اور یربعام نے اس کے مقابلہ میں آٹھ لاکھ چنے ہوئے مرد لے کر جو

زبردست سورما تھے صف آرائی کی۔“

پھر آیت ۷ میں ہے کہ:

”اور ابیہاہ اور اس کے لوگوں نے اُن کو بڑی خوں ریزی کے ساتھ قتل کیا، سو

۱۲ اس کے غلط ہونے کی وجہ ہمیں معلوم نہیں ہو سکی

اسرائیل کے پانچ لاکھ چنے ہوئے مرد کھیت آئے۔

ان دونوں آیتوں میں جو اعداد و شمار دیئے گئے ہیں وہ غلط ہیں، عیسائی مفسرین نے اس کو تسلیم کیا ہے، اور لاطینی مترجمین نے اصلاح کرتے ہوئے ۴ لاکھ کو ۴۰ ہزار سے اور لفظ ۸ لاکھ کو ۸۰ ہزار سے اور ۵ لاکھ کو ۵۰ ہزار سے بدل ڈالا، جیسا کہ عنقریب باب میں قارئین کو معلوم ہوگا،

چودھویں غلطی اور کھلی تحریف کتاب تواریخ ثانی کے باب ۲۸ آیت ۱۹ میں یوں کہا گیا ہے کہ:-

خداوند نے شاہ اسرائیل آخر کے سبب سے یہوداہ کو پست کیا۔

اس میں لفظ "اسرائیل" یقینی طور پر غلط ہے، کیونکہ وہ یہوداہ کا بادشاہ تھا نہ کہ اسرائیل کا۔ اس لئے یونانی اور لاطینی مترجموں نے لفظ "اسرائیل" میں تحریف کر کے یہوداہ بنادیا، غور فرمائیے یہ اصلاح ہے یا تحریف؟

پندرہویں غلطی کتاب تواریخ ثانی باب ۳۶ آیت ۱۰ میں ہے کہ:-
اور اس کے بھائی صدقیہ کو یہوداہ اور یردشلم کا بادشاہ بنادیا۔

اس میں اس کے "بھائی" غلط ہے، البتہ "چچا" صحیح ہے، اس لئے یونانی اور عربی مترجموں نے

۱۰ دیکھئے ص ۶۴۰ ، مقصد (۱۸) شاید (۱۸) ۱۰ دیکھئے ۲ تواریخ ۲۸: ۲۱ ،

۱۱ یعنی بنوکرہ نصر شاہ بابل نے یہویاکین کی جگہ اس کے بھائی کو بادشاہ بنادیا ،

۱۲ چنانچہ ۲ سلاطین ۲۴: ۱۰ میں "اس کے باپ کے بھائی" کے الفاظ ہیں، اور یہی صحیح ہے، کیونکہ یہویاکین یہویقیم بن یوسیاہ کا بیٹا تھا، اگر صدقیہ یہویاکین کا بھائی ہوتا تو اسے ابن یہویقیم کہنا چاہئے تھا، حالانکہ اسے

صدقیہ ابن یوسیاہ کہا جاتا ہے (دیکھئے یرمیاہ ۲۶: ۱۰ د ۲۴: ۱) ،

لفظ ”بھائی“ کو ”چچا“ سے بدل ڈالا، مگر یہ تحریف و اصلاح ہے، وارڈ کیتھولک اپنی کتاب میں کہتا ہے کہ:-

چونکہ یہ غلط تھا اس لئے یونانی ترجمہ اور دوسرے ترجموں میں اس کو ”چچا“ کے لفظ سے بدل دیا گیا۔

سوطھوس غلطی سمویل ثانی باب آیت ۱۶ و ۱۹ میں تین مقامات پر، اسی طرح کتاب تواریخ اول کے باب کی آیت ۳ و ۵ تا ۱۰ میں سات جگہ پر لفظ ”ہدر عز“

آیا ہے، حالانکہ صحیح لفظ ”ہدر عز“ ڈال کے ساتھ ہے، کتاب یوشع کے باب آیت ۸ میں لفظ ”عن“ ٹون کے ساتھ آیا ہے، **سترھوس غلطی** حالانکہ صحیح لفظ ”عکر“ رار کے ساتھ ہے،

آٹھارھوس غلطی کتاب تواریخ اول کے باب آیت ۵ میں اس طرح کہا گیا ہے کہ:- **آٹھارھوس غلطی** ثمنی ایل کی بیٹی بت سوع“ حالانکہ صحیح لفظ ”العام کی بیٹی بت سبع“ ہے،

انٹیسوس غلطی کتاب سلاطین ثانی باب آیت ۲۱ میں لفظ ”عزرباہ“ استعمال ہوا ہے، جو غلط ہے، صحیح لفظ ”عزریا“ بغیر رار کے ہے،

۱۵ یہ ایک شخص کا نام ہے، جیسا کہ ص ۳۸۰ پر گذرا،
 ۱۶ (قبیلہ یہوداہ کا ایک شخص) چنانچہ ۱- تواریخ ۲: ۴ میں ”عکر“ ہی مذکور ہے،
 ۱۷ ”بت سبع“ اور یا کی بیوی جس کے بارے میں توریت کی تہمت یہ ہے کہ حضرت داؤدؑ نے اُن سے (معاذ اللہ) زنا کیا، اور پھر اور یا کو مردا کر اس سے شادی کر لی، اور حضرت سلیمانؑ اُن سے پیدا ہوئے ۱۲
 ۱۸ جیسے کہ ۲- سمویل ۱۱: ۳ سے معلوم ہوتا ہے،
 ۱۹ یردشلم کے ایک بادشاہ کا نام ہے،
 ۲۰ جیسا کہ ۲- تواریخ ۲۶: ۱، ۲- سلاطین ۱۵: ۱۳ و ۲۲ و ۳۴ سے معلوم ہوتا ہے ۱۲ تقی

بیسویں غلطی

کتاب تواریخ ثانی باب آیت ۱۱ میں لفظ "یہوآخز" واقع ہے، جو قطعی غلط ہے، صحیح لفظ "احزریا" ہے، ہورن نے اپنی تفسیر کی جلد میں پہلے تو

اس بات کا اقرار کیا ہے کہ جو نام غلط نمبر ۱۶ تا ۲۰ میں مذکور ہیں وہ غلط ہیں، پھر کہتا ہے،

"اسی طرح اور دوسرے مقامات پر بھی ناموں میں غلطی ہوئی ہے، اس سے زیادہ

تفصیل سے جو صاحب جانتا چاہیں وہ ڈاکٹر کن کاٹ کی کتاب کا صفحہ ۲۳ تا ۲۴

ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔"

اور سچی بات تو یہ ہے کہ ان کتابوں میں اکثر نام غلط درج کئے گئے ہیں، اور صحیح ناموں کی تعداد قدرے قلیل ہی ہے۔

یہو یقیم قید ہوا یا مقتول
اکیسویں غلطی

کتاب تواریخ ثانی کے باب ۳۶ میں کہا گیا ہے کہ بخت نصر شاہ بابل یہو یقیم کو زنجیروں میں قید کر کے بابل لے گیا، جو بالکل غلط ہے، صحیح واقعہ یہ ہے کہ بخت نصر نے اس کو یروشلم

میں قتل کر ڈالا، اور حکم دیا کہ اس کی لاش شہر سپاہ سے باہر پھینک دی جائے، ورنہ کئے جانے کی قطعی ممانعت کر دی گئی۔

یوسیفس مورخ نے اپنی تاریخ کی کتاب باب میں لکھا ہے کہ:-

"بادشاہ بابل زبردست لشکر لے کر آیا، اور بغیر جنگ کئے ہوئے شہر پر قابض

ہو گیا، اور شہر میں آنے کے بعد تمام جوانوں کو قتل کر ڈالا، ان میں یہو یقیم بھی تھا، اور

۱۲ جیسا کہ خود اسی کتاب ۲۲: ۱۰-۱۱ سلاطین ۲۵: ۸ وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے، (یہ شخص یہوداہ کا بادشاہ تھا) ۱۲

۱۳ یہ واضح رہے کہ یہ واقعہ بخت نصر کے مشہور حملہ سے کچھ پہلے کا ہے، بنی اسرائیل کی جلاد طنی اس کے

کچھ بعد عمل میں آئی ہے ۱۴

اور اس کی نعش شہر بنادے باہر پھینکوا دی، اس کا بیٹا یہو یا کین تخت نشین ہوا تو

تین ہزار مردوں کو قید کیا جنہیں حزقیال پتیر بھی تھے۔

کتاب یسعیاہ باب آیت ۸ کے ترجمہ عربی مطبوعہ

۱۶۷۱ء و ۱۸۳۱ء میں یوں ہے کہ :-

”۶۵ سال بعد آرام مٹ جائے گا“

افرائیم پر شاہ اسور کا حملہ
بائیسویں غلطی

ترجمہ فارسی مطبوعہ ۱۸۳۸ء میں ہے کہ :-

”۶۵ سال بعد افرائیم شکستہ ہو جائے گا“

حالانکہ یہ بالکل غلط ہے، کیونکہ افرائیم پر شاہ اسور کا تسلط حزقیاہ کی تخت نشینی کے چھٹے

سال میں ہوا ہے، جس کی تصریح کتاب سلاطین ثانی کے باب ۱۸ میں موجود ہے، اس

طرح آرام اس کے بعد ۲۱ سال کی مدت میں مٹ گیا۔

وٹ رنگا عیسائیوں کا ایک مستند عالم کہتا ہے کہ :-

۱۷ یعنی سوریا (Syria) ہلکے پاس کسی ترجمہ میں ”ارام“ کا لفظ نہیں، بلکہ ”افرائیم“ ہے، اور سینیٹ

برس کے اندر افرائیم ایسا کٹ جائے گا کہ قوم نہ رہیگا۔ اس سے مقصود شاہ اسور (سلطنت) کا حملہ ہے، جیسا کہ اسی

باب کی آیت ۱۷ سے معلوم ہوتا ہے،

”حزقیاہ کے چھٹے سال جو ہو سیلع کا نواں برس تھا، سامریہ لیلیا گیا، اور شاہ اسور اسرائیل کو امیر کر کے

اسور لے گیا“ (۱۸: ۱۰، ۱۱)

۱۸ اس لئے کہ یہ پیشگوئی حضرت اشعیاء کی زبانی آخر کے زمانہ میں ہوئی تھی (یسعیاہ ۱: ۱۷) اور آخر

کی تخت نشینی سے شاہ اسرائیل ہو سیلع کی تخت نشینی تک بارہ سال کا فاصلہ ہو رہا۔ سلاطین، ۱: ۱۷ اور اسی

تخت نشینی کے نوین سال یہ تسلط مکمل ہوا (جیسا کہ ۱۸: ۱۰ کی مذکورہ عبارت بالا سے معلوم ہوتا ہے، لہذا

پورے اکیس سال بنے، ۱۲ تقی

”یہاں پر نقل میں غلطی واقع ہو گئی ہے، اصل میں ۱۶ اور ۵ تھا، اس نے اس مدت کو

اس طرح تقسیم کیا ہے کہ آخر کی حکومت ۱۶ سال اور حزق قیام کا دور سلطنت ۵ سال۔“

یہ رائے اگرچہ خالص ہٹ دھرمی ہے، لیکن کم از کم اس کو اس کا اعتراف ہے کہ کتاب لیلیا

کی موجودہ عبارت غلط ہے، اور اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۳ء کے مترجم نے آیت مذکور

نمبر ۸ میں تحریف کی ہے، خدا ان کو ہدایت دے کہ وہ اپنی جلی عادت سے باز نہیں آتے

کتاب پیدائش باب ۲ آیت ۷ میں ہے کہ
لیکن نیک بد کی پہچان کا درخت کبھی کھانا
کیونکہ جس روز تو نے اس میں سے کھایا تو مرا۔“

حضرت آدمؑ کو درخت کی ممانعت
تین سو سال غلطی

یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ آدم علیہ السلام نے اس درخت کو کھایا، حالانکہ وہ کھانے

کے دن نہیں مرے، بلکہ اس کے بعد ۹۰۰ سال سے زیادہ عرصہ تک زندہ رہے،

کتاب پیدائش باب ۳ آیت ۳ میں اس طرح ہے کہ:-

”تب خداوند نے کہا کہ میری روح انسان کے ساتھ ہمیشہ مراحت

نہ کرتی ہے گی، کیونکہ وہ بھی تو بشر ہی، اور اس کی عمر ایک سو بیس برس کی ہوگی۔“

اس میں یہ کہنا کہ اس کی عمر ۱۲۰ سال ہے قطعی غلط ہے، کیونکہ گذشتہ زمانہ کے لوگوں کی

عمریں بڑی طویل ہوتی تھیں، نوح علیہ السلام کی عمر ۹۵۰ سال، ان کے بیٹے سام کی

عمر ۶۰۰ سال، اور انخشد کی عمر ۳۳۸ سال ہوتی ہے، حالانکہ اس زمانہ میں ۷۰، ۸۰ تک

پہنچنا بھی شاذ و نادر ہے،

لہ بقول قریت یہ خدا کا آدم کو خطاب ہے، اور درخت سے مراد مشہور شجر ممنوعہ ہے، جیسا کہ ۳: ۳ سے معلوم ہوتا ہے

۱: ۳ پیدائش

پچیسویں غلطی

کتاب پیدائش باب ۱، آیت ۸ میں یوں ہے کہ ۱۔

”اور میں تجھ کو اور تیرے بعد تیری نسل کو کنعان کا تمام ملک جس میں

تو پر دینی ہے، ایسا دوں گا کہ وہ دائمی ملکیت ہو جائے اور میں اُن کا خدا ہوں گا“

یہ بھی صریح غلط ہے، اس لئے کہ تمام سرزمین کنعان ابراہیم کو کبھی بھی نہیں ملی

اور نہ ان کی نسل کو بادشاہت اور دوامی حکومت نصیب ہوئی، بلکہ اس سرزمین میں

جس قدر بے شمار انقلابات ہوتے رہے وہ شاید ہی کسی ملک میں پیش آئے ہوں گے،

اور مدت مدید گزری کہ اسرائیلی حکومت اس سرزمین سے قطعی ختم ہو چکی ہے۔

کتاب ارمیاہ باب ۲۵ میں کہا گیا ہے:-

یہودیوں کی جلا وطنی

”وہ کلام جو شاہ یہوداہ یہو یقیم بن یوسیاہ کے چوتھے

غلطی نمبر ۲۶، ۲۷، ۲۸

برس میں جو شاہ بابل بنو کہد نصر کا پہلا برس تھا، یہوداہ

کے سب لوگوں کی بابت یرمیاہ پر نازل ہوا“

پھر آیت ۱۱ میں ہے کہ:-

”یہ ساری زمین ویرانہ اور حیرانی کا باعث ہو جائے گی، اور یہ قومیں ستر برس تک

شاہ بابل کی غلامی کریں گی، خداوند فرماتا ہے جب ستر برس پورے ہوں گے تو میں

شاہ بابل کو اور اس کی قوم کو اور کسدیوں کے ملک کو ان کی بدکرداری کے سبب

سے سزا دوں گا، اور میں اُسے ایسا اُجاڑ دوں گا کہ ہمیشہ ویران رہے“ (آیات ۱۱-۱۲)

اور اسی کتاب کے باب ۲۹ میں ہے کہ ۱۔

”اب یہ اس خط کی باتیں ہیں جو یرمیاہ نبی نے یردشلیم سے باقی بزرگوں کو جو اسیر

ہو گئے تھے اور کاہنوں اور نبیوں اور ان سب لوگوں کو جن کو بنو کہد نصر یردشلیم سے

۱۔ یہ خدا کا حضرت ابراہیم کو خطاب ہے،

اسیر کر کے بابل لے گیا تھا، اس کے بعد کہ یونیا بادشاہ اور اس کی والدہ اور خواجہ
اور یہوداہ اور یروشلم کے امراء اور کارگیر اور لوہار یروشلم سے چلے گئے تھے، (آیات ۱۰)
پھر اسی باب کی آیت ۱۰ میں ہے:-

”خداوند یوں فرماتا ہے کہ جب بابل میں ستر برس گزر چکیں گے تو میں تم کو یاد فرماؤں گا
اور تم کو اس مکان میں واپس لانے سے اپنے نیک قول کو پورا کروں گا۔“

یہ آیت ۱۰ فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۸ء میں اس طرح ہے کہ:-

”بعد انقضائے ہفتاد سال در بابل من بر شما رجوع خواہم کرد۔“

ترجمہ:- ”بابل میں ستر سال گزر جانے کے بعد میں تمہاری طرف رجوع کروں گا۔“

اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۵ء میں اس طرح ہے کہ:-

”بعد از تمام شدن هفتاد سال دره بابل شما را باز دید خواہم نمود۔“	بابل میں ستر سال پورے ہو جانے کے بعد میں دوبارہ تمہاری طرف رخ کروں گا۔“
--	--

اور اسی کتاب کے باب ۵۲ میں مذکور ہے کہ:-

”یہ وہ لوگ ہیں جنہیں بنو کدور اسیر کر کے لے گیا، ساتویں برس میں تین ہزار تینیس
یہودی بنو کدور کے اٹھارہویں برس میں وہ یروشلم کے باشندوں میں سے آٹھ سو
تیس آدمی اسیر کر کے لے گیا، بنو کدور کے تیسویں برس میں جلوداروں کا سردار
نبوزر ادان سات سو پینتالیس آدمی یہودیوں میں سے پکڑ کر لے گیا، یہ سب آدمی
چار ہزار چھ سو تھے۔“ (آیات ۲۸ تا ۳۰)

لے یہ یونیاہ بن یہو یقیم جو بخت نصر کے چلے کے وقت یہوداہ کا حکمران تھا (دیکھئے یرمیاہ ۲۲: ۱)

ان مختلف عبارتوں سے تین باتیں ظاہر ہوتی ہیں :-

① بخت نصر یہو یا قیم کی تخت نشینی کے چوتھے سال میں تخت شاہی پر بیٹھا، اور یہی صحیح بھی ہے، یوسیفس یہودی مشہور مؤرخ نے بھی اپنی تاریخ کی کتاب میں اس کی تصریح کرتے ہوئے کہا ہے کہ :-

”بخت نصر یہو یا قیم کے بیٹھنے کے چوتھے سال میں بابل کا بادشاہ ہوا۔“

اگر کوئی شخص ہمارے بیان کے خلاف دعویٰ کرے تو وہ یقیناً غلط اور ارمیاء علیہ السلام کے کلام کے خلاف ہوگا، بلکہ ضروری ہوگا کہ بخت نصر کے جلوس کا پہلا سال یہو یا قیم کے جلوس کے چوتھے سال کے مطابق ہو۔

② ارمیاء علیہ السلام نے یہودیوں کے پاس یو نیا بادشاہ اور ردساہ یہوداہ اور دوسرے کاریگروں کے چلے جانے کے بعد کتاب بھیجی تھی۔

③ تینوں مرتبہ کی جلا وطنی میں قیدیوں کی کل تعداد چار ہزار چھ سو تھی، نیز تیسری جلا وطنی تیسویں سال پیش آئی، اب ہم کہتے ہیں کہ اس مقام پر تین زبردست غلطیاں موجود ہیں :-

۱۔ یو نیا بادشاہ اور ردساہ یہوداہ اور کاریگروں کی جلا وطنی مؤرخین کی تصریح

کے مطابق ولادت مسیح سے پانچ سو تانوے سال پہلے کا واقعہ ہے،

اسی طرح صاحب میزان الحق نے نسخہ مطبوعہ ۱۸۴۹ء کے صفحہ ۶ پر تصریح کی ہو کہ یہ جلا وطنی مسیح کی پیدائش سے چھ سو سال قبل پیش آئی، اور ارمیاء علیہ السلام کا ان کے پاس کتاب بھیجنا ان کے چلے جانے کے بعد کا واقعہ ہے، اور بابل کی رو سے یہودیوں کا بابل میں قیام ۷۰ سال ہونا چاہیے جو قطعی غلط ہے، کیونکہ یہودیوں کو شاہ ایران

خوڑس کے حکم سے ولادت مسیح سے ۵۳۶ سال قبل آزاد کیا گیا تھا، اس حساب سے اُن کی مدت قیام بابل میں ۶۳ سال ہوتی ہے نہ کہ ۷۰ سال،

ہم نے یہ تاریخیں کتاب مرشد الطالبین الی کتاب المقدس الثمین مطبوعہ ۱۸۵۲ء بیروت سے نقل کی ہیں، لیکن چونکہ یہ نسخہ عیسائیوں کی عام عادت کے مطابق اس نسخے سے بیشتر مقامات پر مختلف ہے جو ۱۸۴۲ء میں طبع ہوا تھا جو صاحب نقل کی تصحیح کے طالب ہوں ان کے لئے ضروری ہوگا کہ نقل کا مقابلہ نسخہ مطبوعہ ۱۸۶۲ء کی عبارت سے کریں، یہ نسخہ آستانہ کی جامع بایزید کے کتب خانہ میں موجود ہے، کتاب مقدس کی تاریخی جدول کے جزو ۲ فصل ۲۰ میں اس نسخہ مطبوعہ ۱۸۵۲ء میں اس طرح مذکور ہے :-

سنہ قبل میلاد مسیح	واقعات	دنیا کا سال
۵۹۹	ارمیاہ علیہ السلام کی تحریر اُن یہودیوں کے نام جو بابل میں قید تھے	۳۴۰۵
۵۳۶	داریوس کی وفات جو قوش کا ماموں تھا، اور قوش کا اس کی جگہ مادعی اور فارس و بابل کا بادشاہ ہونا اور اس کا یہودیوں کو آزاد کر کے یہود راہ واپس چلے جانے کی اجازت دینا،	۳۴۶۸

۲۔ دوسری غلطی یہ ہے کہ تینوں مرتبہ کی جلاوطنی میں قیدیوں کی تعداد چار ہزار

چھ سو بیان کی گئی ہے، حالانکہ سلاطین ثانی باب ۲۴ آیت ۱۴ میں کہا گیا ہے کہ دس ہزار

۱۵ یا اگر صاحب میزان الحق کے قول کا اعتبار کیا جائے تو ۶۴ سال، کیونکہ ۵۹۹ میں سے ۵۳۶ نکال دیے

جائیں تو ۶۳ بچتے ہیں، اور ۱۰۰ سے تفریق کی جائے تو چونبٹھ، ۱۲

۱۵ تمام نسخوں میں ایسا ہی ہے، مگر یہ بدراہتہ غلط ہے، صحیح ۱۸۵۲ء ہے ۱۲

اشراف اور بہادر لوگ تو صرف ایک ہی جلاوطنی میں شامل تھے، اور صنّاع کار گیران کے علاوہ تھے،

۳۔ تیسری غلطی یہ ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تیسری جلاوطنی بخت نصر کی تخت نشینی کے تیسویں سال پیش آئی تھی، حالانکہ سلاطین کے باب ۲۵ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے جلوس کے اسیویں سال واقع ہوئی،

کتاب حزقیال کے باب ۲۶ میں ہے کہ:-
اور گیارہویں برس میں ہینہ کے پہلے دن
خدا کا کلام مجھ پر نازل ہوا:-

بخت نصر کے ہاتھوں صور کی تباہی
کی غلط پیش گوئی، اسیویں غلطی

پھر آیت نمبر ۱ میں ہے:-

”خداوندِ خدا یوں فرماتا ہے کہ دیکھ! میں شاہ بابل بنو کدور کو جو شہنشاہ ہے گھوڑوں،
اور ریتھوں اور سواروں اور فوجوں اور بہت سے لوگوں کے انہدہ کے ساتھ شمال سے
صور پر چڑھا لاؤں گا، وہ تیری بیٹیوں کو میدان میں تلوار سے قتل کرے گا، اور تیرے
ارد گرد مورچہ بندی کرے گا، اور تیرے مقابل دمدمہ باندھے گا، اور تیری مخالفت میں
ڈھال اٹھائے گا، وہ اپنی منجیق کو تیری شہر سپاہ پر چلائے گا، اور اپنے تبروں سے تیرے

۱۵ اور وہ سارے یروشلم کو اور سب سرداروں کو اور سب سورماؤں کو جو دس ہزار آدمی تھے، اور
سب دستکاروں اور بباروں کو اسیر کر کے لے گیا۔ (۲۔ سلاطین ۲۴: ۱۱۴)

۱۶ یعنی بنو زرادان دالی ۱۲

۱۷ اور شاہ بابل بنو کدور کے عہد کے اسیویں برس کے پانچویں ہینہ کے ساتویں دن (۸: ۲۵)

۱۸ صور Tyre ازمنہ قدیم کا ایک ساحلی شہر جو سوریا کی حدود میں واقع تھا، اور سمندر کے کنارے ہونے کے سبب فاحشی اعتبار سے انتہائی منبسط تھا، آجکل یہ علاقہ لبنان کے حدود میں واقع ہے ۱۲ تھی

برجوں کو ڈھائے گا، اس کے گھوڑوں کی کثرت کے سبب اتنی گرد اڑے گی کہ تجھے چھپائے گی، جب وہ تیرے پھاٹکوں میں گھس آئے گا جس طرح رخنہ کر کے شہر میں گھس جاتے ہیں، تو سواروں اور گاڑیوں اور ریتوں کی گڑ گڑاہٹ کی آواز سے تیری شہر پناہ مل جائے گی، وہ اپنے گھوڑوں کے سموں سے تیری سب سڑکوں کو روند ڈالے گا، اور تیرے لوگوں کو تلوار سے قتل کرے گا، اور تیری توانائی کے ستون زمین پر گر جائیں گے اور وہ تیری دولت لوٹیں گے، اور تیرے مال کو غارت کریں گے، اور تیری شہر پناہ توڑ ڈالیں گے، اور تیرے رنگ محلوں کو ڈھادیں گے، اور تیرے پتھر اور لکڑی اور تیری مٹی سمندر میں ڈال دیں گے۔“

حالانکہ یہ قطعی غلط ہے، اس لئے کہ بخت نصر نے صور کا تیرہ سال تک محاصرہ جاری رکھا اور اس کے فتح کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر وہ کامیاب نہ ہو سکا، اور ناکام واپس ہوا، اور چونکہ یہ واقعہ غلط تھا، اس لئے نعوذ باللہ حضرت حزقیلؑ کو عذر کی ضرورت پیش آئی اور اپنی کتاب کے باب ۲۹ میں یوں فرمایا کہ:

”ستائیسویں برس کے پہلے ہمینہ کی پہلی تاریخ کو خداوند کا کلام مجھ پر نازل ہوا کہ اے آدم زاد! شاہ بابل بنو کہ روضہ نے اپنی فوج سے صور کی مخالفت میں بڑی خدمت کروائی ہے، ہر ایک سر بے بال ہو گیا، اور ہر ایک کا کندھا چھل گیا، پر نہ اُس نے اور نہ اُس کے شکر نے صور سے اس خدمت کے واسطے جو اُس نے اس کی مخالفت میں

لے قرین کے درمیان کی عبارت اصل کتاب میں چھوڑ دی گئی تھی ۱۲

۱۳ چھٹی صدی قبل مسیح میں دیکھئے، برٹانیکا، ص ۶۵۳ ج ۲۲ مقالہ (Tyre) ،

۱۴ آیات ۲۰، ۲۱، ۲۲

کی تھی کچھ اجرت پائی، اس لئے خداوندِ خدایوں فرماتا ہے کہ دیکھو! میں ملکِ مصر
شاہِ بابل بنو کدر شکر کے ہاتھ میں کر دوں گا، وہ اس کے لوگوں کو پکڑ کر لے جائے گا، اور
اس کو لوٹ لے گا، اور اس کی غنیمت کو لے لیگا، اور یہ اس کے لشکر کی اجرت ہوگی
میں نے ملکِ مصر اس محنت کے صلہ میں جو اس نے کی اُسے دیا۔“

اس میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ چونکہ جنت نصر اور اس کے لشکر کو صور کے
محاصرہ کا کوئی عوض نہیں مل سکا، اس لئے خدا نے اس سے مصر کا وعدہ فرمایا۔ ہم کو معلوم
نہیں کہ یہ وعدہ بھی سابقہ وعدوں کی طرح تھا یا شرمندہ ایفاء ہوا؟ یہ بات بہت ہی
افسوسناک ہے، کیا خدا الٰہ وعدے کیسے ہی ہوا کرتے ہیں؟ اور خدا بھی اپنے وعدے کے
پورا کرنے سے عاجز و قاصر ہوا کرتا ہے؟

ایک اور غلط پیش گوئی
غلطی نمبر ۳۰

کتاب دانی ایل کے باب ۸ آیت ۱۳ کے فارسی ترجمہ مطبوعہ
۱۸۳۹ء میں ہے کہ:-

”پس شنیدم کہ معتدے تکلم نمود، و مقدس سے ازاں مقدس

پرسید کہ این رویا در باب قربانی دامن دگنہ کاری ہلک پہ پائال کردن مقدس و
فوج تاکے باشد، مرا گفت تا دو ہزار و سہ صد روز بعدہ مقدس پاک خواہ شد۔“

ترجمہ:- ”تب میں نے ایک قدس کو کلام کرتے سنا اور دوسرے قدس نے اسی قدس سے

ملہ غالب یہی ہو کہ شرمندہ ایفاء نہیں ہوا، کیونکہ بنو کدر کے حالات زندگی میں شرمندہ تی م کے حامی مصر کا ذکر
تو ملتا ہے، مگر صور کے محاصرہ کے بعد تاریخیں اس کے حملہ یر و شلم کا ذکر کر کے خاموش ہو جاتی ہیں، مصر پر
کسی حملہ کا ذکر نہیں کرتیں ۱۲

۱۳ یہ اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۹۵۸ء کی عبارت ہے، فارسی کے مطابق ہونے کی وجہ سے ہم نے اسے ہی نقل
کر دیا ہے، البتہ عربی عبارت کا جو ترجمہ آ رہا ہے وہ ہمارا اپنا کیا ہوا ہے ۱۲ تقی

جو کلام کرتا تھا پوچھا کہ دائمی شربانی اور ویران کرنے والی خطا کاری کی رو یا جس میں
مقدس اور اجرام پائمال ہوتے ہیں کب تک رہے گی؟ اور اس نے مجھ سے کہا کہ دو
ہزار تین سو صبح و شام تک، اس کے بعد مقدس پاک کیا جائے گا۔

اور عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۳ء میں یہ الفاظ ہیں:-

وَسَمِعْتُ قَدْ يَسْتَأْمِنُ الْقُدُسُ يَسْتَيْنِ مَتَكَلَّمًا وَقَالَ قَدْ لَيْسَ وَاحِدًا لِّلْآخِرِ
الْمَتَكَلَّمِ لَمْ أَعْرِفْهُ حَتَّى مَتَى الرُّؤْيَا وَالذَّبِيحَةُ الدَّائِمَةُ وَنَطِيشَةُ
الْخَرَابِ الَّذِي قَدْ صَارَ وَيْنُ اس الْقُدُسِ وَالْقُوَّةُ فَقَالَ لَهُ حَتَّى
الْمَسَاءِ وَالصَّبَاحِ أَيْ الْفَيْنِ وَثَلَاثُمِائَتَيْ يَوْمٍ وَيُظْهِرُ الْقُدُسُ ط

ترجمہ:- اور میں نے ایک قدیس کو یہ کہتے ہوئے سنا جب کہ وہ ایک دوسرے قدیس سے بات
کر رہا تھا جسے میں نہیں جانتا تھا، کہ خواب اور دائمی شربانی اور تباہ کن گناہ جس
میں قدس اور فوج پامال ہوتے ہیں، کب تک رہے گا؟ اس نے جواب دیا کہ دو ہزار
تین سو صبح و شام تک، اور پھر قدس ظاہر ہو جائے گا۔

علماء یہود و نصاریٰ سب کے سب اس پیشینگونی کے مصداق کے بابے میں سخت
حیران ہیں، دونوں تفسیر کی باتیں کے تمام مفسرین نے اس خیال کو ترجیح دی ہے کہ اس کا
مصداق انٹیوگس شاہ روم کا واقعہ ہے، جو یروشلم پر ۱۶۱۰ ق م میں مسلط ہو گیا تھا،
اور ایام سے مراد یہی متعارف ایام ہیں، مفسر یوسیفس نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے
مگر اس پر ایک بڑا اعتراض واقع ہوتا ہے وہ یہ کہ وہ حادثہ جس میں قدس اور فوج
پامال ہوئی وہ ساڑھے تین سال رہا، جس کی تصریح یوسیفس نے اپنی تاریخ کی کتاب ۵
باب میں کی ہے، حالانکہ شمسی حساب کے موافق ۲۳۰۰ ایام کے تخمیناً ۶ سال ۳ ماہ ۱۹ دن

ہوتے ہیں، اسی بنا پر اسحق نیوٹن نے اس کا مصداق حادثہ انیتوکس کو ماننے سے انکار کیا ہے
تھامس نیوٹن نے ایک تفسیر بائبل کی پیشینگوئیوں کے بارہ میں لکھی ہے، اس کے
نسخہ مطبوعہ لندن ۱۸۳۷ء کی جلد اول میں پہلے جہور مفسرین کا قول نقل کیا ہے، پھر اسحاق
نیوٹن کی طرح اس کی تردید کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس حادثہ کا مصداق انیتوکس کا حادثہ
کسی طرح نہیں ہو سکتا، پھر اس نے دعویٰ کیا ہے کہ اس کا مصداق رومی سلاطین اور پاپائیں
سنل جانسی نے بھی ایک تفسیر پیش آنے والے واقعات کی پیشینگوئیوں پر لکھی ہے،
اور ساتھ ہی دعویٰ کیا ہے کہ میں نے اس میں پچاسی تفاسیر کا نچوڑ اور خلاصہ پیش کیا ہے، یہ
تفسیر ۱۸۳۸ء میں چھپی ہے، اس پیشینگوئی کی شرح کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے ۱۔

اس پیشینگوئی کے ابتدائی زمانہ کی تعیین قدیم زمانہ سے علماء کے نزدیک بڑے
اشکال کا سبب بنی ہوئی ہے، اکثر علماء نے اس خیال کو ترجیح دی ہے کہ اس کے زمانہ
کا آغاز ان چار زمانوں میں سے یقیناً کوئی ایک زمانہ ہے جس میں شاہان ایران کے
چار فرما میں صادر ہوتے ہیں۔

۱۔ ۱۳۶۱ء قبل مسیح کا زمانہ جس میں خورش کا نسرمان صادر ہوا تھا،

۲۔ ۱۸۵۱ء ق م کا زمانہ، جس میں دارا کا نسرمان جاری ہوا،

۳۔ سنل جانسی کی آنے والی عبارت کا حاصل جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں یہ ہے کہ اس کے نزدیک کتاب فی ایل
کی مذکورہ بالا پیشینگوئی میں حضرت مسیح کے نزول ثانی کا وقت بتایا گیا ہے، اور اس نے اس کی تشریح اس طرح کی ہے
کہ دو ہزار تین سو ایام سے مراد دو ہزار تین سو سال ہیں، اور ان کا شمار کسی ایسے زمانہ سے کیا جانا چاہئے جس میں یرشلم
اہل کتاب کے قبضہ سے نکل گیا ہو جس کے لئے اس نے پانچ احتمال بیان کئے ہیں، اور ان کے حساب سے حضرت
عیسیٰ کے دوبارہ زمین پر تشریف لانے کے سن نکالے ہیں ۱۲ تقی

۳۔ ۵۸۰ ق م کا عہد جس میں اردشیر نے اپنی تخت نشینی کے ساتویں سال عزراہ کے نام ایک فرمان جاری کیا،

۴۔ ۴۴۴ ق م کا زمانہ جس میں اردشیر بادشاہ نے اپنی تخت نشینی کے بیسویں سال نحمیاہ کے نام ایک فرمان جاری کیا،

نیز ایام سے مراد سال ہیں، اس طرح اس پیشینگوئی کا منتہی مندرجہ ذیل تفصیل کے مطابق ہوتا ہے۔

نمبر ۱ کے لحاظ سے، سال ۴۶۴ء ، نمبر ۲ کے لحاظ سے، سال ۴۸۲ء ،
نمبر ۳ کے لحاظ سے، سال ۴۴۴ء ، نمبر ۴ کے لحاظ سے، سال ۴۵۶ء
اس لحاظ سے پہلی اور دوسری مدت ختم ہو چکی ہے، تیسری چوتھی باقی ہے جس میں تیسری مدت زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے، اور میرے نزدیک یقینی ہے، البتہ بعض علماء کے نزدیک اس کا آغاز سکندر رومی کے ایشیا پر حملہ آور ہونے سے شمار ہوتا ہے اس صورت میں اس کا منتہی ۹۶۶ء نکلتا ہے۔

یہ قول چند وجوہ سے باطل ہے۔

- ① یہ کہنا کہ اس پیشینگوئی کے آغاز کی تعین دشوار اور مشکل ہو بالکل غلط ہے، اشکال اور دشواری اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ یقینی طور پر غلط ہے، اس لئے کہ اس کی ابتدا یقینی طور پر خواب دیکھے جانے کے وقت سے ہونا چاہئے، نہ کہ بعد کے اوقات سے۔
- ② یہ کہنا کہ ایام سے مراد سال ہیں، محض ہٹ دھرمی ہے، کیونکہ "یوم" کے حقیقی معنی وہی ہو سکتے ہیں جو متعارف اور مشہور ہیں، عہد عتیق و جدید میں جہاں کہیں بھی لفظ "یوم" استعمال ہوا ہے وہ ہمیشہ معنی حقیقی ہی میں استعمال ہوا ہے، اور جس مقام پر بھی کسی چیز

کی مدت بیان کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے وہاں اس کو سال کے معنی میں کبھی استعمال نہیں کیا گیا، اور اگر ان مقامات کے علاوہ کسی جگہ نادر طریقہ پر سال کے معنی میں استعمال کیا جانا تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی یقینی طور پر یہ استعمال مجازی ہوگا، جس کے لئے کوئی تشریح ضرور ہونا چاہئے، اس جگہ مدت کا بیان ہی مقصود ہے، اور مجازی معنی کا کوئی قرینہ بھی موجود نہیں ہے، اس لئے مجازی معنی پر کیسے محمول کیا جاسکتا ہے، اس لئے جہور نے اس کو حقیقی معنی پر محمول کیا ہے، اور اس کو صحیح بنانے کے لئے ایسی فاسد توجیہ کی ہے جس کی تردید کرنے کی ضرورت اسحق نیوٹن، طامس نیوٹن اور اکثر متاخرین کو رجن میں یہ مفسر بھی شامل ہے، پیش آتی۔

③ اگر ہم دونوں مذکورہ اعتراضات سے قطع نظر بھی کر لیں تب بھی کہا جاسکتا ہو کہ پہلی اور دوسری ابتداء کا غلط اور جھوٹا ہونا خود اس کے عہد میں ظاہر ہو چکا تھا، جیسا کہ خود اس کا استرار بھی ہے، اور تیسری ابتداء کا غلط اور خلاف واقع ہونا اب ظاہر ہو چکا کہ جس پر اس کو کامل دثوق اور یقین تھا، اسی طرح پوتھی توجیہ کا حال بھی معلوم ہو چکا کہ وہ غلط اور بائسٹل ہونے میں جہور متقدمین کی توجیہ سے بڑھ کر ہے، اب صرف پانچواں احتمال باقی رہ جاتا ہے، لیکن چونکہ وہ اکثر علماء کے نزدیک خود ضعیف قرار ہے، اور اس پر بھی پہلے دونوں اعتراضات واقع ہوتے ہیں، اس لئے وہ بھی ساقط الاعتبار ہو جاتا ہو اور خدا نے اگر چاہا تو جو اس وقت موجود ہوں گے وہ اس کا بھی جھوٹا اور غلط ہونا دیکھ لینگے،

لے بین ۱۹۶۶ء، اتفاق سے اظہار الحق کا یہ اردو ترجمہ ۱۹۶۶ء ہی میں طباعت کے مراحل طے کر رہا ہے، اور ابھی تک حضرت مسیح علیہ السلام کا نزول نہیں ہوا، اس لئے یہ پانچویں توجیہ بھی مصنف کی پیشینگوئی کے مطابق محض لغو اور بیہودہ ثابت ہو چکی ہے ۱۲ تقی

اب پادری یوسف صاحب تشریف لاتے ہیں جنہوں نے ۱۸۳۳ء مطابق ۱۲۴۸ھ میں شہر لکھنؤ میں اس پیشینگوئی اور اپنے جھوٹے الہام سے استدلال شروع کیا اور کہنے لگے کہ اس پیشینگوئی کا آغاز دانیال کی وفات سے ہوتا ہے، اور ایام سے مراد سال ہیں، اور دانیال علیہ السلام کی وفات ۶۰۵ ق م میں ہوتی ہے، پھر جب ہم ۲۳۰۰ میں سے اس مدت کو گھٹا دیں تو ۱۸۲۷ء رہ جاتے ہیں، اس بناء پر نزول عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ ۱۸۲۷ء ہوتا ہے، اس پادری اور بعض علماء اسلام کے درمیان مناظرہ بھی ہوا، بہر حال اس کا دعویٰ چند وجوہ سے باطل اور غلط ہے، مگر چونکہ اس دعوے کو جھوٹا ہونا بھی ثابت ہو چکا ہے، کیونکہ، اس سال کی مدت گزر چکی ہے، اور حضرت عیسیٰ تشریف نہیں لاتے، اس لئے ہم کو اس کی تردید میں بلا وجہ بات کو طول دینے کی ضرورت نہیں ہے، ممکن ہے پادری صاحب موصوف کو "دختر ز" کے نشہ میں یہ سماں نظر آیا ہو، جس کو انہوں نے الہام تشریف دیدیا۔

ڈی آئی اور رچرچر ڈومینٹ کی تفسیر میں لکھا ہے:-

اس پیشینگوئی کی آغاز و اختتام کی تعیین اس کی تکمیل سے پہلے بہت ہی دشوار اور مشکل ہی پوری ہو جانے پر واقعات اس کو ظاہر کر دیں گے۔

یہ توجہ بہت ہی کمزور اور مضحکہ خیز ہے، ورنہ یہ مانتا پڑے گا کہ ہر بیکار اور فاسق کو بھی یہ حق ہو سکتا ہے کہ وہ اس قسم کی بے شمار پیشینگوئیاں کر سکے، جن میں ان کے آغاز و اختتام کی کوئی تعیین نہ ہو، اور یہ کہہ سکتا ہے کہ جب یہ پوری ہوگی تو واقعات خود اس کی تصدیق کریں گے،

انصاف کی بات تو یہ ہے کہ یہ لوگ بچاۓ قطعی محذوریں، اس لئے کہ بات

جسے ہی غلط ہے، جس کی نسبت کہنے والا بہت ہی خوب کہہ گیا ہے کہ جس چیز کو زمانہ خراب کر چکا ہو غریب عطار اس کی درستی کیونکر کر سکتا ہے،

کتاب دانیال باب ۱۲ آیت ۱۱ میں یوں ہے کہ:-

غلطی نمبر ۳

”اور جس وقت سے دائمی شرابی موقوف کی جائے گی اور وہ اُجاڑنے

والی مکروہ چیز نصب کی جائے گی، ایک ہزار دوسو نوے دن ہوں گے، مبارک

وہ جو ایک ہزار تین سو پینتیس روز تک انتظار کرتا ہے“

یہ بھی گزشتہ پیشینگوئی کی طرح غلط اور باطل ہے، اس میناد پر نہ تو عیسائیوں کا صحیح خودار ہوا اور نہ یہودیوں کا۔

کتاب دانیال باب ۹ میں یوں کہا گیا ہے کہ:

کتاب دانیال کی ایک اور

”اور تیرے مقدس شہر کے لئے ستر ہفتے مسترد

غلط پیشینگوئی، غلطی نمبر ۳۲

کئے گئے کہ خطا کاری اور گناہ کا خاتمہ ہو جائے، اور

بدکرداری کا کفارہ دیا جائے، ابدی راست بازی قائم ہو، رُڈیا و نبوت پر مہر ہو

اور پاک ترین مقام مسیح کیا جائے“

اور ترجمہ فارسی مطبوعہ ۱۸۳۹ء میں اس طرح ہے کہ:-

”ہفتاد ہفتہ بر قوم تو در شہر مقدس تو مقرر شد، برائے اتمام خطا و برائے نقصان

گناہان و برائے تکفیر شرارت و برائے رسانیدن راست بازی ابدانی و برائے

اختتام رُڈیا و نبوت و برائے مسیح قدس المقدس“

۱۱ مفسرین کے نزدیک یہ آید ”مسیح“ کی خوش خبری ہے ۱۲

۱۲ اس سے بھی مفسرین کے نزدیک ظہور مسیح کی طرف اشارہ ہے،

ترجمہ: تیسری قوم اور مقدس شہر کے لئے شریفیتہ معسر ہوئے ہیں، خطاؤں کے ختم ہونے اور گناہوں کے درگزر کے لئے اور شرارت کے کفارہ کے واسطے نیز ایسی سچائی پہنچانے اور خواب و نبوت کے اختتام کے لئے اور مقدس کے مسیح کے لئے۔

یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ اس مدت معسرہ میں بھی دونوں میوں میں سے ایک بھی نمودار نہیں ہوا، بلکہ یہودیوں کا مسیح تو آج تک ظاہر نہ ہو سکا، حالانکہ اس مدت پر دو ہزار سال سے زیادہ زمانہ گزر چکا ہے، اس جگہ علماء نصاریٰ کی طرف سے جو تکلفات اختیار کئے گئے ہیں، وہ چند وجوہ سے ناقابل التفات ہیں۔

① لفظ "یوم" کو مدت کی تعداد بیان کرتے ہوئے مجازی معنی پر محمول کرنا بغیر کسی تشریح کے ناقابل تسلیم ہے،

② اگر ہم یہ مان بھی لیں تب بھی دونوں میوں میں سے کسی ایک پر یہ پیشینگوئی صادق نہیں آتی، کیونکہ خورش کی تخت نشینی کے پہلے سال رحس میں یہودی آزاد کئے گئے تھے جیسا کہ کتاب عزرا باب میں تصریح ہے (اور عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کے درمیان مدت جہاں تک یوسیدفس کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے) تخمیناً ۶۰۰ سال ہے، اور سنل بانسی کی تحقیق کی مطابق ۵۳۶ سال ہے، جیسا کہ غلطی نمبر ۳۰ کے ضمن میں معلوم ہو چکا ہے، اور اسی طرح مرشد الطالبین نسخہ مطبوعہ ۱۸۵۲ء کے مؤلف کی تحقیق کے موافق بھی (جیسا کہ غلطی نمبر ۲۶ میں معلوم ہو چکا ہے) مرشد الطالبین کے مصنف نے جز ثانی کی فصل ۲۰ میں تصریح کی ہے کہ یہودیوں کا قید سے رہا ہو کر لوٹنا اور ہیکل میں مسربانیوں کی تجدید بھی اسی آزادی کے سال یعنی ۵۳۶ ق م میں پیش آئی ہے، حالانکہ شریفیتوں کی مقدار صرف

چار سو نو سے سال ہوتی ہے، اسی طرح یہودیوں کے مسیح پر اس کا صادق نہ آنا بالکل ظاہر ہے،

③ تیسری وجہ یہ ہے کہ اگر اس کو صحیح مان لیا جائے تو مسیح پر نبوت کا اختتام لازم آتا ہے، لہذا حواری کسی صورت میں نبی اور پیغمبر نہیں ہو سکیں گے، حالانکہ یہ بات عیسائی مذہب کے قطعی مخالف ہے، کیونکہ ان کے نزدیک حواری موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے تمام اسرائیلی پیغمبروں سے افضل ہیں، اور انکی فضیلت کی شہادت کے لئے یہود اسکر یوتی کے حال کا دیکھ لینا کافی ہے، (جو روح القدس سے لہریز انسانوں میں سے ایک تھا)

④ چوتھی بات یہ کہ اگر یہ درست ہو جائے تو خواب کے سلسلہ کو ختم ماننا پڑیگا حالانکہ روایاتے صالحہ اور اچھی قسم کے خواب آج تک جاری ہیں۔

⑤ واٹسن نے اپنی کتاب کی جلد ۳ میں ڈاکٹر کریب کا خط نقل کیا ہے اور اس میں تصریح کی ہے کہ:

”یہودیوں نے اس پیشینگوئی میں ایسی تحریف کر ڈالی ہے جس کے بعد اب عیسیٰ علیہ السلام

پر کسی طرح صادق نہیں آ سکتی“

غور فرمائیے ”جادو دہ جو سرچرچہ کے بولے“ عیسائیوں کے مشہور عالم کے اقرار سے یہ بات واضح ہو گئی کہ یہ پیشینگوئی اصل کتاب دانیال کے مطابق (جو آج تک یہودیوں کے پاس موجود ہے، اور جس کی نسبت یہودیوں کے خلاف کبھی تحریک کا دعویٰ نہیں کیا گیا ہے) عیسیٰ علیہ السلام پر صادق نہیں آتی، علماء پر وٹسٹنٹ کا یہودیوں کے خلاف

لہ یہود اسکر یوتی وہ شخص ہے جس نے حواری ہونے کے باوجود بقول انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کھڑا دیا تھا،

(دقیقہ ۱۲:۱۲)

دعویٰ تحریف باطل ہے، جب اصل کتاب کی پوزیشن برقرار ہے تو مسیحی علماء کے کہنے ہونی
تراجم سے استدلال کرنا بالکل غلط ہے،

(۶) مسیح سے مراد ان ہی دوسیوں میں سے کوئی ایک ہونا ضروری نہیں ہے، کیونکہ
اس لفظ کا استعمال یہودیوں کے ہر بادشاہ کے لئے ہوتا رہا ہے، خواہ وہ صالح ہو یا بدکردار
ملاحظہ کیجئے زبور نمبر ۱۰۱، آیت نمبر ۵ میں یوں ہے کہ:-

”وہ اپنے بادشاہ کو بڑی نجات عنایت کرتا ہے، اور اپنے مسموح داؤد اور اس کی
نسل پر ہمیشہ شفقت کرتا ہے“

اسی طرح زبور نمبر ۱۳۱ میں لفظ ”مسیح“ کا اطلاق داؤد علیہ السلام پر کیا ہے، جو
ایک نبی اور نیک بادشاہ تھے، نیز کتاب سموئیل اول باب ۲۴ میں داؤد علیہ السلام کا
قول ساؤل کے حق میں جو یہودیوں کا بدترین بادشاہ گذرا ہے، اس طرح مذکور ہے:
”اور جو لوگ اس کے ہمراہ تھے ان سے اس نے کہا کہ مجھ کو خدا کی پناہ کہ میں ایسا فعل
اپنے آقا کے ساتھ کروں جو خدا کا مسیح ہے، یا اسے قتل کرنے کے لئے دست درازی
کروں، کیونکہ وہ پروردگار کا مسیح ہے، میں اپنے ہاتھ اپنے آقا پر نہیں اٹھاؤں گا، کیونکہ
وہ پروردگار کا مسیح ہے“ (آیت او ۱۱)

علاوہ ازیں اسی کتاب کے باب ۲۶ اور سموئیل ثانی کے باب میں بھی اس قسم کا
اطلاق کیا گیا ہے، پھر یہ لفظ یہودیوں کے بادشاہوں کے ساتھ ہی مخصوص نہیں، بلکہ

لے اس بادشاہ کا نام قرآن کریم میں طاوت مذکور ہے، اس بات پر قورات اور قرآن کریم کا اتفاق ہے کہ اُسے
بنی اسرائیل کا بادشاہ خود اللہ تعالیٰ نے نامزد کیا تھا، پھر نامزدگی کے بعد کے حالات قرآن کریم خاموش ہے، اور قورات
نے اس کی نامزائیاں ذکر کی ہیں، اور یہ بتلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بادشاہ بنا کر معاذ اللہ، پچھتایا اور سموئیل ۱: ۱۵ اور ۱۱

دوسروں کے حق میں بھی استعمال ہوتا رہا ہے، چنانچہ کتاب یسعیاہ باب ۴۵ آیت ۱ میں کہا گیا ہے:-

”خداوند اپنے مسیح خورش کے حق میں یوں فرماتا ہے کہ میں نے اس کا داہمتا ہاتھ پکڑا۔“

اس عبارت میں مسیح کا لفظ شاہ ایران کے لئے استعمال کیا گیا ہے، جس نے یہود کو قید سے آزادی بخشی تھی، اور سیکل بنانے کی اجازت دیدی تھی،

بنو اسرائیل کو محفوظ رکھنے کا وعدہ، غلطی نمبر ۳۳ کتاب سموئیل ثانی باب ۷ آیت ۱۰ میں حضرت ناثان علیہ السلام کی زبانی حسب ذیل خدائی وعدہ بیان کیا گیا ہے:-

”اور میں اپنی قوم اسرائیل کے لئے ایک جگہ معشر کروں گا، اور وہاں ان کو جاؤں گا، تاکہ وہ اپنی ہی جگہ بسیں، اور پھر بٹائے نہ جائیں، اور شرارت کے فرزند اُن کو پھر ڈکھ نہیں دینے پائیں گے، جیسے پہلے ہوتا تھا، اور جیسا اس دن سے ہوتا آیا ہے جب سے میں نے حکم دیا تھا کہ میری قوم اسرائیل پر قاضی ہوں“ (آیت ۱۰-۱۱) ترجمہ فارسی مطبوعہ ۱۸۳۸ء کے الفاظ یہ ہیں:-

”وَمَكَانِي نَزِيرًا لِّقَوْمِ خُدَا إِسْرَائِيلَ مَعْتَسِرًا نَّوَاهِمُ كَرْدِ إِشَائِ رَاخَوَاهِمُ نَشَانِيدَ تَاخُودَ جَائِے دَارِ بَاشَنَدِ مَن بَعْدَ حَرَكَتِ نَدِ كُنْدَ، وَابِلِ شَرَارَتِ مَن بَعْدِ إِشَائِ رَا نِيَا زَارَنَدِ چُونِ دَرِ اِيَامِ سَابِقِ“

اور ترجمہ فارسی مطبوعہ ۱۸۴۵ء کے الفاظ یہ ہیں:-

”وَبِهَيْبَتِ قَوْمِ إِسْرَائِيلَ مَكَانِي رَا تَعِينِ خَوَاهِمُ نَمُودِ دِ اِيَشَائِ رَا غَرِبِ خَوَاهِمُ نَمُودِ تَا آنَكَ دَرِ“

مقام خویش ساکن شدہ بار دیگر متحرک نشوند، و سر زندان شرارت پیشہ ایشان
را مثل ایام سابق نرختانند»

غرض خدا نے وعدہ کیا تھا کہ بنی اسرائیل امن و اطمینان کے ساتھ اس جگہ رہیں گے
اور شریروں کے ہاتھوں ان کو کوئی اذیت نہ پہنچے گی، یہ جگہ یروشلم تھی جہاں
بنی اسرائیل آباد ہوتے، مگر یہ وعدہ اُن کے لئے پورا نہ ہوا، چنانچہ اس جگہ پر اُن کو
بے انتہاستا یا گیا، شاہ بابل نے تین مرتبہ اُن کو شدید اذیت دی، قتل کیا، قید کیا اور
جلادِ وطن بھی کیا، اسی طرح دوسرے بادشاہوں نے بھی اُن کو اذیت پہنچائی،
طیطوس شاہ روم نے تو اُن کو اذیت دینے میں انتہا کر دی، یہاں تک کہ اس کے حادثہ
میں دس لاکھ یہودی مارے گئے، اور ایک لاکھ قتل کئے گئے، اور پچاسی دیئے گئے،
تینا نوے ہزار قید کئے گئے، اور ان کی اولاد اور نسلیں آج تک اطرافِ عالم میں ذلیل و
خوار پھیر رہی ہیں،

حضرت داؤد علیہ السلام کی نسل میں
سلطنت باقی رکھنے کا وعدہ، غلطی ۳۴،
مذکورہ کتاب کے اسی باب کی آیت
نمبر ۱۲ میں حضرت داؤد علیہ السلام
کی زبانی حضرت داؤد علیہ السلام

کے لئے مندرجہ ذیل وعدہ کیا گیا ہے:-

”اور جب تیرے دن پورے ہو جائیں گے اور تو اپنے باپ داؤد کے ساتھ سو جائیگا
تو میں تیرے بعد تیری نسل کو جو تیرے صلب سے ہوگی کھڑا کر کے اس کی سلطنت کو

Titus al

شاہ روم (سنہ ۷۰ تا ۹۶ء) اس نے ستمبر ۷۰ء میں ایک طویل محاصرہ

کے بعد یروشلم مستح کیا تھا، اور تباہی مچادی تھی ۱۲

قائم کروں گا، وہی میرے نام کا ایک گھر بنائے گا، اور میں اس کی سلطنت کا تخت
 ہمیشہ قائم کروں گا، اور میں اس کا باپ ہوں گا، اور وہ میرا بیٹا ہوگا، اگر وہ خطا کرے
 تو میں اسے آدمیوں کی لاشی اور بنی آدم کے تازیانوں سے تنبیہ کروں گا، پھر میری
 رحمت اہل سے جدا نہ ہوگی، جیسے میں نے اُسے ساقل سے جدا کیا، جسے میں نے
 تیرے آگے سے دفع کیا، اور تیرا گھر اور تیری سلطنت سدا بنی رہے گی، تیرا تخت
 ہمیشہ کے لئے قائم کیا جائے گا“ (آیات ۱۲ تا ۱۶)

اس کے علاوہ کتاب تواریخ اول باب ۲۲ آیت ۹ میں ہے کہ:-

”دیکھ تجھ سے ایک بیٹا پیدا ہوگا، وہ مرد صلح ہوگا، اور میں اُسے چاروں طرف کے
 سب دشمنوں سے امن بخشوں گا، کیونکہ سلیمان اس کا نام ہوگا، اور میں اس کے ایام
 میں اسرائیل کو امن و امان بخشوں گا، وہی میرے نام کے لئے ایک گھر بنائے گا، وہ
 میرا بیٹا ہوگا، اور میں اس کا باپ ہوگا، اور میں اسرائیل پر اس کی سلطنت کا تخت
 ابد تک قائم رکھوں گا“ (آیات ۹ و ۱۰)

گویا خدا کا وعدہ یہ تھا کہ داؤد کے گھرانے سے بادشاہت اور سلطنت قیامت
 تک نہیں نکلے گی، مگر افسوس کہ یہ وعدہ پورا نہ ہوسکا، اور اولاد داؤد کی بادشاہت
 عرصہ دراز ہوا کہ منٹ چکی ہے۔

عیسائیوں کے مقدس پولس نے فرشتوں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام
 غلطی نمبر ۳۵ کی فضیلت کے بارے میں عبرانیوں کے نام باب آیت ۶ میں خدا کا
 قول یوں نقل کیا ہے کہ:-

”میں اس کا باپ ہوں گا اور وہ میرا بیٹا ہوگا“

مسیحی علماء تصریح کرتے ہیں کہ یہ اشارہ کتاب سموئیل ثانی کے باب ۳، آیت ۱۴ کی جانب ہو، (جو سابقہ غلطی میں نقل کی جا چکی ہے) لیکن ان کا یہ دعویٰ چند وجوہ سے غلط ہے:

① کتاب تو ایخ کی مذکورہ عبارت میں اس امر کی تصریح موجود ہے کہ اس کا نام ”سیمان“ ہوگا،

② دونوں کتابوں میں تصریح پائی جاتی ہے کہ وہ میرے نام کا ایک گھر بنائے گا، اس لئے ضروری ہے کہ وہ بیٹا ایسا ہو جو اس گھر کا بانی ہو، یہ وصف سوائے سلیمان کے اور کسی میں موجود نہیں ہے، اس کے برعکس عیسیٰ علیہ السلام اس گھر کی تعمیر کے ایک ہزار تین سال بعد پیدا ہوتے ہیں، جو اس کے دیران ہونے کی خبر دیتے تھے، جس کی تصریح انجیل متی کے باب ۲۳ میں کی گئی ہے، اور عنقریب غلطی نمبر ۹ میں معلوم ہو جائیگا،

③ دونوں کتابوں میں اس کی تصریح موجود ہے کہ وہ بادشاہ ہوگا، اس کے برخلاف عیسیٰ غریب تھے، یہاں تک کہ انھوں نے اپنے حق میں کہا:

”ٹوٹریوں کے بھٹ ہوتے ہیں اور ہوا کے پرندوں کے گھونسلے، مگر ابن آدم کے

لئے سرد صحنے کی بھی جگہ نہیں“ (متی ۲۰: ۱۸)

④ سفر سموئیل میں اس کے حق میں صاف کہا گیا ہے کہ:

”اگر وہ خطا کرے تو میں اُسے آدمیوں کی لاشیں اور بنی آدم کے تانیاؤں سے تنبیہ کروں گا“

لہٰذا پولس کی پوری عبارت یہ ہے حضرت عیسیٰ کو فرشتوں سے افضل قرار دینے کی دلیل میں یہ کہتا ہے ”کیونکہ فرشتوں میں سے اس نے کب کسی سے کہا کہ تو میرا بیٹا ہے، اور آج تو مجھ سے پیدا ہوا، اور پھر یہ کہ میں اس کا باپ ہوں گا اور وہ میرا بیٹا ہوگا“

اس لئے ضروری ہے کہ یہ شخص ایسا غیر معصوم ہو کہ جس سے خطا کا صدور ممکن ہو، اور سلیمان علیہ السلام عیسائی نظریہ کے مطابق اسی قسم کے انسان ہیں، کیونکہ انھوں نے اخیر عمر میں مرتد ہو کر بت پرستی بھی کی، اور بت خانے بھی تعمیر کئے، اور منصب نبوت کے اشرف مقام سے گر کر شرک کی ذلت میں مبتلا ہوئے، جس کی تصریح اُن کی مقدس کتابوں میں موجود ہے، ظاہر ہے کہ شرک سے بڑھ کر اور کونسا ظلم ہو سکتا ہے؟ اس کے برعکس عیسیٰ معصوم تھے، عیسائی نظریہ کے مطابق اُن سے گناہ کا صدور محال ہے۔

⑤ کتاب تواریخ اول میں یہ تصریح پائی جاتی ہے کہ:-

”مرد صالح ہوگا اور میں اُسے چاروں طرف کے سب دشمنوں سے امن بخشوں گا۔“
عیسیٰ کو بچپن سے لے کر قتل ہونے تک عیسائیوں کے خیال کے مطابق کبھی سکون اور چین نصیب نہ ہو سکا، بلکہ شب و روز یہودیوں کی ہول اُن پر سوار رہتی تھی، عموماً اُن کے خوف کی وجہ سے ادھر سے ادھر پھرتے رہتے تھے، یہاں تک کہ انھوں نے گرفتار کیا، سخت توہین کی، اور سولی پر چڑھایا، اس کے برعکس سلیمان علیہ السلام میں یہ وصف پوری طرح موجود ہے۔

⑥ کتاب مذکور میں تصریح ہے کہ:-

”میں اس کے ایام میں اسرائیل کو امن و امان بخشوں گا۔“

غور کیجئے، یہودی عیسیٰ علیہ السلام کے عہد میں ردیوں کے غلام اور اُن کے ہاتھوں کتنے عاجز رہے،

۱۔ سلاطین باپ و نچیاہ ۱۳: ۲۶

⑤ سلیمان علیہ السلام نے خود یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ پیشینگوئی میرے حق میں ہے اس کی تصریح کتاب تواریخ ثانی باب میں موجود ہے،

اگرچہ عیسائی حضرات یہ مانتے ہیں کہ یہ خبر بظاہر سلیمان علیہ السلام کے حق میں ہے، لیکن کہتے ہیں کہ حقیقت میں وہ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ہے، کیونکہ وہ بھی سلیمان کی اولاد میں سے ہیں، ہم کہتے ہیں کہ یہ بھی غلط ہے، کیونکہ جس شخص کے حق میں وعدہ کیا گیا ہے اس کے لئے اُن صفات کے ساتھ موصوف ہونا ضروری ہے جن کی تصریح کی گئی ہے، اس معیار پر عیسیٰ علیہ السلام پورے نہیں اُترتے، اور اگر ان صفات سے قطع نظر بھی کر لی جائے تب بھی متاخرین جہور عیسائی حضرات کے زعم کے مطابق درست نہیں ہے، اس لئے کہ انھوں نے مسیح کے نسب میں اس اختلاف کو رفع کرنے کے لئے جو مثنیٰ اور لوقا کے کلام میں پایا جاتا ہے، یہ کہہ دیا ہے کہ مثنیٰ، یوسف نجار کا نسب بیان کرتا ہے، اور لوقا مریم علیہا السلام کا نسب ذکر کرتا ہے، مصنف میزان الحق نے بھی اسی رائے کو قبول اور پسند کیا ہے، حالانکہ ظاہر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام یوسف نجار کے بیٹے نہیں ہو سکتے، اور اُن کی نسبت اُن کی جانب محض بیوردہ اور بے اصل خیال ہے، بلکہ آپ مریم علیہا السلام کے بیٹے ہیں، اور اس لحاظ سے کسی طرح بھی آپ سلیمان علیہ السلام کی اولاد نہیں ہو سکتے، بلکہ ناتیق بن داؤد کی نسل سے ہیں اس کو

۱۔ خداوند نے میرے باپ داؤد سے کہا چونکہ میرے نام کے لئے ایک گھر بنانے کا خیال تیرے دل میں تھا سو تو نے اچھا کیا کہ اپنے دل میں ایسا اٹھانا، تو بھی اس گھر کو بنانا، بلکہ تیرا بیٹا جو تیری صلب سے نکلے گا وہی میرے نام کے لئے گھر بنائے گا، اور خداوند نے اپنی وہ بات جو اُس نے کہی تھی پوری کی، کیونکہ میں اپنے باپ داؤد کی جگہ اٹھا ہوں (تواریخ ۱: ۱۰-۱۱) ۲۔ اس کی تفصیل ص ۱۲ پر گزر چکی ہے

جو پیشینگوئی سلیمان علیہ السلام کے حق میں واقع ہوئی ہے، وہ محض نبی ہونے کی وجہ سے ان کی جانب منسوب نہیں ہو سکتی،

کتاب سلاطین اول باب میں حضرت الیاس علیہ السلام کو سے یا عرب؟ غلطی ۳۶ کے حق میں اس طرح کہا گیا ہے :-

”اور خداوند کا یہ کلام اس پر نازل ہوا کہ یہاں سے چل دے، اور مشرق کی طرف اپنا صبح کر، اور کریت کے نالہ کے پاس جو یردن کے سامنے ہے جا چھپ، اور تو اسی بجے میں سے پینا، اور میں نے کوؤں کو حکم کیا ہے کہ وہ تیری پرورش کریں، سو اس نے جا کر خداوند کے کلام کے مطابق کیا، کیونکہ وہ گیا، اور کریت کے نالہ کے پاس جو یردن کے سامنے ہے، رہنے لگا، اور کوئے اس کے لئے صبح کو ردی اور گوشت اور شام کو بھی ردی اور گوشت لاتے تھے، اور وہ اس نالہ میں سے پیا کرتا تھا۔“

سوائے حیر دم کے تمام مفسرین نے لفظ ”اوریم“ کی تفسیر کوؤں کے ساتھ کی ہے، البتہ حیر دم نے ”عرب“ کے ساتھ تفسیر کی ہے، مگر چونکہ اس کی رائے اس معاملہ میں کمزور شمار کی گئی ہے اس لئے اس کے معتقدین نے اپنی عادت کے مطابق لاطینی مطبوعہ تراجم میں تخریف کی، اور لفظ ”عرب“ کو کوؤں سے بدل ڈالا، یہ حرکت ملت عیسوی کے منکرین کے لئے مذاق اڑانے کا ذریعہ بن گئی، وہ لوگ اس پر ہنستے ہیں، فرقہ پر دشت کا محقق ہورن حیران ہے، اور مذمت دور کرنے کے لئے حیر دم کی رائے کی جانب مائل ہے، اور ظن غالب کے طور پر کہتا ہے کہ ”اوریم“ سے مراد ”عرب“ ہے نہ کہ ”کوئے“ اور تین اسباب کی بناء پر اس نے مفسرین اور مترجمین کو اس حق و سترار دیا، چنانچہ اپنی تفسیر کی

لے اصل عبرانی متن میں کوؤں کی بجائے ”اوریم“ کا لفظ ہے ۱۲

جلد اول کے صفحہ ۶۳۹ پر لکھا ہے :-

بعض منکرین نے طعن اور ملامت کی ہے کہ یہ بات کس طرح درست ہو سکتی ہے کہ ناپاک پرندے پیغمبر کی کفالت کریں؟ اور اس کے لئے کھانا لایا کریں، لیکن اگر وہ ۹۷ لفظ کو دیکھتے تو ہرگز ملامت نہ کرتے، کیونکہ اصل لفظ ”اوریم“ ہے، جس کے معنی ”عرب“ ہیں، اور یہ لفظ اس معنی میں کتاب تواریخ ثانی باب ۱۲ میں اور کتاب نحمیاہ کے باب ۴ آیت ۱ میں استعمال ہوا ہے، نیز پریشہ رباعی (جو علماء یہود کی کتاب پیدائش پر تفسیر ہے) معلوم ہوتا ہے کہ اس پیغمبر کو ایک لبتی میں جو بتشان کے علاقہ میں تھی مخفی رہنے اور چھپنے کا حکم ہوا تھا، حیروم کہتا ہے کہ ”اوریم“ اس لبتی کے باشندے ہیں جو حدود عرب میں واقع تھی، وہ لوگ اس پیغمبر کو کھانا دیا کرتے تھے، حیروم کی یہ شہادت بڑی قیمتی شہادت ہے، اگرچہ لاطینی مطبوعہ تراجم میں لفظ ”کوئے“ لکھا ہے، لیکن کتاب تواریخ اور کتاب نحمیاہ اور حیروم نے ”اوریم“ کا ترجمہ ”عرب“ سے کیا ہے، عربی ترجمہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ سے مراد انسان ہیں، نہ کہ کوئے، یہودی مفسر مشہور جارحی نے یہی ترجمہ کیا ہے، اور یہ کیسے ممکن ہے کہ ناپاک پرندوں کے ذریعہ سے خلاف شرع ایک ایسے پاک رسول کو گوشت اور روٹی پہنچایا جائے جو اتباع شریعت میں بڑا سخت اور شریعت کا حامی ہو، اور اس کو یہ کیسے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ ناپاک پرندے اس گوشت کو لانے سے قبل کسی مردار جانور پر نہیں اترے، اس کے علاوہ اس قسم کی روٹی اور گوشت الیاس علیہ السلام کو بھی ایک سال تک پہنچانی جاتی رہی، پھر اس قسم کی خدمت کو کوئوں کی طرف کیسے منسوب

کیا جاسکتا ہے؟ غالب یہی ہے کہ ”ادرب“ یا ”اربو“ کے باشندوں نے اس خدمت کو انجام دیا ہے۔

اب ہماری جانب سے عامار پرنٹسٹ کو اختیار ہو، خواہ اپنے اس محقق کی بات کو تسلیم کر کے بشمار مفسرین اور مترجمین کو اس حق قرار دیں اور چاہیں تو دوسروں کو بیوقوف بنائیوں لے اس محقق کو بیوقوف مانیں اور اعتراض کریں کہ یہ باطلی غلط اور عقلا کی ہنسی کا سبب ہے، اور اس محقق کی بیان کردہ وجوہ کی بنا پر ناممکن ہو۔

حضرت سلیمانؑ نے ہیکل کی تعمیر شروع کی؟ غلطی نمبر ۳، کتاب سلاطین اول باب ۶ آیت میں یوں ہے کہ ”ادربنی اسرائیل کے مصر سے نکل آنے کے بعد چار سو اسی دیں سال اسرائیل پر سلیمان کی

سلطنت کے چوتھے برس زیو کے ہینہ میں جو دوسرا ہینہ ہے ایسا ہوا کہ اس نے خداوند کا گھر بنانا شروع کیا۔“

یہ بات مؤرخین کے نزدیک غلط ہے، چنانچہ آدم کلارک اپنی تفسیر کی جلد ۲ ص ۱۲۹۳ میں آیت مذکورہ کی شرح کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:

”مؤرخین نے اس دور کی نسبت حسب ذیل تفصیل کے مطابق اختلاف کیا ہے: متن عبرانی میں ۴۸۰، نسخہ یونانی میں ۴۴۰، کلیکاس کے نزدیک ۳۳۰، مٹیکورکانوس کے نزدیک ۵۹۰، یوسیفوس کے نزدیک ۵۹۲، سلی سیوس سویروس کے نزدیک ۵۸۸، کلیمس اسکندریالوس کے نزدیک ۵۷۰، سیدزئیس کے نزدیک ۶۷۲، گودمانوس کے نزدیک ۵۹۸، اداسی پوس د وکالیوس کے نزدیک ۵۸۰، ہرار پوس کے نزدیک ۶۸۰، نیکولاس ابراہیم کے نزدیک ۵۲۷، متلی لوس کے نزدیک ۵۶۲، پتیادوس دوالتی روس کے نزدیک ۵۶۲“

پھر اگر عبرانی کی بیان کردہ مدت درست اور الہامی ہوتی تو یونانی مترجم اور مورخین اہل کتاب اس کی مخالفت کیسے کر سکتے تھے؟ اوھر یوسیفس اور کلیمنس اسکندریانو دونوں یونانی کی بھی مخالفت کر رہے ہیں، حالانکہ یہ دونوں بڑے مذہبی متعصب ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتابیں اُن کے نزدیک دوسری تاریخی کتابوں سے کچھ زیادہ وقیع نہیں تھیں، اسی طرح وہ اُن کے الہامی ہونے کے معتقد نہ تھے، ورنہ وہ مخالفت کیسے کر سکتے تھے؟

حضرت مسیح کا نسب نامہ، غلطی نمبر ۳۸
انجیل متی کے باب آیت نمبر ۱ میں ترجمہ
عربی مطبوعہ ۱۸۶۰ء کی رو سے مذکور ہے۔

پس سببشپیں ابرہام سے داؤد تک چودہ پشتیں ہوئیں، اور داؤد سے لے کر گرفتار ہو کر بابل جانے تک چودہ پشتیں اور گرفتار ہو کر بابل جانے سے لے کر مسیح تک چودہ پشتیں ہوئیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ مسیح کے نسب کا بیان تین قسموں پر مشتمل ہے، اور ہر قسم ۱۲ نسلوں پر مشتمل ہے، جو صریح طور پر غلط ہے، اس لئے کہ پہلی قسم کی تکمیل داؤد پر ہوتی ہے جب داؤد اس قسم میں داخل ہیں تو دوسری قسم سے لامحالہ خارج ہوتے، اور دوسری قسم کی ابتداء سلیمان سے ہوگی، جو یکنیاہ پر ختم ہو جائے گی، اور جب یکنیاہ اس قسم میں داخل ہوا تو تیسری قسم سے یقیناً خارج ہو جائے گا، اور تیسری قسم کی ابتداء سیالتی ایل سے ہوگی اور مسیح پر تمام ہو جائے گی، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس قسم میں بجائے ۱۴ کے ۱۳ پشتیں ہوں گی۔

۱۴ اگر یکنیاہ کو شمار نہ کیا جائے تو سلسلہ نسب یہ ہو: سیالتی ایل، زربابل، ابی ہود، ایاقیم، عازور، صدوق، انجیم، الیہود، الیعزر، مٹان، یعقوب، یوسف، مسیح علیہ السلام، اور اگر یکنیاہ کو اس قسم میں شمار کریں تو دوسری قسم میں کل تیرہ پشتیں رہ جاتی ہیں ۱۲ اتنی

اس چیز پر اگلوں پھلوں نے سب ہی نے اعتراض کیا ہے، پورقزی نے تیسری صدی عیسوی میں اعتراض کیا تھا، عیسائی علماء نہایت بڑے اور کمزور جوابات اس سلسلہ میں پیش کرتے ہیں جو قطعی ناقابل التفات ہیں،

حضرت شیخ کے نسب میں چار غلطیاں
اور کھلی تحریفیں، غلطی ۳۹ تا ۴۲
انجیل متی کے باب آیت ۱۱ ترجمہ عربی
مطبوعہ ۱۸۴۲ء میں یوں ہے کہ :-
”اور بابل کی جلاوطنی میں یوسیاہ سے

یکونیاہ اور اس کے بھائی پیدا ہوئے“

اس سے معلوم ہوا کہ یکونیاہ اور اس کے بھائیوں کی پیدائش یوسیاہ سے بابل کی اسیری کے زمانہ میں ہوتی جس کا تقاضا یہ ہے کہ یوسیاہ اس جلاوطنی میں زندہ ہو حالانکہ چار وجوہ سے غلط ہے:

① یوسیاہ اس جلاوطنی سے ۱۲ سال قبل وفات پا چکا تھا، کیونکہ اس کی وفات کے بعد یہوآخز تخت سلطنت پر تین ماہ بیٹھا، پھر اس کا دوسرا بیٹا یہو یقیم گیارہ سال تخت نشین رہا، پھر یہو یقیم کا بیٹا یکونیاہ تین ماہ بادشاہ رہا، جس کو بخت نصر نے قید کیا، اور دوسرے بنی اسرائیل کے ہمراہ اس کو بابل میں جلاوطن کیا،

② یکونیاہ، یوسیاہ کا پوتا ہے، نہ کہ بیٹا جیسا کہ ابھی معلوم ہو چکا ہے،

③ یکونیاہ کی عمر جلاوطنی کے وقت ۸ سال تھی، پھر بابل کی جلاوطنی کے زمانہ میں

۱۔ دیکھئے علی الترتیب ۲۔ تواریخ ۲۳: ۳۵ و ۳۶ و ۱ و ۲ و ۵ و ۹، د ۲۔ سلاطین ۲۳: ۳۰ و ۳۱ و ۳۶

د ۲۳: ۸

۳۔ یہو یاکین جب سلطنت کرنے لگا تو ۱۸ برس کا تھا (د ۲۔ سلا ۲۳: ۸) واضح رہے کہ یہو یاکین ہی کا دوسرا نام یکونیاہ ہے (یرمیاہ ۲۲: ۲۳)

اس کے پیدا ہونے کا کیا مطلب ؟

④ یوحنا بنیام کے اور دوسرے بھائی بھی کوئی نہ تھے، ہاں اس کے باپ کے ہمین بھائی ضرور تھے،

ان مشکلات کے پیش نظر جن کا اس غلطی میں اور گزشتہ غلطی میں ذکر آچکا ہے، آدم کلارک مفسر نے اپنی تفسیر میں یوں کہا ہے کہ۔

”کامتھ کہتا ہے کہ آیت ۱۱ کو اس طرح پڑھا جائے کہ یوسیاہ کے یہو یقیم اور اس کے

بھائی پیدا ہوئے، اور یہو یقیم سے یوحنا بابل کی جلا وطنی کے وقت پیدا ہوا،“

دیکھتے کس طرح تحریف کا حکم دیا جا رہا ہے، اور ان اعتراضات سے بچنے کے لئے یہو یقیم

۱۵ چنانچہ بعد میں اس حکم کی جزوی طور سے تعمیل کر لی گئی ہے، کامتھ صاحب نے مشورے دیئے تھے، ایک یہ کہ درمیان میں یہو یقیم کا اضافہ کیا جائے، دوسرے یہ کہ جلا وطنی میں ”کے بجائے“ جلا وطنی کے وقت ”کر دیا جائے“ ان میں سے پہلا مشورہ تو ذرا مشکل تھا، لیکن دوسرا بہت آسان، کیونکہ اس کی تبدیلی بڑی غیر محسوس ہے، لہذا اس وقت جتنے تراجم ہمارے پاس ہیں سب میں الفاظ یہ ہیں: ”اور گرفتار ہو کر بابل جانے کے زمانہ میں“ اور انگریزی مترجم نے تو ایک لفظ کا اضافہ کر کے بات اس حد تک پہنچا دی کہ مصنف نے جو اعتراضات کئے ہیں ان میں سے تیسرا اعتراض بھی نہ پڑ سکے، ملاحظہ ہوں ان کے الفاظ:-

“and Josiah begat Jeconiah and his brethren, about the time they were carried away to Babylon.”

”یعنی یوسیاہ کے ہاں یوحنا بنیام اور اس کے بھائی اس وقت کے قریب قریب پیدا ہوا، جب کہ انھیں بابل لیجا گیا“ ملاحظہ فرمائیے اس میں ”قریب قریب“ کا لفظ بڑھا کر بابل کی کتنی عظیم خدمت انجام دی گئی ہے! اور ۱۹۶۱ء میں تمام جزائر برطانیہ کے کلیساؤں کے نمائندوں نے جو نیا ترجمہ شائع کیا ہے، اس میں ایک اور طریقہ سے اس مشکل کو حل کیا گیا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:-

“and Josiah was the father of Jeconiah and his brethren at the time of the deportation to Babylon.”

(باقی صفحہ آئندہ)

کے اضافہ کا مشورہ دیا جاتا ہے، حالانکہ اس تحریف کے باوجود اعتراض نمبر ۳ جو اس غلطی میں مذکور ہے دور نہیں ہوتا،

ہمارا اپنا خیال یہ ہے کہ بعض "دیانتدار" پادریوں نے لفظ یہو یقیم کو قصداً ساقط کر دیا ہے تاکہ یہ اعتراض نہ پیدا ہو جائے کہ جب مسیح یہو یقیم کی اولاد سے ہیں تو وہ داؤد کی کرسی پر بیٹھنے کے لائق نہیں ہو سکتے، پھر ایسی شکل میں وہ مسیح بھی نہیں ہو سکیں گے، مگر ان کو یہ بات معلوم نہیں تھی کہ اس لفظ کو ساقط کر دینے سے اور بہت سی غلطیوں کا شکار بننا پڑے گا، شاید انھوں نے خیال کیا ہو کہ متی کے اوپر اغلاط کا واقع ہونا اس جہت کے مقابلہ میں سہل ہے،

یہوداہ سے سلون تک کا زمانہ تین سو سال کے قریب ہے، اور سلون غلطی نمبر ۳۳ سے داؤد تک چار سو سال ہیں، لیکن متی نے پہلے زمانہ میں سات

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۸) یعنی "اور یوسیاہ بابل کی جلاد ملنی کے وقت یکو نیاہ کا باپ تھا،" لیجئے یہ جھگڑا ہی ختم ہوا کہ وہ کب پیدا ہوا تھا، یوسیاہ اس کا باپ تھا، ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ یہ ہے وہ کلام جن کے ہائے میں ہم سے یہ کہا جاتا ہے کہ اُسے الہامی تسلیم کرو، اور اس کی ایک ایک بات کو درست مانو، لیکن ایک غریب عامی آدمی کو (جو یونانی اور عبرانی زبانیں سمجھنے پر قادر نہیں) اس بات کا کیا حق ہے کہ وہ ان مقدس باپوں کی کسی بات پر اعتراض کرے، اُسے تو یہ کہنا چاہئے کہ ع "جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے"

۱۵ کیونکہ یہ کتاب ارمیاہ باب ۲۶ میں تصریح ہے کہ "شاہ یہوداہ یہو یقیم کی بابت خداوندیوں فرماتا ہو کہ اس کی نسل میں سے کوئی نہ رہے گا، جو داؤد کے تخت پر بیٹھے، ۱۲

۱۵ یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے یہوداہ ۱۲

۱۵ یہ سلون بن بخسون ہیں، اور حضرت اردن علیہ السلام اُن کے پھوپھے تھے (خرج ۶: ۲۳)

پشتیں اور دوسرے میں پانچ لکھی ہیں، جو بدابہت غلط ہے، کیونکہ پہلے زمانہ کے لوگوں کی عمریں زیادہ لمبی اور دوسرے زمانہ کے لوگوں سے طویل تھیں،

غلطی نمبر ۴۴ | وہ تین اقسام جن کو متی نے ذکر کیا ہے ان میں دوسری قسم کے اندر پشتوں کی صحیح مقدار ۸ ہے، نہ کہ ۱۴، جیسا کہ کتاب تواریخ اول کے باب ۳

سے واضح ہوتا ہے، اسی بناء پر نیوسن بڑی حسرت کے ساتھ کہتا ہے کہ اب تک تو مذہب عیسوی میں ایک اور تین کا اتحاد ضروری سمجھا جاتا تھا، اب یہ بھی ماننا پڑے گا کہ ۱۸ اور ۱۴ بھی ایک ہیں، اس لئے کہ کتب مقدسہ میں غلطی کا احتمال نہیں ہو سکتا۔

غلطی نمبر ۴۵ و ۴۶ | انجیل متی باب آیت ۸ میں اس طرح کہا گیا ہے کہ:-

”یورام سے عوز یا پیدا ہوا“ یہ بات دو وجہ سے غلط ہے:-

○ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عوز یا، یورام کا بیٹا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، کیونکہ عزایا بن اخزیاء بن یوآس بن امصیاء بن یورام ہے، جس میں تین پشتیں ساقط کر دی گئی،

۱۔ یہوداہ، فارس، حصر دن، رام، عیمنداب، نخون، سلمون،

۲۔ سلمون، بو عر، عوبید، لسی، داؤد علیہ السلام،

۳۔ یعنی حضرت مسیح کے نسب کی، ایک حضرت داؤد تک، دوسری آپ سے بابل کی جلا وطنی تک، اور تیسری حضرت مسیح تک،

۴۔ اس کی رُرد سے حضرت داؤد سے یکونیاہ تک کا نسب حسب ذیل ہے:- داؤد، سلیمان، رحام، ابیاء،

آسہ، یہوسفط، یورام، اخزیاء، یوآس، امصیاء، عزریاء، یوتام، آخر، حزقیاء، منسی، امون، یوسیاہ،

یہو یقیم، یویناہ، حالانکہ متی نے صرف ۱۳ پشتیں بیان کی ہیں، اس نے اخزیاء، یوآس، امصیاء، یہو یقیم،

کو ذکر نہیں کیا، متی کا بیان اس لئے غلط ہو کہ تاریخ سے ان بادشاہوں کا نام اور ان کے کارنامے مطابقت

اسے صحیح قرار نہیں دیا جاسکتا۔

ہیں، یہ تینوں مشہور بادشاہ ہوئے ہیں جن کے حالات کتاب سلاطین ثانی کے باب ۸ و ۱۲ و ۱۳ میں اور کتاب تواریخ ثانی باب ۲۲ و ۲۴ و ۲۵ میں مذکور ہیں، ان پشتوں کے ساقط کرنے کی کوئی معقول وجہ معلوم نہیں ہوتی، سوائے اس کے کہ انھیں غلط کہا جائے، اس لئے کہ جب کوئی مؤرخ کسی متعین زمانہ کو لے کر یہ کہتا ہے کہ اس مدت میں اتنی پشتیں گزری ہیں، اور پھر بعض پشتوں کو سہو آیا قصد آچھوڑ دے، تو اس کے سوا اور کیا کہا جائیگا کہ اس نے حماقت اور غلطی کی۔

(۲) اس کا نام ”عزیا“ ہے کہ ”عوزیا“ جیسا کہ کتاب تواریخ اول باب ۳ میں، اور

کتاب سلاطین ثانی باب ۱۲ و ۱۵ میں مذکور ہے،

انجیل متی باب آیت ۱۲ میں یوں لکھا ہے کہ:-

غلطی نمبر ۴۰

”سیالقی ایل سے زربابل پیدا ہوا“ یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ صحیح یوں

ہے کہ وہ فدایاہ کا بیٹا اور سیالقی ایل کا بھتیجا ہے، جس کی تصریح تواریخ اول کے باب ۳ میں موجود ہے،

انجیل متی باب آیت ۱۳ میں ہے کہ:-

غلطی نمبر ۴۱

”زربابل سے اپنی ہود پیدا ہوا“ یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ زربابل کے

پانچ بیٹے تھے، جس کی تصریح کتاب تواریخ اول باب میں موجود ہے، ان میں کوئی بھی اس

لہ اب اردو ترجمہ میں ”عزیا“ ہی کر دیا گیا ہے۔

۱۱ آیت، ۱۹ تا ۱۱، کیونکہ اس میں سیالقی ایل اور فدایاہ کو یکوینا کا بیٹا کہا ہے، اور پھر فدایاہ کے بیٹوں میں

زربابل کو شمار کیا ہے ۱۲

۱۳ آیت ۱۹ و ۲۰: ”زربابل کے بیٹے یہ ہیں: مسلام اور حانیاہ اور سلومیت ان کی بہن تھیں، اور حبوبہ

اور اہل اور برکیاہ اور جسدیہ اور یوسجدیہ پانچ“ ۱۴

کے نام کا شخص نہیں ملتا،

یہ ۱۱ اغلاط ہیں جو مثنیٰ سے صرف مسیح کے نسب کے بیان میں پیش آتی ہیں، آپ اس فصل کی قسم اڈل میں اس کے اور وقت کے اختلافات پڑھ چکے ہیں، اگر ان اختلافات کو ان اغلاط کے ساتھ شامل کر لیا جائے تو تعداد ۱۱ ہو جاتی ہے، اور صرف ایک بیان میں سترہ حیثیت سے اشکالات لازم آتے ہیں،

غلطی نمبر ۴۹ مثنیٰ نے اپنی انجیل کے باب میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ کچھ آتش پرستوں نے مشرق میں ایک ستارہ دیکھا جو حضرت مسیح کی تشریف آوری کی نشانی تھی، اُسے دیکھ کر وہ یروشلم آئے، پھر اس ستارے نے اُن کی رہنمائی کی، اور اُن کے آگے آگے چلتا رہا، یہاں تک کہ وہ ایک بچہ کے سر پر ٹھہر گیا۔

لیکن یہ واقعہ غلط ہے، اس لئے کہ سیاروں کی حرکت، اسی طرح بعض دُمدار ستاروں کی حرکت مغرب کے مشرق کو، اسی طرح بعض دُمدار ستاروں کی حرکت مشرق کے مغرب کی ہوتی ہے، ان دونوں صورتوں میں یہ واقعہ یقینی طور پر جھوٹ اور غلط ہے، اس لئے کہ بیت اللحم، یروشلم سے جانب جنوب واقع ہے، یہ صحیح ہے کہ بعض دُمداروں کی حرکت کا دائرہ تھوڑا سا شمال سے جنوب کو مائل ہوتا ہے، مگر یہ حرکت زمین کی اس حرکت سے بھی زیادہ سست رفتار اور خفیف ہوتی ہے، جو اس زمانہ کے عیسائی فلاسفروں کے نزدیک زمین کی ہے، اس قدر خفیف حرکت کا احساس تو کافی طویل مدت کے بعد ممکن ہے، چہ جائے کہ قلیل مسافت میں معتد بہ حرکت کا احساس ہو سکے، بلکہ انسانی رفتار ستارے کی حرکت سے بہت زیادہ تیز ہے۔

۱۱ من ۴۹ پر ملاحظہ فرمائیں،

۱۲ جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے ۱۲

اس لئے اس احتمال کی کوئی گنجائش نہیں ہے،

دوسرے یہ بات علم المناظر کے خلاف ہے کہ کسی چلتے ہوئے انسان کو ستارے کاڑکنا اور کھڑا ہونا پہلے نظر آئے اور وہ خود بعد میں ٹھہرے، بلکہ یہ ہوتا ہے کہ پہلے وہ خود کھڑا ہو پھر ستارے کا کھڑا ہونا نظر آتا ہے،

حضرت اشعیاءؑ کی پیشینگوئی کا مصداق اور لفظ علمہ کی تحقیق، غلطی نمبر ۵۰، انجیل متی کے باب اول میں اس طرح ہے کہ:-

”اور یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ جو

خداوند نے نبی کی معرفت کہا تھا وہ پورا ہو کہ دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا جنے گی اور اس کا نام عمانوئیل رکھیں گے۔“

اس نبی سے مراد عیسائیوں کے نزدیک اشعیاء علیہ السلام ہیں، کیونکہ انھوں نے اپنی کتاب کے باب آیت ۱۲ میں اس طرح کہا ہے کہ:-

”لیکن خداوند اب تم کو ایک نشان بخشے گا، دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا ہوگا، اور وہ اس کا نام عمانوئیل رکھے گی۔“

ہم کہتے ہیں کہ یہ بات چند وجوہ سے غلط ہے:-

① یہ کہ وہ لفظ جس کا ترجمہ متی نے اور کتاب اشعیاء کے مترجمین نے ”کنواری“ سے کیا ہے وہ ”علمہ“ مونث ہے جس میں تائید کی ہے، علماء یہود کے نزدیک

۱۔ لیکن یہ اعتراض ہماری رائے میں بہت کمزور ہے، اس لئے کہ معجزہ یا ”ارہاس“ کے طور پر اگر ایک نبی کے لئے یہ خلافت عادت بات ظاہر ہو جائے تو کوئی بعید نہیں، واللہ اعلم ۱۲

۲۔ آیت ۲۲، واضح ہے کہ انجیل متی کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اس پیشینگوئی سے مراد حضرت مسیح ہیں ۱۲

اس کے معنی نوجوان لڑکی کے ہیں خواہ وہ کنواری ہو یا نہ ہو، اور کہتے ہیں کہ یہ لفظ کتاب امثال کے باب ۳۰ میں بھی آیا ہے، اور اس کے معنی اس جگہ اس نوجوان عورت کے ہیں جس کی شادی ہو چکی ہو، اشعیاء علیہ السلام کے کلام میں جو لفظ ”علہ“ آیا ہے، اس کی تفسیر تینوں یونانی ترجموں میں بھی (یعنی ایکونیل اور تھیوڈوشن اور سمیکس کے ترجموں میں) نوجوان عورت سے کی گئی ہے، اور یہ ترجمے اُن کے نزدیک سب سے قدیم ہیں، کہتے ہیں کہ پہلا ترجمہ ۱۲۹ء میں اور دوسرا ۱۷۵ء میں اور تیسرا ۱۸۲۰ء میں ہوا ہے، جو قدیم عیسائیوں کے نزدیک معتبر ہیں، خاص طور پر تھیوڈوشن کا ترجمہ، اس لئے علماء یہود کی تفسیر اور تینوں تراجم کی توضیح کے مطابق متی کے بیان کا غلط ہونا ظاہر ہے، فری اپنی اس کتاب میں جو اس نے عبرانی الفاظ کے بیان میں لکھی ہے، اور علماء پرڈٹنٹ کے یہاں بڑی معتبر اور مشہور ہے، کہتا ہے کہ یہ عذرا اور نوجوان عورت کے معنی میں ہے، فری کے قول کے مطابق یہ لفظ دونوں معنی میں مشترک ہے۔ لیکن اس کی بات اول تو اہل زبان یعنی یہودیوں کی تفاسیر کے مقابلہ میں تسلیم نہیں کی جاسکتی، پھر اس کو تسلیم کرنے کے بعد بھی اس کو یہود کی تفاسیر اور قدیم ترجموں کے برخلاف کنواری کے معنی پر محمول کرنا دلیل کا محتاج ہے، صاحب میزان الحق نے اپنی کتاب حل الاشکال میں جو یہ کہا ہے کہ ”اس لفظ کے معنی سوائے کنواری کے اور کچھ نہیں ہیں“ اس کے غلط ہونے کے لئے ہمارا مندرجہ بالا بیان کافی ہے،

(۲) عیسیٰ علیہ السلام کو کبھی کسی شخص نے ”عمانویل“ کے نام سے نہیں پکارا، نہ

باپ نے یہ نام رکھا نہ ماں نے، آپ کا نام یسوع تجویز کیا گیا تھا، اور فرشتہ نے

۱۲ شاید آیت ۲۳ مراد ہے، اس میں ہے: اور نامقبول عورت سے جب وہ بیاہی جائے “ ۱۲

آپ کے باپ سے خواب میں کہا تھا کہ: اُس کا نام یسوع رکھنا، جس کی تصریح متی کی انجیل میں موجود ہے،

جبرئیل علیہ السلام نے بھی اُن کی والدہ سے کہا تھا کہ،

”تو حاملہ ہوگی اور تیرے بیٹا ہوگا، اس کا نام یسوع رکھنا“

اس کی تصریح لوقا کی انجیل میں کی گئی ہے، اور نہ خود عیسیٰ علیہ السلام نے کبھی دعویٰ کیا کہ میرا نام عمانوئیل ہے،

③ وہ واقعہ جس میں یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے اس امر سے انکار کرتا ہے کہ اس کا مصداق عیسیٰ علیہ السلام ہوں، قصہ یہ ہے کہ آرام کا بادشاہ رضین اور اسرائیل کا بادشاہ قح، آخر بن یوتام شاہ یہوداہ سے جنگ کرنے کے لئے یروشلم پہنچے، شاہ یہوداہ ان دونوں کے متحد ہونے سے بہت زیادہ خائف ہوا، پھر خدا نے اشعیاءؑ کے پاس وحی بھیجی کہ آپ آخر کی تشفی کے لئے یہ کہتے کہ تو بالکل خوف زدہ مت ہو، یہ دونوں مل کر بھی تجھ پر غالب نہ آسکیں گے، اور عنقریب اُن کی سلطنت مٹ جائے گی، اور انکی سلطنتوں کے مٹنے کی نشانی یہ بتائی کہ ایک نوجوان عورت حاملہ ہوگی، اور بچہ جنے گی، اور اس بچہ کے سن تمیز کو پہنچنے سے پہلے ہی ان دونوں بادشاہوں کی سلطنت زیرِ دُور ہو جائیگی اور یہ بات طے شدہ ہے کہ قح کی سلطنت اس پیشینگوئی سے ٹھیک اکیس سال بعد مٹ گئی، اس لئے لازمی ہے کہ وہ بچہ اس مدت کے اختتام سے پہلے پیدا ہو، اور اس کے سن شعور کو پہنچنے سے پہلے وہ سلطنت مٹ جاتے، حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام

متی ۱: ۲۱،

یعنی یوسف نجار،

۵ دیکھئے یسعیاہ ۷: ۱۴،

لوقا ۳: ۳۱،

اس کی سلطنت کی بربادی کے ٹھیک ۷۲ سال بعد عالم وجود میں آئے،

اہل کتاب خود اس پیشینگوئی کے مصداق میں مختلف الرائے ہیں، بعض نے اس خیال کو ترجیح دی ہے کہ اشعیاء کا مقصد عورت سے اپنی زوجہ ہے، اور وہ یہ فرماتے ہیں کہ وہ عنقریب حاملہ ہوگی، اور ایک لڑکا جنے گی، اور جن دو پادشاہوں سے لوگ لرزہ بر اندام ہیں ان کی سلطنت اس بچہ کے باشعور ہونے سے قبل مٹ جائے گی، جیسا کہ اس کی تصریح ڈاکٹر بنسن نے کی ہے، واقعی یہ رائے قابل قبول ہے، اور قیاس کے قریب ہے،

غلطی ہمراہ اور کھلی تحریف | انجیل متی کے باب ۲ آیت ۱۵ میں اس طرح ہے کہ اور ہیرودیس کے مرنے تک وہیں رہا تاکہ جو خدا

نے نبی کی معرفت کہا تھا وہ پورا ہو کہ مصر میں سے میں نے اپنے بیٹے کو بلایا،

نبی سے مراد یوشع علیہ السلام ہیں، اور مصنف انجیل متی نے ان کی کتاب کے باب ۱ کی آیت (۱) کی جانب اشارہ کیا ہے جو قطعی غلط ہے، اس لئے کہ اس آیت کو عیسیٰ علیہ السلام سے کوئی تعلق نہیں ہے، کیونکہ آیت اس طرح ہے:

”جب اسرائیل ابھی بچہ ہی تھا میں نے اس سے محبت رکھی اور اس کی اولاد کو مصر سے بلایا“

جیسا کہ ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۸۷ء میں موجود ہے، لہذا یہ آیت درحقیقت اس احسان

۱۷ یعنی یوسف بنجار حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ کو لیکر مصر چلے گئے، تاکہ ہیرودیس حضرت عیسیٰ کو قتل نہ کر دے اور پھر ہیرودیس کے مرنے تک وہیں رہے ۱۲ سال سب ننحوں میں ایسا ہی ہو مگر یہ غلط ہے کیونکہ مراد یوشع علیہ السلام نہیں، حضرت یوشع علیہ السلام ہیں انہی کی کتاب میں آئینہ الاجلہ درج ہے

اظہار ہے جو خدا نے بنی اسرائیل پر موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں کیا تھا، متی نے صیغہ جمع کو مفرد سے اور ضمیر غائب کو ضمیر متکلم سے بدل ڈالا، اور کہا کہ ”میں نے اپنے بیٹے کو بلایا“ اس کی پیروی کرتے ہوئے مترجم عربی مطبوعہ ۱۹۲۲ء نے یہی تحریف کی ہے، لیکن اس کی خیانت ایسے شخص سے مخفی نہیں رہ سکتی جو اس باب کا مطالعہ کرے، کیونکہ اس آیت کے بعد جن لوگوں کو بلایا گیا تھا ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ”جس قدر ان کو بلایا اسی قدر وہ دور ہوتے گئے، انھوں نے بعلم کے لئے“

ترانیاں گزرائیں۔

یہ باتیں عیسیٰ علیہ السلام پر صادق نہیں آتیں، بلکہ ان یہودیوں پر بھی صادق نہیں آتیں جو آپ کے زمانہ میں موجود تھے، اور نہ ان یہودیوں پر جو آپ کی پیدائش سے ۵۰۰ سال قبل تک تھے، کیونکہ یہودی آپ کی پیدائش سے ۵۳۶ سال قبل ہی (جبکہ بابل کی قید سے آزاد ہوئے) بہت پرستی سے پکی توبہ کر چکے تھے، پھر انھوں نے کبھی بھی صنم پرستی کا ارادہ نہیں کیا، جس کی تصریح تاریخوں میں موجود ہے،

انجیل متی باب آیت ۱۶ میں اس طرح ہے کہ،

”جب ہیرودیس نے دیکھا کہ مجوسیوں نے میرے ساتھ ہنسی کی تو نہایت غصہ ہوا اور آدمی

ہیرودیس کا بچوں کو قتل کرنا
غاطی نمبر ۵۲

بھیج کر بیت لحم اور اس کی سب سرحدوں کے اندر کے ان سب لڑکوں کو قتل کروا دیا جو دو درہم کے یا اس سے چھوٹے تھے، اس وقت کے حساب سے جو اس نے مجوسیوں کے تحقیق کی تھی

لہ اور بعد میں آنے والے سب ہی مترجموں نے، چنانچہ ہمارے پاس سب ترجموں میں ”پانے پینے“ کے

یہ بات بھی عقلی و نقلی دونوں اعتبار سے غلط ہے، نقلی طور پر تو اس لئے کہ معتبر مستند مورخین میں سے جو عیسائی نہیں کسی نے بھی بچوں کے قتل کے اس واقعہ کا تذکرہ نہیں کیا، نہ یوسیفس نے، اور نہ ان علماء یہود نے جو ہیرودیس کے عیب ڈھونڈنے میں کربھگالتے اور بیان کرتے ہیں، اور اس کے جرائم کا پردہ چاک کرتے ہیں، چونکہ یہ حادثہ ظلم عظیم ہے، اور بڑا شرمناک عیب ہے، اگر اس کی اصل بنیاد ہوتی، تو یہ لوگ دوڑ کر اس قصہ کو اور زیادہ بھیانک شکل میں شک مرح لگا کر بیان کرتے، اگر اتفاق سے کوئی عیسائی مورخ اس واقعہ کو بیان کرتا ہے، تو وہ اس لئے قابل اعتبار نہیں ہو سکتا کہ اس کی بنیاد یقیناً اسی انجیل کے بیان پر ہوگی۔

عقلی طور پر بھی یہ واقعہ صحیح نہیں معلوم ہوتا، اس لئے کہ اُس وقت بیت اللحم ایک چھوٹی سی بستی تھی، جو یروشلم کے قریب واقع تھی، وہاں سے اس مقام کو کوئی زیادہ فاصلہ نہیں تھا، اور اس پر ہیرودیس ہی کی حکومت تھی، نہ کہ کسی دوسری کی، وہ بڑی آسانی کے ساتھ اس پر قادر تھا کہ اس امر کی تحقیق کرتا کہ آتش پرست کس کس کے گھر آئے، اور پھرے تھے، اور کس کس کے لئے ہدیے اور نذرانے لائے تھے؟ معصوم بچوں کے قتل کرنے کی کوئی بھی ضرورت پیش نہ آتی۔

انجیل متی کے باب ۲ آیت ۱۷ میں یوں ہے کہ:-

غلطی نمبر ۵۳

”اس وقت وہ بات پوری ہوئی جو یرمیاہ نبی کی معرفت کہی گئی تھی کہ:-

”اصل میں واقعہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ کچھ آتش پرستوں نے ہیرودیس کو بشارت دی تھی کہ آپ کے یہاں ایک بچہ پیدا ہوا ہو جس کا ستارہ ہم نے مشرق میں دیکھا تو اُسے سجدہ کرنے آئے ہیں، ہیرودیس نے انہیں تو یہ کہہ کر رخصت کر دیا کہ وہ بچہ مل جائے تو ہمیں خبر کرنا، ہم بھی اُسے سجدہ کریں گے، لیکن جب مجوسی اُسے بتائے بغیر روانہ ہو گئے تو اس نے آدمی بھیج کر ہر بچے کو مار ڈالا۔“

رامہ میں آواز سنائی دی،

رونا اور بڑا ماتم،

راہل اپنے بچوں کو..... رو رہی ہے،

اور تسلی قبول نہیں کرتی، اس لئے کہ وہ نہیں ہیں»

یہ بھی قطعی غلط ہے اور صاحب انجیل کی تحریف ہے، اس لئے کہ یہ مضمون کتاب ارمیاہ کے باب ۳۱ آیت ۱۵ میں موجود ہے، جو شخص بھی اس کے قبل اور بعد کی آیات کا مطالعہ کرے گا وہ آسانی جان سکتا ہے کہ اس مضمون کا کوئی تعلق ہیرودیس کے حادثہ سے نہیں ہے، بلکہ نجات نصر کے واقعہ سے ہے، جو ارمیاہ کے زمانہ میں پیش آیا تھا، اور جس میں ہزاروں اسرائیلی قتل اور ہزاروں قید کر کے بابل کی جانب جلا وطن کر گئے تھے، اور چونکہ ان میں بے شمار لوگ راہیل کی نسل کے بھی تھے، اس لئے اسکی روح عالم برزخ میں رنجیدہ ہوئی، اسی بنا پر خدا نے وعدہ کیا کہ اس کی اولاد کو دشمن کے ملک سے ان کے اصل وطن کی جانب واپس کر دے گا۔

ایک خاص نکتہ ارمیاہ کی تحریر اور صاحب انجیل کی تصدیق سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مردوں کو عالم برزخ میں اپنے رشتہ داروں کے

حالات منکشف ہوتے ہیں جو دنیا میں موجود ہیں، اور ان کے مصائب و تکالیف کا حال معلوم ہو کر ان کو رنج ہوتا ہے، مگر یہ بات فرقہ پر وٹسٹنٹ کے عقائد کے بالکل خلاف ہے۔

انجیل مٹی کے باب آیت ۲۳ میں اس طرح ہے کہ:-

غلطی نمبر ۵۲

”اور ناصرہ نام ایک شہر میں جاؤ، تاکہ جو نبیوں کی معرفت کہا گیا تھا

لہ مثلاً، اور خداوند فرماتا ہے تیری طاقت کی بابت امید ہو کیونکہ تیرے بچے پھر اپنی حد دریں داخل ہوں گے (برمیاہ ۱۲)

لہ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ۱۲

وہ پورا ہو کہ وہ ناصری کہلاتے گا۔

یہ بھی قطعی غلطی، یہ بات کسی بھی نبی کی کسی کتاب میں نہیں ملتی، یہودی بھی اس خبر کا شدت سے انکار کرتے ہیں، ان کے نزدیک تو یہ قطعی جھوٹ اور بہتان ہے، بلکہ اس کے برعکس ان کا عقیدہ تو یہ ہے کہ کوئی بھی پیغمبر گلیل سے پیدا نہ ہوگا چہ جائیکہ ناصرہ سے، جیسا کہ یوحنا کی انجیل باب آیت ۵۲ میں صاف لکھا ہے، مسیحی علماء اس سلسلہ میں کمزور اور بڑے عذرو بہانے پیش کرتے ہیں، جو لائق توجہ نہیں ہیں، ناظرین نے دیکھا ہوگا کہ متی کے صرف پہلے دو بابوں میں سترہ غلطیاں ہیں۔

انجیل متی کے باب ۳ آیت ۱ ترجمہ عربی مطبوعہ
۱۶۷۱ء و ۱۸۲۱ء و ۱۸۲۶ء و ۱۸۵۲ء و ۱۸۸۰ء
میں اس طرح ہے :-

حضرت یحییٰ کب تشریف
لائے؟ غلطی نمبر ۵۵

وفي تلك الايام جاء يوحنا المعمدان يكرز في بريّة اليهوديّة،
ان دنوں میں یوحنا بپتسمہ دینے والا آیا اور یہودیہ کے بیابان میں یہ منادی کرنے لگا۔
اور فارسی تراجم مطبوعہ ۱۸۱۶ء و ۱۸۲۸ء و ۱۸۴۱ء و ۱۸۴۴ء میں اس طرح ہے :-
”اندر ان ایام یحییٰ تمجید دہندہ در بیابان یہودیہ ظاہر گشت“

۱۷۔ انھوں نے اس کے جواب میں کہا کیا تو بھی گلیل کا ہے؟ تلاش کر اور دیکھ کہ گلیل میں سے کوئی نبی برپا نہیں ہونے کا؟ (یوحنا، ۵۲)

۱۸۔ ماضی قریب کے مفسرین میں سے آراءے ناکس اس معاملہ میں مفسرین کی مختلف تاویلیں بیان کر کے لکھتا ہے: حقیقت یہ ہے کہ عہد نامہ قدیم میں کوئی عبارت ایسی نہیں جس میں مسیح کی علامت یہ بیان کی گئی ہو کہ وہ ناصری ہوگا (تفسیر عہد نامہ جدید مطبوعہ لندن ۱۹۵۳ء، ص ۴، جلد اول)

۱۹۔ یہ اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۹۵۸ء کے الفاظ ہیں ۱۲

”انہی دنوں میں یحییٰؑ بپتسمہ دینے والا یہودیہ کے بیابان میں ظاہر ہوا“

اور چونکہ اس سے پہلے باب میں یہ مذکور ہے کہ ہیرودیس کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا ارخیلاؤس یہودیہ کا حکمران ہو گیا، اور یوسف نجار اپنی اہلیہ اور صاحبزادے کو لیکر گلیل کے علاقہ میں آگئے، اور ناصرہ میں جا بے، اس لئے مندرجہ بالا عبارت میں ”ان دنوں“ سے مراد یقیناً یہی زمانہ ہو گا جس میں یہ واقعات پیش آئے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ جس زمانہ میں ارخیلاؤس تخت نشین ہوا، اور یوسف نجار نے ناصرہ میں سکونت اختیار کی اسی وقت حضرت یحییٰؑ تشریف لائے، حالانکہ یہ بات قطعی طور پر غلط ہے، کیونکہ حضرت یحییٰؑ کا وعظ ان واقعات کے اٹھائیس سال بعد ہوا ہے،

انجیل متی کے باب ۱۲ آیت ۳ میں ہے کہ:-
”کیونکہ ہیرودیس نے اپنے بھائی فلپس کی بیوی ہیرودیا
کے سبب یوحنا کو پکڑ کر باندھا، اور قید خانہ میں ڈال دیا“

ہیرودیا کے شوہر کا نام
غلطی نمبر ۵۶

یہ بات بھی غلط ہے، کیونکہ ہیرودیا کے شوہر کا نام بھی ہیرودیس تھا نہ کہ فیلیپس، جیسا کہ یوسیفس نے اپنی تاریخ کی کتاب ۱۱ باب ۵ میں اس کی تصریح کی ہے،
غلطی نمبر ۵۷ | انجیل متی کے باب ۱۲ آیت ۳ میں ہے کہ:-

لے کیونکہ لوقا ۳: ۱ میں ہے کہ حضرت یحییٰؑ نے یہ وعظ اس وقت کہا جبکہ نیپطیس، پیلاطیس یہودیہ کا حاکم تھا اور تیریس Tiberius قیصر کی حکومت کا پندرھواں سال تھا، تیریس حضرت مسیحؑ کی ولادت کے چودہ سال بعد تخت نشین ہوا ہے، (برٹانیکا، ۱۷۱ ج ۲۲ مقالہ تیریس) تو گویا حضرت مسیحؑ کی ولادت کے ۲۹ سال بعد حضرت یحییٰؑ کی تشریف آوری ہوئی، اور ارخیلاؤس حضرت مسیحؑ کی ولادت کے ساتویں سال یہودیہ سے معزول ہو چکا تھا، (برٹانیکا، ص ۲۳۶ ج ۲ مقالہ ارخیلاؤس) اگر ارخیلاؤس کی حکومت کی ابتداء اور یوسف نجار کا ناصرہ میں جا بسنا حضرت مسیحؑ کی پیدائش سے پہلے مآجا تو اس کے ۲۸ سال بعد حضرت یحییٰؑ کی تشریف آوری

”اُس نے اُن سے کہا کہ کیا تم نے نہیں پڑھا کہ جب داؤد اور اس کے ساتھی بھوکے تھے تو اس نے کیا کیا باؤہ کیونکر خدا کے گھر میں گیا، اور نذر کی روٹیاں کھاتیں، جن کو کھانا نہ اس کو رد اٹھانہ اس کے ساتھیوں کو“ (آیت ۳ و ۴)

اس بیان میں ”نہ اس کے ساتھیوں کو“ کا لفظ غلط ہے، جیسا کہ ناظرین کو غلطی نمبر ۹۲ میں عنقریب معلوم ہوگا،

غلطی نمبر ۵۸ | انجیل متی کے باب ۲، آیت ۹ میں ہے کہ:-

”اس وقت وہ پورا ہوا جو یرمیاہ نبی کی معرفت کہا گیا تھا کہ جس کی

قیمت ٹھہرائی گئی تھی انھوں نے اس کی قیمت کے وہ تیس روپے ہلے لے“

یہ بھی یقینی طور پر غلط ہے، جیسا کہ باب ۲ کے مقصد ۲ شاہد ۲۹ میں آپ کو معلوم ہوگا،

حضرت عیسیٰ کے مصلوب ہونے کے | انجیل متی کے باب ۲ آیت ۵۲ میں ہے کہ:-

”اور مقدس کا پردہ اوپر سے نیچے

وقت زمین کی بیہوش حالت غلطی ۵۹ | تک پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا، اور

زمین لرزی، اور چٹانیں طرح گئیں، اور قبریں کھل گئیں، اور بہت سے جسم

اُن مقدسوں کے جو سو گئے تھے جی اٹھے، اور اس کے جی اٹھنے کے بعد قبروں

سے نکل کر مقدس شہر میں گئے، اور بہتوں کو دکھائی دیئے“

یہ افسانہ بالکل جھوٹا ہے، فاضل ڈورٹن نے گور انجیل کی حمایت کی ہے، لیکن اس کے

باطل ہونے پر اپنی کتاب میں دلائل پیش کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:-

۱۵ دیکھئے صفحہ ۶۷۶ و ۶۷۷ (جلد دوم)

۱۶ یعنی جس وقت حضرت مسیح کو (معاذ اللہ) سولی دی گئی ۱۳

”یہ قصہ قطعی جھوٹا ہے، غالباً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے قصے یہودیوں میں اس وقت پھیلے ہوئے تھے جب کہ یروشلم برباد و دیران ہو گیا تھا، ممکن ہے کہ کسی شخص نے انجیل متی کے عبرانی نسخہ میں حاشیہ پر اس کو لکھ دیا ہو، اور پھر اس لکھے ہوئے کو متن میں شامل کر دیا ہو، اور یہ متن مترجم کے ہاتھ آ گیا ہو، جس نے اس کے مطابق ترجمہ کر ڈالا،

اس کے غلط اور جھوٹا ہونے پر بہت سے دلائل قائم ہیں۔

① یہودی، مسیح کو سولی دی جانے کے اگلے روز پیلاتس کے پاس پہنچے اور کہا کہ۔

”اے آقا ہم کو خوب یاد آیا، اس گمراہ کن شخص نے اپنی زندگی میں کہا تھا کہ میں تین دن بعد زندہ ہو جاؤں گا، لہذا آپ پہرہ دار معتبر کر دیں تاکہ وہ اس کی قبر کی تین دن تک نگرائی کریں۔“

نیز متی نے اس باب میں صاف بیان کیا ہے کہ پیلاتس اور اس کی بیوی مسیح کے قتل پر راضی نہ تھے، اس لئے اگر یہ باتیں ظاہر ہوتیں تو ممکن نہ تھا کہ وہ اس کی طرف جائیں، جبکہ ہیکل کے پردے کا پھٹ جانا، پتھروں کا شق ہونا، قبروں کا کھل جانا اور مردوں کا زندہ ہو جانا، یہ سب علامتیں پیلاتس کے خیال کی حمایت کر رہی تھیں ایسے حالات میں اگر وہ اس کے پاس جا کر یہ کہتا کہ (معاذ اللہ) مسیح گمراہ تھے تو

لے آئے ناکس نے بھی عہد نامہ جدید کی شرح میں تقریباً اسی قسم کا اعتراف کیا ہو اور کہا ہو کہ متی نے

Commentary on New Testament
P. 70 V.I.

مقامی افواہوں پر دوسروں سے زیادہ اعتماد کیا ہے۔

۵۳ متی ۲۷: ۱۹

۵۴ متی ۲۷: ۶۲

وہ یقیناً ان کا دشمن ہو جاتا، اور انہیں جھٹلاتا کہ دیکھو میں پہلے بھی راضی نہ تھا، اور اب تو یہ تمام علامتیں اس کی سچائی کی ظاہر ہو گئیں،

② یہ واقعات بڑے عظیم الشان معجزات ہیں، پھر اگر یہ پیش آتے ہوتے تو عادت کے مطابق بے شمار رومی اور یہودی ایمان لے آتے،..... بائبل کا بیان ہے کہ جب روح القدس کا نزول حواریں پر ہوا اور انہوں نے مختلف زبانوں میں کلام کیا تو لوگ بے انتہا متعجب ہوئے، اور اسی وقت تین ہزار آدمی ایمان لے آئے، جس کی تصریح کتاب الاعمال کے باب ۱۷ میں موجود ہے، ظاہر ہے کہ یہ واقعات مختلف زبانوں پر قادر ہو جانے کی نسبت زیادہ عظیم الشان ہیں،

③ یہ واقعات جب ایسے ظاہر اور مشہور تھے تو یہ بات نہایت ہی مستبعد ہے کہ سوائے مٹی کے اُس زمانہ کا کوئی بھی مورخ ان کی نسبت ایک لفظ تک نہ لکھے، اسی طرح اس دور کے قریبی زمانہ کے مؤرخین میں بھی کوئی ان کا ذکر نہ کرے اور اگر عیسائی یہ بہانہ پیش کریں کہ مخالفین نے عناد اور مخالفت کے جذبہ کے ماتحت نہیں لکھا، تو کم از کم موافقین کو تو ضرور لکھنا چاہیے تھا، بالخصوص لوقا کو، اس لئے کہ اسے عجائبات کے لکھنے کا سب لوگوں سے زیادہ شوق ہے، اور وہ ان تمام افعال اور کاموں کا سراغ لگاتا اور کھود کر یاد کرتا ہے جو مسیح سے صادر ہوئے، جیسا کہ اس کی انجیل سے بظاہر کتاب اعمال با معلوم ہوتا ہے، اور یہ بات کیونکر ممکن ہے کہ تمام انجیلی یا ان میں سے بیشتر حضرات ان واقعات کو تو لکھیں جو کچھ بھی عجیب نہیں ہیں، اور ان تمام عجیب واقعات کو سب کے سب یا اکثر نظر انداز کر جائیں، مرقس اور لوقا بھی صرف پردہ کا پھٹنا تحریر کرتے ہیں،

اور باقی واقعات کا نام بھی نہیں لیتے۔

④ وہ پردہ ریشی تھا، اور نہایت ملائم، پھر اس کا اس صدرمہ سے اوپر سے نیچے تک پھٹ جانا کچھ سمجھ میں نہیں آتا، اور وہ ان حالات میں پھٹ سکتا ہے تو پھر ہیکل کی عمارت کیونکر باقی اور سالم رہ گئی، یہ اشکال تینوں انجیلیوں پر مشترکہ طور سے لازم آتا ہے،

⑤ بہت سے مقدسین کے جموں کا قبروں سے زندہ ہو کر اٹھ کھڑا ہونا پولس کے کلام کے مخالف ہے، اس لئے کہ اس نے صاف لکھا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام سب پہلے کھڑے ہوتے اور بیدار ہونے والوں میں سب سے اول ہیں، جیسا کہ اختلاف نمبر ۸۹ میں معلوم ہو چکا ہے،

لہذا سچی بات وہ ہے جو فاضل ٹورٹن نے کہی ہے، اس کے کلام سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انجیل کا مترجم اُنکل سے کام لیا کرتا ہے، اور رطب و یابس کی اس کو کچھ شناخت نہیں ہے، تن میں جو کچھ بھی اس کو نظر آگیا صحیح ہو یا غلط اس کا ترجمہ کر ڈالا، کیا ایسے شخص کی بات پر اعتماد کیا جاسکتا ہے؟ خدا کی قسم ہرگز نہیں!

انجیل متی باب ۱۳ آیت ۳۹ میں ہے کہ:-

”اس نے جواب دے کر اُن سے کہا اس زمانہ کے بُرے اور زناکار لوگ نشان طلب کرتے ہیں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا

تین دن بعد زندہ ہونا، غلطی ۶، ۶۱، ۶۲

مگر یونانہ نبی کے سوا کوئی نشان اُن کو نہ دیا جائے گا، کیونکہ جیسے یونانہ تین رات دن

۱۷ دیکھتے تھے

۱۸ یعنی حضرت یونس علیہ السلام،

مچھلی کے پیٹ میں رہا، ویسے ہی ابن آدم تین رات دن زمین کے اندر رہیگا، (آیت ۳۹ و ۴۰)
اور متی ہی کے باب ۱ کی آیت ۴ میں ہے کہ:-

”اس زمانہ کے بُرے اور زناکار لوگ نشان طلب کرتے ہیں، مگر یوناہ کے نشان کے سوا کوئی اور نشان اُن کو نہ دیا جاتے گا“

یہاں بھی یوناہ پیغمبر (علیہ السلام) کے نشان سے وہی مراد ہے جو پہلی عبارت میں تھا، اسی طرح متی باب ۲۷ آیت ۱۳ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں یہودیوں کا قول اس طرح بیان کیا گیا ہے:

”ہمیں یاد ہے کہ اس دھوکہ باز نے جیتے جی کہا تھا میں تین دن کے بعد جی اُٹھوں گا۔“

یہ تمام اقوال اس لئے غلط ہیں کہ مسیح علیہ السلام کو انجیل کے بیان کے مطابق جمعہ کے روز تفتربا دوپہر کے قریب سولی دی گئی تھی، جیسا کہ انجیل یوحنا باب ۱۹ سے معلوم ہوتا ہے، اور ۹ بجے اُن کا انتقال ہوا، یوسف نے پیلاطس سے شام کے وقت ان کی نعش مانگی، اور ان کا کفن دفن کیا، جیسا کہ مرقس کی انجیل میں صاف لکھا ہے اس لئے لامحالہ وہ شنبہ کی شب میں دفن کئے گئے، اور اُن کی نعش اتوار کے دن طلوع شمس قبل غائب ہو گئی، جس کی تصریح انجیل یوحنا میں ہے، تو پھر اُن کی نعش زمین میں تین دن تین رات نہ رہی، بلکہ صرف ایک دن اور دو رات قبر میں رہے، اور تین دن بعد قیام کرنے کی بات قطعی غلط ثابت ہوئی، یہ تین غلطیاں ہیں،

۱۔ انجیل میں حضرت مسیح نے اپنے آپ کو اکثر ”ابن آدم“ کے نام سے یاد کیا ہے، یہاں بھی خود ہی مراد ہیں ۱۲
۲۔ مرقس ۱۵: ۲۲، ۲۳، ۲۴

۳۔ یوحنا ۲۰: ۱ واضح رہے کہ ہفتہ کا پہلا دن بائبل کی اصطلاح میں اتوار ہوتا ہے ۱۲

یہی غلطی بنے اس لئے کہ ان تمام کھڑے ہونے والوں میں سے ہر ایک نے موت کا ذائقہ چکھا، اور گلی سٹری ہڈیاں بن گئے، مٹی ہو گئے، اور ان کو موت کا ذائقہ چکھے ہوئے ایک ہزار آٹھ سو سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے، مگر ان میں سے کسی ایک نے بھی ابن آدم کو اس کی پادشاہت میں آتا ہوا نہیں دیکھا،

انجیل متی باب آیت ۲۳ میں ہے:-

غلطی نمبر ۶۴

”جب تم کو ایک شہر میں ستائیں تو دوسرے کو بھاگ جاؤ، کیونکہ

میں تم سے بچ کہتا ہوں کہ تم اسرائیل کے سب شہروں میں نہ پھر سکو گے

کہ ابن آدم آجائے گا“

یہ بھی قطعی غلط ہے، کیونکہ حواریوں نے اسرائیل کے تمام شہروں میں گھومنے کا

فریضہ انجام دیدیا، یہاں تک کہ ان کا انتقال بھی ہو گیا، اور اب تو ان کی وفات

۱۸ صدیاں بلکہ اس سے بھی زیادہ عرصہ گزر چکا ہے، لیکن ”ابن آدم“ ابھی زندہ ہے۔

سمیت نہیں آیا، حضرت عیسیٰؑ کے یہ دو قول تو عروج آسمانی سے۔

عروج کے بعد کے اقوال مندرجہ ذیل ہیں:-

”دن ط

غلطی نمبر ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸

”میں بہت جلد آنے والا ہوں، اور تم

بعد قیام سر ۲۲ آیت، میں حضرت مسیح علیہ السلام کا ارشاد اس طرح رہا:-

۱۔ انجیل میں حضرت مسیح نے اپنے آپ کو اکثر ”ابن آدم“ کے نام سے یاد کیا ہے، یہاں بھی خود ہی مراد

۱۵: ۲۲، ۲۳، ۲۴،

۳۔ یوحنا ۱: ۲۰ واضح رہے کہ ہفتہ کا پہلا دن بائبل کی اصطلاح میں اقوار ہوتا ہے ۱۲

اور آیت ۱۰ میں ہے کہ :-

”اس کتاب کی نبوت کی باتوں کو پوشیدہ نہ رکھا، کیونکہ وقت نزدیک ہے“

پھر آیت ۲۰ میں ہے :-

”بے شک میں جلد آنے والا ہوں“

ان مسیحی ارشادات کی بناء پر عیسائیوں کا پہلا طبقہ اس بات کا معتقد تھا کہ عیسیٰؑ کا نزول ان کے زمانہ میں نہ ہوگا، اور قیامت قریب ہے، اور ہم بالکل آخری دور میں ہیں، اور فصل نمبر ۴ سے آپ کو عنقریب معلوم ہوگا کہ ان کے علماء نے اعتراف کیا ہے کہ ہمارا عقیدہ ایسا ہی ہے، اسی لئے انھوں نے اپنی تحریروں میں ان باتوں کی طرف اشارہ کیا

۱۔ یعقوب کے خط باب ۵ آیت ۸ میں اس طرح کہا گیا ہے کہ غلطی نمبر ۶۹ تا ۷۵

”تم بھی صبر کرو، اور اپنے دلوں کو مضبوط رکھو، کیونکہ خداوند

کی آمد قریب ہے“

۲۔ پطرس کے پہلے خط باب ۱ آیت ۷ میں ہے کہ :-

”سب چیزوں کا خاتمہ جلد ہونے والا ہے، پس ہوشیار رہو، اور دعا کرنے کے لئے تیار“

۳۔ اور یوحنا کے پہلے خط باب ۱ آیت ۸ میں ہے کہ :-

”اے لڑکوں! یہ اخیر وقت ہے“

۴۔ تھسالیکیوں کے نام پولس کے پہلے خط باب ۴ آیت ۵ میں ہے کہ :-

”چنانچہ ہم تم سے خداوند کے کلام کے مطابق کہتے ہیں کہ ہم جو زندہ ہیں، اور خداوند کے آنے تک باقی رہیں گے، سوتے اور سوئے ہوئے ہرگز آگے نہ بڑھیں گے، کیونکہ خداوند

خود آسمان سے للکار اور مقرب فرشتہ کی آواز اور خدا کے نرسنگہ کے ساتھ اُتر آئیں گے اور پہلے تودہ یوحنا میں موسیٰ جی اٹھیں گے، پھر ہم جو زندہ باقی ہوں گے اُن کے ساتھ بادلوں پر اُٹھائے جائیں گے، تاکہ ہم میں خداوند کا استقبال کریں، اور اس طرح ہمیشہ خداوند کے ساتھ رہیں گے۔ (آیات ۱۵ تا ۱۷)

۵۔ فلیپوں کے نام خط کے باب آیت ۵ میں پولس رقمطراز ہے کہ:۔
”خداوند قریب ہے۔“

۶۔ کرنتھیوں کے نام پہلے خط کے باب آیت ۱۱ میں ہے کہ:۔
”اور تم آخری زمانہ والوں کی نصیحت کے لئے لکھی گئیں۔“

۷۔ اسی خط کے باب ۱۵ آیت ۵ میں ہے کہ:۔

”دیکھو! میں تم سے بھید کی بات کہتا ہوں، ہم سب تو نہیں سوتے ہیں گے، مگر سب بدل جائیں گے، اور یہ ایک دم میں، ایک پل میں، پچھلا نرسنگہ پھونکتے ہی ہو گا کیونکہ نرسنگہ پھونکا جائے گا، اور مردے غیر فانی حالت میں اٹھیں گے، اور ہم بدل جائیں گے۔“

یہ ساتوں ارشادات ہمارے دعوے کی دلیل ہیں، اور چونکہ ان کا عقیدہ ایسا ہی تھا، اس لئے ان اقوال کو ان کے ظاہری معنی ہی پر محمول کیا جائے گا، اور کسی تاویل کی گنجائش نہ ہوگی، جس کے نتیجے میں یہ اقوال غلط ہوں گے،

یہ نکل ۱۱ اغلاط ہوئیں،

۱۲۔ یعنی یہ کہنے کی گنجائش نہیں ہے کہ یہ سب کچھ مجاز کے پیرائے میں ہے، اور ”جلدی“ سے مراد زمانہ کی نسبت سے جلدی ہے ۱۲۔

غلطی نمبر ۷۶ و ۷۷ و ۷۸ | پھر انجیل مٹی کے باب ۲۲ میں لکھا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام جبل زیتون پر تشریف رکھتے تھے، لوگوں نے آگے

بڑھ کر یہ سوال کیا کہ اُس زمانہ کی علامات کیا ہیں جس میں بیت المقدس ویران اور ہر با ہوگا، اور عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے، اور جس میں قیامت واقع ہوگی؟ آپ نے سب علامات بیان کیں، پہلے وہ وقت بتایا جس میں بیت المقدس برباد ہوگا، پھر فرمایا کہ اس حادثہ کے فوراً بعد اسی زمانہ میں میرا نزول ہوگا، اور قیامت آئے گی،

پس اس باب میں آیت ۲۸ تک بیت المقدس کی ویرانی سے متعلق تذکرہ ہو اور آیت نمبر ۲۹ سے آخر تک کا تعلق نزول عیسیٰ اور قیامت کے آنے سے ہے، اسی مسلک کو فاضل پولس اور اسٹار اور دوسرے مسیحی علماء نے پسند کیا ہے، اور یہی سیاق کلام سے ظاہر ہوتا ہے، جن لوگوں نے اس کے علاوہ دوسری راہ اختیار کی ہو وہ غلطی پر ہیں، ان کی بات ناقابل التفات ہے، اس باب کی بعض آیتیں ترجمہ عربی مطبوعہ سنہ ۱۸۲۷ء کی رُو سے اس طرح ہیں:-

اور فوراً ان دنوں کی مصیبت کے بعد سوچ تاریک ہو جائے گا، اور چاند اپنی روشنی نہ دے گا، اور ستارے آسمان سے گریں گے، اور آسمانوں کی قوتیں ہلائی جائیں گی، اور اس وقت ابن آدم کا نشان آسمان پر دکھائی دے گا، اور اس وقت زمین کی سب قوتیں چھاتی پٹیں گی، اور ابن آدم کی بڑی قدرت اور جلال کے ساتھ آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھیں گی، اور وہ فرشتے کی بڑی آواز کے ساتھ

۱۔ چونکہ مطبوعہ اردو ترجمہ عربی ترجمہ کے بالکل مطابق تھا، اس لئے یہ عبارت اسی سے نقل کر دی ہو ۱۲ تفسیر

اپنے فرشتوں کو بھیجے گا، اور وہ اس کے برگزیدوں کو چاروں طرف سے آسمان کے اس کنارے سے اُس کنارے تک جمع کریں گے،
اور آیت ۳۴ و ۳۵ میں ہے:-

”میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک یہ باتیں نہ ہولیں یہ نسل ہرگز تمام نہ ہوگی
آسمان اور زمین ٹل جائیں گے، لیکن میری باتیں ہرگز نہ ٹلیں گی۔“

(عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۲ء کا بھی یہی مفہوم ہے) اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۶ء و ۱۸۲۸ء و ۱۸۴۱ء اور ۱۸۴۲ء کی عبارت یہ ہے، آیت ۲۹:-

و بعد از رحمت آں ایام فی الفور آذران ایام کی رحمت کے بعد فوراً آفتاب
آفتاب تاریک خواہد شد، تاریک ہو جائے گا۔

آیت ۳۴ میں ہے:-

بدستی کہ بشامیگویم کہ تا جمیع این
چیز ہا کامل نگرود این طبقہ منقرض
”میں تم سے درست کہتا ہوں کہ جب
تک یہ تمام چیزیں پوری نہ ہوں گی یہ
نسل ختم نہیں ہوگی۔“

خواہد گشت،

اس لئے ضروری ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا نزول اور قیامت کی آمد بلا تاخیر

اس زمانہ میں ہو جب بیت المقدس برباد اور ویران ہو، جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام
کے یہ الفاظ اس پر شاہد ہیں کہ ”فورا ان دنوں کی مصیبت کے بعد“ اسی طرح یہ بھی
ضروری ہے کہ وہ نسل جو عیسیٰ کی ہم عصر ہے وہ ان تینوں واقعات کا مشاہدہ کرے
جیسا کہ خود حواریوں اور پہلے طبقہ کے عیسائیوں کا خود یہی نظریہ تھا، تاکہ مسیح کی بات

۱۰۰ نظریل کے خوف سے پوری عبارت نقل نہیں کی گئی ۱۱ تقی

نہ مٹے، مگر افسوس ہو کہ وہ مٹ گئی، اور زمین و آسمان اب تک نہیں مٹے، اور بدستور قائم ہیں، اور حق باطل ہو گیا۔۔۔۔۔ خدا کی پناہ:

اور انجیل مرقس کے باب ۱۳ میں اور انجیل لوقا کے باب ۲۱ میں بھی اسی قسم کی عبارت ہے، لہذا اس قصہ میں بھی غلطی ہوئی، اور تینوں انجیل والوں نے اس غلط بات کے لکھنے میں ایک دوسرے سے اتفاق کیا، اس طرح تینوں کے اتفاق سے کُل تین غلطیاں ہو گئیں۔

ہیکل کی بنیادوں پر دوسری تعمیر نہیں ہو سکتی، غلطی نمبر ۷۹ تا ۸۰۔

انجیل متی کے باب ۲۴ آیت ۲ میں مسیح م کا قول یوں بیان ہوا ہے کہ ۱۔

”میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ یہاں کسی پتھر

پر پتھر باقی نہ رہے گا جو گر، یا نہ جائے گا“

اور علماء پروٹسٹنٹ نے تصریح کی ہے کہ ہیکل کی بنیادوں پر جو بھی تعمیر کی جائے گی وہ منہدم ہو جائے گی، اور اس کا باقی رہنا ناممکن ہے، جیسا کہ مسیحؑ نے خبر دی ہے، مصنف تحقیق دین الحق نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ پیشینگوئی مسیحؑ کی اُن بڑی پیشینگوئیوں میں سے ہے جن میں آئندہ پیش آنے والے واقعات کی خبر دی ہے، اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۴۶ء کے صفحہ ۱۳۹ پر وہ رستم طرازیں ۱۔

پادشاہ جولین نے جو مسیحؑ کے تین سو سال بعد ہوئے اور مذہب عیسیٰ سے مرتد ہو گیا تھا، ارادہ کیا کہ ہیکل کو دوبارہ تعمیر کرائے تاکہ مسیحؑ کی پیشینگوئی باطل ہو جائے۔ چنانچہ جب اس کی تعمیر شروع کی تو اس کی بنیاد میں سے ایک آگ برآمد ہوئی جس کے ڈر کر تمام معمار بھاگ گئے، پھر اس کے بعد کسی کو اس بات کی جرأت نہ ہو سکی کہ اس

سچے کی بات کو مٹائے، جس نے کہا تھا کہ آسمان و زمین مٹ جائیں گے، مگر میری بات نہیں مٹے گی۔

پادری ڈاکٹر کیٹ نے "منکرین مسیح" کے ارد میں ایک کتاب انگریزی زبان میں لکھی ہے جس کا ترجمہ پادری مریک نے فارسی زبان میں کیا ہے، اس کا نام کشف الآثار فی قصص بنی اسرائیل رکھا ہے، یہ کتاب دارالسلطنت ایڈنبرگ ۱۸۲۶ء میں طبع ہوئی ہے، ہم اس کی عبارت کا ترجمہ نقل کرتے ہیں، صفحہ ۷۰ پر کہتا ہے کہ:-

"شہنشاہ جولین نے یہودیوں کو اس بات کی اجازت دی کہ وہ یروشلم کو تعمیر کریں اور ہیکل کو دوبارہ بنائیں، اور ان سے یہ بھی وعدہ کیا کہ وہ ان کو ان کے باپ دادا کے شہر میں برقرار رکھے گا، نہ صرف یہ بلکہ یہودیوں کو بھی شوق اور غیرت شہنشاہ سے کچھ کم نہ تھی، پھر وہ ہیکل کی تعمیر میں مشغول ہو گئے، مگر چونکہ یہ بات عیسیٰ علیہ السلام کی پیشینگوئی کے قطعی خلاف تھی، اس لئے یہودیوں کی انتہائی جدوجہد اور شہنشاہ کی توجہ اور التفات کے باوجود وہ لوگ ناکام رہے، بت پرست مورخین نے نقل کیا ہے کہ اس جگہ سے خوفناک آگ کے شعلے نکلے، اور محاروں کو جلادیا، جس کے سبب انھوں نے کام روک دیا۔"

یہ خبر بھی ایسی ہی غلط ہے جیسی اس کے بعد والی: اسی باب کی دوسری پیشینگوئی غلطی طامس نیوٹن نے کتب مقدسہ کی پیشینگوئیوں پر ایک تفسیر لکھی ہے، یہ تفسیر ۱۸۰۳ء میں لندن میں چھپی ہے، اس تفسیر کی جلد ۲ ص ۶۳ و ۶۴ میں وہ کہتا ہے کہ:-

یعنی وہ پیشینگوئی جو جیلز زیتون پر کی گئی اور غلطی نمبر ۶ کے ضمن میں پیچھے گزر چکی ہے،

عمر رضی اللہ عنہ) وہ دوسرے عظیم الشان خلیفہ تھے جنہوں نے تمام روئے زمین پر فساد پھیلایا، ان کی خلافت کا دور ساڑھے دس سال ہوا، اس عرصہ میں تمام ممالک عرب، شام و ایران اور مصر پر ان کا تسلط ہو گیا، نیز انہوں نے بنفس نفیس یروشلم کا محاصرہ کیا، اور ۱۳۱۶ء میں ان عیسائیوں سے صلح کر لی جو طویل محاصرہ سے تنگ آگئے تھے، عیسائیوں نے شہر کو عمرؓ کے حوالہ کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عیسائیوں کے سامنے باعزت شرائط پیش کیں، نہ صرف یہ کہ ان کے کسی گرجا پر قبضہ نہیں کیا، بلکہ ان کے پادری سے مسجد کی تعمیر کے لئے جگہ کی درخواست کی، اور پادری نے یعقوبؓ کے حجرے اور ہیکل سلیمانی کے مقام کی نشان دہی کی، اس مقدس جگہ کو عیسائیوں نے یہود دشمنی میں لید اور گوبر سے ناپاک بنا رکھا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود اپنے دست مبارک سے اس مقدس جگہ کو تمام نجاستوں سے اور غلاظتوں سے صاف کیا، ان کی دیکھا دیکھی بڑے بڑے افسران فوج نے عمرؓ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس کام میں عبادت خداوندی سمجھ کر زیادہ سے زیادہ حصہ لیا، اور مسجد تعمیر کی، یہی سب سے پہلی مسجد ہے جو یروشلم میں تعمیر کی گئی، اور بعض مؤرخین نے تصریح کی ہے کہ اسی مسجد میں عمرؓ کو ایک غلام نے قتل کیا تھا۔ عبدالملک بن مروان نے جو بارہواں خلیفہ ہوا ہے اپنے دور خلافت میں اس مسجد کی توسیع کی۔

اس مفسر کے بیان میں اگرچہ کچھ غلطیاں ہیں مگر باایں ہمہ اس میں یہ اعتراف کیا گیا ہے کہ ہیکل سلیمانی کی جگہ حضرت عمرؓ ہی سب سے پہلے مسجد تعمیر کی تھی، جس کی توسیع عبدالملک نے کی جو آج تک موجود ہے، جس کی تعمیر کو ۱۲۰۰ سال سے زیادہ عرصہ

گذر چکا ہے، پھر اُن کے دعوے کے مطابق مسیح کی بات کیونکر مٹ گئی، اور غلط ہو گئی؟ اور نہ آسمان و زمین فنا ہوئے، اور چونکہ یہ قول انجیل مرقس کے باب ۱۳ میں اور انجیل لوقا کے باب ۲۱ میں بھی منقول ہے، لہذا ان دونوں انجیلوں کے اعتبار سے بھی یہ غلط اور جھوٹ ہوا، اس طرح تینوں کے لحاظ سے تین اغلاط ہو گئیں۔

بارہ کے بارہ حواری نجات یافتہ ہیں
غلطی نمبر ۸۲

انجیل متی باب ۱۹ آیت ۲۸ میں ہے کہ: ”یسوع نے ان سے کہا کہ میں تم سے بچ کہتا ہوں کہ جب ابن آدم نئی پیدا شد

میں اپنے بھال کے تخت پر بیٹھے گا تو تم بھی جو میرے پیچھے ہوئے ہو بارہ تختوں پر بیٹھ کر

اسرائیل کے بارہ قبیلوں کا انصاف کرو گے۔“

گویا عیسیٰ علیہ السلام بارہ حواریوں کے حق میں کامیابی اور نجات کی اور بارہ کرسیوں پر بیٹھنے کی گواہی دے رہے ہیں، جو غلط ہے، اس لئے کہ ان بارہ حواریوں میں سے ایک صاحب یہود اسکریوتی تو عیسائی نظریہ کے مطابق مرتد ہو گئے تھے، اور اسی حالت میں اس کی موت واقع ہوئی، اور جہنمی بنے، پھر اُن کے لئے بارہویں کرسی پر بیٹھنا کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔

انجیل یوحنا باب اول آیت ۱۵ میں ہے کہ: ”پھر اس سے کہا میں تم سے بچ کہتا ہوں کہ تم آسمان کو کھلا اور خدا کے فرشتوں کو اوپر جاتے اور

آسمان کا کھلنا اور فرشتوں کا نزول، غلطی نمبر ۸۳

ابن آدم پر اترتے دیکھو گے۔“

یہ بھی غلط ہے، کیونکہ یہ بات اصطباغ اور روح القدس کے نزول کے بعد کہی گئی ہو
حالانکہ ان دونوں واقعات کے بعد نہ تو کسی نے آسمان کو کھلا ہوا دیکھا اور نہ عیسیٰ علیہ السلام
پر آسمان سے فرشتوں کو نازل ہوتے اور جلتے ہوتے دیکھا، یعنی دونوں وعدوں کا مجموعہ
قطعی غلط ہے،

کیا حضرت مسیح علیہ السلام کے سوا
کوئی آسمان پر نہیں چڑھا؟ غلطی ۸۴
انجیل یوحنا باب ۳ آیت ۱۳ میں یوں
کہا گیا ہے کہ:-
”اور آسمان پر کوئی نہیں چڑھا،

سوا اس کے جو آسمان سے اُترا، یعنی ابن آدم جو آسمان میں ہے۔“

یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ جنوک اور ایلیاہ علیہما السلام آسمان پر لے جائے گئے، اور
چڑھے، جس کی تصریح کتاب پیدائش باب ۱۰ میں اور سلاطین ثانی باب ۱۱ میں موجود ہے،

عیسائیوں کی کرامتیں
غلطی نمبر ۸۵
انجیل مرقس باب ۱۶ آیت ۷ میں کہا گیا ہے کہ:-
”میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو شخص اس پہاڑ سے کہے
کہ تو اُکھڑ جا، اور سمندر میں جا پڑ، اور اپنے دل میں شرک

نہ کرے بلکہ یقین کرے کہ جو کہتا ہو وہ ہو جائے گا تو اس کے لئے وہی ہوگا۔“

۱۹ جلد ہذا پر گزر چکی ہے، یہ واقعات یوحنا میں اس قول سے پہلے
۳۲، ۱ میں بیان کئے ہیں ۱۲

۱۲ یہ بقول انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد ہے ۱۲
”اور جنوک خدا کے ساتھ ساتھ چلتا رہا، اور وہ نائب ہو گیا، کیونکہ خدا نے اُسے اٹھالیا (پیدائش ۴۴،
۱۱) اور آتش گھوڑوں نے ان دونوں کو جدا کر دیا، اور ایلیاہ بگولے میں آسمان پر چلا گیا“ (سلا ۱۱: ۱۱)۔

اسی انجیل کے باب ۱۶ آیت ۱ میں یوں کہا گیا ہے :-

”اور ایمان لانے والوں کے درمیان یہ معجزے ہوں گے، وہ میرے نام سے بدروحوں کو نکالیں گے، نئی نئی زبانیں بولیں گے، سانپوں کو اٹھالیں گے، اور اگر کوئی ہلاک کرنے والی چیز پئیں گے تو انہیں کچھ ضرر نہ پہنچے گا، وہ بیماروں پر ہاتھ رکھیں گے تو اچھے ہو جائیں گے۔“

اور انجیل یوحنا کے باب ۱۳ آیت ۱۲ میں اس طرح ہے :-

”میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو مجھ پر ایمان رکھتا ہے یہ کام جو میں کرتا ہوں وہ بھی کرے گا، بلکہ ان سے بھی بڑے کام کرے گا، کیونکہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں۔“
اس میں یہ بات کہ ”جو اس پہاڑ کو کہہ دے گا“ عام ہے، کسی خاص شخص کے ساتھ مخصوص نہیں، نہ کسی خاص زمانہ کے ساتھ مخصوص ہے، بلکہ مسیح علیہ السلام پر ایمان لانیوالوں کے ساتھ بھی مخصوص نہیں،

اسی طرح ان کا یہ کہنا کہ ”جو مجھ پر ایمان لاتے گا“ یہ بھی کسی شخص یا زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہ امور طبقہ اولیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں تو یہ دعویٰ بے دلیل ہوگا، اس لئے آج بھی یہ امر ضروری ہے کہ اگر کوئی شخص پہاڑ کو یہ کہے کہ تو اپنی جگہ سے ہٹ کر سمندر میں گر پڑ، اور اس یقین کے ساتھ کہے کہ ایسا ضرور ہو جائے گا ضرور ایسا ہی واقع ہوگا، نیز اس زمانہ میں عیسیٰ پر ایمان لانے والوں کی نشانی بھی یہی کرامت ہوگی، اور اُس کو مسیح کے کارنامے دکھانے ہوں گے، بلکہ ان بھی بڑے،

حالانکہ یہ حقیقت اور واقعات کے خلاف ہے، اور ہمارے علم میں کوئی ایک بھی

عیسائی ایسا نہیں ہے جس نے مسیح سے زیادہ بڑے کارنامے دکھائے ہوں، نہ پہلے طبقہ میں اور نہ بعد کے لوگوں میں، لہذا یہ کہنا غلط ثابت ہوا کہ "ان سے زیادہ بڑے کام کریگا"۔ اس کا مصداق عیسائیوں کے کسی طبقہ میں نہیں پایا گیا، اور نہ مسیح جیسے کارنامے حوالہ ہی سے صادر ہوئے، اور نہ ان کے بعد والے طبقوں سے،

فرقہ پر وٹسٹنٹ کے علماء نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ طبقہ اولیٰ کے بعد کسی سے معجزات اور خرق عادت کارناموں کا صادر ہونا قوی دلیل سے ثابت نہیں ہے، ہم نے اپنے ہندوستان میں منتخب اور چیدہ عیسائیوں یعنی مسرقہ پر وٹسٹنٹ اور کیتھولک کے پادریوں کو دیکھا ہے کہ باوجود ساہا سال اردو سیکھنے کی کوشش کے اردو میں صحیح تلفظ پر قادر نہیں ہوتے، اور مونث کی جگہ مذکر کے صیغے بولتے ہیں، شیاطین کو نکال دینا اور سانپوں کو اٹھا لینا، زہر پی لینا، مریضوں کو شفا دینا تو کالے دارو؟

سچی بات تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہمارے زمانہ کے عیسائی حقیقی معنی میں سچے عیسائی بھی نہیں ہیں، اسی لئے تو ان سے ایسی کرامات صادر نہیں ہوتیں، ہاں بعض اوقات ان کے بڑوں نے کرامات دکھانے کے جھوٹے دعوے کئے، مگر وہ جھوٹے ثابت ہوئے،

شیطان تو تھرپر غالب آگیا | ہم کو اس موقع پر دو بڑے دلچسپ قصے ایسے یاد آگئے جو فرقہ پر وٹسٹنٹ کے دو بڑے عظیم الشان

پادریوں کی پوزیشن پر روشنی ڈالتے ہیں، جن کو ہم کتاب مرآة الصدق سے نقل کرتے ہوئے جس کا اردو ترجمہ ایک بڑے کیتھولک عالم پادری طامس انگلس نے کیا ہے، یہ کتاب ۱۸۵۱ء میں طبع ہوئی ہے، پادری موصوف صفحہ ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸ میں لکھا ہے:-

”لو تھر نے دسمبر ۱۹۲۳ء میں ارادہ کیا کہ سینا کے بیٹے شیطان کو نکال دو مگر اس کے ساتھ وہی معاملہ پیش آیا جو ان یہودیوں کو پیش آچکا تھا جنہوں نے شیطان کو نکالنے کا ارادہ کیا تھا، جس کی تصریح کتاب الاعمال کے باب ۱۹ آیت ۱۶ میں موجود ہے چنانچہ شیطان نے لو تھر پر حملہ کیا اور اس کو اور اس کے ساتھیوں کو زخمی کر ڈالا، ستانفیلس نے جب دیکھا کہ شیطان نے اس کے استاد لو تھر کی گردن دبا رکھی ہے، اور گلا گھونٹ دے گا تو اس نے بھاگنا چاہا، مگر چونکہ وہ بدحواس ہو چکا تھا، دروازہ کا قفل نہ کھول سکا، اور اس ہتھوڑے سے جو اس کو روشندان کے ذریعہ اُس کے نوکرنے دیدیا تھا دروازہ توڑ کر بھاگا۔“

کالون کی شرارت اور
اُس کا عبرتناک انجام

دوسرا واقعہ ہلسک وائل سیرس مورخ نے مسرقہ پر وٹسٹنٹ کے ایک بڑے پادری کالون کا جو لو تھر کی سی پوزیشن رکھتا تھا ذکر کیا ہے کہ اس نے ایک

شخص بیردس کو اس بات کے لئے رشوت دی کہ تم چیت لیٹ کر سانس روک کر مردہ کی طرح ہو جانا... اور جب میں آؤں اور یہ کہوں کہ اے بیردس مردے اٹھ کھڑا ہو اور زندہ ہو جا، تو تم زندہ ہو کر کھڑے ہو جاؤ، ایسے طور پر جس سے معلوم ہو کہ تم مردہ تھے، اور اب زندہ ہوتے ہو، اور پھر اس کی بیوی سے کہا کہ جب تمہارا شوہر اپنے آپ کو مردہ بنالے تو تم خوب روننا، اور چیخنا،

چنانچہ دونوں میاں بیوی نے ایسا ہی کیا، عورت کو روتا ہوا دیکھ کر بہت سی ہمدردی دینے والیاں جمع ہو گئیں، تب کالون آیا اور اس کی بیوی سے کہا تو مت رونا میں اس کو زندہ کر دوں گا،

پھر اس نے چند دعائیں پڑھیں، اور بیروٹس کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ خدا کے نام سے تو کھڑا ہو جا، مگر اس کی مکاری اور فریب کامیاب نہ ہو سکا، کیونکہ بیروٹس واقعی مرچکا تھا، اور خدا نے اس کی مکاری اور فریب کا جامہ چاک کر کے جس سے سچے معجزات کی توہین ہوتی تھی، اس سے انتقام لیا، اور کانون کی تمام دعائیں بے اثر ہوئیں، اور اس کو نہ بچا سکیں، جب اُس کی بیوی نے یہ انقلاب دیکھا تو دھاڑیں مار مار کر رونا شروع کر دیا، اور چلا کر کہا کہ میرا شوہر تو عہد و پیمان کے وقت زندہ تھا، اور اب تو یہ پتھر کی طرح مُردہ اور ٹھنڈا ہے۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے عیسائیوں کے بزرگوں کی کرامات کا نمونہ؟ یہ دونوں بزرگ اپنے اپنے دور میں پوس کی طرح عظیم الشان مقدس لوگوں میں شمار ہوتے تھے پھر جب اُن کے بڑوں کا یہ حال ہے تو اُن کے ماننے والوں اور پیروں کے حال کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، نیز پوپ اسکندر ششم نے جو رومی گرجے کا سربراہ اور سرقہ کی تھوگ کے خیال میں زمین پر خدا کا خلیفہ مانا جاتا تھا، اس نے جو زہر دوسرے کے لئے رکھ چھوڑا تھا، خورپی لیا، جس سے اس کی موت واقع ہو گئی، پھر جب گرجے کے سربراہ اور خدا کے خلیفہ کا یہ حال ہو تو رعایا کے حال کا اندازہ آپ خود کر سکتے ہیں، غرض دونوں سرقوں کے بڑے بڑے حضرات مذکورہ علامات قطعی محروم ہیں

انجیل بقا باب آیت ۲ میں یوں ہے کہ:-

غلطی نمبر ۸۶

وہ یوحنا کا اور وہ رلیسا کا اور وہ زربابل کا اور وہ سیالقی ایل کا اور

وہ نیرسی کا۔

۱۵ حضرت مسیح علیہ السلام کا نسب بیان کرتے ہوئے،

اس آیت میں تین اغلاط ہیں:-

- ۱، زور بابل کی اولاد کی تصریح کتاب تواریخ باب ۳ میں موجود ہے، ان میں اس نام کا ایک بھی بیٹا نہیں ہے، اس کے علاوہ یہ متی کی تحریر کے بھی خلاف ہے،
 - ۲، زور بابل فدایاہ کا بیٹا ہے نہ کہ سیالقی ایل کا، البتہ وہ اس کا بھتیجا ضرور ہے،
 - ۳، سیالقی ایل یکنیاہ کا بیٹا ہے نہ کہ نیری کا، جس کی تصریح متی نے بھی کی ہے،
- لوقا باب ۳ میں کہتا ہے:-

غلطی نمبر ۸

وہ سلج کا اور وہ قینان کا اور وہ ارفکسد کا :-

یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ سلج ارفخشذ کا بیٹا ہے نہ کہ اس کا پوتا، جس کی تصریح کتاب پیدائش باب ۱۱ میں اور کتاب تواریخ اول باب ۱ میں موجود ہے، اور تمام علماء، پروٹسٹنٹ کے نزدیک عبرانی نسخہ کے مقابلہ میں ترجمہ کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اس لئے کوئی ترجمہ محض اس لئے کہ وہ لوقا کی انجیل کی موافقت کرتا ہے، خود عیسائیوں کے نزدیک بھی اور ہمارے خیال میں بھی لائق ترجیح نہیں ہو سکتا، بلکہ ہم تو یہ کہیں گے کہ اسی ترجمہ میں عیسائیوں نے تحریف کی ہے، تاکہ اس کو اپنی انجیل کے مطابق بنا سکیں،

۱۔ دیکھئے کتاب ہذا، ص ۴۹۰ کا حاشیہ،

۲۔ دیکھئے حاشیہ صفحہ ۴۸۹ کتاب ہذا،

۳۔ یکنیاہ سے سیالقی ایل پیدا ہوا (متی ۱: ۱۲)

۴۔ جب ارفکسد پینتیس برس کا ہوا تو اس سے سلج پیدا ہوا (۱۲: ۱۱)

۵۔ ”سم“ ارفکسد، سلج (۲۴: ۱)

۶۔ یہ مصنف نے غالباً اس لڑکھا ہوا کہ بعض تراجم میں کتاب پیدائش اور کتاب تواریخ کو لوقا کے مطابق کر دیا گیا ہوگا

ولادت مسیح سے پہلے کی

مردم شماری، غلطی نمبر ۸۸

انجیل لوقا باب آیت ۱ میں کہا گیا ہے :

ان دنوں میں ایسا ہوا کہ قیصر ادگسٹس کی طرف سے

یہ حکم جاری ہوا کہ ساری (آبادی) کے نام لکھے جائیں :-

پہلی اہم نویسی سورہہ کے حاکم کورنٹس کے عہد میں ہوئی :

یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ تمام آبادی سے مراد پوری سلطنت روما کی آبادی ہے، اور لفظ

یہی معلوم ہوتا ہے، یا پھر تمام سلطنت یہود کی آبادی مراد ہے، قدیم یونانی مورخین میں سے

جو یا تو لوقا کے ہم عصر ہیں، یا پھر اس سے کچھ زمانہ مقدم ہیں کسی نے بھی اپنی تاریخ میں اس

مردم شماری کو جو ولادت مسیح سے قبل ہوئی ذکر نہیں کیا، البتہ ان مورخین میں سے کسی نے

جو لوقا کے بہت بعد ہوئے ہیں اگر اس کو ذکر بھی کیا ہو تو اس کا قول اس لئے سند نہیں ہو

کہ وہ لوقا ہی کی بات کا ناقل ہے، پھر اگر اس سے بھی قطع نظر کر لی جائے تب بھی یہ کیسے

ممکن ہو سکتا ہے کہ کورنٹس والی شام جو مسیح کی ولادت کے پندرہ سال بعد ہوا ہے، اس

کے عہد میں وہ مردم شماری واقع ہو جو مسیح کی ولادت سے پندرہ سال پیشتر ہو چکی ہو

اسی طرح اس کے زمانہ میں مسیح کی ولادت کس طرح ممکن ہے، کیا مریم کا حمل متواتر

پندرہ سال تک قائم رہا؟ اس لئے کہ لوقا نے باب اول میں اس امر کا اعتراف کیا ہے

کہ زکریا علیہ السلام کی بیوی بیرو دیس کے زمانہ میں حاملہ ہوئی اور مریم اس کے چھ ماہ

بعد حاملہ ہوئی تھیں، پھر جب بعض عیسائیوں نے دیکھا کہ بات کسی طرح نہیں بنتی تو

ان مصنف کے نقل کردہ عربی ترجمہ میں یہی لفظ ہیں، مگر مطبوعہ اردو ترجمہ میں اس کے بجائے "ساری

دنیا" کا لفظ ہے ۱۲

۱۲ اور بیرو دیس کا زمانہ کورنٹس سے پندرہ سال پہلے ہے ۱۲

حکم لگا دیا کہ آیت نمبر ۲ الحاقی ہے، جو لوقا کی لکھی ہوئی نہیں ہے۔

غلطی نمبر ۸۹ | انجیل لوقا باب آیت ۱ میں اس طرح ہے کہ:-

”بتسری قیصر کی حکومت کے پندرہویں برس جب پطیمس پیلطس“

یہودیہ کا حاکم تھا، اور ہیرودیس گلیل کا اور اس کا بھائی فلپس، اتوریہ اور ترخونیس کا

اور لسانیاں ابلینے کا حاکم تھا، (یعنی تراجم میں ابلینے کے بجائے ابلیاہ کا لفظ ہے

مال دونوں کا ایک ہی)۔“

مورخین کے نزدیک یہ اس لئے غلط ہے کہ ان کے نزدیک لسانیاں نام کا کوئی شخص

جو پیلطس اور ہیرودیس کا محاصرہ ہوا ابلینے کے چوتھائی علاقہ کا حاکم نہیں ہوا۔

غلطی نمبر ۹۰ | باب مذکور کی آیت ۱۹ میں کہا گیا ہے کہ:-

”لیکن چوتھائی ملک کے حاکم ہیرودیس نے اپنے بھائی فلپس کی بیوی

ہیرودیاں کے سبب اور ان سب برائتوں کے باعث جو ہیرودیس نے کی تھیں

یوحنا سے ملامت اٹھا کر الخ“

یہ قطعی غلط ہے، جیسا کہ غلطی نمبر ۵۶ میں معلوم ہو چکا ہے، عیسائی مفسرین نے بھی

تسلیم کر لیا ہے کہ یہ غلط ہے، اور کاتب سے یہاں غلطی ہوئی، جیسا کہ مقصد ۲ باب کے

شاہد، ۲ میں مزید معلوم ہو جائے گا، سچی بات تو یہ ہے کہ غلطی لوقا کی ہے، نہ کہ غریب

کاتب کی

۱۵ ”حاکم“ یہاں یونانی لفظ ”تتراخ“ کا ترجمہ کیا گیا ہے، جس کے معنی چوتھائی ملک کا حاکم ہیں، جیسا

کہ مترجم کے حاشیہ سے معلوم ہوتا ہے ۱۲

۱۵ دیکھئے صفحہ ۲۹۹ جلد ہدایا، ۱۵ دیکھئے صفحہ ۶۷۳، جلد دوم،

غلطی نمبر ۹۱

انجیل مرقس کے باب آیت ۱۰ میں ہے کہ:-

”ہیرودیس نے آپ آدمی بھیج کر یوحنا کو پکڑ دایا، اور اپنے بھائی فلپس

کی بیوی ہیرودیاس کے سبب سے قید خانہ میں باندھ رکھا تھا،“

یہ بھی غلط ہے جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے، اس مقام پر تینوں انجیل والوں نے غلطی کی اور تثلیث کا عدد پورا ہو گیا، عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۲۱ء و ۱۸۲۲ء کے مترجم نے مثنیٰ اور لوقا کی عبارت میں تحریف کر کے لفظ فلپس کو اڑا دیا، مگر دوسرے مترجموں نے اس معاملہ میں اس کی پیروی نہیں کی، اور چونکہ یہ حرکت اہل کتاب کی عادتِ ثانیہ بن گئی ہے، اس لئے ہم کو ان سے اس معمولی بات کی کوئی شکایت ہی نہیں ہے،

انجیل مرقس باب آیت ۲۵ میں اس طرح
 حضرت داؤد علیہ السلام کا نذر کی
 روٹیاں کھانا غلطی ۹۲، ۹۳، ۹۴
 کہا گیا ہے:-

”اُس نے اُن سے کہا کیا تم نے کبھی

نہیں پڑھا کہ داؤد نے کیا کیا؟ جب اس کو اور اس کے ساتھیوں کو ضرورت
 ہوئی اور وہ بھوکے ہوئے، وہ کیونکر ایسا ترسردار کاہن کے دنوں میں خدا کے
 گھر میں گیا، اور اس نے نذر کی روٹیاں کھائیں، جن کو کھانا کاهنوں کے سوا اور
 کسی کو روا نہیں، اور اپنے ساتھیوں کو بھی دیں“

یہ بھی قطعی غلط ہے، کیونکہ داؤد علیہ السلام اس موقع پر تنہا تھے، اُس وقت اُن کے
 ساتھ کوئی دوسرا نہ تھا، اس لئے یہ الفاظ ”اور اس کے ساتھیوں“ غلط ہیں،

اسی طرح یہ الفاظ بھی کہ ”اپنے ساتھیوں کو“ غلط ہیں، نیز اس لحاظ سے بھی کہ

اس زمانہ میں

کاہنوں کا رئیس اخیملک تھا، نہ کہ ابیا تروج اخیملک کا بیٹا ہے، اس لئے یہ الفاظ "ابیا تروج" سردار کاہن کے دنوں میں "قطعی غلط ہیں"، اس طرح دو آیتوں میں مرقس نے تین غلطیاں کیں، تیسری غلطی کا اقرار ان کے علماء نے بھی کیا ہے، جیسا کہ مقصد ۲ باب ۲ شاہد ۲۹ میں آپ کو معلوم ہو جائے گا، نیز تینوں باتوں کا غلط ہونا کتاب سموئیل اول باب ۲۱ و ۲۲ سے بھی سمجھ میں آتا ہے،

انجیل لوقا باب ۱ میں بھی اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے غلطی نمبر ۹۵، ۹۶ "داؤد اور اس کے ساتھی" اور "اپنے ساتھیوں کو بھی دی"

کے الفاظ مذکور ہیں، جو مذکورہ بالا بیانات کے مطابق غلط ہیں،

غلطی نمبر ۹۷ "اور کیفا کو اور اس کے بعد ان بارہ کو دکھائی دیا" کرنتھیوں کے نام پہلے خط کے باب ۵ آیت ۱ میں ہے کہ -

یہ بھی غلط ہے، کیونکہ یہوداہ اسکر لوتی اس سے قبل مرچکا تھا، اس لئے حواری صرف

۱۱ "سردار کاہن" High Priest بنی اسرائیل کے یہاں ایک مذہبی عہدہ ہوتا تھا، تورات میں ہے کہ یہ عہدہ سب سے پہلے حضرت موسیٰ نے حضرت ہارون کو سونپا تھا، اور اس کا خاص شعار اور لباس ہوتا ہے، اور کچھ مخصوص فرائض، تفصیل کیلئے دیکھئے خروج باب ۲۹ و ۴۸ اور احبار باب ۱۹ و ۸، ۱۵ دیکھئے صفحہ ۳۵۹ جلد دوم،

۱۲ اور داؤد نوبت میں اخیملک کاہن کے پاس آیا اور اخیملک داؤد سے ملنے کو کانپتا ہوا آیا اور اس سے کہا تو کیوں اکیلا ہو اور تیرے ساتھ کوئی آدمی نہیں؟ (۱:۲۱) اس کے بعد دو ٹیوں کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے "اخیملک کے بیٹوں میں سے ایک جس کا نام ابی یا تروج تھا الخ (۲۰:۲۲)"

۱۳ یہاں حضرت عیسیٰ کے دوبارہ زندہ ہونے کا واقعہ بیان کیا جا رہا ہے کہ وہ سب سے پہلے کیفا کو اور پھر بارہ حواریوں کو نظر آئے، ہورن نے اس موقع پر قصداً تحریف کا اعتراف کیا ہے (دیکھئے صفحہ ۵۹، جلد ۱)

گیارہ باقی رہ گئے تھے، اسی لئے مرقس نے اپنی انجیل کے باب ۱۶ میں یہ لکھا ہے کہ:-

”پھر وہ ان گیارہ کو بھی جب وہ کھانا کھانے بیٹھے تھے دکھائی دیا“

انجیل متی باب آیت ۱۹ میں ہے:-

”لیکن جب وہ تم کو پکڑو آئیں تو منکر نہ کرنا کہ ہمیں

طرح کہیں! کیا کہیں! کیونکہ جو کچھ کہنا ہوگا اسی گھڑی

حواری غلطی نہیں کر سکتے

غلطی نمبر ۹۸ تا ۱۰۰

تم کو بتایا جاتے گا، کیونکہ بولنے والے تم نہیں بلکہ تمہارے باپ کا روح ہے،

جو تم میں بولتا ہے“ (آیات ۲۰ و ۱۹)

اور انجیل لوقا باب ۱۲ آیت ۱۱ میں بھی ہے کہ:-

”اور جب وہ تم کو عبادت خانوں میں اور حاکموں اور اختیاریہ والوں کے پاس

لے جائیں تو فکر نہ کرنا کہ ہم کس طرح یا کیا جواب دیں! یا کیا کہیں! کیونکہ روح اللہ

اسی گھڑی تمہیں سکھائے گا کہ کیا کہنا چاہئے“

انجیل مرقس کے باب ۱۳ میں بھی یہ قول مذکور ہے، گویا یاتینوں انجیل والوں کی تصریح

ان کے عدد تثلیث کے موافق یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے مریدوں سے

وعدہ کیا تھا کہ تم جو کچھ حکام کے سامنے کہو گے وہ روح القدس کا اہام ہوگا

تمہارا کلام ہرگز نہ ہوگا،.....

حالانکہ یہ طعی غلط ہے، چنانچہ کتاب اعمال باب ۲۳ آیت ۱ میں ہے کہ:-

”پولس نے صدر عدالت والوں کو غور سے دیکھ کر کہا، اے بھائیو! میں نے

آج تک کمال نیک نیتی سے خدا کے واسطے عمر گزاری ہے، سردار کاہن

حننیاہ نے ان کو جو ان کے پاس کھڑے تھے حکم دیا کہ اس کے منہ پر پٹا باندھ مارو

پولس نے اسے کہا کہ اے سفیدی پھری ہوئی دیوار! خدا تجھے مارے گا، تو شریعت کے موافق میرا انصاف کرنے کو بیٹھا ہے، اور کیا شریعت کے برخلاف مجھے مارنے کا حکم دیتا ہے؟ جو پاس کھڑے تھے انھوں نے کہا تو کیا خدا کے سردار کاہن کو برا کہتا ہے؟ پولس نے کہا اے بھائیو! مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ سردار کاہن ہے، کیونکہ لکھا ہے کہ اپنی قوم کے سردار کو برا نہ کہہ « (آیات ۱ تا ۵)

پھر اگر متی اور لوقا کا قول صحیح ہوتا تو عیسائیوں کا مقدس جو ان کی نگاہ میں روحانی صحبت کے لحاظ سے حواری ہے، اور اس معاملہ میں یہ شرف اسی کو حاصل ہے (اور وہ خود بھی اپنی نسبت سے بڑے حواری پطرس کی برابری کا مدعی ہے) نیز فسرتہ پر ڈسٹنٹ کے نزدیک پطرس کو اس پر فضیلت یا ترجیح حاصل نہیں ہو رہی وہ حاکموں کے سامنے غلطی کیوں کرتا؟ اس مقدس کا خود اپنے قول میں غلطی کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ غلط ہے، کیا روح القدس بھی غلطی کر سکتا ہے؟

نیز عنقریب فصل ۴ میں آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ان کے علماء نے اس مقام پر اختلاف اور غلطی کا اعتراف کیا ہے، چونکہ یہ غلطی بھی تینوں انجیلوں کے لحاظ سے ہو اس لئے یہ غلطی بھی تثلیث کے عدد کے لحاظ سے تین اغلاط ہو گئیں،

(انجیل لوقا باب ۴ آیت ۲۵ اور یعقوب کے خط باب ۱ آیت ۱ میں لکھا کہ حضرت ایلیاء پیغمبر کے زمانہ میں ساڑھے تین سال تک زمین پر بارش نہیں ہوئی۔

۱۔ میں ان افضل رسولوں سے کسی بات میں کم نہیں» (۲ کرنتھیوں ۱۲: ۱۱)

۲۔ دیکھئے ص ۳۴۳ و ۳۴۴ جلد ۱۱،

۳۔ ایلیاء کے دنوں جب ساڑھے تین برس آسمان بند رہا « (لوقا ۴: ۲۵) چنانچہ ساڑھے تین برس تک زمین پر مینہ نہ پڑا « (یعقوب ۵: ۱۷)»

یہ بھی غلط ہے، کیونکہ سلاطین اول باب ۱۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ تیسرے سال بارش ہوئی تھی، اور چونکہ یہ غلطی لوقا کی انجیل میں مسیح کے قول میں ہے، اور خط میں یعقوب کے قول میں، اس لئے درحقیقت رد غلطیاں ہو گئیں۔

حضرت عیسیٰ داؤد کے تخت پر بیٹھیں گے، غلطی نمبر ۱۰۳، انجیل لوقا کے باب اول میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضرت مریمؑ سے حضرت عیسیٰ کے پیدا ہونے کی خوش خبری دیتے ہوئے فرمایا کہ:-

اور خداوند خدا اس کے باپ داؤد کا تخت اُسے دے گا، اور وہ یعقوب کے گھرانے پر ابد تک بادشاہی کرے گا، اور اس کی بادشاہی کا آخر نہ ہوگا۔

(آیات ۳۲ و ۳۳)

یہ بھی رد لحاظ سے غلط ہے:

اول تو اس لئے کہ عیسیٰ علیہ السلام یہو یقیم کی اولاد سے ہیں، اس نسب کے مطابق جو متی کی انجیل میں درج ہے، اور یہو یقیم کی اولاد میں سے کسی کو یہ حق نہیں پہونچتا کہ وہ داؤد کی کرسی پر بیٹھ سکے، جس کی تصریح کتاب ارمیاہ باب ۲۳ میں موجود ہے، دوم یہ کہ مسیح کو ایک منٹ کے لئے بھی داؤد کی کرسی پر بیٹھنا نصیب نہیں ہوا، اور نہ اُن کو یعقوب کی اولاد پر بادشاہت میسر ہوئی، بلکہ اس کے برعکس ان لوگوں نے دشمن بن کر ان کو گرفتار کیا، اور پہلاطس کے تخت کے آگے پیش کیا، جس نے ان کو

(۱- سلاطین)

۱۰ خداوند کا یہ کلام تیسرے سال ایلیاہ پر نازل ہوا کہ جا کر اسی کے مل اور میں زمین پر بیٹھ برساؤں گا۔
۱۱ یہو یقیم کی بابت خداوندیوں فرماتا ہے کہ اس کی نسل میں سے کوئی نہ رہے گا جو داؤد کے تخت پر بیٹھے (۲۶)

مارا، اور توہین کی، اور یہودیوں کے حوالہ کر دیا، جنہوں نے پھر اس کو سولی پر چڑھا دیا، اس کے علاوہ انجیل یوحنا باب سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح بادشاہیت متنفذ تھے، اور جس کام کے لئے خدا نے اُن کو بھیجا تھا اس سے بھاگنا عقل میں نہیں آتا، انجیل مرقس باب میں ہے کہ ۱۔

غلطی نمبر ۱۰۴

”میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ ایسا کوئی نہیں جس نے گھریا بھائیوں یا بہنوں یا ماں یا باپ یا بچوں یا کھیتوں کو میری خاطر اور انجیل کی خاطر چھوڑ دیا، اور اب اس زمانہ میں سو گنا نہ پائے، مگر اور بھائی اور بہنیں اور مائیں اور بچے اور کھیت مگر ظلم کے ساتھ، اور آنے والے عالم میں ہمیشہ کی زندگی“ (آیات ۳۱ تا ۳۹)

اور انجیل لوقا باب میں اسی بات کو یوں کہا گیا ہے:-

”اور اس زمانہ میں کسی گنا زیادہ نہ پائے، اور آنے والے عالم میں ہمیشہ کی زندگی“ حالانکہ یہ غلط ہے، کیونکہ جب اُس نے ایک بیوی چھوڑ دی تو اسی زمانہ میں اس کو ایک بیویاں ملنا محال ہے، اس لئے کہ عیسائیوں کے نزدیک ایک عورت سے زیادہ نکاح کرنا ممنوع ہے، اور اگر ان عورتوں سے مراد مسیح علیہ السلام پر ایمان لانی والی عورتیں ہیں کہ اُن کو بغیر نکاح رکھا جائے، تب تو معاملہ اور زیادہ شرمناک اور قبیح ہو جاتا ہے، اس کے علاوہ یہ قول بالکل بے معنی اور بے جوڑ ہے کہ ”اور کھیت مگر ظلم کے ساتھ“ اس لئے کہ گفتگو ہو رہی ہے بہترین جزاء اور تلافی کی، اس میں ظلم کو کیا دخل ہے؟

دیوانہ کو شفا دینے کا واقعہ، غلطی نمبر ۱۰۵

انجیل مرقس باب میں مجنون سے بدحواسی کے نکلنے جانے کی کیفیت کے بیان

۱۔ ”پس یسوع یہ معلوم کر کے کہ وہ آکر مجھے بادشاہ بنانے کے لئے پکڑنا چاہتے ہیں پھر پاؤں پر اکیلا چلا گیا“ (آیت ۱۰)

میں اس طرح کہا گیا ہے کہ:-

”پس انھوں نے (یعنی بدر دھڑوں نے) اس کی منت کر کے کہا کہ ہم کو ان سوروں میں بھیج دے تاکہ ہم ان میں داخل ہوں، پس اس نے اُن کو اجازت دی، اور ناپاک رچیں نکل کر سوروں میں داخل ہو گئیں، اور وہ غول جو کوئی دو ہزار کا تھا گڑاڑے پر سے جھپٹ کر جھیل میں جا پڑا اور جھیل میں ڈوب مرا“ (آیات ۱۲ و ۱۳)

یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ خنزیر یہودیوں کے لئے تو حرام ہے، اور عیسائی جو اُس دور میں کھانے والے تھے وہ اس قدر کثیر مال کے مالک نہیں تھے، تو پھر اتنے بڑے ریوڑ کا مالک کون تھا؟ نیز عیسیٰ علیہ السلام کے لئے یہ بات بالکل ممکن تھی کہ وہ دیوانہ کو ان سوروں کو ہلاک کئے بغیر بھی شفاء دیدیتے، جو نصاریٰ کی نگاہ میں بھیڑ بکری کی طرح پاکیزہ مال تھا، یا جس طرح ایک شخص سے نکالے گئے تھے تو ایک ہی خنزیر میں داخل کر دیتے، تب انھوں نے اتنا زبردست نقصان سوروں کے مالکان کیوں پہنچایا؟

انجیل متی باب ۲۶ میں یہودیوں سے ہمکلام ہونے کے وقت حضرت عیسیٰؑ کا قول یوں بیان کیا گیا ہے کہ:-

غلطی نمبر ۱۰۶

”اس کے بعد تم ابن آدم کو قادر مطلق کی داہنی طرف بیٹھے اور آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھو گے“

یہ بھی اس لئے غلط ہے کہ یہودیوں نے مسیح علیہ السلام کو کبھی بھی آسمانی بادل سے آنا ہوا نہیں دیکھا، نہ وفات سے پہلے نہ اس کے بعد۔

شاگرد استاد سے نہیں انجیل لوقا باب ۷ میں اس طرح کہا گیا ہے کہ :-
 ”شاگرد اپنے استاد سے بڑا نہیں، بلکہ ہر ایک جب
 کامل ہوا تو اپنے استاد جیسا ہوگا“

یہ بظاہر غلط ہے، اس لئے کہ ہزاروں شاگرد کمال حاصل ہو جانے کے بعد اپنے استادوں
 سے بڑھ گئے ہیں۔

ماں باپ کی عزت یا دشمنی غلطی نمبر ۱۰۸ انجیل لوقا باب ۱۴ میں مسیح کا قول
 یوں بیان ہوا ہے :-

”اگر کوئی شخص میرے پاس آئے اور اپنے باپ اور ماں اور بیوی اور بچوں اور
 بھائیوں اور بہنوں بلکہ اپنی جان سے بھی دشمنی نہ کرے تو میرا شاگرد نہیں ہو سکتا“
 یہ ادب بھی عجیب و غریب ہے، جس کی تعلیم دینا کم از کم مسیحؑ کی شان سے بعید ہے، حالانکہ
 مسیحؑ نے خود یہودیوں کو ملامت کرتے ہوئے یوں کہا تھا کہ خدا نے فرمایا ہے تو اپنے
 باپ کی اور ماں کی عزت کرنا، اور جو باپ یا ماں کو بُرا کہے وہ ضرور جان سے مارا جائے،
 اس کی تصریح انجیل مٹی باب ۵ میں موجود ہے، ایسی صورت میں مسیحؑ کس طرح
 ماں باپ کے ساتھ بغض رکھنے کی تعلیم دے سکتے ہیں؟

انجیل یوحنا باب ۱ میں اس طرح ہے کہ :-
 غلطی نمبر ۱۰۹

اور ان میں سے کا تھا نام ایک شخص نے جو اُس سال سردار کاہن

۱۵ سب نسخوں میں باب ہی مذکور ہے، مگر یہ درست نہیں، صحیح باب آیت ۳۰ ہے، کیونکہ یہ جملہ

اسی میں موجود ہے، ۱۲

۱۵ آیت ۲۶

۱۵ سب نسخوں میں باب ہی، مگر یہ بھی درست نہیں، صحیح باب ۱۵ آیت ۴ سے ۱۲ تک

تھا، اُن سے کہا تم کچھ نہیں جانتے، اور نہ سوچتے ہو کہ تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ ایک آدمی اُمت کے واسطے مرے، نہ کہ ساری قوم ہلاک ہو، مگر اس نے یہ اپنی طرف سے نہیں کہا، بلکہ اس سال سردار کاہن ہو کر نبوت کی کہ یسوع اس قوم کے واسطے مرے گا، اور نہ صرف اس قوم کے واسطے بلکہ اس واسطے بھی کہ خدا کے پر اگندہ فسر زندوں کو جمع کر کے ایک کر دے؛ (آیات ۴۹ تا ۵۲)

یہ بھی کتنی اعمتبار سے غلط ہے؛

اول تو اس لئے کہ اس کلام کا مقتضی یہ ہے کہ یہودیوں کے سردار کاہن کے لئے نبی ہونا ضروری ہے جو یقینی طور پر غلط ہے۔

دوم اس لئے کہ اگر اس کا یہ قول بحیثیت نبوت کے ہے تو لازم آتا ہے کہ عیسیٰ کی موت کو فقط یہودیوں کی طرف سے کفارہ شمار کیا جائے نہ کہ ساری عالم کی طرف سے، جو عیسائی نظریات اور دعاوی کے خلاف ہے،

اور یہ بھی لازم آئے گا کہ صاحب انجیل کا یہ قول کہ نہ صرف اس قوم کے واسطے قطعاً نذر اور نبوت کے مخالف ہو،

سوم اس لئے کہ یہ پیغمبر جس کی نبوت صاحب انجیل کے نزدیک مسلم ہے وہی ہے جو اس وقت کا ہوں کا رہیں تھا، جب کہ عیسیٰ کو گرفتار کر کے سولی دی گئی تھی، اور یہی وہ شخص ہے جس نے مسیح کے قتل کئے جانے اور اُن کے جھوٹا ہونے اور

۱۱ غالباً اس لئے کہ خدا کے فرزند کا لفظ انہی کے لئے استعمال ہوتا تھا ۱۲
۱۳ "کفارہ" عیسائیوں کا مشہور عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تکلیفیں اٹھا کر ساری دنیا کے گناہوں کا کفارہ بن گئے ہیں۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو مقدمہ از راقم الحروف ۱۲ تقی

اور کافر ہونے کا فتویٰ دیا تھا، اور اس کی مارپیٹ اور توہین پر خوش ہوا تھا،
چنانچہ انجیل متی باب ۲۶ آیت ۵۷ میں ہے کہ :-

”اور یسوع کے پکڑنے والے اس کو کائنات نام سردار کاہن کے پاس لے گئے
جہاں فقیہ اور بزرگ جمع ہو گئے تھے۔“

پھر آیت ۶۳ میں ہے :-

”مگر یسوع خاموش ہی رہا، سردار کاہن نے اس سے کہا میں تجھے زندہ خدا کی
قسم دیتا ہوں کہ اگر تو خدا کا بیٹا مسیح ہے تو ہم سے کہہ دے، یسوع نے اس سے
کہا تو نے خود کہہ دیا، بلکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ اس کے بعد تم ابن آدم کو قادر
مطلق کے داہنی طرف بیٹھے ہوئے اور آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھو گے،
اس پر سردار کاہن نے یہ کہہ کر اپنے کپڑے پھاڑے کہ اس نے کفر بجا ہے،
اب ہم کو گواہوں کی کیا حاجت رہی؟ دیکھو تم نے ابھی یہ کفر سنا ہی، تمہاری
کیا رائے ہے؟ انھوں نے جواب میں کہا، وہ قتل کے لائق ہے، اس پر انھوں
نے اس کے منہ پر تھوکا، اور اس کے منہ مارے، اور بعض نے طاپخے مار کر کہا
اے مسیح ہیں نبوت سے بتا کہ تجھے کس نے مارا؟ (آیات ۶۳ تا ۶۸)

پھر تجھے انجیلی نے بھی اپنی انجیل کے باب ۱۸ میں یہ اعتراف کیا ہے کہ :-

”اور پہلے اُسے حنا کے پاس لے گئے، کیونکہ وہ اس برس کے سردار کاہن
کائنات کا شہر تھا، یہ وہی کائنات تھا جس نے یہودیوں کو صلاح دی تھی کہ امت
کے واسطے ایک آدمی کا مزا بہتر ہے“

اب ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ قول نبوت کی حیثیت سے تھا، اور اس کے معنی بھی وہی ہیں جو انجیلی نے سمجھے، تو پھر اس نے مسیح کے قتل کا فتویٰ کس طرح دیا؟ اور ان کو جھوٹا اور کافسر کیوں قرار دیا؟ اور ان کی توہین اور مار پیٹ پر کیونکر راضی ہوا؟ کیا کوئی پیغمبر اپنے خدا کے قتل کا فتویٰ دے سکتا ہے؟ اور کیا دعویٰ خدائی میں اس کو جھوٹا قرار دے سکتا ہے؟ اور اس کی تکفیر اور توہین کر سکتا ہے؟ اور اگر نبوت کے وسیع جامع میں یہ تمام گندگیاں سما سکتی ہیں تو ہم ایسی نبوت سے بھی اور ایسے پیغمبر سے بھی بیزار ہیں، اور اس صورت میں عقلی اعتبار سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ نبی تھے مگر وہ چونکہ گمراہی کی سواری پر سوار ہو چکے تھے، (نعوذ باللہ) اس لئے پھر مرتد ہو کر خدائی کے دعویدار بن گئے، اور خدا پر جھوٹی تہمت رکھ دی، غرض مسیح کی عصمت کا دعویٰ کرنا بالخصوص اس مخصوص صورت میں ناقابل سماعت ہے۔

سچی بات تو یہ ہے کہ یوحنا حواری بھی اس قسم کے بیہودہ اقوال سے اسی طرح پاک اور بری ہے جس طرح عیسیٰ علیہ السلام دعویٰ خدائی سے بری اور پاک ہیں اور یہ تمام کجواں تہمتیں پرستوں کی من گھڑت ہے،

بالفرض اگر کاتفا کے قول کو درست بھی مان لیا جائے تب بھی اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مسیح کے شاگردوں اور معتقدوں نے جب اپنا یہ خیال ظاہر کیا کہ عیسیٰ ہی مسیح موعود ہیں، اُدھر عام لوگوں کا خیال مسیح کی نسبت یہ تھا کہ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ یہودیوں کا عظیم اُشان پادشاہ ہو تو خود اس کو ادرا کا بر یہود کو یہ خطرہ معلوم ہوا کہ اس خیال کی اشاعت موجب فساد ہوگی، اور قیصر روم کی

کی غضبناکی کا سبب بن جائے گی، اور نتیجہً ہم لوگ بیٹھے بٹھائے مصیبت میں پھنس جائیں گے، تب اس نے کہا کہ عیسیٰ کے ہلاک کر دیئے جانے میں پوری قوم کی بچت ہو سکتی ہے۔

یہ تھا صحیح مطلب، نہ یہ کہ سارے عالم کے انسان اس اصلی گناہ سے چھوٹ جائیں گے، جس کا مصداق عیسائیوں کے نزدیک آدم کا وہ گناہ ہے جو شجر ممنوعہ کھانے کی وجہ سے ان سے مسیح کی پیدائش سے ہزاروں سال پہلے صادر ہوا تھا، اس لئے کہ یہ محض وہم ہے، جس کے یہودی معتقد نہیں ہیں، غالباً اس انجیل کو بعد میں یہ فرد گزاشت محسوس ہوئی، جس کی بناء پر باب ۱۸ میں بجائے ”نبوت کرنے“ کے ”صلاح دی“ کے الفاظ کو استعمال کیا گیا، کیونکہ کسی بات کی صلاح دینا اور بات ہے اور بحیثیت نبوت کے کلام کرنا دوسری بات ہے۔

غرض تلا فی خوب کی، اگرچہ اپنے ہاتھ سے اپنے پاؤں پر کھڑا سی ماردی، یعنی اپنے قول کے خلاف خود ہی دوسری بات کہہ ڈالی۔

رسالہ عبرانیہ باب میں ہے۔

غلطی نمبر ۱۱۰

چنانچہ جب موسیٰ تمام امت کو شریعت کا ہر ایک حکم سنا چکا

تو بچھڑوں اور بکروں کا خون سے کرپائی اور لال اُون اور زرد فلکے ساتھ اس

کتاب اور تمام امت پر چھڑک دیا، اور کہا کہ یہ اس عہد کا خون ہے جس کا حکم

خدا نے تمھارے لئے دیا ہے، اور اسی طرح اس نے خیمہ اور عبادت کی تمام

چیزوں پر خون چھڑکا۔ (آیت ۱۹ و ۲۰)

اس میں تین لحاظ سے غلطیاں ہیں۔

- ۱۔ اول یہ کہ وہ خون بچڑوں اور بکڑوں کا نہیں تھا، بلکہ فقط بیلوں کا خون تھا،
- ۲۔ دوسرے یہ کہ اُس موقع پر خون کے ساتھ پانی اور سرخ صوف اور زرد ف شامل نہیں تھا، بلکہ خالص خون ہی تھا،
- ۳۔ تیسرے یہ کہ موسیٰ نے خود کتاب پر نہیں چھڑکا اور نہ برتنوں پر، بلکہ نصف خون ستربان گاہ پر اور نصف قوم پر چھڑکا تھا، جس کی تصریح کتاب الخروج کے باب ۲۴ میں موجود ہے، اس کی عبارت یوں ہے:-

اور موسیٰ نے لوگوں کے پاس جا کر خداوند کی سب باتیں اور احکام ان کو بتا دیے اور سب لوگوں نے ہم آواز ہو کر جواب دیا کہ جتنی باتیں خداوند نے فرمائی ہیں ہم ان سب کو مانیں گے، اور موسیٰ نے خداوند کی سب باتیں لکھ لیں، اور صبح کو سویرے اٹھ کر پہاڑ کے نیچے ایک قربان گاہ اور بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کے حساب سے بارہ ستون بنائے، اور اس نے بنی اسرائیل کے جوانوں کو بھیجا، جنہوں نے سوختنی ستر بانیا چڑھائیں، اور بیلوں کو ذبح کر کے ستربان کے ذبیحہ خداوند کے لئے گزارے، اور موسیٰ نے آدھا خون لے کر باسنوں میں رکھا، اور آدھا ستربان گاہ پر چھڑک دیا، پھر اس نے عہد نامہ لیا اور لوگوں کو پڑھ کر سنایا، انہوں نے کہا کہ جو کچھ خداوند نے فرمایا ہے اس سب کو ہم کریں گے اور تابع رہیں گے، تب موسیٰ نے اس خون کو لے کر لوگوں پر چھڑکا اور کہا دیکھو اس عہد کا خون ہے جو خداوند نے ہم سب باتوں کے بارے میں تمہارے ساتھ باندھا ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ رومی کلیسا نے ان ہی خرابیوں کی وجہ سے جو آپ کو بتائی گئی ہیں عوام کو ان کتابوں کے پڑھنے کی مانعت کر دی تھی، اور کہتے تھے کہ وہ مشر جو

اُن کے پڑھنے سے پیدا ہو گا وہ فائدہ سے زیادہ ہو گا، اُن کی رائے اس معاملہ میں بالکل ٹھیک تھی، واقعی ان کتابوں کے عیوب اور خرابیاں اُن کے شائع نہ ہونے کی وجہ سے مخالفین کی نگاہوں سے فائب تھیں، پھر جب فرقہ پرستوں نے خود اُنہوں نے ان کتابوں کا کھوج نکالا، تب یورپی ممالک میں اُس کا جو ردِ عمل ہوا وہ دنیا جانتی ہے، کتابُ الثلاث عشرہ مطبوعہ بیروت ۱۸۴۹ء کے تیرھویں رسالہ کے صفحہ ۴۱۸ و ۴۱۹ پر لکھا ہے کہ :-

”اب ہم کو وہ قانون دیکھنا چاہیے جو ٹریڈ نیٹن کی مجلس سے مرتب ہوا ہے، اور پوپ کے یہاں سے اس پر مہر تصدیق لگی ہے، یہ قانون یہ کہتا ہے کہ تجربات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ جب عوام ان کتابوں میں ایسے الفاظ پڑھیں گے تو اس سے پیدا ہونے والے نقصانات فائدے سے زیادہ ہوں گے، اس بناء پر پادری یا قاضی کو چاہیے کہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق بڑے پادری یا معلم اعتراض کے مشورہ سے ان کتابوں میں اُن الفاظ کے پڑھنے کی ان لوگوں کو اجازت دے جن کی نسبت یہ گمان ہو کہ ان کو نفع پہونچے گا، اور یہ بات نہایت ضروری ہے کہ کتاب کسی کیہتوالی استاد کی نظر سے گزر چکی ہو، اور اس پر اجازت دینے والے کے دستخط ثبت ہوں، اور اگر کوئی شخص بغیر اجازت اس کتاب کے پڑھنے یا لینے کی جسارت کرے تو اس کو معافی دینے میں قطعی چشم پوشی نہ کی جائے، جب تک وہ کتاب حاکم کے پاس نہ لی جاتی جائے“

چوتھی فصل

بائبل کی کتابیں الہامی نہیں ہیں اس کے دلائل

اس فصل میں یہ بتانا ہے کہ اہل کتاب کو یہ دعویٰ کرنے کا حق کسی طرح نہیں پہنچتا کہ عہد عتیق یا عہد جدید کی کتاب کی نسبت یہ کہیں کہ وہ الہامی ہے، اور الہام سے لکھی گئی ہے، اور ان میں درج شدہ تمام واقعات الہامی ہیں، کیونکہ یہ دعویٰ قطعی باطل ہے، اس کے باطل ہونے پر اگرچہ بہت سے دلائل ہیں، مگر ہم اس موقع پر ان میں سے صرف ستر کے بیان پر اکتفا کرتے ہیں۔

معنوی اختلافات کی کثرت، پہلی دلیل:

ان میں کثرت سے معنوی اختلافات موجود ہیں، اور عیسائی محققین و مفسرین ان اختلافات کو دور کرنے سے عاجز ہو چکے ہیں، چنانچہ بعض اختلافات کی نسبت انھوں نے اعتراف کر لیا ہے کہ ان میں سے ایک عبارت صحیح اور دوسری عبارتیں جھوٹی ہیں جن میں یا تو عمداً تحریف کی گئی ہے، یا کاتب کی بھول اس کا سبب ہوئی ہے، اور

بعض اختلافات کی نسبت ایسی بیکار اور رکیک توجہیں کی ہیں جن کو عقل سلیم ماننے کے لئے قطعی تیار نہیں ہے، فصل نمبر ۳ کی قسم اول میں ایک سو سے زیادہ ایسے اختلافات نمایاں ہو چکے ہیں،

اغلاط کی کثرت:

ان میں بے شمار اغلاط موجود ہیں، فصل نمبر ۳ کی قسم ۲ میں ایک سو سے زیادہ اغلاط آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں، حالانکہ الہامی کلام کے لئے غلطیوں سے پاک ہونا، اور معجزی اختلافات سے محفوظ ہونا از بس ضروری ہے۔

تحریفات کی کثرت:

ان میں جانی بوجھی تحریفات بھی موجود ہیں، اور بے سمجھی سے کی جانے والی تحریفات بھی جن کا شمار بھی مشکل ہے، عیسائیوں کی مجال نہیں ہے کہ ان کا انکار کر سکیں، اور یہ ظاہر ہے کہ جو مقامات یقینی طور پر محرف ہیں وہ یقینی طور عیسائیوں کے نزدیک بھی الہامی نہیں ہو سکتے، باب دوم میں ایسے ایک سو مقامات کی آپ کو النشاء اللہ عنقریب نشان دہی کی جائے گی۔

بہت سی کتابوں کیلئے خود عیسائیوں کے اعتراف:

کتاب باروک، کتاب طوبیا، کتاب یہودیت، کتاب دانش، کتاب پین کلیسا، مقاببین کی کتاب نمبر ۲، کتاب استیر کے باب ۱۹ اور باب ۱ کی دس آیات، کتاب دانیال کے باب ۳ کے تین پچوں کا گیت اور اسی کتاب کے باب ۱۳ اور ۱۴ فرقہ کیسٹوک کے نزدیک ہمد عتیق کے اجزاء ہیں، اور فرقہ پروٹسٹنٹ نے شافی بیانات سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ چیزیں

نہ الہامی ہیں اور نہ واجب تسلیم ہیں، اس لئے اُن کو باطل کرنے کی ہم کو چنداں ضرورت نہیں ہے۔ جو صاحب چاہیں اُن کی کتابیں ملاحظہ فرما سکتے ہیں، یہودی بھی ان کتابوں کو الہامی تسلیم نہیں کرتے۔

اسی طرح عزرا کا سفر گریک کے گرجا کے نزدیک عہد عتیق کا جزو ہے، ادھر شرقہ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ نے واضح دلائل سے ثابت کر دیا ہے کہ یہ الہامی نہیں ہے، جو صاحب چاہیں دونوں مشرقوں کی کتابیں ملاحظہ فرما سکتے ہیں، نیز کتاب القضاۃ، ان لوگوں کے قول کے مطابق جو اس کو فیخاس کی تصنیف مانتے ہیں، یا جو لوگ اس کو خرقیا کی تصنیف کہتے ہیں، الہامی نہیں ہے،

اسی طرح کتاب روت، ان لوگوں کے نظریہ کے مطابق جو اس کو خرقیا کی تصنیف سمجھتے ہیں، یا بائبل مطبوعہ ۱۸۱۹ء اشار برگ کے چھاپنے والوں کے قول کے موافق الہامی نہیں، اور کتاب غیا مذہب مختار کے مطابق الہامی نہیں ہے، بالخصوص اس کتاب کے باب کے شروع کی ۲۶ آیات۔

نیز کتاب ایوب بھی رب مانی ویز اور میکائلس وسیلر واسٹیناک و تھوڈرولہ اسی طرح فرقہ پروٹسٹنٹ کے امام اعظم پوتھر کی رائے کے مطابق الہامی نہیں ہے، اور ان لوگوں کے قول کے مطابق بھی جو اس کو الیہو یا الہ کے کسی شخص کی، یا بھول الاسم شخص کی تصنیف کہتے ہیں،

نیز کتاب امثال سلیمان کا باب ۳۱، یہ دونوں الہامی نہیں ہیں، اور الجامعہ علماء تلمودی کے قول کے مطابق الہامی نہیں ہے، اور کتاب نشید الانشاد تھیودور سمن اور لیکرک اور دسٹن وسیلر اور کاسٹلیولیس کے قول کے مطابق الہامی نہیں ہے،

اور کتاب اشعیاء کے متائیں باب فاضل اسٹالین جرمنی کے قول کے مطابق الہامی نہیں ہیں، اور انجیل متی متقدمین اور چھوڑ علماء متاخرین کے قول کے مطابق جو یہ کہتے ہیں کہ اصل میں وہ عبرانی زبان اور عبرانی حروف میں تھی اور اب ناپید ہو چکی ہے، اور جو آجکل موجود ہے وہ اس کا ترجمہ ہے، جو کسی طرح الہامی نہیں ہو سکتا، اور انجیل یوحنا، اسٹائڈلن اور محقق برٹشیندر کے قول کے مطابق الہامی نہیں ہیں اور اس کا آخری باب محقق کروٹس کے قول کے موافق الہامی نہیں ہے،

اسی طرح یوحنا کے تمام رسالے محقق برٹشیندر اور فرسرقہ الوجین کے قول کے مطابق الہامی نہیں ہیں، نیز پطرس کا دوسرا رسالہ اور یہودا کا رسالہ، نیز یعقوب کا رسالہ اور یوحنا کا رسالہ نمبر ۲ و ۳ اور مشاہدات یوحنا اکثر کے نزدیک الہامی نہیں ہیں۔
ہورن کا اعتراف:

ہورن اپنی تفسیر کی حبلہ مطبوعہ ۱۸۲۲ء کے صفحہ ۱۳۱ پر کہتا ہے کہ:۔
”اگر ہم یہ مان لیں کہ پیغمبروں کی بعض کتابیں معدوم ہو چکی ہیں تو کہنا پڑے گا کہ یہ کتابیں الہام سے ابھی ہی نہیں گئی تھیں، آگسٹائن نے قوی دلائل سے یہ بات ثابت کر دی ہے، اور کہا ہے کہ میں نے بہت سی چیزوں کا ذکر مسلاطین یہود اور اسرائیل کی کتابوں میں پایا ہے، مگر ان کی وضاحت ان کتابوں میں نہیں ملی، بلکہ ان کی توضیح کا حوالہ دوسرے پیغمبروں کی کتابوں پر دیا گیا ہے، اور بعض مقامات پر ان پیغمبروں کے نام بھی ذکر کئے گئے ہیں، اور یہ کتابیں اس قانون میں جس کو خدائی کلیسا واجب التسلیم مانتا ہے موجود نہیں ہیں، اور وہ اس کا سبب بھی بیان نہیں کر سکا، ماسوائے اس کے کہ جن

پیغمبروں کو روح القدس کی جانب سے مذہب کی بڑی بڑی باتوں کا الہام ہوتا ہے ان کی تحریر دو قسم کی ہے، ایک قسم تو دیندار مورخین کے طریقہ کے مطابق یعنی بغیر الہام کے، اور دوسری قسم الہام والی، اور دونوں قسموں میں یہ مشرق ہے کہ پہلی قسم ان کی طرف منسوب ہو اور دوسری خدا کی جانب، پہلی کا مقصد ہماری معلومات اور علم میں اضافہ ہے، اور دوسری کا مقصد ملت شریعت کی سند ہے۔“

پھر صفحہ ۱۳۳ جلد اول میں اُس خدا کے حروف کے معدوم ہو جانے کی وجہ بیان کرتے ہوئے جس کا ذکر کتاب گنتی کے باب ۱۲ آیت ۱۴ میں ہے کہتا ہے کہ ۱۔
”یہ کتاب جو معدوم ہو گئی ہے محقق اعظم ڈاکٹر لائٹ فٹ کی تحقیق کی بنا پر گمان یہ ہے کہ وہ کتاب تھی جس کو موسیٰ نے خدا کے حکم سے عمالقہ کی شکست کے بعد یوشع کی نصیحت کے لئے لکھا تھا، پس معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب اس فتح کے حالات اور آئندہ لڑائیوں کی تدابیر کے بیان پر مشتمل تھی، جو نہ تو الہامی تھی، اور نہ وہ قانونی کتابوں کا جز تھی۔“
پھر جلد اول کے ضمیمہ میں کہتا ہے کہ :-

”جب یہ کہا جاتا ہے کہ کتب مقدسہ خدا کی طرف سے وحی کی گئی ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ہر لفظ اور پوری عبارت الہام الہی ہے، بلکہ مصنفین کے محاورات کے اختلاف اور ان بیانات کے اختلاف سے پتہ چلتا ہے کہ ان کچھ

۱۔ کتاب گنتی میں خداوند کے ایک جنگ نامہ کا حوالہ دے کر ایک بات کہی گئی ہو، اس جنگ نامہ کے چند الفاظ تو اس میں مذکور ہیں، باقی حصہ معدوم ہو چکا ہے ۱۲

جس نے حواریوں کے علاوہ پرشورت بھی ہے

ڈاکٹر جوزف باربر لائٹ فٹ Joseph Barber Lightfoot (پ ۱۸۲۶ء م ۱۸۸۹ء) مشہور انگریز عالم اور

اس بات کی اجازت دی گئی تھی کہ اپنی طبیعت اور عادت کے مطابق، اور اپنی اپنی سمجھ کے موافق نکھیں اور علم الہام اسی طرح استعمال کیا گیا، جس طرح رسمی علوم استعمال کئے جاتے ہیں، یہ خیال نہیں کیا جاسکتا کہ ہر وہ بات جو انہوں نے بیان کی ہے، وہ الہام کی جاتی تھی، یا ہر وہ حکم جو بیان کرتے ہیں وہ الہام کردہ ہے۔ پھر کہتا ہے کہ:-

”یہ بات محقق ہے کہ عہد عتیق کی تواریخ کے مصنفوں کو بعض اوقات الہام ہوا کرتا تھا۔
الگزیدر کا اعتراف:

ہنری، واسکاٹ کی تفسیر کے جامعین تفسیر کی آخری جلد میں الگزیدر کہیں یعنی الگزیدر کے اصول ایمانیہ سے نقل کرتے ہیں کہ:-

”ضروری نہیں ہے کہ ہر وہ بات نبی نے کہی ہو وہ الہامی یا قانونی ہو اور سلیمان کی بعض کتابوں کے الہامی ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس نے جو کچھ لکھا ہے وہ سب الہامی ہے، اور یہ بات یاد رکھنا چاہئے کہ انبیا اور حواریوں کو خاص خاص مطالب کا الہام ہوتا تھا۔“

اور الگزیدر علامہ پر وٹسٹنٹ کے نزدیک بڑی معتبر کتاب ہے، اور اسی لئے فاضل وارن پر وٹسٹنٹ نے کار کرن کیتھولک کے مقابلہ میں انجیل کی صحت و عدم صحت کی نسبت اس سے استدلال کیا ہے، اس تفسیر کا عیسائیوں کے نزدیک معتبر ہونا محتاج بیان نہیں ہے،

انسائیکلو پیڈیا کا اعتراف:

کتاب انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا انگلستان کے بہت سے علماء کی متفقہ تالیف اور

ان کی پسندیدہ ہی، یہ لوگ جلد ۱۱، صفحہ ۲۷۴ میں الہام کی بحث میں کہتے ہیں:-
 ”اس سلسلہ میں جھگڑا چلا جاتا ہے کہ ہر بات جو کتب مقدسہ میں درج ہے
 وہ الہامی ہے یا نہیں؟ اسی طرح وہ تمام حالات و واقعات جو ان میں بیان
 کئے گئے ہیں جیروم، کرڈیس، پرد کوہین اور بہت سے دوسرے علماء کہتے
 ہیں کہ ان کا ہر قول الہامی نہیں ہے۔“

پھر صفحہ ۲ جلد ۱۹ کتاب مذکور میں یوں کہتے ہیں:-

”جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہر وہ بات جو اس میں درج ہے وہ الہامی ہو،
 اپنے دعویٰ کو آسانی سے ثابت نہیں کر سکتے۔“

پھر کہتے ہیں کہ:-

اگر کوئی شخص ہم سے تحقیق کی غرض سے سوال کرے کہ آپ عہد جدید کے
 کس جسز کو الہامی تسلیم کرتے ہیں؟ تو ہمارا جواب یہ ہے کہ مسائل اور احکام
 اور پیش آنے والے واقعات کی نسبت پیشنگوئیاں جو مسیحی مذہب کی بنیاد ہیں
 وہ غیر الہامی نہیں ہو سکتیں، رہے دوسرے حالات تو حواریوں کی یادداشت
 ان کے بیان کے لئے کافی ہے۔“

رہیں کی تحقیق:

رہیں نے بہت سے محقق علماء کی اعانت سے ایک کتاب لکھی ہے جو انسائیکلو پیڈیا

رہیں کے نام سے مشہور ہے، اس کتاب کی جلد ۱۹ میں یہ لکھا ہے کہ لوگوں نے کتب مقدسہ
 کے الہامی ہونے میں کلام کیا ہے، اور کہا کہ چونکہ ان کتابوں کے مؤلفین کے اقوال
 و افعال میں غلطیاں اور اختلافات پائے جاتے ہیں، مثلاً جب انجیل متی کے باب ۱۰ کی

”۱۲ مقالہ انجیل متی کے باب ۱۰ کی

۱۵ بڑائی کا کے موجودہ ایڈیشن میں ہیں یہ جملہ نہیں ملا، تاہم ان کتب کے لفظ بلفظ الہامی نہ ہونے کا اعتراض موجودہ ایڈیشن

آیت ۱۹ و ۲۰ اور انجیل مرقس کے باب ۱۳ آیت ۱۱ کا مقابلہ کتاب الاعمال کے باب ۲ کی ابتدائی ۶ آیات سے کیا جائے تو یہ اختلاف بہت نمایاں نظر آتا ہے، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حواری خود بھی ایک دوسرے کی وحی نہیں مانتے تھے جیسا کہ یروشلیم کی مجلس میں ان کے مباحثے اور پولس کے پطرس کو الزام دینے سے یہ چیز واضح ہوتی ہے،

نیز یہ بھی کہا جاتا ہے کہ متقدمین عیسائی اُن کو غلطی سے پاک نہیں مانتے تھے، کیونکہ بعض اوقات انھوں نے ان کے افعال پر چوٹ کی ہے، دیکھئے کتاب الاعمال باب ۱۱ آیت ۲ و ۳، اور باب ۲۱ آیات ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴،

یہ بھی کہا گیا ہے کہ مقدس پولس اپنے کو حواریوں سے کم نہیں سمجھتا تھا۔ (دیکھئے ۲ کرنتھیوں باب ۱۱ آیت ۵ و باب ۱۲ آیت ۱۱) اور اس نے اس طور پر اپنا حال بیان کیا جس سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنے کو ہر وقت الہامی خیال نہیں کرتا دیکھئے ۲ کرنتھیوں کے نام پہلا خط باب ۱ آیات ۱۰، ۱۲، ۱۵، ۲۰ اور انہی کے نام دوسرا خط باب ۱۱ آیت ۱۷)

ہم کو یہ محسوس نہیں ہوتا کہ حواری جب بھی بات شروع کرتے ہوں تو اس سے

۱۷ یہ اختلاف تفصیل کے ساتھ ص ۵۲۵ و ۵۲۶ جلد ۱ پر ملاحظہ کیا جاسکتا ہے ۱۲

۱۸ جب پطرس یروشلیم میں آیا تو مختون اس سے یہ بحث کرنے لگے کہ تو نامختونوں کے پاس گیا، اور اس کے ساتھ کھانا کھایا (اعمال ۱۱: ۳۲)

۱۹ میں تو اپنے آپ کو ان افضل رسولوں سے کچھ کم نہیں سمجھتا (۲ کرنتھیوں ۱۱: ۵)

۲۰ ان عبارتوں میں سے ایک درج ذیل ہے: "مگر جن کا بیاہ ہو گیا ہے ان کو میں نہیں، بلکہ خداوند حکم دیتا ہے کہ بیوی اپنے شوہر سے جدا نہ ہو" (اکبر، ۱۰: ۷)

یہ ظاہر ہوتا ہو کہ وہ خدا کی جانب سے بول رہے ہیں۔“

پھر کہا ہے کہ:-

”میکائلس نے فریقین کے دلائل کا خوب سوچ کر وزن کیا، جو اس عظیم الشان مسئلہ کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے، اور فیصلہ کیا کہ الہام رسالوں میں یقیناً مفید ہے، اور اناجیل و اعمال جیسی تاریخی کتابوں میں اگر ہم الہام سے قطع نظر بھی کر لیں تب بھی ہم کو کچھ نقصان نہیں، بلکہ کچھ نہ کچھ فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اور اگر ہم یہ مان لیں کہ حواریوں کی شہادت تاریخی واقعات کے بیان میں دوسرے مورخین جیسی ہے، جیسا کہ مسیح نے بھی فرمایا کہ ”اور تم بھی گواہ ہو کیونکہ شروع سے میرے ساتھ ہو“ جس کی تصریح یوحنا نے بھی اپنی انجیل کے باب ۱ آیت ۱ میں کی ہے، تب بھی ہم کو کچھ زیادہ مضرت نہیں پہونچتی، اور کسی شخص کی یہ مجال نہیں ہے کہ وہ ملت عیسوی کے منکر کے مقابلہ میں اس کی حق نیت ثابت کرنے کے لئے کئی ایک مسئلے کے مان لئے جانے سے استدلال کرے۔ بلکہ یہ بات نہایت ضروری ہے کہ وہ مسیح کے مرنے اور زندہ ہونے اور دوسرے معجزات پر انجیل والوں کی تحریر سے یہ مانتے ہوئے استدلال کرے کہ وہ مؤرخ ہیں، اور جو شخص اپنی ایمانی بنیادوں کو جانچنا پر کھنا چاہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اُن واقعات میں ان کی شہادت کو دوسرے اشخاص کی شہادت کی مانند تصور کرے، اس نکتہ اناجیل میں درج شدہ

واقعات کی سچائی ثابت کرنا ان کے الہامی ہونے کی بناء پر ”دور“ کو مستلزم ہی
 کیونکہ ان کا الہامی ہونا ان ہی واقعات کے لحاظ سے ممکن ہے، لہذا ضروری ہے
 کہ ان واقعات میں اُن کی شہادت کو دوسرے اشخاص کی شہادت کی طرح تصور
 کریں، اور اگر ہم تاریخی واقعات کے بیان کرنے میں اس معیار کو پیش نظر رکھیں
 تو ملت عیسوی میں کسی قباحت کا کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا، اور ہم کو کسی جگہ بھی
 صاف طور پر یہ لکھا ہوا نہیں ملتا کہ وہ عام حالات جو حواریوں کے تجربوں میں
 میں آتے ہیں، اور جن کا ادراک لوقا نے اپنی تحقیقات سے کیا ہے، وہ الہامی
 ہیں، بلکہ اگر ہم کو یہ بات سمجھنے کی اجازت مل جائے کہ بعض انجیل والوں نے کچھ غلطی بھی کی
 ہے پھر اس کے بعد اصلاح یوحنا نے کر دی تو بھی انجیل کو تطبیق دینے کا عظیم
 فائدہ مرتب ہو گا، مسٹر کڈل نے بھی اپنے رسالہ کی فصل ۲ میں میکائلس کی تپید
 کی ہے ”رہیں وہ کتابیں جن کو حواریوں کے شاگردوں نے لکھا ہے، جیسا کہ
 مرقس اور لوقا کی انجیل یا کتاب الاعمال، سو میکائلس نے ان کے الہامی ہونے
 یا نہ ہونے کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا،

وائسن کا اعتراف:

وائسن نے اپنی کتاب رسالۃ الالہام کی جلد ۴ میں جو کہ ڈاکٹر بینسن کی تفسیر سے

لے دو در علم منطق کی ایک اصطلاح ہے، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک چیز کا ثابت ہونا دوسری چیز پر
 موقوف ہو اور اس دوسری شے پر پہلی چیز پر، یہ صورت تمام متقدمین فلاسفہ کے نزدیک باطل اور محال
 ہے، ریس کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر انجیل کا الہامی ہونا اس کے واقعات کی سچائی سے ثابت کیا جائے
 اور اس کے واقعات کی سچائی اس کے الہامی ہونے سے تو ”دور“ لازم آجائے گا جو محال ہے، اس لئے
 ضروری ہے کہ اناجیل کے واقعات کو عام مورخین کے واقعات کی سطح پر رکھا جائے، ۲۱ تقی

ماخوذ ہے تصریح کی ہے، کہ لوقا کی تحریر کا الہامی نہ ہونا اس مضمون سے خود ظاہر ہو رہا ہے جو اس نے اپنی انجیل کے دیباچہ میں لکھا ہے، یعنی یہ کہ:-

چونکہ بہتوں نے اس پر مکر باندھ دیا ہے کہ جو باتیں ہمارے درمیان واقع ہوئیں ان کو ترتیب وار بیان کریں، جیسا کہ انھوں نے جو شروع سے خود دیکھنے والے اور کلام کے خادم تھے ان کو ہم تک پہنچایا، اس لئے اے محرز تصفیٰ میں نے بھی مناسب جانا کہ سب باتوں کا سلسلہ شروع سے ٹھیک ٹھیک دریافت کر کے ان کو تیرے لئے ترتیب سے لکھوں، تاکہ جن باتوں کی تو نے تعلیم پائی ہے اُن کی پختگی تجھے معلوم ہو جائے۔

والس کہتا ہے:-

”مذہب عیسوی کے متقدمین علماء نے بھی ایسا ہی لکھا ہے، آریوس کہتا ہے کہ وہ باتیں جو لوقا نے حواریوں سے سیکھیں تھیں ہم تک پہنچائیں، جیروم کہتا ہے کہ لوقا کی تعلیم کا انحصار پولس ہی پر نہیں ہے، بس کو مسیح کی جسمانی صحبت میسر نہیں ہوئی، بلکہ اس نے انجیل کی تعلیم پولس کے علاوہ دوسرے حواریوں سے بھی حاصل کی تھی۔“

پھر اس رسالہ میں تصریح کرتا ہے کہ:-

”حواری جب دین کے کسی معاملہ میں بات کرتے تھے یا لکھتے تھے تو اُن کے پاس جو الہام کا خزانہ تھا وہ ان کی حفاظت کرتا تھا، مگر بہر حال وہ انسان تھے اور عقل والا اور صاحب الہام بھی، اور جس طرح دوسرے لوگ واقعات کے بیان کرنے میں بغیر الہام کے بات کرتے اور لکھتے ہیں یہی حال حواریوں کا بھی۔۔۔“

عام واقعات بیان کرنے میں ہے، اس لئے پولس کے لئے یہ بات ممکن ہوئی کہ وہ تیمتیس کو بغیر الہام کو یہ لکھے کہ اپنے معدہ اور اکثر کمزور رہنے کی وجہ سے ذرا سی بھی کام میں لایا کرے۔ چنانچہ اس کی تصریح تیمتیس کے نام پہلے خط باب آیت ۲۳ میں موجود ہے، یا اس کو یہ لکھ سکے کہ:

..... جو چوغہ میں تر و آس میں کرپس کے ہاں چھوڑ آیا ہوں جب تو آئے تو وہ اور کتابیں خاص کر رُق کے طومار لیتے آنا جیسا کہ اس کے نام دوسرے قطعہ کے باب ۲ آیت ۱۳ میں ہے، یا فلیون کو یہ لکھ سکے کہ:

..... اس کے سوا میرے لئے ٹھہرنے کی جگہ تیار کر۔ (فلیون آیت ۲۳) یا تیمتیس کو لکھے کہ: "ارستس کرتھس میں رہا اور ترفس کو میں نے بیتس میں بیاڑ چھوڑا" (۲ تیمتیس ۲) ظاہر ہے کہ یہ حالات میرے اپنے حالات نہیں بلکہ مقدس پولس کے حالات ہیں، جس نے کرتھیون کے نام پہلے خط کے باب آیت ۱۰ میں لکھا ہے کہ: "مگر جن کا بیاہ ہو گیا ہے ان کو میں نہیں، بلکہ خداوند حکم دیتا ہے کہ بیوی اپنے شوہر سے جدا نہ ہو" پھر آیت ۱۲ میں ہے کہ "باقیوں سے میں ہی کہتا ہوں، نہ خداوند" اور آیت ۲۵ میں ہے: "کنواریوں کے حق میں میری پاس خداوند کا کوئی حکم نہیں، لیکن دیانتدار ہونے کے لئے، جیسا خداوند کی طرف سے مجھ پر رحم ہوا اس کے موافق راستے دیتا ہوں الخ" اور کتاب اعمال باب آیت ۱۶ میں ہے کہ "اور وہ فردگیہ اور گلتیہ کے علاقہ میں سے گزریے، کیونکہ روح القدس

لے تر و آس سمرنہ سے شمال میں آستہ کی ایک بند گاہ تھی، کرپس ایک شخص کا نام ہے، اور رُق "بکری کی جھلی" کو کہتے ہیں جو پرانے زمانہ میں کاغذ کے طور پر استعمال کی جاتی تھی ۱۲ تقی

نے انھیں آسیہ میں کلام سنانے سے منع کیا، اور انھوں نے موسیٰ کے قریب پہنچ کر بتوئیہ میں جانے کی کوشش کی، مگر یسوع کی روح نے انھیں جانے نہ دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حواریوں کے کاموں کی بنیاد دو چیزوں پر قائم تھی: ایک عقل دوسرے الہام، پہلی حیثیت سے وہ عام معمولی واقعات میں گفتگو کرتے تھے، اور دوسری حیثیت سے ملت عیسوی کے باب میں کلام کرتے تھے، اسی لئے حواری اپنے گھریلو معاملات اور اپنے ارادوں میں دوسرے عام انسانوں کی طرح غلطیاں بھی کر جاتے ہیں، جس کی تصریح کتاب الاعمال باب ۲۳ آیت ۳ میں اور رومیوں کے نام باب آیت ۲۲ و ۲۸ نیز کرنتھیوں کے نام پہلے خط کے باب آیت ۵ و ۶ و ۸ میں اور دوسرے خط کے باب آیت ۵ و ۶ و ۷ و ۸ میں موجود ہیں،

انسائیکلو پیڈیا ریس کی جلد ۱۹ میں ڈاکٹر بنسن کے حالات میں یوں لکھا ہے کہ اس نے الہام کے سلسلہ میں جو کچھ کہا ہے وہ بادی النظر میں آسان اور قرین قیاس اور امتحان میں لا جواب اور بے مثل ہے۔

پاسور لیا فان کا اعتراف:

پاسور لیا فان کہتا ہے کہ:-

”روح القدس نے جن کی تعلیم اور اعانت سے انجیل والوں اور حواریوں نے لکھا ہے، اُن کے لئے کوئی خاص زبان معین نہیں کی تھی، بلکہ ان کے دلوں میں صرف مضامین کا القاء کیا، اور غلطیوں میں پڑنے سے اُن کی حفاظت کی اُن کو یہ بھی اختیار دیا کہ القاء شدہ کلام کو اپنے اپنے محاورہ اور عبارت

کے مطابق ادا کریں، اور ہم جس طرح اُن مقدسین یعنی عہد عتیق کے مؤلفوں کی کتابوں میں اُن کے محاورات میں منسرق اور تفاوت پاتے ہیں جس کا مدار مزاجوں اور لیاقتوں کے اختلاف پر ہے، اسی طرح جو شخص اصل زبان کا ماہر ہوگا وہ متقی اور لوقا اور پولس اور یوحنا کے محاورات میں منسرق محسوس کر لے گا،

ہاں اگر روح القدس حواریوں کے دلوں میں الفاظ بھی القاء کرتا، تو یہ بات یقیناً پیش نہ آتی، بلکہ اس صورت میں تمام کتب مقدسہ کا محاورہ یکساں ہوتا، اس کے علاوہ بعض حالات اس قسم کے بھی ہوتے ہیں کہ جن کے لئے الہام کی ضرورت نہیں ہوتی مثلاً جب وہ کوئی ایسا واقعہ لکھتے ہیں جس کو خود انھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا یا معتبر شاہدوں سے سنا ہو لوقا نے جب اپنی انجیل لکھنے کا قصد کیا تو لکھا کہ میں نے اشیاء کا حال ان لوگوں کے بیان کے مطابق لکھا ہے، جنھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، اور چونکہ وہ واقف تھا، اس لئے اس نے مناسب خیال کیا کہ ان چیزوں کو آئندہ نسلیں تک پہنچائے، اور وہ مصنف جس کو ان واقعات کی اطلاع روح القدس سے حاصل ہو عادتاً یوں کہتا ہے کہ میں نے ان واقعات کو اسی طرح بیان کیا ہے جس طرح مجھ کو روح القدس نے تعلیم دی ہے، اور پولس کا ایمان اگرچہ عجیب قسم کا ہے اور من جانب اللہ ہے، مگر لوقا کو اس کے باوجود اپنے بیان میں پولس کی شہادت یا اپنے ساتھیوں کی شہادت کے سوا اور کسی کی ضرورت نہیں ہے، اسی لئے اس میں کچھ نہ کچھ تفاوت ہے، مگر تناقض نہیں ہے۔

یہ عیسائی علماء میں سے دو عظیم الشان عالم ہیں، اور دونوں کی کتابیں بھی عیسائی دنیا میں بہت ہی معتبر ہیں، جس کی تصریح ہوورن اور وائٹسن نے کی ہے،

توراة کے بارہ میں عیسائیوں کا اعتراف؛

ہورن نے جلد دوم ص ۷۹۸ میں صاف طور پر یوں کہا ہے:-

”اکہارن ان جبرمنی علماء میں سے ہے جن کو موسیٰ علیہ السلام کے الہام کا

اعتراف نہیں ہے“

پھر صفحہ ۸۱۸ میں کہتا ہے کہ:-

”شلز، داتھ اور روزن ملروڈ اکثر جبرمن کہتے ہیں کہ موسیٰ کو کوئی الہام نہیں

ہوتا تھا، بلکہ کتب خمسہ سب کی سب اس زمانہ کی مشہور روایات کا مجموعہ ہیں

آجکل جبرمنی علماء میں یہ خیال بڑی تیزی سے پھیل رہا ہے“

نیز وہ کہتا ہے کہ:-

”یوسی بیس اور بعض بڑے بڑے محققین جو اس کے بعد ہوئے ہیں کہتے ہیں کہ

موسیٰ علیہ السلام نے کتاب پیدائش اس زمانہ میں لکھی جب کہ وہ مدین میں

اپنے خسر کی بکریاں چرایا کرتے تھے“

ہماری گزارش یہ ہے کہ جب موسیٰ نے کتاب پیدائش نبوت سے پہلے لکھ ڈالی تھی تو

یہ کتاب بھی اُن محقق علماء کے نزدیک الہامی نہیں ہو سکتی، بلکہ مشہور روایات ہی کے

سلسلہ کی ایک کڑی ہوگی، کیونکہ جب نبی کی ہر تحریر نبوت کے بعد الہامی نہیں ہوتی

جیسا کہ محقق ہورن وغیرہ کا اعتراف ہے تو پھر یہ تحریر جو نبوت سے پہلے کی ہو الہامی

کیونکر ہو سکتی ہو، وارڈ کی تھولک اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۴۱ء کے صفحہ ۳۸ پر کہتا ہے کہ:-

”لو تھرنے اپنی کتاب کی جلد ۳ کے صفحہ ۴۰ و ۴۱ میں کہتا ہے کہ نہ ہم موسیٰ کی بات سنتے ہیں نہ اس کی طرف نگاہ کرتے ہیں، کیونکہ وہ صرف یہودیوں کے لئے تھا ہم سے کسی معاملہ میں اس کا کوئی تعلق نہیں ہے،

ایک دوسری کتاب میں کہتا ہے کہ نہ ہم موسیٰ کو مانتے ہیں نہ تورات کو، کیونکہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کا دشمن ہے، پھر کہتا ہے کہ وہ جلا دوں کا استاد ہے، پھر کہتا ہے کہ احکام عشرہ کا کوئی تعلق عیسائیوں سے نہیں ہے، پھر کہتا ہے ہم ان احکام عشرہ کو خارج کر دیں گے تاکہ پھر ہر بدعت مٹ جائے، کیونکہ یہ ہی تمام بدعات کی جڑ ہیں،

اس کا شاگرد اسلی، بیس کہتا ہے کہ ان احکام عشرہ کو گرجوں میں کوئی نہیں جانتا، سرقة انٹی نو مینس اسی شخص سے جاری ہوا ہے، جس کا عقیدہ یہ تھا کہ تورات اس لائق نہیں ہے کہ اس کے متعلق یہ عقیدہ بنایا جائے کہ وہ خدا کا کلام ہے، وہ لوگ اس کے بھی قابل تھے کہ اگر کوئی شخص زانی یا بدکار ہو، یا دوسرے گناہوں کا مرتکب ہو تو وہ یقینی طور پر نجات کا مستحق ہے، خواہ وہ گناہوں میں کتنا ہی ڈوبا ہوا ہو، بلکہ اس کی ہتھ میں ہو، بشرطیکہ مومن ہو تو وہ راحت اور خوشی میں ہوگا، اور جو لوگ ان احکام عشرہ کی جانب اپنے کو متوجہ کرتے ہیں ان کا تعلق شیطان سے ہے، ان لوگوں نے ہی عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی دی تھی۔“

ملاحظہ کیجئے سرقة پروٹسٹنٹ کے امام اور اس کے شاگرد رشید کے اقوال کہ ان دونوں نے موسیٰ علیہ السلام اور تورات کی شان میں کیسے کیسے موتی بھیر دی ہیں

سوال یہ ہے کہ جب موسیٰؑ، عیسیٰؑ کے دشمن اور جلاؤں کے استاد اور صرف یہودیوں کے لئے تھے، اور نہ توریت خدائی کتاب ہی، اور نہ عیسائیوں کا کوئی تعلق موسیٰؑ اور توریت اور نہ احکام عشرت ہے، اور یہ احکام قابل اخراج بھی ہیں اور بدعات کا سرچشمہ بھی، اور جو لوگ اُن سے تعلق رکھتے ہیں، ان کا تعلق شیطان سے ہے، تو ضروری ہوا کہ اس امام کی پیروی کرنے والے توریت اور موسیٰؑ کے بھی شکر ہوں، اور شرک و بت پرستی، والدین کی بے حرمتی، پڑوسیوں کو ایذا رسانی، چوری، زنا، قتل، جھوٹی شہادت، یہ تمام چیزیں مذہب پرڈسٹنٹ کے ضروری اجزاء اور لازمی ارکان ہوں، کیونکہ یہ سب باتیں احکام عشرہ کے خلاف ہی ہیں، جو تمام بدعات کا سرچشمہ ہیں،

اس منرقہ کے بعض لوگوں نے ہم سے یہ بھی کہا کہ ہمارے نزدیک موسیٰؑ نبی نہیں ہیں، بلکہ ایک دانشمند اور قوانین کو مدون کرنے والے شخص تھے، بعض دوسرے اشخاص نے یہ بھی کہا کہ موسیٰؑ ہمارے خیال میں ایک چور اور لٹیڑے تھے۔ ہم نے کہا خدا سے ڈرو، کہنے لگا، کیوں؟ اس لئے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے خود فرمایا ہے کہ:- ”جتنے مجھ سے پہلے آئے سب چور اور ڈاکو ہیں مگر بھڑوں نے اُن کی نہ سنی“ جس کی تصریح انجیل یوحنا کے باب آیت ۸ میں موجود ہے، گویا اس کلام سے کہ ”جتنے مجھ سے پہلے آئے“ موسیٰؑ اور دوسرے اسرائیلی پیغمبروں کی جانب اشارہ ہے،

ہمارا خیال یہ ہے کہ غالباً منرقہ پرڈسٹنٹ کے امام اور اس کے شاگرد رشید نے

موسیٰؑ اور توریت کی مذمت میں حضرت عیسیٰؑ کے اسی قول سے استدلال کیا ہو گا۔

یعقوب کے خط اور مشاہدات یوحنا کے بارہ عیسائی علماء کا اعتراف

فرقہ پر وٹسٹنٹ کا امام لو تھو یعقوب کے رسالہ کی نسبت کہتا ہے۔

”یہ ایسا کلام ہے جو شمار کئے جانے کے لائق نہیں ہے، چنانچہ یعقوب حواری

نے اپنے رسالہ کے باٹ میں حکم دیا ہے کہ اگر تم میں کوئی بیمار ہو تو کلیسا کے

بزرگوں کو وہ بلائی، اور خداوند کے نام سے اس کو تیل مل کر اس کے لئے دعا کریں“

امام مذکور نے اپنی کتاب کی حبلہ میں اس پر اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے کہ:-

”اگر یہ شرط یعقوب کی ہے تو پھر میرا جواب یہ ہے کہ کسی حواری کو یہ حق نہیں

پہنچتا کہ وہ اپنی طرف سے کسی شرعی حکم کو معین کرے، کیونکہ یہ منصب صرف

عیسیٰ علیہ السلام کو حاصل تھا“

لہذا امام مذکور کے نزدیک یعقوب کا رسالہ الہامی نہیں ہے، اسی طرح حواریوں کے

احکام بھی الہامی نہیں ہیں، ورنہ پھر اس کہنے کا کوئی مطلب نہیں نکلتا، کہ یہ منصب

صرف عیسیٰ علیہ السلام کو حاصل تھا،

دارڈ کیتھولک اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۴۱ء کے صفحہ ۳ میں کہتا ہے کہ:-

”یوہن جو فرقہ پر وٹسٹنٹ کا ایک زیر دست عالم ہے اور جناب لو تھو

کا شاگرد بھی ہے یوں کہتا ہے کہ یعقوب اپنے رسالہ کو ذابیات باتوں میں

ختم کرتا ہے، اور کتابوں سے لیے واقعات نقل کرتا ہے جس میں روح القدس

کو کوئی دخل نہیں، اس لئے ایسی کتاب الہامی شمار نہیں کی جاسکتی،

وانی تس تحقیق و درش پر وٹسٹنٹ کے جو نرم برگ میں واعظ تھا کہ ہم نے

جان کر مشاہدات یوحنا چھوڑ دیا ہے، اسی طرح یعقوب کے رسالہ کو اور رسالہ
 یعقوب ان بعض مقامات پر قابل ملامت نہیں ہے جو ایمان کے ساتھ اعمال
 کی ترقی کا ذریعہ ہیں، بلکہ اس میں مسائل اور مطالب متضاد واقع ہیں، سکیڈی
 برجن سلتیورٹس کہتا ہے کہ یعقوب کا رسالہ ایک جگہ حواریوں کے مسائل سے
 منفرد ہے، وہ کہتا ہے کہ نجات صرف ایمان پر موقوف نہیں ہے، بلکہ اعمال پر بھی
 موقوف ہے، اور ایک جگہ کہتا ہے کہ توریت آزادی کا قانون ہے۔“

ان بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ بڑے بڑے لوگ بھی یعقوب کے رسالہ کا الہامی
 ہونا تسلیم نہیں کرتے جس طرح اُن کا امام نہیں مانتا،

کلی می شیس کا اعتراف:

کلی می شیس کہتا ہے کہ:-

”متی اور مرقس تحریر میں ایک دوسرے کے مخالف ہیں، مگر جب دونوں
 کسی بات پر متفق ہو جائیں تو ان دونوں کی بات کو لوقا کی بات پر ترجیح
 حاصل ہوتی ہے۔“

ہم کہتے ہیں کہ اس سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں، اول تو یہ کہ متی اور مرقس کی بعض
 تحریروں میں معنوی اختلاف موجود ہے، اور دونوں کے متفق ہونے پر ان کی بات
 لوقا کی بات پر راجح ہوگی، کیونکہ لفظی اتفاق تو کسی بھی واقعہ میں موجود نہیں ہے،
 یہ تینوں انجیلیں الہامی نہیں ہیں، ورنہ پہلی دو کی ترجیح کی کوئی وجہ تیسری کے
 اوپر نہیں ہو سکتی، محقق پینی نے ایک کتاب اسناد میں تصنیف کی ہے، یہ شخص فرقہ
 پروٹسٹنٹ کے معتبر علماء میں شمار کیا جاتا ہے، یہ کتاب سنہ ۱۸۵۷ء میں طبع ہو چکی ہے،

اس کے صفحہ ۳۲۳ پر یوں کہتا ہے کہ :-

”دوسری غلط بات جو متقدمین عیسائیوں کی جانب منسوب کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ وہ لوگ قرب قیامت کے مستعد تھے، حالانکہ میں اعتراض سے قبل ایک ایک دوسری نظیر پیش کرتا ہوں، وہ یہ کہ ہمارے خدا نے یوحنا کے حق میں پطرس سے یہ کہا کہ ”اگر میں چاہوں کہ یہ میرے آنے تک ٹھہرا رہے تو تجھ کو کیا؟“ اس قول سے مقصد کے خلاف یہ معنی سمجھ لئے گئے کہ یوحنا نہیں مرے گا، پھر یہ خبر عوام میں پھیل گئی، غور کیجئے، اگر یہ بات راستے عامہ بننے کے بعد ہم تک پہنچے اور وہ سبب معلوم نہ ہو سکے، جس سے یہ خطرناک غلطی پیدا ہوئی ہے، اور آج کوئی شخص ملت عیسوی کی تردید کے لئے اس غلط بات سے استدلال کرے، تو یہ امر اس چیز کے پیش نظر جو ہم تک پہنچی ہے بڑا ہی ظلم ہوگا، اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ انجیل سے یہ بات یقینی معلوم ہوتی ہے کہ حواری اور متقدمین مسیحی حضرات اپنے زمانہ میں قیامت دافع ہونے کی توقع رکھتے تھے ایسے لوگوں کو ہمارے اس بیان کو پیش نظر رکھنا چاہئے جو ہم نے اس پرانی اور ناپائدار غلطی کی نسبت دیا ہے، اس غلطی نے اُن کو فریب دی ہے تو بچالیا مگر اب ایک دوسرا سوال پیدا ہوتا ہے، وہ یہ کہ ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ حواریوں کی رائے میں بھول کا امکان ہے، تو پھر ان کی کسی بات پر کیسے اعتماد کیا جاسکتا ہے؟

۱۔ دیکھتے یوحنا، ۲۱: ۲۲،

۲۔ ”لیکن یسوع نے اس سے یہ نہیں کہا تھا کہ یہ نہ مرے گا، بلکہ یہ کہ اگر میں چاہوں کہ یہ میرے آنے تک ٹھہرا رہے تو تجھ کو کیا؟“ (یوحنا، ۲۱: ۲۳)

اس کے جواب میں ملت مسیحی کے حامیوں کی جانب سے منکرین کے مقابلہ میں یہ کہنا کافی ہو گا کہ ہم کو حواریوں کی شہادت مطلوب ہی، خود ان کی رائے سے ہم کو کوئی مطلب نہیں ہے، اور اصل مقصود مطلوب ہوا کرتا ہے، اور وہ نتیجہ کے لحاظ سے محفوظ ہے، لیکن اس کے جواب میں دو باتوں کا لحاظ ضروری ہے تاکہ تمام خطرہ دور ہو جائے:

اول یہ کہ حواریوں کے بھیجے جانے کا مقصود واضح ہو جائے، اور ان کے اظہار سے وہ بات ثابت ہو گئی ہے جو یا تو اجنبی تھی، یا اس کے ساتھ اتفاقاً مخلوط ہو گئی تھی، اور ان کو ایسی باتوں کی نسبت کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے جو صراحتہ دین سے بے تعلق ہیں، مگر جو چیزیں اتفاقاً مقصود کے ساتھ گڈ ٹڈ ہو گئی ہیں اُن کی نسبت کچھ نہ کچھ کہنا ہو گا، ایسی ہی چیزوں میں سے جنات کا تسلط بھی ہے، جن لوگوں کا یہ خیال ہو کہ یہ غلط رائے اس زمانہ میں عام ہو گئی تھی، اس بناء پر انجیل کے مؤلفین اور اس عہد کے یہودی بھی اس میں مبتلا ہو گئے، تو یہ بات ماننا ضروری ہے کہ اس سے "ملت عیسوی" کی سچائی کی نسبت کوئی اندیشہ نہیں پیدا ہوتا، کیونکہ یہ مسئلہ ان مسائل میں سے نہیں ہے جو عیسیٰ علیہ السلام نے کرتے تھے، بلکہ مسیحی اذوال کے ساتھ اس ملک میں رائے عامہ بن جانے کی وجہ سے اتفاقاً مخلوط ہو گیا ہے، اور ارجح کی تاثیر کے معاملہ میں لوگوں کی رائے کی اصلاح کرنا، تو اُن کے پیغام کا جسزو ہے نہ اُس کو شہادت سے کسی نوع کا بھی تعلق ہے:

دوسرے اُن کے مسائل اور دلائل کے درمیان امتیاز کیا جائے، ظاہر

ہر کہ ان کے مسائل تو الہامی ہیں، مگر وہ اپنے اقوال کی تو ضیح و تقویت کے سلسلہ میں کچھ دلائل اور تائیدات پیش کرتے ہیں، مثلاً یہ مسئلہ کہ غیر یہود میں سے اگر کوئی شخص عیسائیت قبول کرتا ہے، تو اس پر شریعت مومنوہ الہامیہ کی اعطائت واجب نہیں ہے، حالانکہ اس کی سچائی معجزات سے ثابت ہو چکی ہے، پولس جب اس مسئلہ کو ذکر کرتا ہے تو اس کی تائید میں بہت سی باتیں ذکر کرتا ہے، تو مسئلہ تو واجب التسلیم ہے، لیکن کوئی ضروری نہیں ہے کہ ہم حواریوں کے تمام دلائل اور تشبیہات کی حمایت مست مسیحی کی حمایت کے لئے کریں، اور اس امر کا لحاظ دوسرے مقامات پر بھی کیا جائے گا، اور یہ بات مجھ کو کامل طور پر محقق ہو چکی ہے کہ اہل اللہ جب کسی بات پر متفق ہو جائیں تو ان کے مقدمات سے جو نتیجہ بھی برآمد ہوگا وہ واجب التسلیم ہوگا، مگر یہ بات ہمارے لئے ضروری نہیں کہ ہم ان تمام مقدمات کی تشریح کریں یا ان کو قبول کریں، البتہ ایسی صورت میں جب کہ انہوں نے نتیجہ کی طرح مقدمات کا بھی اعتراف کیا ہو تو بیشک وہی واجب التسلیم ہو سکتے ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ اس کے بیان سے چار فوائد حاصل ہوئے :-

اول یہ کہ حواری اور متقدمین عیسائی اپنے زمانہ میں وقوع قیامت کا اعتقاد رکھتے تھے، اور یہ کہ یوحنا قیامت تک نہیں مرے گا، ہمارا خیال ہے کہ یہ بالکل صحیح ہے، کیونکہ فصل ۳ کی قسم ۲ میں اغلاط کے بیان کے سلسلہ میں یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ ان کے اقوال اس باب میں بالکل صریح ہیں کہ قیامت ان کے زمانہ میں واقع ہوگی

مفسر یارنس، انجیل یوحنا کے باب ۱ کی شرح میں یوں کہتا ہے کہ :-

”یہ غلطی کہ یوحنا نہیں مرے گا، عیسیٰ علیہ السلام کے اُن الفاظ سے پیدا ہوئی ہے جو آسانی غلطی میں مبتلا کر سکتے ہیں، اور اس بات سے اس میں مزید سختی ہو گئی کہ یوحنا تمام حواریوں کے مرنے کے بعد بھی زندہ تھا“

ہنری واسکاٹ کی تفسیر کے جامعین نے کہا ہے کہ :-

”غالب یہ ہے کہ مسیح کے اس قول کا مقصد یہودیوں سے انتقام لینا ہے، مگر حواری اس سے یہ سمجھے کہ یوحنا قیامت تک زندہ رہے گا، یا زندہ جنت میں اٹھا لیا جائے گا“

پھر وہ کہتے ہیں کہ :-

اس مقام پر یہ بات بھی سمجھ لو کہ انسان کی روایت بلا تحقیق بھی ہوتی ہے اور اس پر ایمان کی بنیاد قائم کرنا حماقت ہے، کیونکہ یہ روایت حواریوں کی روایت ہے جو لوگوں میں شائع اور منتشر درائج ہو گئی تھی، اس کے باوجود وہ جھوٹی تھی پھر اب تحریر میں نہ آئی ہوئی روایتوں پر کس قدر کم اعتبار ہوگا؟ اور یہ تفسیر ہماری روایت ہے، عیسیٰ کا کوئی جدید قول نہیں، اس کے باوجود غلط ہے“

پھر حاشیہ میں کہتے ہیں کہ :-

”حواریوں نے الفاظ کو غلط سمجھا، جس کی تصریح انجیل نے کی ہے، کیونکہ ان کے دماغوں میں یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ خدا کی آمد محض عدل کے لئے ہوگی“

اسے پس عقابوں میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ وہ شاگرد نہ مرے گا، لیکن یسوع نے اس سے یہ نہیں کہا تھا کہ یہ نہ مرے گا (یوحنا، ۲۱: ۲۳)

ان مفسرین کی تفسیر کی بنیاد پر کوئی شبہ نہیں ہے کہ انھوں نے غلط سمجھا۔ اور جب ان کا عقیدہ قیامت کے باب میں اسی قسم کا ہے جیسا کہ یوحنا کے قیامت تک نہ مرنے کا، تو ظاہر ہے کہ ان کے وہ اقوال جو ان کے ذہن میں وقوع قیامت ظاہر کرتے ہیں، ان سے ان کے ظاہری معنی سمجھے جائیں گے، اور غلط ہوں گے، اور ان کی تاویل کرنا یقینی طور پر مذموم اور نامناسب ہوگا، اور کلام کی ایسی توجیہ کے مراد ہوگا جو کہنے والے کی مرضی کے خلاف ہو، اور جب غلط ہوتے تو الہامی نہیں ہو سکتے، پہلی کی عبارت سے دوسرا فائدہ یہ حاصل ہوتا ہے کہ انھوں نے یہ بات تسلیم کی ہے کہ جن معاملات کا تعلق دین سے نہیں ہے، یا دینی امور میں ان کی اتفاق آمیزش ہو گئی ہے ان میں غلطی واقع ہونے سے مائت مسیحی کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا،

تیسرے یہ کہ انھوں نے یہ بھی مان لیا ہے کہ حواریوں کے دلائل اور تشبیہات میں غلطی واقع ہونے سے کوئی بھی مضرت نہیں پہنچتی،

چوتھے انھوں نے یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ اوداج خبیثہ کی تاثیر کوئی حقیقت نہیں رکھتی، بلکہ خالص دہم کی پیداوار اور واقعہ میں غلط ہے، اور ایسی غلطیاں حواریوں اور عیسیٰ کے کلام میں بھی اس لئے موجود ہیں کہ وہ اس ملک اور زمانہ کی رائے عامہ سے راجح تھیں،

اب ان چار باتوں کے تسلیم کئے جانے کے بعد ہم کہتے ہیں کہ آدھی انجیل سے زیادہ حصہ الہامی ہونے سے خارج ہو جاتا ہے، اور اس کی رائے کے مطابق صرف احکام اور مسائل الہامی رہ جاتے ہیں، اور یہ رائے اس کے امام جناب لوتھر کی

رائے کے خلاف ہے، اس لئے یہ بھی کوئی وزن دار نہیں رہی، کیونکہ جناب لوٹھر کے نزدیک تو کسی حواری کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنی جانب سے کوئی حکم شرعی معتبر کرے، اس لئے کہ یہ منصب صرف حضرت عیسیٰؑ کو حاصل ہے، لہذا حواریوں کے مسائل اور احکام بھی الہامی نہ ہوتے،

فرقہ پروٹسٹنٹ کے دوسرے علماء کے اعترافات:

وارڈ کیٹھولک نے اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۲۱ء میں فرقہ پروٹسٹنٹ کے معتبر علماء کے اقوال نقل کئے ہیں، اور اس کتاب میں منقول عنہ کتابوں کے نام بھی بیان کئے ہیں، ہم اس کے کلام سے ۹ اقوال نقل کرتے ہیں:-

① ”زنگلیس وغیرہ فرقہ پروٹسٹنٹ والے کہتے ہیں کہ پولس کے رسالوں میں

درج شدہ تمام کلام مقدس نہیں ہے، بلکہ چند واقعات میں غلط ہے“

② ”سٹر فلک نے پطرس حواری کی جانب غلط بیانی کی نسبت کی ہے، اور

اس کو انجیل سے ناواقف قرار دیا ہے،

③ ”ڈاکٹر کوڈر: اس مباحثہ کے ضمن میں جو اس کے اور فادرکیم کے درمیان ہوا تھا

کہتا ہے کہ: پطرس نے روح القدس کے نزول کے بعد ایمان کے باب میں

غلطی کی“

④ ”برٹش جس کو جوئل نے فاضل دمرش کا لقب دیا ہے، یوں کہتا ہے کہ:

رئیس الحواریین جناب پطرس اور برنابا نے روح القدس کے نزول کے بعد

غلط بیانی کی، اسی طرح یرشلیم کے گرجا نے بھی“

⑤ ”جان کاپوین کہتا ہے کہ پطرس نے گرجا میں بدعت کا اضافہ کر دیا، اور سیچی

آزادی کو خطرہ میں ڈال دیا، اور مسیحی توفیق کو دور پھینک دیا۔

① ”میکڈی برجنس نے حواریوں کی طرف بالخصوص پولس کی جانب غلط بیانی کو منسوب کیا ہے“

④ ”دانی ٹیکر کہتا ہے کہ عروجِ مسیح اور روح القدس کے نزول کے بعد تمام گرجوں کے نہ صرف عوام بلکہ خواص نے بھی بلکہ حواریوں نے بھی، غیر اسرائیلیوں کو ملتِ مسیحی کی دعوت دینے میں سخت غلطی کی، اور پولس نے رسوم میں بھی غلطیاں کیں، اور ایسی عظیم غلطیاں حواریوں سے روح القدس کے نزول کے بعد سرزد ہوئیں۔“

⑤ ”زنکلیس نے اپنے رسالہ میں کالوین کے بعض پیروؤں کا حال ذکر کیا ہے کہ انھوں نے کہا کہ اگر پولس جیو امیں آئے اور کالوین کے مقابلہ میں دعوے تو ہم پولس کو چھوڑ دیں گے اور کالوین کی بات سنیں گے۔“

⑥ ”لو اتھردس لو تھر کے تبعین میں سے بعض بڑے علماء کے حال کو نقل کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ان کا قول ہے کہ ہمارے لئے یہ تو ممکن ہے کہ ہم پولس کے کسی مسئلہ میں شک کریں، مگر لو تھر کے کسی مسئلہ میں شک کرنے کی گنجائش ہمارے یہاں نہیں ہے۔ اسی طرح اسپرگ کے کلیسا کے عقائد کی کتاب میں شک کرنا ممکن نہیں ہے۔“

جن علماء کے اقوال بیان ہوتے ہیں فرقہ پرور ٹسٹمنٹ کے اپنے طبقہ کے لوگ ہیں جنھوں نے طے کر دیا ہے کہ ہمہ جدید کا تمام کلام الہامی نہیں ہے، اور حواریوں کی غلط کاری بھی مان لی ہے۔

ایکھارن اور جرمنی علماء کا اعتراف۔

فاضل ٹورٹن نے ایک کتاب اسناد میں تصنیف کی ہے جو شہر بوٹن میں ۱۸۳۷ء میں طبع ہو چکی ہے، اس کتاب کی جلد کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ:-

”ایکھارن نے اپنی کتاب میں کہا ہے کہ مذہب عیسوی کے آغاز میں مسیح کے حالات میں ایک مختصر رسالہ موجود تھا، جس کی نسبت یہ کہنا ممکن ہو کہ اصلی انجیل وہی ہو اور غالب یہ ہے کہ یہ انجیل ان مریدین کے لئے تھی جنہوں نے اپنے کانوں سے مسیح کے اقوال نہیں سنے تھے، اور اس کے احوال اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھے تھے، یہ انجیل بمنزلہ قالب کے تھی، اور مسیح کے احوال اس میں ترتیب وار درج نہ تھے۔“

غور کیجئے اکھارن کے دعوے کے بموجب یہ انجیل آجکل کی مروجہ انجیلوں سے انتہائی حد تک مختلف تھی، موجودہ اناجیل اُس انجیل کی طرح بمنزلہ قالب کے نہیں ہیں، کیونکہ یہ اناجیل بڑی مشقت اور دشواری سے لکھی گئی ہیں، اور ان میں یسوع کے بعض ایسے احوال موجود ہیں جو اُس میں نہ تھے،

نیز یہ انجیل ابتدائی دو صدیوں میں رائج ہونے والی تمام انجیلوں کا ماخذ تھی، اسی طرح متی اور لوقا اور مرقس کی انجیلوں کی اصل بھی یہی تھی، مگر یہ تینوں انجیلیں دوسری تمام انجیلوں سے فوقیت حاصل کر گئیں، کیونکہ ان تینوں انجیلوں میں بھی اگرچہ کمی اور نقص موجود ہے، مگر یہ اُن لوگوں کے ہاتھ آ گئیں، جنہوں نے اس نقصان کی تلافی کر دی، اور ان لوگوں نے ان انجیلوں سے بیزاری اور دستبرداری اختیار کر لی جو مسیح کی نبوت کے بعد پیش آنے والے احوال پر مشتمل تھیں، جیسے: رسیدن کی انجیل

ٹٹے شن وغیرہ کی انجیل، اُنھوں نے ان میں اور دوسرے احوال کا بھی اضافہ کر دیا، مثلاً نسب کا بیان، ولادت کا حال، بلوغ وغیرہ کا بیان، یہ بات ایک تو اس انجیل سے واضح ہوتی ہے جو تذکرہ کے نام سے مشہور ہے، اور اس سے جسٹن نے نقل کیا، دوسرے سرن تھس کی انجیل سے بھی معلوم ہوتی ہے، ان انجیلوں کے جو احسن راہم تک پہنچے ہیں اگر ان کا آپس میں مقابلہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہو سکتی ہے کہ یہ اضافہ تدریجاً ہوا ہے، مثلاً وہ آواز جو آسمان سے سنی گئی تھی اصل میں یوں تھی کہ ”تو میرا بیٹا ہے میں نے آج تجھ کو جنا ہے“ جیسا کہ جسٹن نے درجہ نقل کیا ہے، اور کلیمنس نے یہ فقرہ ایک مجہول الحال انجیل سے نقل کیا ہے جو یہ ہے کہ ”تو میرا محبوب بیٹا ہے میں نے آج تجھ کو جنا ہے“ اور عام انجیلوں میں اس طرح ہے کہ ”تو میرا پیارا بیٹا ہے تجھ سے میں خوش ہوں“ جیسا کہ مرقس نے اپنی انجیل کے باب لکیت ۱۱ میں نقل کیا ہے، اور ایوانی کی انجیل نے دونوں عبارتوں کو یوں جمع کر دیا کہ ”تو میرا وہ محبوب بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں اور میں نے تجھ کو آج جنا ہے“ جس کی تصریح ایسی فائیس نے کی ہے،

اور مسیحی تاریخ کا اصل متن ان تدریجی زیادتیوں اور بے شمار الحاقات کے ذریعہ ایسا مخلوط اور گڈنڈ ہو گیا کہ امتیاز باقی نہیں رہا، جو صاحب چاہیں اپنے قلبی اطمینان کے لئے مشح کے اصطلاح کا حال جو مختلف انجیلوں سے جمع کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمائیں، اس خلط و اختلاط کا نتیجہ یہ نکلا کہ سچ اور جھوٹ، سچے واقعات اور جھوٹے قصے جو کس طرح روایت میں جمع ہو گئے تھے اور بد شکل بن گئے تھے، وہ آپس میں

اس طرح گھل مل گئے کہ خدا کی پناہ، پھر یہ قصے جوں جوں ایک زبان سے دوسری تک منتقل ہوتے گئے اسی حساب سے انھوں نے بدترین اور مکروہ شکل اختیار کر لی پھر کلیسا نے دوسری صدی کے آخر میں یا تیسری صدی کے آغاز میں یہ چاہا کہ سچی انجیل کی حفاظت کرے، اور آئندہ آنے والی امتوں اور قوموں کو امکانی حد تک صحیح حالاً پہنچائے تو اس زمانہ کی مروجہ انجیلوں میں ان چار انجیلوں کا اس لئے انتخاب کیا کہ وہ معتبر اور مکمل نظر آئیں، غرض یہ کہ متی اور لوقا اور مرقس کی انجیل کا کوئی پتہ نشان دوسری صدی کے آخر یا تیسری صدی کی ابتداء سے نہیں پایا جاتا پھر سب سے پہلے جس شخص نے ان انجیلوں کا ذکر کیا ہے وہ تھیودوروس سیساریہ ہے، اور اس نے ان کی تعداد پر بعض دلائل بھی پیش کئے ہیں،

پھر اس سلسلہ میں ایک زبردست کوشش کلیمنس اسکندریانوس نے ۲۱۶ء میں کی، اور اس نے ظاہر کیا کہ چاروں انجیلیں واجب تسلیم ہیں، اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ کلیسا نے دوسری صدی کے آخر یا تیسری صدی کے شروع میں اس امر کی زبردست کوشش کی تھی کہ عام طور پر یہ چاروں انجیلیں جن کا وجود پہلے سے تھا، تسلیم کر لی جائیں، اگرچہ یہ تمام واقعات کے اعتبار سے اس لائق نہ تھیں، اور یہ بھی چاہا کہ لوگ انکے علاوہ دوسری انجیلوں کو چھوڑ دیں اور ان چاروں کو مان لیں،

اور اگر کلیسا اس اصل انجیل کو جو گذشتہ واعظوں کو اپنے واعظوں کی تصدیق کے لئے مل گئی تھی، الحاقات سے مجرد اور پاک کر دیتا اور انجیل یوحنا کو ان کے ساتھ شامل کر لیتا، تو آنے والی نسلیں اس کی بہت ہی شکر گزار ہوتیں، مگر یہ بات اس کے لئے اس بنا پر ممکن نہ تھی کہ کوئی نسخہ بھی الحاق سے خالی نہ تھا، اور وہ ذرائع ناپید

تھے، جن سے اصل میں اور الحاقات میں امتیاز کیا جاسکے،

پھر اکہارن حاشیہ میں کہتا ہے :-

”بہت سے متقدمین کو ہماری ان انجلیوں کے بیشتر اجزاء میں شک تھا، اور وہ

اس کی تفصیل پر قادر نہ ہو سکے“

پھر کہتا ہے کہ :-

”ہمارے زمانہ میں طباعت کی صنعت کی موجودگی کی وجہ سے کسی شخص کے لئے

کسی کتاب میں تحریف کرنا ممکن نہیں ہے اور نہ یہ بات سنی گئی ہے، مگر اُس

زمانہ کی حالت جب کہ یہ صنعت ایجاد نہیں ہوئی تھی اس زمانہ سے مختلف ہوا

اس لئے ایک نسخہ جو کسی کاملوک تھا اُس کے لئے اس نسخہ میں تحریف کرنا ممکن تھا،

اس نسخہ سے متعدد نسخے نقل کئے گئے، اور یہ بات محقق نہ ہو سکی کہ یہ نسخہ صرف

مصنف کے کلام پر مشتمل ہی یا نہیں، پھر یہ نقول لاعلمی کی وجہ سے پھیلتی چلی گئیں

اور بہت سے نسخے درمیانی دور کے لکھے ہوئے اب بھی موجود ہیں، اور الحاقی

عبارتوں اور ناقص عبارتوں میں ایک دوسرے کے موافق ہیں، اور بہت سے

مرشدین کو آپ دیکھیں گے کہ وہ اس بات کی بڑی شکایت کرتے ہیں کہ کاتبوں

اور نسخوں کے مالکوں نے ان کتابوں کی تصنیف کے تھوڑی مدت بعد اُن میں تحریف

کر ڈالی تھی، اور دیوانی شش کے رسالوں میں اُن کی نقول کے منتشر ہونے سے

پہلے ہی تحریف کر دی گئی،

اسی طرح ان کی شکایت یہ بھی ہے کہ ابلیس کے شاگردوں نے ان کتابوں

میں گندگی داخل کر دی، بعض چیزوں کو خارج کر دیا، اور کچھ چیزیں اپنی جانب

سے بڑھادیں، اس شہادت کی بناء پر کتب معتبرہ محفوظ نہیں رہیں، اگرچہ اس دور کے لوگوں کی عادت تحریف کی نہ تھی، اس لئے کہ اس زمانہ کے مصنفین نے اپنی کتابوں کے آخر میں لعنتیں اور مختلف قسمیں دی تھیں، تاکہ کوئی شخص اُن کے کلام میں تحریف نہ کرے، اور یہ واقعہ عیسیٰ کی تاریخ کے ساتھ بھی پیش آیا، ورنہ پھر سلسلہ کو یہ اعتراض کرنے کی کیا ضرورت تھی، کہ ان لوگوں نے اپنی انجیلوں میں تین بار یا چار بار بلکہ اس سے بھی زیادہ تحریف کی، اور بعض انجیلوں میں بعض وہ فقرے جو مسیح کے بعض حالات پر مشتمل تھے، اور مختلف انجیلوں میں متفرق تھے، کیونکر جمع ہو گئے؟ مثلاً ایہونی کی انجیل میں مسیح کے اصطبارغ کے تمام وہ حالات موجود ہیں جو پہلی تینوں انجیلوں میں اور تذکرہ میں (جن سے جسن نے نقل کئے ہیں) متفرق جگہ تھے اس کی تصریح اپنی فائیس نے کی ہے۔

پھر اکہارن ایک دوسرے مقام پر کہتا ہے کہ:-

”جن لوگوں میں تحقیق کی استعداد نہ تھی وہ ان انجیلوں کے ظہور کے وقت ہی سے گھٹانے بڑھانے، اور لفظ کو اس کے مراد لفظ سے تبدیل کرنے میں مشغول ہو گئے، اور اس میں کوئی تعجب بھی نہیں، کیونکہ عیسوی تاریخ کی ابتداء سے لوگوں کا عام مزاج اور عادت یہ رہی کہ وہ وعظ کی عبارتوں کو اور مسیح کے اُن حالات کو جو اُن کے پاس محفوظ تھے اپنے علم کے مطابق بدلتے رہتے تھے، اور یہ قانون جس کو پہلے طبقہ والوں نے جاری کیا تھا، دوسرے اور تیسرے طبقہ میں بھی جاری رہا، اور یہ عادت دوسری صدی میں اس قدر شہرت کے درجہ کو پہنچی

۱۲ دوسری صدی کا ایک بت پرست عالم

ہوتی تھی، کہ دین مسیحی کے مخالفین بھی اس سے واقف تھے، چنانچہ سلسلہ عیسائیوں پر اعتراض کرتا ہے کہ انھوں نے اپنی انجیلوں میں تین بار یا چار مرتبہ بلکہ اس سے بھی زیادہ تبدیلیاں کیں، اور وہ بھی ایسی کہ انجیلوں کے مضامین و مطالب بھی بدل گئے، کلیمنس نے بھی ذکر کیا ہے کہ دوسری صدی کے آخر میں کچھ لوگ ایسے ہوئے ہیں جو انجیلوں میں تحریف کیا کرتے تھے، اور اس تحریف کی نسبت کہتا ہے کہ انجیل متی باب آیت الیں اس فقرہ کے عوض لیں کہ ”آسمان کی بادشاہی انہی کی ہے“ بعض نسخوں میں یہ فقرہ ہے کہ ”وہ لوگ کامل ہوں گے“ اور بعض نسخوں میں یہ جملہ ہے کہ ”وہ ایسا مقام پائیں گے جہاں ان کو کوئی اذیت ہوگی“

اکھارن کا یہ قول نقل کرنے کے بعد ٹورٹن کہتا ہے کہ :-

”کسی شخص کا گمان یہ نہیں ہے کہ فقط اکھارن کی رائے ہے، کیونکہ جرمنی میں اس کی کتاب کے مقابلہ میں کسی کتاب کو بھی قبول عام نصیب نہیں ہوا، اور اناجیل کی نسبت جرمنی کے متاخرین علماء میں سے بیشتر کی رائے کے موافق ہے، اسی طرح اُن چیزوں میں بھی جن سے انجیلوں کی سچائی پر الزام عائد ہوتا ہے“

اور چونکہ ٹورٹن انجیل کا حامی ہے اس لئے اس نے اکھارن کے کلام کو نقل کرنے کے بعد اس کی تردید کی ہے جس میں کوئی بھی قابل التفات چیز نہیں ہے، جیسا کہ اس کے

لے پورا فقرہ یہ ”مبارک ہیں وہ جو راستبازی کے سبب ستائے گئے ہیں، کیونکہ آسمان کی بادشاہی انہی کی ہے“ (۵: ۱۰)۔

مطالعہ کرنے والے پر یہ بات محنتی نہیں رہ سکتی، اس کے باوجود اس نے یہ اعتراض کیا
ہو کہ ان انجیلوں کے سات مقامات ذیل محرف اور الحاقی ہیں، مؤلفین انجیل کے نہیں ہیں
۱، اپنی کتاب کے صفحہ ۵۳ میں اس باب کی تصریح کی ہے کہ ”انجیل اسی کے
پہلے دو باب اس کی تصنیف نہیں ہیں“

۲، صفحہ ۶۳ میں کہا ہے کہ :-

”یہود اس کے یوتی کا واقعہ جو انجیل متی باب ۲، میں مذکور ہے آیت ۳

تا آیت ۱۰ بالکل جھوٹا ہے اور بعد میں بڑھایا گیا ہو“

۳، اسی طرح باب مذکور کی آیت ۵۲ و ۵۳ دونوں الحاقی ہیں،

۴، صفحہ ۷۰ پر کہا ہے کہ انجیل مرقس باب ۱۳ کی آیتیں از ۹ تا ۲۱ من گھڑت ہیں،

۵، صفحہ ۸۹ میں کہا ہے کہ ”انجیل لوقا باب ۲۲ آیت ۲۳ و ۲۴ الحاقی ہیں“

۱۵ یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کو گرفتار کرانے کے بعد اپنے آپ کو پھانسی دینے اور کھیت کی فروختگی کا
واقعہ، جو صفحہ ۴۳ پر چھپے گزر چکا ہو، وہاں اس سلسلہ میں مختلف انجیلوں کے اختلافات ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں
۱۶ اور قبریں کھل گئیں، اور بہت سے جسم ان مقدسوں کے جو سو گئے تھے جی اسٹھے، اور ان کے جی اُٹھنے
کے بعد قبروں سے نکل کر مقدس شہر میں گئے اور بہتوں کو دکھائی دیے“ (۵۳: ۲۷) تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو کتاب ۱۵
۱۷ ان آیات میں حضرت مسیح کے دوبارہ زندہ ہونے کے واقعات مذکور ہیں، اور اس میں چند در چند غلطیاں ہیں
جن کی تفصیل علی الترتیب صفحہ ۲۴ کے حاشیہ دس ۵۱۶ و ۵۲۵ پر گندہ چکی ہے ۱۲

۱۸ اس میں حضرت مسیح کی میت پھانسی سے ایک رات قبل جبل زیتون پر جانے کا واقعہ مذکور ہے، اور
کہا گیا ہے کہ ”اور آسمان سے ایک فرشتہ اس کو دکھائی دیا، وہ اسے تقویت دیتا تھا، پھر وہ سخت پریشانی میں
مبتلا ہو کر اور بھی دلسیز کی دعا کرنے لگا، اور اس کا پسینہ گویا خون کی بڑی بڑی بوندیں ہو کر زمین پر ٹپکتا تھا“
(لوقا، ۲۲: ۴۳-۴۴) لیکن ہورن نے اس آیت کو شیخ اور اسے حذف کرنے کو غلط کہا ہے (دیکھئے ۵۸، ۵۹)
نیز آخری جلد میں چھٹے باب کے عنوان ”ساتویں بات“ صفحہ ۵۵ کے حاشیہ پر ہم نے اس آیت کے سلسلہ میں

تدوینے تفصیلی بحث کی ہے، اسے ضرور ملاحظہ فرمایا جائے ۱۲ تقی

۶ صفحہ ۸۴ پر کہتا ہے کہ ۱۔

”انجیل یوحنا باب کی آیت ۳ و ۴ کی مندرجہ ذیل آیت الحاقی ہے۔

پانی کے پلے کے منتظر ہو کر..... کیونکہ وقت پر خداوند کا سرشتہ حوض پر

اُتر کر پانی بلا کر تاتھا، پانی پلے ہی ہو کوئی پہلے اُترتا سو شفا پاتا، اس کی جو

کچھ بیماری کیوں نہ ہو“

۷۔ صفحہ ۸۸ میں کہتا ہے کہ ۲۔

”انجیل یوحنا باب آیت ۲۳ و ۲۵ دونوں الحاقی ہیں“

ظاہر ہے کہ یہ ساٹ مقامات جو اس کے نزدیک الحاقی ہیں، الہامی ہرگز نہیں

ہو سکتے،، پھر صفحہ ۹۱۰ پر کہتا ہے کہ ۱۔

اُن معجزات کے بیان میں جن کو لوقا نے نقل کیا ہے روایتی جھوٹ شامل ہو گیا

ہزار کاتب نے شاعرانہ مبالغہ آرائی کے ساتھ اس کو مخلوط کر دیا ہے، لیکن

اس زمانہ میں سچ اور جھوٹ کی پہچان بڑی دشوار ہے“

بتائیے کہ جو بیان جھوٹ اور شاعرانہ مبالغہ آرائی کے ساتھ مخلوط ہو وہ خالص الہامی

کیونکر ہو سکتا ہے؟ ہم کہتے ہیں کہ اکہارن کے کلام سے جو چیز نمایاں طور پر واضح ہوتی ہو

جو اکثر جرمنی علماء متاخرین کی بھی پسندیدہ راہ ہے، وہ چار باتیں ہیں:-

۱۔ پوری عبارت اس طرح ہے:- ”ان میں بہت سے بیمار اور اندھے اور لنگڑے اور پڑمردہ لوگ

پانی پلے کے منتظر ہو کر پڑے تھے، کیونکہ وقت پر الخ“ بیت حمدا کے نام بہاد صحت آنسریں

حوض کا تذکرہ کیا گیا ہے،

۲۔ اس میں غیر معمولی مبالغہ آرائی ہے، دیکھئے کتاب ہذا، ص ۲۱۵

۱۔ اصل انجیل ناپید ہو چکی ہے،

۲۔ موجودہ انجیلوں میں سچی اور جھوٹی دونوں قسم کی روایتیں موجود ہیں،

۳۔ ان انجیلوں میں تحریف بھی واقع ہوئی ہے، بُت پرست علماء میں سے سلسلوں

دوسری صدی میں پکار پکار کر کہا رہا تھا، کہ عیسائیوں نے اپنی انجیلوں کو تین یا چار یا اس سے بھی زیادہ مرتبہ بدل لیا ہے، یہاں تک کہ اس کے مضامین بھی تبدیل ہو گئے،

۴۔ دوسری صدی کے آخر یا تیسری صدی کے آغاز سے پہلے ان حواریوں

انجیلوں کا کوئی اشارہ یا پتہ نشان نہیں ملتا،

پہلی بات میں اُن کی رستے کے قریب قریب لیکرک اور کوب دیکھالیں،

اور سنک اور تھوڑا مارش کی رستے بھی ہے، کیونکہ ان لوگوں نے کہا ہے کہ غالباً متی،

اور مرقس اور لوقا کے پاس عبرانی زبان کا ایک ہی صحیفہ تھا، جس میں مسیحی احوال لکھے

ہوئے تھے، جس سے ان لوگوں نے نقل کیا، پھر متی نے تو بہت کچھ نقل کیا اور مرقس

اور لوقا نے تھوڑا، جس کی تصریح مورن نے اپنی تفسیر مطبوعہ ۱۸۲۲ء جلد چہارم ص ۲۹۵

میں کی ہے، لیکن اس کو اُن کی رستے پسند نہیں ہے، مگر ہم کو اس کی ناپسندیدگی سے

کچھ مضرت نہیں پہونچتی،

کتاب تواریخ کے بارے میں اہل کتاب کا اعتراف:

تمام اہل کتاب اس بات کے قائل ہیں کہ تواریخ کی دونوں کتابوں کو عزرا و نیخیمیر

نے جوڑا اور زکریا کی مدد سے تصنیف کیا تھا، جو دونوں پیغمبر ہیں، اس لئے یہ دونوں

کتابیں حقیقت میں تینوں پیغمبروں کی تصنیف ہیں، حالانکہ کتاب تواریخ اول میں بہت

سی غلطیاں ہیں، چنانچہ اہل کتاب کے دونوں فریق کہتے ہیں کہ :-

”حضرت کی بدتمیزی کے سبب بیٹے کی جگہ پوتا اور پوتے کی جگہ بیٹا لکھا گیا“

یہ بھی کہتے ہیں کہ :-

جس عزرائل نے یہ کتابیں لکھی ہیں اس کو اتنا بھی معلوم نہ تھا کہ ان میں بعض بیٹے ہیں

یا پوتے؟ اور عزرائل کو نسب کے جو اوراق ملے تھے جن سے وہ نقل کرتا ہے وہ ناقص

تھے، اسی طرح اس کو غلط و صحیح میں تمیز نہ ہو سکی“

جیسا کہ عنقریب آپ کو باب مقصد میں معلوم ہو جائے گا، اس سے معلوم ہو گیا کہ

ان پیغمبروں نے یہ کتاب الہام سے نہیں لکھی، ورنہ ناقص اوراق پر بھر دسہ کرنے کی

کیا ضرورت تھی، اور نہ ان سے غلطیوں کا صدور ہوتا، حالانکہ اہل کتاب کے نزدیک

اس کتاب اور دوسری کتابوں میں کوئی فسق نہیں ہے،

یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح عیسائیوں کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کا گناہوں کے

صدور سے پاک ہونا ضروری نہیں ہے، اسی طرح تحریری اغلاط سے معصوم ہونا بھی

لازم نہیں، نتیجہ یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ یہ کتابیں الہام سے لکھی گئی ہیں،

اور اس فصل میں ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے اس سے یہ بات بھی ظاہر ہو گئی کہ

عیسائیوں میں کسی کی یہ مجال نہیں ہے کہ وہ دونوں عہدوں کی کسی کتاب کی نسبت

یا ان میں درج شدہ واقعات میں سے کسی واقعہ کے متعلق یہ دعویٰ کر سکیں کہ وہ

الہامی ہے،

ان کتابوں کے بارے میں مسلمانوں کے عقائد

اب چاروں فصلوں کے بیان سے فراغت کے بعد ہمارا یہ کہنا ہے کہ اصلی

تذکرہ اور اصلی انجیل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے دنیا سے مفقود ہو چکی

تھیں، آجکل اس نام سے جو دو کتابیں موجود ہیں اُن کی حیثیت محض ایک تاریخی کتاب کی ہے، جن میں سچے اور جھوٹے دونوں قسم کے واقعات جمع کر دیئے گئے ہیں، یہ بات ہم ہرگز ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ اصل تو ریت و انجیل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں موجود تھیں، پھر بعد میں اُن کے اندر تحریف کی گئی، حاشا وکالا! رہے پولس کے خطوط وغیرہ تو اگر ہم مان بھی لیں کہ یہ خطوط واقعہً اسی کے ہیں تب بھی ہمارے نزدیک وہ قابل قبول نہیں ہیں، کیونکہ ہمارے نزدیک وہ اُن جھوٹے لوگوں میں سے ایک شخص ہی جو پہلے سبقت میں نمایاں تھے، خواہ عیسائیوں کے نزدیک کتنا ہی مقدس کیوں نہ ہو، ہم اس کی بات ایک گوڑی میں خریدنے کے لئے تیار نہیں ہیں،

یہ ہے وہ حواری جو عیسیٰ علیہ السلام کے عروج آسمانی کے بعد باقی تھے، اُن کے حق میں ہم نیک گمان رکھتے ہیں، اُن کی نسبت ہم نہی ہونے کا خیال نہیں رکھتے، اُن کے اقوال کی حیثیت ہمارے نزدیک مجتہدین، صالحین کے اقوال کی سی ہے، جس میں غلطی کا احتمال ہے،

ادھر دوسری صدی تک سند کا متصل نہ ہونا اور متی کی اصل عبرانی انجیل کا ناپید ہونا، اور اس کا صرف وہ ترجمہ باقی رہنا جس کے مولف کا نام بھی آج تک یقین کے ساتھ معلوم نہ ہو سکا، پھر اس میں تحریف واقع ہونا، یہ اسباب ایسے ہیں جن کی بناء پر اُن کے اقوال سے بھی امن اٹھ گیا،

یہاں پر ایک تیسرا سبب اور بھی ہے، وہ یہ کہ لوگ اکثر اوقات مسیح کے اقوال سے ان کی مراد سمجھ نہیں پاتے تھے، جیسا کہ عنقریب تفصیل سے آپ کو معلوم ہو جائیگا، یہ ہے لوقا اور مرقس، سو یہ حواری نہیں ہیں، اور نہ کسی دلیل سے ان کا صاحبِ انہام

ہونا معلوم ہوتا ہے، ہمارے نزدیک توریت وہ کتاب ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر وحی کی گئی،

اور انجیل وہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی، سورۃ بقرہ میں ارشاد ہے:

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ

أَوَّلَ بَلَاءٍ سَبَأًا

وَمُوسَىٰ

الْكِتَابَ،

اور سورۃ مائدہ میں حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں ارشاد ہے:-

وَأَتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ،

أَوَّلَ بَلَاءٍ سَبَأًا

اور سورۃ مریم میں خود حضرت مسیح کا قول نقل کرتے ہوئے فرمایا گیا:-

وَأَتَانِي الْكِتَابَ،

أَوَّلَ بَلَاءٍ سَبَأًا

اور سورۃ بقرہ و آل عمران میں ہے:-

وَمَا أَوْتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ،

أَوَّلَ بَلَاءٍ سَبَأًا

گئیں (یعنی توریت و انجیل)

یہ تواریخ اور رسالے جو اس زمانہ میں موجود ہیں ہرگز وہ توریت و انجیل نہیں

ہیں، جن کا قرآن میں ذکر ہے، اس لئے وہ واجب التسلیم نہیں ہیں، بلکہ ان دونوں کا

اور عہد عشیق کی تمام کتابوں کا حکم یہ ہے کہ ان کی جس روایت کی تصدیق قرآن کرتا ہو

وہ یقیناً مقبول ہے، اور اگر اس کی تکذیب کرتا ہے تو یقینی طور پر مردود ہے، اور اگر

اس کی تصدیق و تکذیب سے قرآن خاموش ہے، تو ہم بھی خاموشی اختیار کریں گے،

نہ تصدیق کریں گے اور نہ تکذیب،

سورۃ مائدہ میں خدا تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:-

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ

أَوَّلَ بَلَاءٍ سَبَأًا

بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ
مِنَ الْكِتَابِ وَمُهِيمًا عَلَيْهِ،
سچائی کے ساتھ بھی ہر اس حالت میں
کہ یہ اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق
کرتی ہے اور اس کی نگہبان ہے

معالم التنزیل میں اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں کہا ہے کہ :-

”اور قرآن کے امین ہونے کا مطلب جیسا کہ ابن جریر نے کہا ہے یہ ہے کہ
اہل کتاب اگر کوئی خبر اپنی کتاب کی بیان کرتے ہیں، تو اگر قرآن اس کی تصدیق
کرتا ہے تو تم بھی اس کی تصدیق کرو، ورنہ پھر اس کو جھوٹا سمجھو، سعید بن مسیبؓ
اور ضحاکؓ نے اس کے معنی فیصلہ کنندہ اور خلیلؓ نے نگہبان اور محافظ بیان
کئے ہیں، چل سب کا یہی ہے کہ جس کتاب کی سچائی کی شہادت قرآن دیتا
تو بیشک وہ خدا کی کتاب ہے، اور جو ایسی نہیں ہے وہ خدا کی کتاب بھی نہیں ہے“
تفسیر مظہری میں یہ کہا گیا ہے کہ :-

”اگر قرآن میں اس کی تصدیق موجود ہے تو تم بھی اس کو سچا مانو، اور اگر قرآن
میں اس کی تکذیب کی ہے تو تم بھی اس کو جھوٹا سمجھو، اور اگر قرآن اسے ساکت
ہو تو تم بھی اس سے سکوت اختیار کرو، اس لئے کہ سچ اور جھوٹ دونوں کا
احتمال ہے“

امام بخاریؒ نے ایک حدیث ابن عباسؓ کی روایت سے کتاب الشہادات میں مع
سند کے بیان کی ہے، پھر کتاب الاعتصام میں دوسری مستقل سند کے ساتھ نقل کی،
پھر کتاب الرد علی الجہمیہ میں تیسری مستقل سند سے روایت کی ہے،
..... ہم اس کو آخری دونوں کتابوں سے نقل کرتے ہیں، اور کتاب الاعتصام میں

قسط لانی نے اس کی شرح کرتے ہوئے جو کچھ تحریر فرمایا اس پر وہ بھی ساتھ ہی درج کرتے ہیں:-

رکیف تسئلون اهل الكتاب من اليهود والنصارى والاستفهام
انکاری عن شیء من الشرائع و کتابکم القرآن الذی انزل علی
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احد ث) اقرب نزولا الیکم
من عند اللہ فالحدوث بالنسبة الی المنزل علیہم وهو فی
نفسہ قد یم (تقرؤنه محضاً) خالصاً لم یشب بضم اوله
وفتم المعجزة لم یخلط فلا یطرق الیه تحریف ولا تبدیل
بخلات التوراة والانجیل،

روقد حد ثکم) سبحانہ وتعالیٰ (ان اهل الكتاب) من اليهود
وغیرہم ربد لو ا کتاب اللہ، التوراة (و غیر وہ) وکتبوا باید یم
الکتاب وقالوا هو من عند اللہ لیمتروا به ثمنًا قليلاً (لا) با
لتخفيف (لا ینہاکم ما جاءکم من العلم) بالکتاب والسنة،
ر عن مسئلتهم) بفتح المیم وسکون السین ولا بی ذر عن
الکشمهینی مساء لہم بضم المیم وفتح السین بعد ہا الف
ر لا واللہ ما رأینا منهم رجلاً یسا لکم عن الذی انزل علیکم
فانتم بالطریق الاولی ان لا تسئلوہم،

”تم ان کتاب یعنی پیچور، نصاریٰ کے کوئی حکم شرعی گذر پر چیتے ہو، (مطلب یہ ہے کہ تمہیں

اس عربی میں قرین کے درمیان حدیث کا متن ہے، اور اس کے علاوہ سب علامہ قسطلانی کی تشریحات
ہیں، اور اردو میں خط کشیدہ عبارتیں حدیث کا ترجمہ ہیں، اور ان کے علاوہ علامہ قسطلانی کی شرح

پڑھنا نہیں چاہتے) حالانکہ تمہاری کتاب قرآن سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے تازہ ترین ہے، اور اللہ کی طرف سے ابھی ابھی نازل ہوئی ہے (ہذا جن پر نازل ہوئی ہے ان کے لحاظ سے جدید اور فی نفسہ قدیم ہے) اس کو تم خالص طریقہ سے پڑھتے ہو، یعنی اس میں کوئی بیسرونی چیز نہیں ملی، اور اس میں تحریف و تبدیل راستہ نہیں پاسکتی، بخلاف تورات و انجیل کے،

اور اللہ تعالیٰ تم سے بیان کر چکا ہے کہ اہل کتاب یعنی یہود و غیرہ نے اللہ کی کتاب تورات کو بدل ڈالا ہے، اور اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھ کر کہنے لگے کہ یہ اللہ کی کتاب ہے، تاکہ اس کے عوض میں انھیں حقیر معاوضہ ملے، کیا تمہارے پاس کتاب و سنت کا جو علم آیا ہے وہ تمہیں ان سے سوالات کرنے سے نہیں روکتا؟
نہیں! خدا کی قسم ہم نے ان میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ تم پر نازل ہونے والے کلام کے بارے میں سوال کرتا ہو، پھر تمہیں تو بطریق ادلی ان سے سوال نہ کرنا چاہئے؟

اور کتاب الرد علی الجہمیہ میں حدیث کا مفہوم یہ ہے :-

”اے مسلمانو! تم اہل کتاب سے کسی چیز کی نسبت کیونکر پوچھتے ہو؟ حالانکہ تمہاری کتاب ایسی ہے جس کو خدا نے نازل کیا ہے۔ تمہارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر (جو لفظ یا نزول کے لحاظ سے یا اللہ کی جانب سے خبر دینے کے اعتبار سے) تازہ اور جدید ہے بالکل خالص ہے، جس میں کسی دوسری چیز کی قطعی آمیزش نہیں ہے۔ اللہ نے اپنی کتاب میں بیان کر دیا ہے کہ اہل کتاب نے خدا کی کتابوں میں تحریف و تبدیلی کر دی ہے، اور اپنے ہاتھوں سے لکھ لیا ہے، اور دعویٰ کر دیا کہ خدا کے

پس سے آیا ہے تاکہ اس کے عوض میں حقیر معاوضہ لے لیں، کیا جو علم تم تک پہنچ چکا ہے، وہ تم کو ان سے پوچھنے سے نہیں روکتا؟ (اس میں پہنچنے کی اسناد علم کی جانب اسی طرح مجازی ہے جس طرح روکنے کی اسناد اس کی طرف مجازی ہی) نہیں خدا کی قسم ہم نے کسی شخص کو نہیں دیکھا کہ وہ تم سے اس چیز کی نسبت دریافت کرتا ہو جو تم پر نازل ہوئی ہے، پھر تم ان سے کس لئے پوچھتے ہو جبکہ تم یہ بھی جانتے ہو کہ وہ محرف ہے۔

کتاب الاعتصام میں معاذیہ رضی اللہ عنہ کا قول کعب احبار کی نسبت یہ ہے کہ: ”اگرچہ وہ ان محدثین میں سب سے زیادہ سچے تھے جو اہل کتاب سے حدیثیں

بیان کرتے ہیں، مگر اس کے ساتھ ہی ہم نے اُن میں جھوٹ بھی پایا ہے۔“

مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات وہ جو کچھ کہتے ہیں اس میں اس لئے غلطی کرتے

ہیں کہ ان کی تحریف شدہ کتابیں اور تبدیل کی ہوئی ہیں، اسی لئے ان کی جانب جھوٹ کی

نسبت اس بنا پر ہے، نہ اس لئے کہ وہ جھوٹے تھے، کیونکہ وہ تو صحابہ کے نزدیک

نیک علماء یہود میں شمار کئے جاتے ہیں، ان کا یہ کہنا کہ ”اس کے باوجود ہم ان میں جھوٹ

پاتے ہیں“ صاف اس پر دلالت کر رہا ہے کہ صحابہ کا اعتقاد یہ تھا کہ اہل کتاب کی

کتابیں محرف ہیں، اور جس مسلمان نے بھی اس تواریت اور اس انجیل کا مطالعہ کر کے

اہل کتاب کا رد کیا ہے، اس نے یقینی طور سے ان دونوں کا انکار کیا ہے، اُن میں

سے بیشتر کی ایلیفات آج تک موجود ہیں،

کتاب تجیل من حرف الانجیل کا مصنف اپنی کتاب کے باب میں ان مشہور

انجیلوں کی نسبت اس طرح کہتا ہے کہ:-

یہ انجیلیں وہ سچی انجیلیں نہیں ہیں جن کو دے کر پکار رسول بھیجا گیا تھا، اور جو خدا کی جانب سے اتاری گئی تھیں۔

پھر اس مذکورہ باب میں یوں کہتا ہے کہ:-

”اور سچی انجیل تو صرف وہی ہے جو مسیح کی زبان سے نکلی۔“

پھر باب میں عیسائیوں کی تباہیوں کے ذیل میں کہتا ہے کہ:-

”اس پولس نے ان کو اپنی لطیف فریب کاری سے دین سے قطعی محروم کر دیا، کیونکہ اس نے ان کی عقلوں کو ایسا برباد پایا کہ جس طرح چاہے ان کو پہچانیا جاسکتا ہو اس لئے اس خبیث نے توریت کے نشانوں تک کو مٹا دیا۔“

غور کیجئے: ان انجیلوں کا کیونکر انکار ہو رہا ہے، اور پولس پر کتنی سخت چوٹ ہے!

میری اور مصنف میزان الحق دونوں کی تفسیر یوں پر ایک ہندی فاضل کا فیصلہ ہو جو رسالۃ المناظرہ مطبوعہ ۱۲۷۳ھ دہلی بزبان فارسی کے آخر میں شامل ہے، انھوں نے بعض علماء پر ڈسٹنٹ کو دیکھا کہ وہ دوسروں کے غلط بتانے کے سبب یا غور غلط فہمی کی وجہ سے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ مسلمان اس توریت و انجیل کے منکر نہیں، تو مناسب سمجھا کہ اس سلسلہ میں علماء دہلی سے دریافت کریں، چنانچہ انھوں نے پوچھا تو علماء نے یہ لکھا کہ یہ مجموعہ جو آجکل عہد جدید کے نام سے مشہور ہے ہم کو تسلیم نہیں ہے، یہ وہ چیز ہرگز نہیں ہے جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے، بلکہ ہمارے نزدیک انجیل وہ چیز ہے جو علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی،

فتویٰ حافل ہونے کے بعد ثالث نے اس کو فیصلہ میں شامل کر دیا، اور عوام کی آگاہی کے لئے اس خط کو رسالۃ المناظرہ کا جزو بنادیا گیا ہے، تمام ہندوستان

کے علماء کا فتویٰ دہلی کے علماء کے اُس فتویٰ کے مطابق ہے، اور جن لوگوں نے بھی پاروں کی کتابوں کی تردید کی ہو خواہ وہ اہل سنت میں سے ہوں یا شیعہ، اس سلسلہ میں انھوں نے صاف صاف لکھا ہے، اور موجودہ مجموعہ کا سختی سے انکار کیا ہے،
امام رازیؒ کا قول :-

امام رازیؒ اپنی کتاب المطالب العالیہ، کتاب السنۃ کی قسم ۲ فصل چہارم فرماتے ہیں کہ :-

”عیسیٰ علیہ السلام کی اصل دعوت کا اثر بہت ہی کم ہوا، یہ اس لئے کہ انھوں نے اس دین کی دعوت ہرگز نہیں دی جس کا دعویٰ ان عیسائیوں کو ہو، کیونکہ باپ اور بیٹے اور تثلیث کی باتیں بدترین اور فحش ترین کفر کی اقسام ہیں، اور جہالت پر مبنی ہیں، اس قسم کی چیزیں اجہلی الناس کے لئے بھی موزوں نہیں ہے جیسے جلیل القدر اور معصوم پیغمبر، اس سے ہم کو یقین ہو گیا کہ یقیناً انھوں نے ایسے ناپاک مذہب کی دعوت نہیں دی، اُن کی دعوت تو صرف دعوت توحید اور تنزیہ تھی، مگر یہ دعوت نمایاں نہ ہو سکی، بلکہ لپٹی ہوئی اور گمنام رہی، اور یہ ثابت ہو گیا کہ اُن کی دعوت الی الحق کا کوئی اثر نمایاں نہ ہو سکا“

امام قرطبیؒ کا ارشاد :-

امام موصوف اپنی کتاب مسمیٰ کتاب الاعلام بانی دین النصاری من الفساد و
 الاولیٰ باب ۳ میں فرماتے ہیں :-

”جو کتاب عیسائیوں کے ہاتھوں میں ہے جس کا نام انھوں نے انجیل رکھ چھوڑا ہو وہ انجیل ہرگز نہیں ہے جس کا تذکرہ اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی فرمایا

وَأَنْزَلَ التَّوْرَةَ دَاوُدَ إِنَّا نَجِیْلٌ مِّنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ ۖ

پھر انھوں نے اس دعویٰ کی دلیل یہ پیش کی ہے کہ حواری نہ پیغمبر تھے، اور نہ غلطی سے معصوم تھے، اور جن کرامات کا انھوں نے دعویٰ کیا ہے اُن میں کوئی بھی تواتر کے ساتھ منقول نہیں ہے، بلکہ سب اخبار آحاد ہیں، اور وہ بھی صحیح نہیں ہیں، اور اگر ان کی صحت مان بھی لی جائے تب بھی تمام واقعات میں حواریوں کی سچائی پر ہرگز دلالت نہیں کر سکتیں، اور نہ ان کی نبوت پر دلالت کر سکتی ہیں، کیونکہ انھوں نے اپنے پیغمبر ہونے کا کوئی دعویٰ نہیں کیا، بلکہ عیسیٰ علیہ السلام کے مبلغ ہونے کے مدعی ہیں، پھر فرماتے ہیں کہ:-

”اس بحث سے یہ واضح ہو گیا کہ جس انجیل کا دعویٰ کیا جاتا ہے وہ تواتر کے ساتھ منقول نہیں ہے، اور نہ اُس کے ناقلوں کے معصوم ہونے پر کوئی دلیل موجود ہے، اس لئے ناقلوں میں غلطی اور سہو کا امکان ہے، لہذا نہ انجیل کی قطعیت ثابت ہو سکتی ہے اور نہ غلبہ ظن، اس لئے نہ وہ قابل التفات ہے، اور نہ استدلال کے لئے قابل اعتماد ہے، یہ امر اس کے رد کے لئے اور اس میں تحریف کی صلاحیت ہونے اور اس کے مضامین کے لائق اعتبار نہ ہونے کے لئے کافی ہے، مگر اس کے باوجود ہم اس کے چند مقامات کا ذکر کرنا چاہتے ہیں، جن سے اس کے ناقلوں کی بے پردہی اور نقل کی غلطی واضح ہو جاتی ہے“

اس کے بعد انھوں نے ان مقامات کو نقل کیا ہے اور فرمایا ہے کہ:-

لے ترجمہ:- ”اور اللہ نے اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لئے تورات اور انجیل اتاری“ ۱۲ تقی

”اس صیح بحث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ توریت و انجیل پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا اس لئے دونوں سے استدلال درست نہیں ہے، کیونکہ دونوں غیر متواتر ہیں، اور دونوں میں تحریف کا امکان موجود ہے، اور بعض تحریف شدہ کی ہم نے نشاندہی کر دی ہے، پھر جب اس قسم کی تحریف دونوں کتابوں میں بھی واقع ہو سکتی ہو جو ان کے نزدیک سب سے زیادہ عظیم الشان اور مشہور ترین اور دیانت کا شاہکار ہیں، تو آپ ان کے علاوہ عیسائیوں کی دوسری کتابوں کی نسبت خود آفتاب نم کر لیجئے کہ ان کی کیا پوزیشن ہے؟ چونکہ ان کی طرح مشہور ہیں، نہ خدا کی طرف منسوب ہیں، یقیناً غیر متواتر ہونے میں اور قبولِ تحریف میں یہ کتابیں توریت و انجیل سے بڑھی ہوئی ہوں گی۔“

یہ کتاب قسطنطنیہ کے کتب خانہ کو پہلی میں موجود ہے،

علامہ مسترزی کی رائے :-

علامہ موصوف آٹھویں صدی کے ہیں، اپنی تاریخ کی جلد اول میں قبطیوں سے قبل کی قوموں کی تاریخ کے بیان میں یوں کہتے ہیں کہ :-

”یہودیوں کا گمان ہے کہ جو تورات ہمارے پاس ہے وہ آمیزش سے پاک ہے، اس کے

برعکس عیسائیوں کا دعویٰ ہے کہ توریت سبعین جو ہمارے پاس ہے اس میں کوئی تغیر

۱۱ یعنی کتاب الاطلام جس سے علامہ قرطبی کی مذکورہ عبارتیں نقل کی گئی ہیں ۱۲

۱۳ توریت سبعین اس سے مراد مشہور ہشتادی ترجمہ “ Septuagint ہے جو عہد

قدیم کا قدیم ترین یونانی ترجمہ ہے اور اس کو بمقتادی اس لئے کہتے ہیں کہ تیسری صدی قبل مسیح میں الیخسز سردار کاہن کی خواہش پر یہ دھلم سے شترترجمین (اور زیادہ صحیح روایت کے مطابق بہتر) اسکندریہ بھیجے گئے تھے اور انھوں نے مشترکہ طور پر اس ترجمہ کو مرتب کیا تھا، بعد میں اسی ترجمہ کو یونانی لوگوں نے اپنی بائبل تسلیم کیا،

و تبدیل واقع نہیں ہوا، اور یہودی اس کی نسبت اس کے خلاف کہتے ہیں، سامری کہتے ہیں کہ ان کی توریت حق ہے، اور اس کے علاوہ جس قدر توریت ہیں وہ باطل ہیں، ان کے اس اختلاف میں شک کو دور کرنے والی کوئی چیز نہیں ہے، بلکہ مزید شک بڑھانے والی ہے،

بعینہ یہی اختلاف عیسائیوں کے درمیان انجیل کے بارہ میں ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ عیسائیوں کے یہاں انجیل کے چار نسخے ہیں، جو ایک ہی مصحف میں جمع کر دیے گئے ہیں، ازل متی کی انجیل ہے، دوسری مرقس کی، تیسری یوحنا کی، چوتھی لوقا کی، ان چاروں میں ہر ایک نے اپنے علاقہ میں اپنی دعوت کے مطابق ایک انجیل تالیف کی، جن میں بے شمار اختلافات ہیں، یہاں تک کہ مسیح کی صفات ہیں، ان کی دعوت کے زمانہ میں، سولی دیئے جانے کے وقت میں، ان کے نسب میں یہ اختلاف ناقابل تخیل ہے، اس کے باوجود مرقیون والوں

لے اگرچہ یہ یہودیوں میں گناہ ہے، لیکن عیسائیت کے ظہور کے بعد جب کلیسائے اس عہد عتیق کا مستند ترجمہ تسلیم کر لیا تو یہودی اس کے منکر ہو گئے، (بائبل ہینڈ بک) نہیں کہا جاسکتا کہ انہوں نے یہ انکار محض کلیسا دشمنی میں کیا، یا واقعی عیسائیوں نے اس میں تخریب کر ڈالی تھی،

لے مرقیون Marcion عیسائیوں کے فرقہ مرقونیہ کا بانی، یہ پنطس کے شہر سلوپ میں پیدا ہوا تھا، شروع میں بت پرست تھا، تقریباً سالہ ۱۴۰ء میں عیسائی ہوا، اور سالہ ۱۶۰ء کے لگ بھگ اس نے اپنا الگ فرقہ قائم کیا، جس کے نظریات یہ تھے کہ انسان کا خالق ایک بے رحم اور ظالم خدا ہے، ایک عرصہ تک نیر انسان پیدا ہو کر اس کے ظلم و ستم کا شکار رہی، پھر ایک اور خدا نے جو منصف اور رحم دل تھا اپنے بیٹے یسوع مسیح کو دنیا میں بھیجا، تاکہ وہ انسانوں کو نجات دلائے، اس کا کہنا تھا کہ یسوع مسیح کی تعلیمات کو حواری بھی ٹھیک ٹھیک نہیں سمجھے، صرف پولس وہ شخص تھا جس نے انہیں صحیح سمجھا۔ اور اسے درحقیقت یسوع مسیح نے ہی بھیجا تھا، لوگوں نے اس کی باتوں کو بھی کماحقہ نہیں سمجھا، یہاں تک کہ وہ بھی رخصت

اور ابن ویصان^۱ دالوں میں سے ہر ایک کے پاس ایک انجیل ہو جس کے بعض حصے
 انجیل کے مخالف ہیں، مانی^۲ کے اصحاب کے پاس ایک علیحدہ انجیل ہو
 جو نصاریٰ کے عقائد کے شروع سے آخر تک مخالف ہے، ان کا یہ دعویٰ ہے کہ
 یہی مسیح ہے، اور اس کے علاوہ سب باطل ہیں، ان کے یہاں ایک انجیل
 اور ہے، جس کا نام انجیل سبعین^۳ ہو، جو تلامس کی طرف منسوب ہے، اور عیسائی
 اور دوسرے لوگ اس کے منکر ہیں، پھر جب اہل کتاب کے درمیان اس قدر
 شدید اختلاف ہے کہ اس میں حق و باطل میں امتیاز کرنا عقل اور رائے
 کے بس میں نہیں ہو تو پھر ان کی جانب سے اُس کی حقیقت سے آگاہ ہونا
 ناممکن ہو، اور اس سلسلہ میں اُن کی کوئی بات بھی لائق اعتماد نہیں ہو سکتی۔“

کشف الظنون عن اسامی الکتاب والافنون کے مصنف نے انجیل کے باب میں
 یوں کہا ہے کہ:-

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ہو گیا، پھر منصف خدا نے مجھے رسول بنا کر بھیجا، اور میں لوگوں کو مسیح اور
 پولس کا سچا پیغام سناتا ہوں، وہ مرد و جہ انجیل کو تحریف شدہ مانتا تھا، اور اس نے ایک الگ
 انجیل بنائی تھی، جسے وہ سچی انجیل کہتا تھا، اس منسرقہ کے متبعین زیادہ تر شام اور فلسطین اور
 کچھ مغرب کے علاقوں میں تھے، شام سے شام تک اُن کا عروج رہا، اور یہ کلیسا اعظم کے لئے
 خطرہ بنے، پھر اُن کا زور ہلکا ہو گیا، اور ساتویں صدی میں یہ فرقہ فنا ہو گیا اور انسانی سیکولر یا برائی کا
 مقالہ ”مرقیون“ ص ۸۶۸ ج ۱۱۴

۱۔ اس کی سوانح اور عقائد کا ہمیں سراغ نہیں لگ سکا ۱۲
 ۲۔ ”مانی“ ایران کا مشہور فلسفی اور ثانیوی مذہب کا بانی جو شام میں پیدا ہوا تھا، اس کا کہنا تھا کہ
 خدا صرف روشنی کا خالق ہے، جس سے تمام بھلائیاں جنم لیتی ہیں، اندھیرے کا نہیں جس سے تمام
 برائیاں پیدا ہوتی ہیں، یہ شخص ایک حد تک عیسائی عقائد سے بھی متفق تھا، اور بائبل کی بعض

”وہ ایک کتاب تھی جس کو اللہ نے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام پر نازل کیا تھا۔“
پھر ایک طویل عبارت میں ان اناجیل اربعہ کے اصلی انجیل ہونے کی تردید کی ہے، اور
کہا ہے کہ :-

”عیسیٰ جو انجیل لے کر آئے تھے وہ ایک ہی انجیل تھی، جس میں اختلاف و تضاد
ہرگز نہیں تھا، ان عیسائیوں نے اللہ پر اور اس کے پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام پر چوٹی
بہمت رکھ دی“

ہدایۃ الحیاری فی اجوبۃ الیہود والنصارى کے مصنف کہتے ہیں کہ :-

”یہ توریت جو یہودیوں کے ہاتھوں میں ہے اس میں اس قدر کمی بیشی اور تحریف
پائی جاتی ہے جو ماہرین علم سے چھپی ہوئی نہیں ہے، اُن کو خوب یقین ہے کہ یہ
تحریف اور اختلاف اُس توریت میں ہرگز نہ تھا جو موسیٰ علیہ السلام پر خدا نے
نازل کی تھی، اور نہ اُس انجیل میں تھا جس کو مسیح علیہ السلام پر نازل کیا گیا تھا،
ظاہر ہے کہ جو انجیل عیسیٰ پر نازل ہو چکی تھی اس میں اُن کو سولی دیئے جانے کا
واقعہ کیونکر درج ہو سکتا ہے؟ اسی طرح جو برتاؤ ان کے ساتھ کیا گیا، یا تین روز
بعد اُن کا قبر سے زندہ ہو کر نکل آنا وغیرہ جو درحقیقت عیسائیوں کے
اکابر کا کلام ہے۔“

پھر کہتے ہیں کہ :-

”بہت سے علماء اسلام نے اس کمی بیشی اور تفاوت و اختلاف کو واضح طور
پر بیان کیا ہے، اور اگر طوالت کا اندیشہ نہ ہوتا اور اس سے زیادہ اہم اور
ضروری باتیں بیان کرنا نہ ہوتیں تو اس قسم کی کافی مثالیں پیش کرتے“

اور جو صاحب بھی ہماری کتاب کے باب کا مطالعہ فرمائیں گے اُن پر ہمارے دعویٰ کی سچائی و زردش کی طرح نمایاں ہو جائے گی، ضرورت فونہ تھی کہ اس باب میں مزید اور کچھ لکھا جائے، مگر بعض مصاح کے پیش نظر دو مزید مغالطوں پر روشنی ڈالنا مناسب سمجھتا ہوں :-

دو مغالطے

علماء پرٹسٹنٹ عوام کو قریب رہنے کے لئے کبھی کبھی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ پہلی اور دوسری صدی میں ان انجیلوں کی سند موجود ہے، کیونکہ اس کے وجود کی شہادت روم کے بڑے پادری کلیسنس اور اگناشس وغیرہ نے دی ہے جو ان دونوں صدیوں کے علماء میں سے ہیں،

دوسرے یہ کہ مرقس نے اپنی انجیل پطرس کی اعانت سے لکھی ہے، اور لوتا نے پولس کی مدد سے اپنی انجیل لکھی، اور پطرس اور پولس دونوں صاحب الہام تھے اس لئے یہ دونوں انجیلین اس لحاظ سے الہامی قرار پاتی ہیں، پہلے مغالطہ کا جواب :-

یہ ہے کہ ہمارے اور عیسائیوں کے درمیان جس سند کا جھگڑا ہے اس سے مراد سند متصل ہے، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک معتبر انسان ایک یا چند واسطوں سے کسی دوسرے معتبر شخص ہے اس کا یہ قول نقل کرے کہ فلاں کتاب فلاں حواری یا فلاں پیغمبر کی تصنیف ہے، اور میں نے پوری کتاب اس کی زبان سے خود سنی ہے، یا اس کو کوئی سنائی ہے، یا یہ کہ اس نے میرے سامنے یہ اقرار کیا کہ یہ

کتاب میری تصنیف ہے، اور اس واسطہ یا واسطوں کا معتبر اشخاص ہونا ضروری ہے جن میں روایت کی تمام شرطیں جمع ہوں،

اس کے بعد ہمارا کہنا یہ ہے کہ اس نوع کی مسند دوسری صدی کے آخر یا تیسری صدی کے شروع سے اناجیل کے مصنفین تک عیسائیوں کے پاس ہرگز موجود نہیں ہے، ہم نے متعدد مرتبہ اسی مسند کا اس سے مطالبہ بھی کیا، اور خود ان کی اسناد کی کتابوں میں تلاش بھی کیا، مگر افسوس ہے کہ ہم اپنے مقصد میں ناکام رہے، بلکہ پادری قسطنطین نے مجلس مناظرہ میں یہ عذر پیش کیا کہ ہمارے پاس اس قسم کی مسند اس لئے موجود نہیں ہے کہ ابتدائی مسیحی صدیوں میں ۳۱۳ سال تک بڑے بڑے حوادث پیش آتے رہے اس لئے یہ سند رومی پادری کلیمنس یا اگناشنس وغیرہ کے کلام میں دوسری صدی کے آخر تک موجود نہیں ہے

ہم اس تخمینہ اور اندازہ کا انکار نہیں کرتے، جن کی بناء پر یہ حضرات کتب مقدسہ ان کے اصل مصنفین سے منسوب کرتے ہیں، اور نہ ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ لوگ اپنی کتابوں کو ان کے مصنفوں کی طرف گمان و اندازہ اور قرائن سے منسوب نہیں کرتے، بلکہ ہمارا کہنا تو صرف اس قدر ہے کہ ظن اور تخمینہ کو سند کا نام نہیں دیا جاسکتا، جیسا کہ آپ کو فصل نمبر ۲ میں معلوم ہو چکا ہے،

نہ ہم کو اس بات کا انکار ہے کہ یہ کتابیں دوسری صدی کے آخر یا تیسری صدی کے شروع میں اس ناقص طریقہ سے مشہور ہو گئی تھیں، کہ ان میں تحریف کئے جانے کی

۱۔ جب مصنف کا پادری قسطنطین سے مشہور مناظرہ ہوا تھا، تو فنڈر کی جانب پادری فریچ ہلور معادن مقرر ہوئے تھے اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے ڈاکٹر وزیر خان صاحب مرحوم ۱۲ تقی

پوری گنجائش پائی جاتی ہو، ایسی ناقص شہرت کا ہم اعتراض کرتے ہیں جیسا کہ باب میں عنقریب معلوم ہوگا، اس موقع پر ہم کلیمنس اور اگناسٹس کا کچا چٹھا بھی بیان کرتے ہیں تاکہ کیفیت پورے طور پر واضح ہو جائے، سنئے !

کیا کلیمنس کا خط اناجیل سے ماخوذ ہے؟

روم کے بڑے پادری کلیمنس کی جانب ایک خط منسوب کیا جاتا ہے، جو اُس نے ”رومی گرجا“ کی جانب سے کرنتھس کے گرجا کو لکھا تھا، اس کے سال تحریر میں بھی اختلاف ہے، چنانچہ کنٹربری کہتا ہے کہ ”یہ سال ۶۳ء اور ۷۰ء کے درمیان کا کوئی سال ہے“ لیکرک کا قول ہے کہ ۶۹ء دیون اور تلی مینٹ کہتے ہیں کہ کلیمنس ۹۱ء یا ۹۲ء تک اسقف نہیں بنا تھا، پھر جب اُس وقت تک اسقف ہی نہ بن سکا تھا تو ۹۲ء یا ۹۳ء میں یہ خطوط کیسے لکھ سکتا ہے؟

مشہور مدبر و لیم میور نے ۹۵ء کو ترجیح دی ہے، اور مفسر لارڈز نے ۹۶ء

کو ترجیح دی ہے،

ہم اس اختلاف سے بھی قطع نظر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس خط کا سال تحریر عیسائی دعوؤں کے مطابق بہر حال ۹۵ء سے متجاوز نہیں ہوتا، اور اتفاق سے اس کے بعض جملے ان چاروں متعارف انجیلوں میں سے کسی ایک انجیل کے بعض جملوں سے کسی مضمون میں متحد اور موافق ہو گئے ہیں، جس کی وجہ سے عیسائی زبردستی یہ دعوئے کر بیٹھے کہ یہ جملے اس نے انجیلوں سے نقل کئے ہیں، یہ دعویٰ چند اسباب کی بنا پر باطل ہے:-

۱۔ بعض مضامین کے اتحاد سے نقل کرنا لازم نہیں آتا، درنہ یہ بات لازم آئیگی

کہ ان لوگوں کا دعویٰ سچا ہو جائے، جن کو پروٹسٹنٹ فرقہ کے لوگ ملحد کہتے ہیں، کیونکہ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ انجیل میں جو اخلاق حسنہ کی تعلیمات نظر آتی ہیں، وہ حکماء اور بت پرستوں کی کتابوں سے منقول ہیں، اکیسہ سو مو کا مصنف کہتا ہے کہ :-

انجیل میں اخلاق فاضلہ کی جو تعلیم موجود ہے، اور جس پر عیسائیوں کو بڑا ناز ہے وہ لفظ بہ لفظ کنفیوشس کی کتاب الاخلاق سے منقول ہے جو زادت مسیح سے ۶۰۰ سال قبل گذرا ہے، مثلاً اس کی کتاب کے خلق ۲۴ میں یوں کہا گیا ہے کہ: دوسرے کے ساتھ دہی برتاؤ کر جس کی اس سے اپنے لئے توقع رکھتے ہو، اور تم کو صرف اس خلق کی ضرورت ہے، کیونکہ یہ تمام اخلاق کی جڑ ہے، خلق ہمراہ میں ہے کہ اپنے دشمن کی موت مانگو، کیونکہ یہ خواہش بے کار ہے، جب کہ اس کی زندگی خدا کی قدرت میں ہے، خلق نمبر ۵۲ میں ہے کہ: ہمارے لئے دشمن سے اعراض کرنا بغیر انتقام لئے ہوتے ممکن ہے، اور طبعی خیالات ہمیشہ بُرے نہیں ہوتے، اسی قسم کی اور بہت سی عمدہ نصیحتیں ہندوستان و یونان کے حکماء کے کلام میں موجود ہیں۔

۲، اگر کمپنس ان انجیلوں سے نقل کرتا تو اس کی نقل پورے مضمون میں اصل کے مطابق ہونا چاہئے، مگر ایسا نہیں ہے، بلکہ اس نے کئی جگہ انجیلوں کی مخالفت کی ہو، یہ اس امر کی بڑی دلیل ہے کہ اس نے ان انجیلوں سے نقل نہیں کیا، اور اگر اس کی

۱۲ یعنی ابرہہ کے حامی افراد جو اپنے آپ کو آزاد خیال اور معقولیت پسند Rationalist کہتے ہیں ۱۲

۱۳ کنفیوشس (Confucious) اخلاقیات کا مشہور فلسفی جو چین کے مذہب

اخلاق پر پیداثر انداز تھا، و پیدائش ۵۵۱ ق، وفات ۴۷۹ ق، اس کی نسبت سے چین کے

سابق نظریہ حیات کو "کنفیوشزم" کہا جاتا ہے، ۱۲ تقی

نقل ثابت بھی ہو جائے تو ہو سکتا ہے کہ اس نے ان چار انجیلوں کے بجائے اُن انجیلوں سے نقل کیا ہو جو اس کے عہد میں مروج تھیں، چنانچہ اکہادن نے اس جملہ کے بارے میں یہ اقرار کیا ہے، جن کو آسمانی آواز کے ذیل میں نقل کیا ہے،

۳، یہ شخص تابعین میں سے ہے، اور شیخ کے اقوال و احوال سے اس کی واقفیت مرقس و لوقا کی واقفیت سے کم نہیں ہے، اس لئے غالب یہی ہو کہ اُسے مروجہ انجیلوں سے نقل کرنے کے بجائے خود ان روایات سے نقل کیا ہو گا جو اس تک پہنچی تھیں، ہاں اگر اس کے کلام میں اس امر کی صراحت ہوتی ہے کہ میں نے نقل کی ہے تو یہ دعویٰ بلا محل ہو سکتا تھا، مگر موجودہ صورت میں قطعی بے محل ہے، ہم اس کے خط کی تین عبارتیں (تثلیث کے عہد کی روایت سے) نقل کرتے ہیں:-
کلیمس کے خط کی عبارت :-

”جو شخص عیسیٰ سے محبت رکھتا ہے اس کو عیسیٰ کی وصیت پر عمل کرنا چاہئے“
سٹر جوئس کا دعویٰ ہے کہ کلیمس نے یہ فقرہ انجیل یوحنا باب ۱۲ آیت ۵ سے نقل کیا اور آیت مذکورہ یوں ہے کہ:-

”اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے“

دونوں عبارتوں کے مضمون میں جو مناسبت پائی جاتی ہے جوئس صاحب نے محض اس کی بناء پر نقل کا دعویٰ کیا ہے، اور اس منسوق کو نظر انداز کر دیا جو دونوں میں نمایاں ہے، یہ دعویٰ محض ہٹ دھرمی ہے، جس کی وجہ پیچھے اسباب ثلاثہ..... میں آپ معلوم فرما چکے ہیں، بلکہ یہ بات سرے سے غلط ہے، کیونکہ آپ کو معلوم ہو چکا ہو کہ اس خط کا سال تحریر جملہ اقوال کے پیش نفاذ ۹۶ء سے متجاوز نہیں ہو سکتا، حالانکہ

خود ان کی رائے کے مطابق انجیل یوحنا ۱۸ء میں لکھی گئی ہے، پھر یہ فہرہ اس انجیل سے کیونکہ منقول ہو سکتا ہے؛ مگر سند ثابت کرنے کے جنون نے اس باطل وہم میں مبتلا کر دیا،

ہورن اپنی تفسیر مطبوعہ ۱۸۲۲ء جلد ۲ صفحہ ۳۰۷ میں کہتا ہے کہ :-

”یوحنا نے اپنی انجیل کریمزاسٹم اور اپنی ٹائٹس جیسے متقدمین اور متاخرین میں سے ڈاکٹر مل اور فیبری شیس، لیکرک اور بشپ ٹامپلن کی رائے کے مطابق ۹۷ء میں لکھی اور مشر جونز کی رائے کے مطابق ۹۸ء میں لکھی ہے“

اس کے علاوہ یہ چیسز ہدیہ ہے کہ سچا عاشق وہی ہے جو محبوب کی وعیت پر عمل کرے، اور جو عمل نہیں کرتا وہ دعویٰ محبت میں جھوٹا ہے، لارڈ زرنمستر نے بڑی انصاف پسندی سے کام لیتے ہوئے اپنی تفسیر مطبوعہ ۱۸۲۷ء کی جلد ۲ صفحہ ۳۳ پر کہا کہ ”میں سمجھتا ہوں کہ اس نقل میں شبہ ہی، اس نے کہ کلیسن حواریوں کے دستخط اور ان کی صحبتوں کی وجہ سے خوب جانتا تھا کہ مسیح علیہ السلام کے عشق کا دعویٰ لوگوں پر اس کے احکام پر عمل کرنے کو واجب کرتا ہے“

دوسری عبارت :-

اس کے خط کے باب ۱ میں ہے کہ :-

”جس طرح لکھا ہوا ہے ہم اسی طرح کرتے ہیں، کیونکہ روح القدس نے یوں کہا ہے کہ عقلمند انسان اپنی عقل پر ناز نہیں کیا کرتا، اور خداوند مسیح کے وہ الفاظ یاد کرنے چاہئیں جو انھوں نے بر دباری اور مجاہدہ کی تعلیم کے وقت کہی تھے، یعنی تم دوسروں پر رحم کرو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے، تم دوسروں کی خطا

معاف کرو، تاکہ تمہاری خطا سے درگزر کی جائے، جیسا کہ تم دوسروں کے ساتھ
برتاؤ کرو گے وہی تمہارے ساتھ کیا جائے گا، جیسا تم دوسروں کو دو گے ویسا ہی
تم کو دیا جائے گا، جیسا کرو گے ویسا بھرو گے، جیسا تم دوسروں پر رحم کھاؤ گے
تم پر رحم کیا جائے گا، جس پیمانے سے تم دوسروں کو ناپ کر دو گے اُسی پیمانے سے
تم کو ناپ کر دیا جائے گا۔

عیسائیوں کا دعویٰ ہے کہ کلیمنس نے یہ عبارت انجیل لوقا کے باب ۱۱ آیت ۳۶،
۳۷، ۳۸، اور انجیل متی کے باب ۱ آیت نمبر ۲ و ۱۲ سے نقل کی ہے، اور لوقا کی
عبارت اس طرح ہے کہ :-

”جیسا تمہارا باپ رحیم ہے تم بھی رحیم دل ہو، عیب جوئی نہ کرو، تمہاری
بھی عیب جوئی نہ کی جائے گی، مجرم نہ ٹھہراؤ، تم بھی مجرم نہ ٹھہراتے جاؤ گے
خلاصی دو، تم بھی خلاصی پاؤ گے، دیا کرو، تمہیں بھی دیا جائے گا، اچھا پیمانہ
داب داب کر اور ہلا ہلا کر اور لبریز کر کے تمہارے پتے میں ڈالیں گے، کیونکہ جس پیمانہ
سے تم ناپتے ہو اسی سے تمہارے لئے ناپا جائے گا“ (آیات ۳۶ تا ۴۸)

اور متی کی عبارت یہ ہے :-

”عیب جوئی نہ کرو کہ تمہاری بھی عیب جوئی نہ کی جائے، کیونکہ جس طرح تم
عیب جوئی کرتے ہو اسی طرح تمہاری بھی عیب جوئی کی جائے گی، اور جس
پیمانے سے تم ناپتے ہو اسی سے تمہارے واسطے ناپا جائے گا“ (باب ۱، آیت ۲)

اور آیت ۱۲ میں ہے :-

”پس جو کچھ تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہارے ساتھ کریں، وہی تم بھی اُن کے ساتھ کرو“

کیونکہ توریت اور نبیوں کی تعلیم یہی ہے:

تیسری عبارت:

اس کے خط کے باب ۴۶ میں یوں ہے کہ:-

”خداے مسیح کے الفاظ یاد کرو، کیونکہ اس نے کہا ہے کہ اس انسان کے لئے بڑی خرابی اور ہلاکت ہے جس سے گناہ صادر ہو، اس کے لئے یہ بہتر تھا کہ وہ پیدا ہی نہ ہوتا، بہ نسبت اس کے کہ اُن لوگوں میں سے کسی کو اذیت دے۔ میرے برگزیدہ ہیں، اس کے لئے یہ اچھا تھا کہ اپنے گلے میں چکی کا پتھر لٹکا لیتا اور دریا کے بھنور میں ڈوب جاتا، بہ نسبت اس کے کہ میرے چھوٹے بچوں کو اذیت دے۔“

عیسائیوں کا دعویٰ ہے کہ کلیمنس نے یہ عبارت انجیل متی کے باب ۲۶ آیت ۲۴، اور باب ۱ کی آیت ۶ سے، اور انجیل مرقس باب ۹ آیت ۴۲ سے، اور انجیل لوقا باب ۲ آیت ۲ سے نقل کی ہے،

اور یہ آیات اس طرح ہیں:

انجیل متی باب ۲۶ آیت ۲۴ کے الفاظ یہ ہیں:-

”ابن آدم تو جیسا اس کے حق میں لکھا ہے جاتا ہی ہے، لیکن اس آدمی پر افسوس جس کے وسیلہ سے ابن آدم پکڑا یا جاتا ہے، اگر وہ آدمی پیدا نہ ہوتا تو اس کے لئے اچھا ہوتا۔“

اور باب ۱ آیت ۶ میں ہے کہ:-

”جو کوئی ان چھوٹوں میں سے جو مجھ پر ایمان لائے ہیں کسی کو ٹھیکہ کر رکھتا ہے،

اس کے لئے یہ بہتر ہے کہ بڑی چکی کا پاٹ اس کے گلے میں لٹکایا جائے، اور گہری
سمندر میں ڈبو دیا جائے۔“

اور انجیل مرقس باب ۹ آیت ۳۱ میں ہے :-

”جو کوئی ان چھوٹوں میں سے جو مجھ پر ایمان لائے ہیں کسی کو ٹھوکر کھلائے اس
کے لئے یہ بہتر ہے کہ ایک بڑی چکی کا پاٹ اس کے گلے میں لٹکایا جائے، اور
وہ سمندر میں پھینک دیا جائے۔“

اور انجیل لوقا باب ۱ آیت ۲ میں ہے :

”اُن چھوٹوں میں سے ایک کو ٹھوکر کھلانے کی بہ نسبت اس شخص کے لئے مفید
ہوتا کہ چکی کا پاٹ اس کے گلے میں لٹکایا جاتا، اور وہ سمندر میں پھینکا جاتا۔“

لارڈز نے اپنی تفسیر مطبوعہ ۱۸۲۷ء کی جلد ۲ صفحہ ۳۷ میں کلیمنس کی عبارت اور انجیلوں
کی عبارتیں نقل کرنے کے بعد یوں کہتا ہے :-

”میں نے متعدد انجیلوں کے الفاظ مقابلہ میں نقل کر دیئے ہیں، تاکہ ہر شخص اچھی
طرح پہچان لے، مگر عام رائے یہی ہے کہ اس عبارت کا آخری جزو انجیل لوقا
باب ۱ آیت ۲ سے نقل کیا گیا ہے۔“

کلیمنس کے خط کی مذکورہ دونوں عبارتیں ان عیسائیوں کے خیال میں جن کو
سند کا دعویٰ ہے سب بڑی عبارتیں ہیں، اسی لئے پہلی نے ان دونوں پر اکتفا کیا
ہو، لیکن یہ دعویٰ باطل ہے، کیونکہ اگر وہ کسی انجیل سے نقل کرتا تو منقول عنہ کی
صورت تصریح کرتا، اور اگر صراحت نہ کہتا تو کم از کم بقیہ عبارت کو نقل کرتا، اور اگر یہ
ممکن نہ تھا تو کم از کم نقل کردہ عبارت معنوی لحاظ سے پورے طور پر منقول عنہ کے

کے مطابق تو یہ توئی، حالانکہ ان میں سے کوئی صورت بھی نہیں ہے، پھر کیونکر نقتل کا احتمال صحیح ہو سکتا ہے؟ یہ بات کتنی عجیب ہے کہ لوقا کو کلیمنس پر ترجیح دے کر یہ کہا جا رہا ہے کہ کلیمنس نے اس سے نقل کیا ہے، جب کہ دونوں تابعی ہیں، اور دونوں عیسیٰ علیہ السلام کے حالات سے سمعاً واقف تھے،

اور اگر ہم نقل کو تسلیم بھی کر لیں تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس نے یہ دونوں عبارتیں کس دوسری انجیل سے نقل کی ہیں، جس طرح بیٹھوس کے حالات کا ایک فقرہ ایک مچھول الاسم انجیل سے نقل کیا ہے، جیسا کہ اکبارن کے کلام سے معلوم ہو چکا ہے، پیرس کے اسقف نے الصاف پسندی سے کام لیتے ہوئے اعتراض کیا ہے کہ اس نے ان انجیلیوں سے نقل نہیں کیا، لارڈز نے اپنی تفسیر کی حبلہ میں ان دونوں عبارتوں کے بارے میں کہا ہے کہ:-

”وہ لوگ جو حواریوں کی یا ہمارے خداوند کے ان دوسرے متبعین کی عجبت میں رہے جو انجیل کے مؤلفین کی طرح ہمارے خداوند کے اقوال و مسائل سے پوری طرح واقف تھے جب ہم ان کی تالیفات دیکھتے ہیں تو اکثر اوقات اشکال پیش آتا ہے، جب تک کہ نقل کی تصریح اور وضاحت نہ ہو، اس مقام پر جو اشکال ہو وہ یہ کہ آیا کلیمنس ان دو مقامات پر مسیح کے کہے ہوئے اقوال نقل کرتا ہے، یا اگر نقس والوں کو ان کے وہ اقوال یاد دل رہے جو اُس نے اور ان لوگوں نے حواریوں سے یا دوسرے مریدوں سے سنے ہیں، لہذا الیکٹرک نے تو اول کو ترجیح دی اور پیرس کے اسقف نے دوسرے کو،

ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ پہلی تینوں انجیلیں اس زمانہ سے پہلے تالیف

ہو چکی تھیں، پھر اگر کلیمس اُن سے نقل کرے تو یہ بات ممکن ہے، اگرچہ لفظ و عبارت میں پوری مطابقت نہ ہو، مگر یہ بات کہ اس نے واقعہ نقل کی ہے اس کی تحقیق آسان نہیں ہے، کیونکہ یہ شخص انجیلوں کی تالیف سے قبل بھی ان حالات سے بخوبی واقف تھا، اور انجیلوں کی تالیف کے بعد بھی یہ ہو سکتا ہے کہ جن حالات سے وہ بخوبی واقف تھا ان کا بیان اور تذکرہ انجیلوں کی تالیف سے پہلے کی عادت کے مطابق انجیلوں کی طرف رجوع کئے بغیر کرتا ہو، ہاں دونوں صورتوں میں انجیلوں کی سچائی کا یقین تازہ ہو جاتا ہے، کیونکہ رجوع کرنے کی صورت میں تو ظاہر ہے، دوسری شکل میں بھی انجیلوں کی تصدیق نمایاں ہوتی ہے، کیونکہ اس کے الفاظ ان کے موافق ہیں، اور وہ اس درجہ مشہور ہو چکی تھیں کہ وہ خود بھی اور گرنٹھس والے بھی اس کا علم رکھتے تھے، اور ہم کو یہ یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ انجیل کے مؤلفوں نے مسیح کے وہ الفاظ لکھے ہیں جن کی بھی تعلیم ہمارے خداوند نے بردباری اور ریاضت سمجھنے کے وقت دی تھی، اور یہ الفاظ کمال ادب کے ساتھ محفوظ کئے جانے کے لائق ہیں، اگرچہ یہاں دشواری ہے، لیکن اس کے باوجود میرا خیال ہے کہ اکثر افاضل کی رائے لیکرک کی رائے کے موافق ہوگی، البتہ کتاب الاعمال باب آیت ۳۵ میں مقدس پولس نے یہ نصیحت کی ہے کہ:

اور خداوند یسوع کی باتیں یاد رکھنا چاہئے کہ اس نے خود کہا دنیا

لینے سے مبارک ہو۔

اور مجھ کو یقین ہے کہ عام طور پر یہ بات تسلیم کی گئی ہے کہ پولس نے یہ قول کسی

مکتوب سے نقل نہیں کیا، بلکہ ان سچی الفاظ کو بیان کیا ہے جس سے اس کو اور دوسروں کو واقفیت تھی، مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہمیشہ رجوع کا طریقہ یہی سمجھا جائے، بلکہ اس طریقہ کا استعمال مکتوب وغیرہ میں بھی ممکن ہے، اور ہم کو معلوم ہے کہ پولی کارپ نے یہ طریقہ استعمال کیا ہے، اور غالب بلکہ یقین ہر کہ وہ بھی ہوائی انجیلوں سے بھی نقل کرتا ہے۔

اس کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ عیسائی علماء کو اس امر کا پختہ یقین نہیں ہے کہ کلیمنس نے ان انجیلوں سے نقل کیا ہو، اور جو شخص بھی نقل کا دعویٰ کرتا ہے وہ محض ظن کی بنا پر کرتا ہے، باقی یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ بہر دو صورت انجیلوں کی سچائی ثابت ہوتی ہے، اس لئے کہ شک پیدا ہو گیا ہے کہ جس طرح مؤلفین انجیل نے اس مقام پر مسیح کے کلام کو کی بیتی کے ساتھ نقل کیا ہے، اسی طرح دوسرے مواقع پر بھی ان کی نقل اسی طرح ہوگی، اور اقوال مسیح کو انھوں نے بعینہ نقل نہیں کیا ہوگا۔

اور اگر ہم اس سے قطع نظر بھی کر لیں تو بھی یہ کہا جائے گا کہ کلیمنس کے کلام سے یہ بات لازم آتی ہے کہ ان انجیلوں کے یہ جملے مسیح کا کلام ہیں، مگر یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ انجیلوں کا پورا بیان اور نقل اسی قسم کی ہے، کیونکہ کسی ایک قول کی شہرت سے تمام اقوال کا مشہور ہونا ضروری نہیں ہے، ورنہ لازم آئے گا کہ دوسری جھوٹی انجیلیں بھی محض اس وجہ سے سچی مانی جائیں کہ کلیمنس کے مکتوب کے بعض فقرے ان کے موافق ہیں۔

اور یہ بات بھی غلط ہے کہ پولیکارپ بھی اس طریقہ کو استعمال کرتا ہے،

کیونکہ یہ شخص بھی کلیمنس کی طرح حواریوں کا تابعی ہے، اور دونوں کی پوزیشن ایک ہے اس کا اناجیل سے نقل کرنا ظن غالب کا درجہ حاصل نہیں کرتا، چہ جائیکہ یقینی ہو، بلکہ ہو سکتا ہے کہ اس کی پوزیشن اس طریقہ کے استعمال کے وقت مقدس پولس جیسی ہو۔
اگناشس کے خطوط اور انکی حقیقت:

کلیمنس کی پوزیشن واضح کرنے کے بعد جو سب سے بڑا شاہد تھا اب دوسرے شاہد اگناشس کا حال سنئے، یہ شخص بھی حواریوں کا تابعی ہے، جو اطاکیہ کا اسقف تھا، لارڈز نے اپنی تفسیر کی جلد ۲ میں کہتا ہے کہ:-

”یوسی بیں اور جیرم نے اس کے نایاب خطوط کا ذکر کیا ہے، ان کے علاوہ کچھ دوسرے خطوط بھی اس کی طرف منسوب ہیں، جن کی نسبت جہور علماء کی رائے یہ ہے کہ وہ جعلی ہیں، میرے نزدیک بھی ظاہر یہی ہے، ان سات خطوط کے دو نسخے ہیں، ایک بڑا، دوسرا چھوٹا، اور سوائے مسٹر و سٹن اور دریا چار اس کے متبعین کے سب کا فیصلہ یہ ہے کہ بڑے نسخے میں اضافہ کیا گیا ہے، اور چھوٹا نسخہ اس لائق ہے کہ اس کی جانب منسوب کیا جاسکے،

میں نے بڑے غور سے ان دونوں کا مقابلہ کیا ہے جس سے مجھ کو یہ منکشف ہوا ہے کہ چھوٹے نسخے کو الحاق اور زیادتی سے بڑا بنادیا گیا، یہ بات نہیں ہے کہ بڑے کو حذف و اسقاط کے ذریعہ چھوٹا کر لیا گیا ہو، متقدمین کے

۱۰ یعنی جس طرح پولس نے اعمال، ۲۰، ۳۵ کی طرح کئی وہ اقوال حضرت مسیح کی طرف منسوب کر دی ہیں جو انجیلیوں میں نہیں ہیں، بلکہ اس کو زبانی روایات کے ذریعہ پہنچے تھے، اسی طرح عین ممکن ہے کہ پولیکارپ نے بھی ایسا ہی کہا ہو،

منقولات بھی بہ نسبت بڑے کے چھوٹے کے زیادہ موافق ہیں۔

اب یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ چھوٹے نسخہ کے خطوط کیا واقعی اگنا شس کے لکھے ہوئے ہیں یا نہیں، اس میں بڑا نزاع و اختلاف ہے، بڑے بڑے محققوں نے اس باب میں اپنے اپنے قلم کے گھوڑے دوڑاتے ہیں، فریقین کی تحریرات دیکھنے کے بعد یہ سوال میرے نزدیک پیچیدہ ہو گیا ہے، البتہ میرے نزدیک یہ بات واضح ہے کہ یہ خطوط وہی ہیں جن کو یوسی میں نے پڑھا اور جو آرہجن کے عہد میں موجود تھے، ان کے بعض فقرے اگنا شس کے دور کے مناسب نہیں ہیں، اس بنا پر مناسب یہ ہے کہ ہم یہ خیال قائم کر لیں کہ یہ فقرے الحاقی ہیں، نہ یہ کہ ہم تمام خطوط کو ان بعض فقرے کی وجہ سے رد کر دیں بالخصوص نسخوں کی قلت کی صورت میں جس میں ہم مبتلا ہیں، اور جس طرح فرقہ ایرین^۱ کے کسی شخص نے بڑے نسخہ میں اضافہ کر دیا تھا، اسی طرح ممکن ہے کہ اس فرقہ کے کسی شخص نے یادینداروں میں سے کسی نے یادوں میں کسی شخص نے چھوٹے نسخہ میں بھی تصرف کیا ہو، اگرچہ میرے نزدیک اس تصرف سے کوئی بڑا نقصان واقع نہیں ہوا۔

محشی پہلی حاشیہ پر لکھتا ہے کہ :-

”گزشتہ زمانہ میں اگنا شس کے تین خطوط کا ترجمہ سریانی زبان میں پایا جاتا تھا، جس کو کیووسی ٹن نے طبع کیا تھا، اور یہ بات قریب قریب یقینی ہے کہ

۱۔ فرقہ ایرین، وہ فرقہ جو آریوس کا پیرو تھا، اور اس کے عقائد توحید کی طرف مائل تھے اور جسے نیقیہ کی کونسل میں رد کیا گیا،

چھوٹے خطوط جن کی اصلاح آئرنے کی تھی ان میں الحاق موجود ہے !

عیسائی علماء کی ان عبارتوں سے چند باتیں ثابت ہوتی ہیں :-

۱۔ ان سات خطوط کے علاوہ باقی تمام خطوط تمام علماء مسیحی کے نزدیک جعلی ہیں، اس لئے یہ خطوط غیر معتبر ہوتے،

۲۔ خطوط کا بڑا نسخہ بھی سوائے مسروٹن اور اس کے بعض متبعین کے سب کے نزدیک جعلی اور محرف ہے، اس لئے وہ بھی لائق اعتبار نہیں ہے،

۳۔ چھوٹے نسخے میں زبردست اختلاف پایا جاتا ہے، کہ وہ اصل ہے یا جعلی ! اور دونوں جانب بڑے بڑے محققین گئے ہیں، اس لئے منکرین کے قول کے مطابق یہ نسخہ بھی غیر معتبر ہے، اور جو لوگ اسے مانتے ہیں ان کے قول کی بناء پر بھی اس میں تحریف ماننے کے سوا چارہ نہیں، خواہ تحریف کرنے والا "فرقہ ایرین" کا کوئی فرد ہو، یا دیندار طبقہ کا ہو، یا دونوں میں سے کوئی ہو، اس لحاظ سے یہ نسخہ بھی قابل اعتبار نہیں ہے،

غالب یہی ہے کہ یہ نسخہ جعلی ہے، جس کو دوسرے خطوط کی طرح تیسری صدی میں گھڑا گیا ہے، اور اس میں کوئی تعجب کی بات بھی نہیں ہے، کیونکہ اس قسم کی جعل سازی ابتدائی مسیحی صدیوں میں نہ صرف جائز بلکہ مستحب شمار کی جاتی تھی، چنانچہ تفسیر بباہ، انجیلیں اور رسالے بنائے گئے، جن کو عیسیٰ اور مریم اور حواریوں کی طرف منسوب کر دیا گیا، پھر ان سات خطوط کا جعلی ہونا قطعاً مستبعد نہیں، بلکہ قرین قیاس ہے، بالکل اس طرح جس طرح دوسرے خطوط اس کی جانب منسوب کر دیئے گئے ہیں، یا جس طرح ایک تفسیر گھڑی گئی، اور اس کی نسبت

یشن کی جانب کر دی گئی، آدم کلارک اپنی تفسیر کے مقدمہ میں کہتا ہے کہ :
 وہ اصل تفسیر جو یشن کی طرف منسوب تھی وہ محدود ہو چکی ہے، اور جو
 اب منسوب کی جاتی ہے وہ علماء کے نزدیک مشکوک ہے، اور ان کا شک
 کرنا درست ہے ۔

اور اگر ہم یہ بات فرض بھی کر لیں کہ یہ خطوط اگناشس ہی کے ہیں تب بھی
 کوئی فائدہ نہ ہوگا، کیونکہ جب ان میں الحاق ہو چکا تو ان خطوط سے اعتماد اٹھ گیا، پھر
 جس طرح ان کے بعض فقرے عیسائیوں کے نزدیک الحاقی ہیں اسی طرح ممکن ہو کہ
 دوسرے بعض فقرے جن کی نسبت مدعیوں کا خیال ہے کہ وہ مستند ہیں وہ بھی جعلی
 ہوں، اور اس قسم کی باتیں ان لوگوں کی عادات سے مستبعد بھی نہیں ہیں، یوسی بیس
 اپنی تاریخ کی کتاب راج باب ۲ میں کہتا ہے کہ :-

”کو رنتھیہ کے اسقف دیونی شس نے کہا ہے کہ میں نے دوستوں کی درخواست
 پر مکتوبات لکھے ہیں، اور ان شیاطین کے جانشینوں نے ان کو گندگی سے
 بھر دیا، بعض اقوال کو بدل ڈالا، اور بعض کا اضافہ کر دیا، جس سے مجھ کو دوسرے
 دکھ پہنچا، اور اسی لئے اگر کسی شخص نے ہمارے خداوند کی مقدس کتابوں میں
 الحاق کا ارادہ کیا ہو تو کوئی تعجب نہ ہوگا، اس لئے کہ یہ لوگ ان کتابوں
 میں ایسا اللہ کر چکے ہیں جو ان کے مرتبہ کی نہیں ہیں“

لہ انجیل یشن اے ڈائیاٹیسرون
 Diatessaron of Tatian
 بھی
 کہا جاتا ہے، جی ٹی مینلی لکھتا ہے: ”یہ سیریا کے کلیسا کے لئے چاروں اناجیل کو اکٹھا کر کے تیار کیا گیا تھا،
 لیکن اس بات کا علم نہیں کہ یہ یونانی زبان میں تھا یا سریانی میں“ (ہماری کتب مقدسہ ص ۳۸)

آدم کلارک اپنی تفسیر کے مقدمہ میں کہتا ہے کہ :-

”آرچن کی بڑی بڑی تصانیف ناپید ہو چکی ہیں، اس کی ہیئت سی تفسیری
موجود بھی ہیں، مگر ان میں تمثیلی اور خیالی شرح بکثرت ہے جو ان میں تحریف
واقع ہونے کی زبردست دلیل ہے۔“

معلم میکائیل مشاقہ جو پرنسٹنٹ کے علماء میں سے ہیں، اپنی عربی کتاب
اجوبۃ الانجیلین علی اباطیل التقلیدین کی قسم اول فصل نمبر ۱ میں کہتا ہے کہ :-
”زمان لوگوں کا اپنے اکابر متقدمین کے اقوال میں تحریف کرنا تو پہلے ہم اس کے
دلائل بیان کرتے ہیں، تاکہ ہماری پوزیشن مخالفین کی طرح نہ ہو جائے، یعنی
ہمارے دعاوی بھی ان کی طرح بے دلیل نہ ہو، پھر ہم کہتے ہیں کہ کتاب نشین
جو یوحنا فم الذہب کی طرف منسوب ہو، اور جس کی تلامذت کنیسوں میں
کی جاتی ہے اس کا جو نسخہ ایک گردہ کے پاس ہے وہ دوسرے گردہ کے نسخہ
سے مطابقت نہیں رکھتا، کیونکہ رومیوں کے نزدیک اس میں خدا سے
درخواست کی جاتی ہے کہ وہ اپنی پاک روح روٹی اور شراب پر نازل فرما کر
ان دونوں کو گوشت اور خون میں تبدیل کر کے آسانی کر دیں، مگر کیتھولک کے
نزدیک اس میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ روٹی اور شراب پر روح القدس کو بھیجے

۱۵ یہ گریز اسٹم Chrysostome کا عربی نام ہے، نہایت فصیح و بلیغ مفسر

ہونیکل وجہ سے اسے ”فم الذہب“ (سوت کا منہ) کہا جاتا ہے، یہ مسئلہ عین انطاکیہ میں پیدا ہوا تھا، ایک
عرصہ تک قسطنطنیہ کا اسقف بھی رہا، مسئلہ عین انتقال ہوا (المنجد فی العلوم)۔

۱۶ اس میں ”عشاء ربانی“ کی رسم کا تذکرہ ہے، بات پوری طرح سمجھنے کے لئے پہلے ص ۴۲۲ کا حاشیہ

ملاحظہ فرمائیں ۱۲ تقی

تاکہ وہ انقلابی صورت اختیار کر لیں، لیکن آقاؑ سمجھیں کی امارت کے
 زمانہ میں لوگوں نے اس میں تغیر کر ڈالا، اور کہنے لگے کہ دونوں منتقل ہونیوال
 اور انقلاب قبول کرنے والی چیزیں اس لئے بھاگ گئیں کہ رومیوں نے
 ان کے خلاف اس بات کا دعویٰ کیا تھا کہ یہ انقلاب اس سبب سے ہوا کہ
 مگر کیتھولک سریان کے نزدیک یوں کہا جاتا ہے کہ اپنی پاک روح اس روٹی پر
 جو تیرے مسیح کے جسد کا راز ہے بھیج دے، اس میں انقلاب پر دلالت کرتی ہے الا
 کوئی لفظ موجود نہیں ہے، اور بہت ممکن ہے کہ یہ قول فم الذہب ہی کا ہو،
 کیونکہ اس کے زمانہ میں انقلاب اجماع کی تعلیم گرجوں میں رائج نہیں ہوئی تھی
 لیکن سردار یا بیٹا مظان جس نے رومی گرجے میں پھوٹ ڈالی تھی اور
 کیتھولک بن گیا تھا، وہ ۱۲۲۷ء میں رومیوں کے مجمع کے سامنے تقریر کرتے
 ہوئے اس معاملہ میں یہ کہتا ہے کہ میرے پاس ”ہلے“ قداس کے طقس میں یونانی
 عربی سریانی کتابیں موجود ہیں جن کا مقابلہ ہم نے رومی مطبوعہ نسخے سے کیا جو

لے اس عبارت کو ہم کافی غور و خوض کے باوجود نہیں سمجھ سکے، اہل علم کی طبع آزمائی کے لئے
 اصل عربی عبارت حاضر ہے:- ”وقالوا المنتقلان المستحيلان هربا من دعوى الروم
 حايهم بادن الاستعالة متميمه“

۱۲ ”طقس“ کلید کی ایک اصطلاح ہے، جس کا مطلب ہر شرابی، نماز، عیدوں کے اعلان
 وغیرہ کی دینی خدمات کا نظام، جو جماعت یا سردان خدمات کو انجام دیتا ہے انہیں بھی ”طقس“
 کہہ دیا جاتا ہے، اور ”قداس“ ایک خاص قسم کی سریانی ہے (المعنى العلوم، ۱۲ تقی

باسلی راہوں کا ہی ان تمام کتابوں میں کوئی ایک لفظ بھی ایسا موجود نہیں ہے جو انقلاب پر دلالت کرتا ہو، بلکہ یہ کہانی نیکفورس نے جو قسطنطنیہ کا بطریق تھا، قداس الروم میں گھڑی ہے، جو نہایت ہی مضحکہ خیز ہے، پھر جب ایسے قدیس کی افشین میں جو مشرق سے لے کر مغرب تک آبار کے درمیان مشہور ہے، جس کی تلاوت تمام مسروروں کے گرجوں میں ہوتی ہے، اس کے ساتھ لوگوں نے کھیل کیا، اور اپنی اغراض کے مطابق اس کی شکلیں بدل ڈالیں، اور اس قدیس کی طرف اس کی نسبت باقی رکھنے میں شرم نہیں کی، تو ایسے لوگوں کی ذمہ داری پر ہم کو کیونکر بھروسہ ہو سکتا ہے، کہ انھوں نے دوسرے آبار کے اقوال میں اپنی خواہشات کے مطابق ان کے عنوانات کو ان کے ناموں کے ساتھ باقی رکھتے ہوئے تحریف نہیں کی ہوگی؟

خود ہمارا مشاہدہ قریب کے چند سالوں کا یہ ہے کہ شماس غیر ملکی قبلی کیتھولک نے یوحنا فم الذہب کی لکھی ہوئی تفسیر انجیل یوحنا کے ترجمہ کی تصحیح اصل یونانی نسخہ سے بڑی سخت محنت اور کثیر مصارف سے کی، اور روم کے علماء

اس سے مراد راہبوں کا وہ فرقہ ہے جو رہبانیت کے سلسلہ میں باسیلیوس (Basile) کی پیروی کرتا ہے، باسیلیوس ۳۲۹ء، ۳۷۹ء قیصریہ کا مشہور اسقف تھا، جس نے اپنے زمانہ میں رہبانیت (ترک دنیا) کو ایک باقاعدہ نظام بنایا، اور اس کے اصول و قوانین وضع کئے، اگرچہ اس سے قبل پاکم مصری رہبانیت کی ابتدا کر چکا تھا، مگر اس کو ترقی دینے اور باقاعدہ بنانے کا کام سب سے پہلے باسیلیوس ہی نے کیا، اس کی کئی تصانیف بھی ہیں، (المجدد تواریخ کلیسا سے روم) ۱۲

۱۳ شماس Deacon کلیسا کا ایک عمدہ جے خادم اور ڈیکن بھی کہتے ہیں، اس کی تشریح اسی کتاب میں کسی اور جگہ کی گئی ہے،

نے جو یونانی اور عربی دونوں زبانوں کے بڑے ماہر ہیں، دمشق میں اس کا مقابلہ کیا، اور اس کی صحت کی شہادت دی، اور اس سے ایک محقق نسخہ احتضار کیا، لیکن سردار کیسویں نے شویر کی خالقاہ میں اس کے چھاپنے کی اجازت نہیں دی یہاں تک کہ پوری ایکسیوس اسپانیولی اور خوری پوسف جھج مارونی کی امداد سے اس کی کھوکھلی کی، جو دونوں کے دونوں اتالی یونانی زبان سے بالکل ناواقف تھے، ان دونوں نے مذکورہ نسخہ میں اپنی مرضی کے مطابق کمی بیشی کے ذریعہ پاپائی مذہب کے ساتھ مطابقت پیدا کرنے کے لئے تصرف کیا، اور جب پورے طور پر اس کا استیانتا کر ڈالا، تب اس کی صحت اور تصدیق کے لئے اپنی ہر شے ثابت کیں، اور اس صورت سے اس کے چھاپنے کی اجازت دی گئی، پہلی جلد کی اشاعت کے بعد جب اس کا مقابلہ اُس اصل کے ساتھ کیا گیا جو رومیوں کے پاس محفوظ تھی، تب تحریف کا پتہ چلا، اور جو کثرت انھوں نے کی تھی وہ رسوائی عالم ہوئی، جس کے نتیجہ میں شناس غریب اس مذہب کی حرکت کے صدمہ کی تاب نہ لا کر مر گیا۔

پھر کہتا ہے کہ :-

”ہم ان کے سامنے ایک ایسی کتاب سے جو عربی عبارت والی ہے، اور جو ان کے یہاں عام طور سے مطبوعہ ملتی ہے، اُن کے سرداروں کی متفقہ شہادت بطور دلیل

لے شویر، لبستان کا ایک شہر ہے، جس سے کچھ فاصلہ پر عیسا طروت مائل اور خالقاہ تھی، اسی کی طرف نسبت کر کے راہب عورتوں کو ”شویریات“ بھی کہا جاتا ہے، اور رہبانیت کا جو مخصوص طریقہ یہاں رائج تھا اسے شویریہ کہتے ہیں (المجد)

پیش کرتے ہیں، وہ لبستانی جلسہ کی رپورٹ ہے، جو اپنے پورے احبار کے ساتھ
 رومی گرجے سے طائفہ مارونیتہ کے تمام پادریوں اور ان کے بطریق اور علماء کی
 جانب سے رومی کمیٹی کے سربراہ مونسیمور سمعان کی نگرانی میں پاس ہوئی، اور
 شویہ کی خانقاہ میں کیتھولک سرداروں کی اجازت سے چھاپی گئی، یہ کمیٹی خدمۃ القیام
 پر گفتگو کرتے ہوئے کہتی ہے کہ ہمارے گرجوں میں نوافیری یعنی لیتورجیات پرانے
 موجود ہیں، اگرچہ وہ غلطیوں سے پاک ہیں، لیکن وہ ایسے قدیس لوگوں کی طرف
 منسوب ہیں جنہوں نے نہ ان کو تصنیف کیا ہے، نہ یہ کتابیں ان کی ہو سکتی ہیں
 ان میں کچھ ایسی ہیں جو اسقفوں کے نام سے ہیں، جن کو کاتبوں نے اپنی فاسد
 اغراض کی وجہ سے داخل کر دیا ہے، آپ کے لئے خود اپنے خلاف ان کا یہ قرار
 کافی ہے کہ ہمارے گرجے میں گھڑت کتابوں سے بھرے پڑے ہیں۔“
 پھر کہتا ہے کہ:-

”ہم کو خوب معلوم ہے کہ ہماری روشن خیال نسل اپنی مرضی کے مطابق تحریف
 کرنے کی جرات کرنے سے قاصر ہے، اس لئے کہ وہ جانتی ہے کہ انجیل کے
 محاذوں کی نگاہیں انہیں دیکھ رہی ہیں، لیکن تاریک عہدوں میں پانچویں صدی
 سے لے کر ساتویں صدی تک جب کہ پایا اور اسقفوں کا مطلب ایک بربری

۱۔ عیسائیوں کا یہ طاقتور مارون کی طرف منسوب ہے، جو پانچویں صدی کے مشہور راہبوں میں سے
 ہے، اس کی خانقاہ اس کے بعد زیارت گاہ بن گئی، اس کی طرف نسبت رکھنے والے عیسائی پاپائی مذہب کے زیادہ
 مخالفت نہیں رکھتے، صرف یہ منجند تو ایسے ہیں کہ انہیں مارونی

Maronites

کہا جاتا ہے

(برٹانیکا، المنجد)

۲۔ نوافیری لیتورجیات | روم میں یاد دینی خدمات ہیں، یہ لادہ کتابیں مراد لگتی ہیں جنہیں مقدس مذکور ہیں ۱۲

حکومت تھی، جن میں اکثر لکھنا پڑھنا بھی نہیں جانتے تھے، اور بچاے مشرقی
عیسائی مختلف اقوام کی غلامی میں پڑ جانے کی وجہ سے اپنی جانوں کی حفاظت
کی فکر میں گرفتار اور بڑی تنگی میں تھے، اس وقت کے بارے میں ہم کو تحقیق سے
معلوم نہیں، کیا کچھ گزرا ہوگا، لیکن جب ہم اس عہد کی تواریخ پر نظر ڈالتے ہیں
تو ہماری نگاہوں کے سامنے وہ نظائے آتے ہیں جو ہم کو اس سچی گرجے کی حالت
پر آٹھ آٹھ آنسو رونے پر مجبور کرتے ہیں، جو اس زمانہ میں سکریاؤں تک
ستیا ناس ہو چکا تھا۔

ناظرین ان تینوں عبارتوں کو ملاحظہ فرمائیں اور بتائیں کہ کیا اب بھی ہمارے
سابقہ بیان میں کسی شک کی گنجائش ہے؟

نیقیہ کونسل کے قوانین میں تحریف۔

نیقادسی کونسل کے منظور کردہ قوانین کی تعداد صرف بیس تھی، جن میں تحریف
کر کے اور قوانین کا اضافہ کیا گیا، مشرق کی تھوٹک اس کے قانون نمبر ۳ و ۴ سے
پوپ کی سربراہی پر استدلال کرتا ہے یہ کتاب الثلاث عشرہ رسالہ کے نمبر مطبوعہ
۱۸۴۹ء ص ۶۸ و ۶۹ میں لکھا ہے کہ:-

۱۔ یہ شہر نیقیہ یا نائس Nicaea کی طرف منسوب ہو، ۳۲۵ء میں ایک اسکندری کاہن
آریوس Arius نے یہ عقیدہ نشر کرنا شروع کیا تھا کہ حضرت مسیح اپنے خود ہر کے اعتباراً
سے اللہ تعالیٰ کے مساوی نہیں ہیں، اس کے عقائد توحید کی طرف مائل تھے، اس لئے شاہ قسطنطین نے
عیسائی علماء کی ایک عالمگیر کونسل نیقیہ میں بلائی، جس میں با اتفاق رائے پورے جوہش و خروش کے ساتھ
آریوس کے نظریات کی تردید کی گئی، یہ کونسل عیسائیت کی تاریخ میں بجد اہمیت رکھتی ہے۔

مذکورہ کمیٹی کے صرف میں قوانین ہیں، جس کی شہادت شاؤد ورتیس کی تاریخ
 اور جیلا سیوس وغیرہ کی کتابیں بھی دیتی ہیں، اور مسکوئی گونسل نمبر ۴ بھی شہاد
 دیتی ہے کہ نیقادوی کمیٹی کے صرف ۲۰ قوانین ہیں»

اسی طرح اور دوسری کتابیں گھڑی گتیں، جنگو پاپاؤں کی جانب مثلاً کالیتوس، ہیرسٹوس
 نکلیتوس واسکندر و مرسیلیوس کی جانب منسوب کیا گیا، کتاب مذکور کے صفحہ ۸۰ میں
 لکھا ہے کہ:-

پوپ لائیو اور تمھارے رومی گرجے کے اکثر علماء کا اعتراف ہے کہ ان پاپاؤں کی
 کتابیں جھوٹی اور بے اصل ہیں»

مخالطہ نمبر ۲ کا جواب

انجیل مرقس پطرس کے بعد لکھی گئی:-

یہ بھی سراسر دھوکہ دہی اور خالص فریب کاری ہے، سنئے! ارنیوس کہتا ہے کہ:-
 پطرس کے مرید اور مترجم جناب مرقس نے پطرس و پوس کے مرنے کے بعد پطرس

۱۔ مسکوئی گونسل" تاریخ عیسائیت کے اصطلاح میں اس مذہبی کانفرنس کو کہتے ہیں جو عالمگیر پیامنے
 پر ہوتی ہو، اور دنیا کے ہر حصہ سے اس میں نمائندے شریک ہوتے ہوں، ایسی گونسلیں کل پندرہ
 ہوتی ہیں، یہاں چوتھی گونسل سے مراد وہ گونسل ہے جو ۴۵۱ء میں خلقیدونیہ Chalcedoine
 میں منعقد ہوئی، اور اس میں مرقس مرقس کے خلاف شریعت قرار دیا گیا (تواریخ والنجد)
 ۲۔ یعنی یہ کہ مرقس نے اپنی انجیل پطرس کی مدد سے لکھی ہو، اور لوقا نے پوس کی اعانت سے، اور
 چونکہ یہ دونوں صاحب الہام تھے اس لئے یہ دونوں انجیلیں بھی الہامی ہوتیں ۱۲

کے نصاب کو قلمبند کیا ہے۔

اور لارڈز نے اپنی تفسیر میں کہتا ہے کہ ۱۔

”میرا خیال ہے کہ مرقس نے اپنی انجیل ۶۳ء و ۶۴ء سے پہلے نہیں لکھی، کیونکہ پطرس کے روم میں اس سے قبل قیام کرنے کی کوئی معقول وجہ ہم کو نظر نہیں آتی، اور یہ تاریخ قدیم مصنف آرمینیوس کے بیان کے بالکل مطابق ہے، جو کہتا ہے کہ مرقس نے پطرس و پولس کے مرنے کے بعد انجیل لکھی ہے، باسیلیخ آرمینیوس کی تائید کرتے ہوئے کہتا ہے کہ مرقس نے اپنی انجیل پطرس اور پولس کی وفات کے بعد ۶۶ء میں لکھی ہے۔“

باسیلیخ اور آرمینیوس کے کلام سے یہ بات صاف ہو گئی کہ مرقس نے اپنی انجیل پطرس و پولس کی وفات کے بعد لکھی ہے، اور پطرس نے مرقس کی انجیل کو یقینی طور پر نہیں دیکھا، اور جو روایت پطرس کے دیکھنے کی پیش کی جاتی ہے وہ بالکل ضعیف اور قابل اعتبار نہیں ہے، اسی لئے مرشد الطالبین کے مصنف نے باوجود اپنے تعصب کے نسخہ مطبوعہ ۱۸۴۷ء کے صفحہ ۷۰ پر لکھا ہے کہ :-

”اس کا زعم ہے کہ انجیل مرقس پطرس کے زیر نگرانی لکھی گئی ہے۔“

غور کیجئے، غلط زعم صاف اس پر دلالت کر رہا ہے کہ یہ دعویٰ باطل ہے جس کی کوئی اصل نہیں ہے،

۱۔ جی، ای، مینلی لکھتا ہے: ”مرقس کی انجیل کے مارکینی دیباچہ میں جو سنہ ۶۳ء میں لکھا گیا تھا، ایک اطلاع دی گئی ہے کہ مرقس نے پطرس کی وفات کے بعد انجیل لکھی تھی اور یہ خیال صحیح اور درست معلوم ہوتا ہے،“ (راوی کتب مقدسہ، ص ۳۳۹)

پولس نے انجیل لوقا کو نہیں دیکھا۔

اسی طرح پولس نے بھی لوقا کی انجیل کو نہیں دیکھا، درودجہ سے :-
 ۱، اول تو اس لئے کہ آجکل علماء و مترجمین پر دسترس کا راجح قول یہ ہے کہ
 لوقا نے اپنی انجیل مسلمانوں میں لکھی تھی، اور اس کی تالیف انجیل میں ہوئی،
 دوسری جانب یہ محقق ہیں کہ مقدس پولس نے مسلمانوں میں قید سے رہائی پائی تھی
 پھر کسی صحیح روایت سے مرتے دم تک اُس کے حال کا پتہ نہیں چلتا، لیکن غالب
 یہی ہے کہ رہائی کے بعد وہ اسپانیہ اور مغرب کی طرف چلا گیا تھا، نہ کہ مشرق
 گرچوں کی طرف، اور انجیل مشرقی شہروں میں سے ہے، اور غالب گمان یہ ہے کہ
 لوقا نے اپنی انجیل سے فارغ ہونے کے بعد اس کو تھیفسس کے پاس بھیج دیا تھا، جو درحقیقت
 انجیل کی تالیف کا باعث تھا۔

مرشد الطالبعین کا مصنف نسخہ مطبوعہ ۱۸۸۷ء جلد ۲، فصل ۲، صفحہ ۱۶۱ میں لوقا
 کے حال میں یوں لکھتا ہے کہ :-

”چونکہ لوقا نے پولس کی ... رہائی کے بعد اس کا کوئی حال نہیں لکھا، اس لئے
 کسی صحیح روایت کی بنا پر رہائی سے موت تک اس کے سفر وغیرہ کا حال کچھ
 معلوم نہیں ہوتا۔“

لارڈ ورنر اپنی تفسیر مطبوعہ ۱۸۷۸ء جلد ۵ صفحہ ۳۵۰ میں کہتا ہے کہ :-
 ”ہم چاہتے ہیں کہ اب جاری کا حال اس وقت سے (یعنی رہائی کے وقت سے)

لوقا نے اپنی انجیل کی ابتداء میں تصریح کی ہو کہ یہ کتاب تھیفسس کے لئے لکھی جا رہی ہے ۱۲
 ۱۵ یعنی کتاب اعمال میں،

موت تک، مگر لوہا کے بیان سے کچھ بھی مدد نہیں ملتی، عہد جدید کی دوسری کتابوں سے البتہ کچھ تھوڑی مدد ملتی ہے، متقدمین کے کلام سے کچھ زیادہ مدد نہیں ملتی، اور اس معاملہ میں اختلاف پایا جاتا ہو کہ وہ رہائی کے بعد کہاں گیا۔

ان دونوں مفسروں کے کلام سے ثابت ہو جاتا ہے کہ ان کے مقدس کا کوئی حال رہائی سے موت تک کسی صحیح روایت سے ہرگز معلوم نہیں ہوتا، اس لئے بعض متاخرین کا یہ گمان کہ آزادی کے بعد وہ مشرقی گرجوں کی طرف چلا گیا تھا قطعی حجت اور سند نہیں ہو سکتا، روایوں کے نام خط کے باب ۱۵ آیت ۱۳ میں ہے کہ:-

”مگر یہ ہم چاہتے ہیں کہ ان ہوں میں جنہوں میں ہیں ایسی رہی اور بہت برسوں کے بعد اس ایک مشتاق بھی ہوں اس لئے جب اسفانیہ کو جلاؤ گے تو تمہارا پاس ہوا جلاؤ گے، کیونکہ مجھ کو امید ہے کہ اس سفر میں تم سے ملے گا۔“

دیکھئے ان کا مقدس صاف کہہ رہا ہے کہ اس کا ارادہ اسپانیہ جانے کا ہے، اور کسی بھی صحیح اور قوی دلیل روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ رہائی سے قبل اُدھر گیا ہے، اس لئے غالب یہی ہے کہ وہ رہائی کے بعد اُدھر گیا ہو گا، کیونکہ اس کے ارادہ کے نسخ کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی، کتاب الاعمال باب ۲۰ آیت ۲۵ میں یوں ہے کہ:-

”اب دیکھو میں جانتا ہوں کہ تم سب بگڑے ہو، میں نے بادشاہی کی منادی کرتا پھرا، میرا منہ بچر نہ دیکھو گے۔“

یہ قول بھی اس امر پر دلالت کر رہا ہے کہ اس کا ارادہ مشرقی گرجوں کی جانب جانے کا نہ تھا، کلینس رومی اس وقت اپنے رسالہ میں لکھتا ہے کہ:-

”پولس ساکرمانس کو سچائی کا سبق پڑھانے کیلئے انتہائی ملک مغرب میں چلا گیا اور پاک جگر روانہ ہو گیا۔“

یہ قول بھی اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ وہ مغرب کی جانب گیا تھا نہ کہ مشرقی گرجوں کی جانب،

۱۲ لارڈز نے پہلے تواریخوں کا قول یوں نقل کیا ہے:

”پولس کے مقتدی لوقا نے ایک کتاب میں وہ بشارت لکھی ہے جس کا وعظ

پولس نے کہا تھا“

پھر کہتا ہے کہ :-

رہنما معلوم ہوتا ہے کہ یہ امر یعنی لوقا کا انجیل لکھنا، مرقس کے اپنی انجیل لکھنے کے بعد واقع ہوا

اور پولس و پطرس کی وفات کے بعد“

اب اس قول کی بناء پر پولس کا لوقا کی انجیل کو دیکھنا قطعی ممکن نہیں ہے،

اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ پولس نے لوقا کی انجیل کو دیکھا بھی تھا، تب

اس کا قول

الہامی نہیں ہے، پھر کسی غیر الہامی شخص کا قول پولس کے دیکھنے سے الہامی کیونکر
ہو سکتا ہے؟

۴۴

—————

جلد اول تمام شد

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

ہدایت قرآن

مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی کی شہرہ آفاق تالیف

”اظہار الحق“

کا اردو ترجمہ اور شرح و تحقیق

جلد اول

شرح و تحقیق

محمد تقی عثمانی
استاذ دارالعلوم کراچی

تقریباً
دارالعلوم کراچی

تقریباً

بخصوص

دارالعلوم کراچی